میراث و وصیت

سے متعلق بعض مسائل

www.KitaboSunnat.com

IFA PUBLICATIONS

ایفا پبلیکیشنز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے

درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

میراث و وصیت سے متعلق بعض مسائل

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے ۲۳ویں سمینار مؤرخہ ۱ تا ۳؍ مارچ ۲۰۱۴ء منعقدہ جامعہ علوم القرآن، جمبوسر (گجرات) میں پیش کیے جانے والے علمی و تحقیقی مقالات، مباحثات اور مناقشات کا مجموعہ]

www.KitaboSunnat.com

ایفا پبلیکیشنز - نئی دھلی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل
صفحات	:	۵۳۸
قیمت	:	۴۷۰
سن طباعت	:	فروری ۲۰۱۵ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر:۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
ای میل:ifapublication@gmail.com
فون:011 - 26981327

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدرالحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۹

پہلا باب: تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ		۱۳
سوالنامہ		۱۵
تلخیص مقالات	مفتی احمد نادر القاسمی	۱۸
عرض مسئلہ	مفتی راشد حسین ندوی	۵۰
	مولانا نور الحق رحمانی	٦۰

دوسرا باب: تفصیلی مقالات

مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان وراثت کا مسئلہ-ایک تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر حسن الظفری	۷۵
اختلاف دین اور مسلمان کا کافر کے وارث بننے کے مسئلہ میں اس کے اثرات	پروفیسر احمد صوبحی شلبیک	۸۸
زندگی میں تقسیم میراث اور وصیت	مفتی شبیر احمد قاسمی	۱۴۲
میراث ووصیت سے متعلق چند اہم مسائل	ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی	۱٦۳
میراث اور وصیت کے چند مسائل-شرعی نقطہ نظر سے	مفتی راشد حسین ندوی	۱۷۴
میراث ووصیت-خصوصی حالات کے تناظر میں	مولانا نور الحق رحمانی	۱۸۴
میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل	مولانا خورشید احمد اعظمی	۱۹۸
میراث ووصیت سے متعلق چند اہم مسائل واحکام	مولانا عبد الرشید کانپوری	۲۰۷
میراث ووصیت سے متعلق چند احکام	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۲۱۷
میراث اور وصیت سے متعلق بعض احکام	مولانا ارشد علی رحمانی	۲۲۷
میراث ووصیت سے متعلق چند اہم مسائل	مفتی انصار احمد ندوی	۲۳٦
میراث اور وصیت کے احکام	مولانا محمد اقبال ٹنکاروی	۲۴۸
میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل	مولانا الیاس قاسمی	۲۵۷
اسلام کا مستحکم عادلانہ نظام وراثت	مفتی محمد عثمان بستوی	۲٦٦

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل	مولانا عمر بن یوسف کوکنی	۲۷۵

تیسرا باب: مختصر تحریریں

میراث ووصیت کے بعض احکام	مولانا زبیر احمد قاسمی	۲۸۹
مسلم اقلیتی ممالک میں میراث ووصیت سے متعلق چند مسائل	ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی	۲۹۳
میراث ووصیت سے متعلق مسائل واحکام	مولانا قاضی عبد الجلیل قاسمی	۲۹۷
میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۳۰۱
میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل	مفتی جمیل احمد نذیری	۳۰۸
میراث ووصیت سے متعلق مسائل واحکام- غیر اسلامی ممالک کے تناظر میں	مولانا محمد سلمان منصور پوری	۳۱۰
میراث ووصیت سے متعلق مسائل واحکام	مولانا خورشید انور اعظمی	۳۱۴
وارثین کے لئے وصیت سے متعلق چند مسائل	مفتی انور علی اعظمی	۳۲۲
میراث ووصیت سے متعلق چند مسائل	مولانا بدر احمد مجیبی ندوی	۳۲۸
میراث ووصیت سے متعلق چند مسائل- غیر مسلم ممالک کے تناظر میں	مفتی عبد القیوم پالنپوری	۳۳۲
میراث ووصیت کے چند اہم مسائل واحکام	مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی	۳۳۶
میراث ووصیت سے متعلق بعض احکام	مولانا محمد ظفر عالم ندوی	۳۴۳
وصیت ومیراث کے بعض مسائل	مفتی عبد الرحیم قاسمی	۳۴۹
وصیت سے متعلق بعض مسائل اور ان کا شرعی حل	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۳۵۳
میراث اور وصیت غیر اسلامی ملکوں کے تناظر میں	مولانا رحمت اللہ ندوی	۳۵۷
وارث کے لئے وصیت اور کافر کا مسلم وارث	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۳۶۴
میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل	مفتی سلمان پالنپوری قاسمی	۳۷۰
میراث ووصیت سے متعلق مسائل	مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی	۳۷۷
میراث اور وصیت سے متعلق بعض پیش آمدہ مسائل	مفتی اعجاز الحسن باندے القاسمی	۳۸۱
میراث اور وصیت سے متعلق چند احکام	مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی	۳۸۶
میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل کا حل عقل ونقل کی روشنی میں	مفتی محمد ابوبکر قاسمی	۳۹۴
میراث ووصیت سے متعلق چند احکام	حافظ کلیم اللہ عمری مدنی	۳۹۹
وارثین کے درمیان مورث کی زندگی میں جائداد کی تقسیم	مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی	۴۰۲
وراثت ووصیت سے متعلق چند اہم پہلو	مولانا عبد العظیم ندوی	۴۰۷
میراث ووصیت سے متعلق چند احکام	مفتی عبد اللہ کاوی والا	۴۱۳
میراث ووصیت سے متعلق احکام ومسائل	مولانا عبد الحکیم پالنپوری	۴۱۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصیت ومیراث سے متعلق چند اہم مسائل	مولانا عبدالجبار طیب ندوی	۴۲۰
میراث ووصیت کے بعض مسائل	مولانا عبدالرب-عبدالوہاب وابی سعادتی	۴۲۳
میراث ووصیت سے متعلق چند اہم مسائل	مفتی اکمل یزدانی قاسمی	۴۳۰
غیر مسلم ممالک میں وراثت کی نفاذ کے لئے وصیت لکھنا اور اس کی شرعی حیثیت	مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی	۴۳۴
مسلم وغیر مسلم کے درمیان وراثت کی تقسیم سے متعلق چند مسائل	مولانا محمد صادق مبارکپوری	۴۴۰
وصیت اور میراث کے کچھ اہم مسائل	مولانا عبیداللہ	۴۴۴
میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل	مولانا محمد انیس ندوی	۴۵۱
غیر مسلم ممالک میں میراث ووصیت سے متعلق چند احکام	مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی	۴۵۸
میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل	مولانا محمد جہانگیر حیدر قاسمی	۴۶۳
غیر مسلم ممالک میں میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل	مفتی جنید بن محمد پالنپوری	۴۷۱
میراث اور وصیت فقہی نقطہ نظر سے	مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی	۴۷۷
میراث ووصیت سے متعلق چند احکام	مفتی محمد مقصود علی فرقانی	۴۸۱
وارثین کے لئے وصیت خصوصی تناظر میں	مولانا محمد منصف بدایونی	۴۸۵
میراث ووصیت سے متعلق بعض احکام	مولوی شاہد بن عبدالصمد	۴۹۰
وارثین کے لئے وصیت نامہ شرعی تناظر میں	مولانا محمد اخلاق قاسمی	۴۹۷
میراث ووصیت کے بعض مسائل	مولانا نعیم اختر قاسمی	۵۰۴
میراث ووصیت سے متعلق چند مسائل	مفتی ریاست علی قاسمی	۵۰۸

چوتھا باب: اختتامی امور

مناقشہ ۵۱۵

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

میراث ووصیت اور کچھ نئے مسائل

زندگی کا قافلہ رواں دواں ہے، جس کو مختلف سماجی تغیرات، اخلاقی انحطاط اور نظام معیشت کے نشیب وفراز سے گزرنا پڑتا ہے، جو لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے دین اور اس کی اتاری ہوئی شریعت پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے سامنے نئے نئے مسائل وواقعات آتے ہیں، جن کے بارے میں شریعت کی ہدایات کو جاننا ضروری ہے، بحیثیت مسلمان اللہ تعالی کے اتارے ہوئے قانون پر عمل کرنے میں آخرت کی بھی نجات ہے اور دنیا کی بھی کامیابی ہے، اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا قیام عمل میں آیا، جو عصر حاضر کے جدید مسائل پر اجتماعی غور وفکر کے لئے جنوبی ایشیاء کا سب سے ممتاز ادارہ ہے اور عالم عرب اور عالم اسلام میں اس کی کوششوں کو قدر ووقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

چنانچہ اکیڈمی کا ۲۳واں فقہی سمینار بتاریخ ۲۸-۲۹ ربیع الثانی وکیم جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ، مطابق ۱-۳ مارچ ۲۰۱۴ء کو جامعہ علوم القرآن جمبوسر (گجرات) میں منعقد ہوا، جس میں متعدد اہم مسائل پر غور وفکر کیا گیا، ان میں ایک اہم مسئلہ میراث اور وصیت سے متعلق تھا، میراث ووصیت سے متعلق جن مسائل کو زیر بحث لایا گیا، ان کا تعلق بنیادی طور پر ان غیر مسلم ممالک سے ہے، جہاں میراث ووصیت کے سلسلہ میں شریعت کے مکمل قوانین نافذ نہیں ہیں، اسی لئے ان مسائل پر غور کرتے ہوئے علماء اور ارباب افتاء نے غیر مسلم ممالک کی خصوصی صورت حال کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور ایسا راستہ اختیار کیا گیا ہے کہ حتی المقدور شرعی نقطہ نظر پر عمل کی صورت نکل آئے۔

بحمد اللہ اس موضوع پر بڑے اہم مقالات اور مختصر تحریروں کے ذریعہ وقیع توضیحات علماء کی طرف سے اکیڈمی کو موصول ہوئیں، اس مجموعہ میں ان گرانقدر تحریروں کے علاوہ سوالنامہ اور اکیڈمی کا فیصلہ بھی شامل ہے، شعبہ علمی کے رفیق مولانا محمد سراج الدین قاسمی نے بڑی محنت وتوجہ کے ساتھ اس کی ایڈیٹنگ اور پروف ریڈنگ کا کام کیا ہے، دعا ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ اکیڈمی کے دوسرے مجلات کی طرح اسے بھی قبولیت سے نوازے اور یہ امت کے لئے نفع کا ذریعہ بنے، واللہ ھو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی)

۲؍ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ

۲۳؍جنوری ۲۰۱۵ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلا باب

تمہیدی امور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اکیڈمی کا فیصلہ:

میراث ووصیت سے متعلق مسائل

۱- قانون میراث شریعت کا ایک اہم ترین حصہ ہے اور مسلمانوں کے لئے اسی کے مطابق ترکہ کی تقسیم شرعی فریضہ ہے، لہٰذا اگر کسی ملک میں مسلمانوں کے لئے احکام شریعت کے مطابق نظام میراث نافذ نہ ہو تو وہاں مسلمانوں کو چاہئے کہ حکومت سے نظام میراث کے نفاذ کا مطالبہ کیا جائے، اس کے لئے پُر امن جدوجہد کی جائے اور جب تک ایسا نظام قانونی طور پر نافذ نہ ہو، رضا کارانہ طور پر اسے نافذ کرنے کی سعی کی جائے۔

۲- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، اور وصیت کے بغیر ورثہ کو ان کا شرعی حق نہ مل سکے، وہاں اس طرح کا وصیت نامہ لکھنا واجب ہوگا، جو مورث کی موت کے بعد قانون شریعت کے مطابق ترکہ کی تقسیم کا ذریعہ بن سکے، البتہ مورث وصیت نامہ کو نافذ کرانے کے لئے اپنی زندگی میں کسی کو وکیل (وصی) بنادے تاکہ مورث کی وصیت کے بعد اگر ورثہ میں اضافہ یا کمی ہو جائے تو حکم شریعت کے مطابق حذف واضافہ کا حق اسے حاصل رہے۔

۳- ورثہ کے حصص شرعیہ کا وصیت نامہ لکھنا حدیث: "لاوصیة لوارث" (وارث کے لئے وصیت کا اعتبار نہیں) کے خلاف نہ ہوگا، کیونکہ اس حدیث کا مصداق وہ وصیت ہے جس میں کسی وارث کو ضرر پہنچانا مقصود ہو۔

۴- وارث کے حق میں حق شرعی سے زائد کی وصیت کرنا معتبر نہیں، البتہ اگر دوسرے ورثہ راضی ہوں تو اس کا اعتبار ہوگا اور ورثہ کی یہ رضامندی مورث کی موت کے بعد ہی معتبر مانی جائے گی۔

۵- کوئی مسلمان کسی کافر کا اور کوئی کافر کسی مسلمان کا شرعاً وارث نہیں ہوسکتا۔

۶- ایسے غیر مسلم ممالک جہاں مسلمان سے غیر مسلم قرابت دار کو اور غیر مسلم سے مسلمان قرابت دار کو ملکی قانون کے مطابق موت کے بعد چھوڑے ہوئے مال میں حصہ دلایا جاتا ہو، وہاں مسلمان کے لئے اس حیثیت سے اس کا لینا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائز ہوگا کہ اسے حکومت کی طرف سے یہ مال حاصل ہو رہا ہے۔

۷- ترکہ کی تقسیم میں اختلاف سے بچنے کے لئے اگر مورث اپنی زندگی میں ہی اپنے ترکہ کی حصہ شرعی کے مطابق تقسیم کے لئے تحریر لکھ دے تو جائز ہے، البتہ اگر وارث کی موت سے پہلے ورثہ کی تعداد میں اضافہ یا کمی ہو جائے تو اس نئی صورت حال کے مطابق ہی ترکہ کی تقسیم ہوگی۔

۸- شوہر کے لاولد ہونے کی صورت میں اگر بیوی کے علاوہ کوئی شرعی وارث نہ ہو تو بیوی دو طرح سے ترکہ کی حقدار ہوگی: ایک اپنے حصہ شرعی کے اعتبار سے، دوسرے علم میراث کی اصطلاح کے مطابق " من یرد علیھم " میں داخل ہونے کی وجہ سے۔ لیکن اگر شوہر اپنی بیوہ کا حق محفوظ رکھنے کے لئے کوئی تحریر بھی لکھ دے تو کوئی حرج نہیں۔

۹- غیر وارث کے لئے ایک تہائی تک وصیت کرنے میں ورثہ کی رضامندی کی ضرورت نہیں۔

۱۰- وارث کے لئے وصیت کرنے کی صورت میں یا غیر وارث کے لئے ایک تہائی ترکہ سے زیادہ کی وصیت کی شکل میں مورث کی زندگی میں ورثہ کی اجازت کافی نہیں ہے، مورث کے مرنے کے بعد تمام ورثہ کی رضامندی ضروری ہے۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوالنامہ:

میراث ووصیت سے متعلق مسائل

احکام میراث اسلامی شریعت کا اہم ترین حصہ ہیں، قرآن کریم کی متعدد آیات میں بڑی صراحت، وضاحت اور قطعیت کے ساتھ میراث کے احکام ومسائل اور شرعی وارثین کے حصص بیان کئے گئے ہیں اوران احکام کی اہمیت اور قطعیت کو بیان کرنے کے لئے ''فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ'' (سورۂ نساء:۱۱) کے الفاظ وارد ہیں۔

کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کے متروکہ مال میں میراث شرعی کو جاری کرنا اور حصص شرعیہ کے مطابق وارثین میں اس کی تقسیم خود ورثہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگ اسلامی قانون میراث کے مطابق ''حقوق متقدمه قبل الميراث'' کی ادائیگی کے بعد بقیہ ترکہ باہم تقسیم کرلیں، کوئی شرعی وارث اپنے حق سے محروم نہ رہے اور نہ کسی کو اس کے حصہ شرعی سے کم ترکہ ملے، احکام میراث سے ناواقفیت کی صورت میں وارثین کی ذمہ داری ہے کہ علماء اور مفتیان کرام سے اس کام میں مدد لیں، نیز اگر کوئی وارث یا غیر وارث ترکہ کے تقسیم شرعی میں رکاوٹ بن رہا ہے تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ میت کے متروکہ مال میں تقسیم شرعی جاری کرے۔

مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ایسے ممالک میں آباد ہیں جہاں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے اور مسلمانوں میں عموماً اتنی دین داری نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی نفع وضرر سے بلند ہوکر اتباع شریعت کے جذبہ سے اپنے اوپر بہ خوشی اسلام کے قانون میراث کو جاری کریں اور حصص شرعیہ کے مطابق میراث تقسیم کرلیں، جس وارث کا مالی فائدہ قانون ملکی جاری کرنے میں ہوتا ہے، وہ عموماً شرعی قانون میراث پر عمل کرنے سے گریز کرتا ہے اور نتیجتاً متروکہ مال میں شرعی وراثت جاری نہیں ہو پاتی، بعض اوقات ایسے ممالک میں اسلام کے قانون میراث کے جاری ہونے کا تنہا راستہ یہ بچتا ہے کہ دنیا سے رخصت ہونے والا شخص وفات سے پہلے ایسا وصیت نامہ تیار کر جائے، جس میں اپنے متوقع وارثین کے لئے ان کے حصص شرعیہ کی صراحت کردی جائے اور وضاحت سے لکھ دیا جائے کہ فلاں، فلاں اشخاص کو میری وفات کے بعد میرے متروکہ اموال میں سے اتنا اتنا دے دیا جائے، تقریباً تمام ہی غیر مسلم ممالک میں مرنے والے کی وصیت کو اہمیت اور اولیت دی جاتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اس پر عمل درآمد کیا جاتا ہے؛ لہٰذا اس طرح کی تحریری اور قانونی وصیت کے بعد یہ بات تقریباً یقینی ہوجاتی ہے کہ شرعی وارثین کو ان کا حصہ صحیح طور پر مل جائے گا۔

اس صورتِ حال میں درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں :

۱- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا 'وصیت نامہ' لکھا دینا (تا کہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں) واجب ہے یا جائز یا ممنوع ؟

۲- اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا حدیث: ''لا وصية لوارث '' کے خلاف تو نہیں ہے کہ اس حدیث کے معارض ہونے کی بنا پر وہ غیر معتبر اور غیر شرعی قرار پائے ؟

۳- حدیث نبوی: ''لا وصية لوارث '' کا مورد ومقصد صرف وہ وصیت ہے، جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو، یا وہ وصیت بھی اس ممانعت کے دائرہ میں آتی ہے، جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو؟

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کی مزید کیا شکلیں ہوسکتی ہیں؟ ان کی طرف بھی رہنمائی فرمائیں۔

۵- یہ بات تقریباً فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا اور کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، لیکن اس وقت غیر مسلم ممالک میں ایک صورت یہ درپیش ہے کہ بعض دفعہ مسلمان مورث کی حیثیت میں ہوتے ہیں اور کسی غیر مسلم سے اس کی ایسی قرابت ہوتی ہے کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسے بھی حق میراث حاصل ہوتا، قانون کے ذریعہ اس مسلمان کے مال سے اس کے غیر مسلم رشتہ دار کو متروکہ دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر مورث غیر مسلم ہو اور اس کا مسلمان قرابت دار ہو تو قانون اسے ترکہ میں حق دلاتا ہے، اگر وہ نہ لے تو ترکہ دوسرے غیر مسلم قرابت داروں میں تقسیم ہوجائے گا، تو کیا ایسی صورت میں جب کہ مسلمان کے مال سے غیر مسلم کو ترکہ دلایا جاتا ہو، مسلمان بھی اس قانون سے فائدہ اُٹھاسکتے ہیں؟ وہ اس کے لئے کوشش کرسکتے ہیں یا قبول کرسکتے ہیں؟

اس سلسلہ میں اس بات کو بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ دعوتی نقطۂ نظر سے بھی اس مسئلہ کی بڑی اہمیت ہے، اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہوجائے کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ اپنے صاحب ثروت والد یا والدہ کے ترکہ سے بالکل محروم ہوجائے گا تو مادیت کے غلبہ کی وجہ سے یہ بات اس کے قبولِ اسلام میں رکاوٹ بن سکتی ہے یا بعض دفعہ اسے سخت معاشی تنگی سے گذرنا پڑتا ہے، اگر یہ تنگی اس کے پائے استقامت میں تزلزل پیدا نہ کرے، تب بھی اس کے جیسے بہت سے لوگ جو کسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درجہ میں اسلام کی طرف راغب ہوتے ہیں، اس کی معاشی بدحالی کو دیکھ کر اپنے قدم روک سکتے ہیں، خاص کر ہندوستان میں اس طرح کے واقعات سے وہ لوگ گذرتے رہتے ہیں، جو دعوت دین کے کام کی طرف متوجہ ہیں۔

۶- بعض اوقات اس مقصد کے تحت کہ آئندہ مورث کی اولاد کے درمیان اختلاف نہ ہو، مورث اپنی زندگی ہی میں اولاد کے درمیان حصے مقرر کر دیتا ہے کہ اس کے گزرنے کے بعد اسی تفصیل کے مطابق ترکہ کی تقسیم کر دیا جائے، عام طور پر اس میں حق میراث کا تناسب ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے؛ لیکن اس جہت سے وصیت کی صورت ہوتی ہے کہ وہ زندگی میں ورثہ کو ہبہ نہیں کرتا اور موت کے بعد اس کے منشاء کے مطابق ترکہ کی تقسیم چاہتا ہے، کیا وصیت کی یہ صورت معتبر ہوگی، جب کہ اس میں وارث کو نقصان پہنچانا مقصد نہیں ہے؛ بلکہ ان کے درمیان انصاف قائم رکھنا مقصود ہے؟

۷- اگرچہ وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں ہے؛ لیکن اس سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جس میں دوسرے ورثاء راضی ہوں، تو اس سلسلہ میں دیگر ورثاء کی رضامندی مورث کی موت کے بعد معتبر ہوگی یا مورث کی زندگی میں بھی اس کا اعتبار ہوگا؟ مثلاً اگر ایک شخص نے اپنی کسی ایک اولاد کی خدمت یا اس کی مجبوری کو دیکھتے ہوئے تمام ورثاء کی رضامندی سے اس کے حق میں وصیت نامہ بنا دیا اور اس پر دوسرے ورثاء کے دستخط حاصل کر لئے، ہبہ نامہ نہیں بنایا؛ تاکہ وہ شئے اس کے اختیار سے باہر نہ چلی جائے تو کیا یہ رضامندی کافی ہوگی اور اس کی موت کے بعد یہ وصیت نافذ ہوگی؟

۸- جو لوگ لاولد ہوتے ہیں ان کو فطری طور پر اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ ان کے گزرنے کے بعد ان کی بیوہ کا حق محفوظ رہے اور وہ بے سہارا نہ ہو جائے، ایسی صورت میں اگر وہ اپنی بیوہ کے لئے کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں وصیت کر جائے تو کیا اس کا اعتبار ہوگا؟

۹- اگر کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کر دی؛ جب کہ اس کی زندگی میں دوسرے ورثاء اس پر رضامند ہو گئے تھے تو کیا یہ وصیت معتبر ہوگی؟

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تلخیص مقالات

وصیت نامہ کے ذریعہ ورثاء کے شرعی حصص اور حقوق کا تعین

مفتی احمد نادر القاسمی ☆

عالمی جمہوری تناظر میں جہاں دنیا کی دوسری اقوام کے لئے دنیا کے مختلف ملکوں میں تجارت ومعیشت اور ملازمت کی غرض سے جانے اور پھر وہیں مستقل قیام پذیر ہوجانے کے مواقع میسر ہوئے ہیں، وہیں مسلمانوں کے لئے بھی راہیں کھلی ہیں، اور اسی کے نتیجہ میں آج کی دنیا میں ایک عالم گیر سماج کا تصور ابھر کر سامنے آیا ہے، جہاں مختلف رنگ ونسل کے لوگ یکساں شہری حقوق کے ساتھ ملک کی ترقی کا حصہ بن جاتے ہیں، اور جب چند سال ان ملکوں میں رہنے کے بعد وہاں کی شہریت مل جاتی ہے تو ملک کے قوانین کے مطابق زندگی گذارنے اور وہاں کے جملہ قوانین کو تسلیم کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے، اور یہ ایک فطری امر ہے کہ ہر جگہ اور ہر ملک کا انسان اپنے ملک کے شہری اور وطنی ضوابط کو اختیار کرنے اور ان کا پابند رہنے کا سب سے طالب ہوتا ہے۔

مسلمان انسانی سماج کی ایک ایسی اکائی ہے جو اپنی زندگی میں ملکی قوانین کی رعایت کے ساتھ ساتھ احکام الٰہی کا بھی پابند ہے، اسی لئے آزادانہ تصور حیات کے بالمقابل کبھی کبھی اس کو اپنے معاملات طے کرنے اور شرعی حدود میں زندگی گذارنے میں بعض الجھنوں کا سامنا ہوتا ہے۔ کبھی جھنڈے کو سلامی، تو کبھی الیکشن میں شرکت وحمایت، تو کبھی مذہبی رسومات میں شرکت وغیرہ، اس طرح کی چیزیں جائز وناجائز کے سوالات کے ساتھ درپیش رہتی ہیں، اسی نوعیت کا ایک مسئلہ مختلف مغربی ملکوں میں اقلیت میں آباد مسلمانوں کے لئے وراثت کی شرعی تقسیم، اور دیگر غیر مسلم رشتہ داروں کو مسلمانوں کا وارث قرار دیئے جانے کا بھی ہے، اقلیات کی شکل میں آباد مسلمانوں کی وراثت سے متعلق اسی طرح کی بعض ملکی اور قانونی دشواریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے ۲۳ ویں سمینار کا ایک موضوع ''میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل'' بھی رکھا ہے۔

☆ رفیق شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس موضوع سے متعلق مقالات کی تلخیص تیار کرتے وقت تادم تحریر ۶۴ مقالات اکیڈمی کے دفتر کو موصول ہوئے تھے، ان کی تلخیص، مقالہ نگاران کی آراء اور دلائل آئندہ صفحات میں قلم بند کئے جارہے ہیں:

سوال نمبر ۱- جن ممالک میں اسلام کا نظام قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھا دینا (تاکہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں) واجب ہے، جائز ہے یا ممنوع؟

اس کے جواب میں تین موقف سامنے آئے ہیں:

پہلا موقف:

مندرجہ ذیل حضرات مقالہ نگاران نے سوال میں مذکور جیسی صورت حال میں وصیت کے ذریعہ میراث کی تقسیم کو جائز اور مستحب قرار دیا ہے، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مولانا عبد العظیم ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد انیس ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا عمر بن یوسف، مولانا ظفر عالم ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی عبد القیوم پالنپوری، مولانا سید قمر الدین بڑودہ، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا احسن عبد الحق ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا محمد ارشد علی رحمانی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا منصف بدایونی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی اسجد قاسمی ندوی، محمد جہانگیر حیدر قاسمی، مفتی سلمان منصور پوری، مولانا محمد ارشاد اللہ قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا محمد فیاض عالم قاسمی۔

جواز اور استحباب کا (پہلا) موقف اختیار کرنے والے مذکورہ حضرات نے بنیادی طور پر اس بات کو پیش نظر رکھا ہے کہ چونکہ اس وصیت کا مقصد وصیت نہیں ہے، بلکہ تقسیم میراث و حصص شرعیہ کو مستحقین تک پہنچانے کی ایک قانونی تدبیر ہے، جسے وصیت کا نام دیا جارہا ہے اور شریعت کا منشاء بھی چونکہ اہل حق کو حق دلانا ہے، اور اس وصیت نامہ کا مقصد بھی وہی ہے، اس لئے مصلحت اور عدم مخالفت نصوص شرعیہ کی وجہ سے اس کو جائز قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب کے الفاظ میں: اس کو حصص شرعیہ کی تعیین و تحدید اور شرعی طریقہ پر میراث تقسیم کرنے کی تجویز و تصویر کہہ سکتے ہیں (دیکھئے مقالہ موصوف) اور یہی بات اس کا مقصد بیان کرتے ہوئے قاضی شیخ عبد اللہ ابوزی نے کہی ہے: "تأسيا على ما بيناه من أن الوصية التي نتحدث عنها هي ليست الوصية الشرعية التي نص أهل العلم على أحكامها وضوابطها، وإنما هي تصرف أو إجراء قانوني مشروع يراد منه إيصال الحقوق الإرثية إلى أصحابها" (موصوف کا غیر مطبوعہ عربی مقالہ)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلائل:

مورث کی طرف سے ورثہ کے لئے وصیت نامہ تحریر کرنے کے جواز واستحباب پر تائید میں مندرجہ ذیل دلائل و شواہد نقل کئے گئے ہیں:

☆"کتب علیکم إذا حضر أحدکم الموت إن ترک خیرا الوصیة للوالدین والأقربین بالمعروف حقا علی المتقین"(سورۂ بقرہ:۱۸۰)(دیکھئے مقالہ مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

☆"إن اللہ یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أھلھا وإذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل إن اللہ نعما یعظکم بہ إن اللہ کان سمیعا بصیرا"(سورۂ نساء:۵۸)۔

امام بخاریؒ کا قول:"فلم یخص وارثا ولا غیرہ" (بخاری ۱/ ۳۸۴، باب قول اللہ تعالی عزوجل "من بعد وصیة یوصی بھا أو دین")(دیکھئے مقالہ:مفتی اعجاز الحسن بانڈے کشمیر)۔

☆"لا ضرر ولاضرار" (ابن ماجہ حدیث نمبر:۲۳۴۰، ۲۳۴۱)۔

☆"إنما الأعمال بالنیات"(بخاری)۔

☆"عبد الرزاق عن سفیان قال: إذا أوصی المیت لوارث فطیب ذلک الورثة فی حیاتہ، فھم بالخیار إذا مات إن شاء رجعوا، لأنھم أجازوا لمالم یقع لھم ولم یملکوہ إنما ملکوہ بعد الموت، فإذا أجازوا بعد موتہ، فھو جائز ولیس لھم أن یردوہ قبض أولم یقبض"(مصنف عبد الرزاق ۹/ ۸۷، تنقیح الفتاوی الحامدیہ ۲/ ۳۱۵، الاشباہ والنظائر، احکام القرآن للجصاص ۲/ ۱۲۴، المغنی لابن قدامہ ۸/ ۴۱۹، الشرح الکبیر علی المغنی ۸/ ۲۳۳)(دیکھئے مقالہ: مولانا ارشد علی رحمانی)۔

"عن سعید ابن أبی وقاص قال: جاء النبی ﷺ یعودنی وأنا بمکة فھو یکرہ أن یموت بالأرض التی ھاجرمنھا، فقال: یرحم اللہ ابن عفراء، قلت: یا رسول اللہ! أوصی بمال مکة قال: لا، قلت: الشطر؟ قال: لا، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث، والثلث کثیر، إنک أن تدع ورثتک أغنیاء خیر من أن تدعھم عالة یتکففون الناس فی أیدیھم وإنک مھما انفقت من نفقة، فإنھا صدقة حتی اللقمة التی ترفعھا إلی فئ امرأتک، وعسی اللہ أن یرفعک، فینتفع بک ناس ویضربک آخرون، ولم یکن لہ إلا ابنة" (بخاری ۱/ ۳۸۳، کتاب الوصایا، مجمع الزوائد ۴/ ۲۷۷)(ماخوذ از مقالہ: مولانا جہانگیر حیدر قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

☆"أن سليمان بن الأعمش رحمه الله تعالى كان مريضا فعاده أبو حنيفة رضي الله عنه فوجده يوصي لإبنيه"(بدائع الصنائع ۶/ ۳۳۴)(دیکھئے: مقالہ مولانا محمد انیس ندوی)۔

☆"الضرر يزال"(الاشباہ والنظائر قاعدہ خامسہ)(دیکھئے مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

☆"والمراد بعدم صحة الوصية عدم اللزوم، لأن الأكثر على أنها موقوفة على إجازة الورثة"(فتح الباری ۵/ ۳۸۶)(دیکھئے مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

☆"الأمور بمقاصدها"(الاشباہ والنظائر)۔

مسئلہ استخلاف پر قیاس:"ويجوز أن يعهد إلى من ينتسب إليه بأبوة أوبنوة إذا كان المعهود له على صفات الأئمة، لأن الإمامة لا تنعقد للمعهود إليه بنفس العهد، وإنما تنعقد بعهد المسلمين والتهمة تنتفي عنده"(الاحکام السلطانیہ/ ۹، ابویعلی حنبلی فراء)لہذا مصلحۃً مورث اگر خود ہی وراثت کی تعیین کردے تو جائز و درست ہے(دیکھئے: مقالہ مذکور)۔

☆"والوصية لكل وارث بقدر حصته مشاعا كنصف وثلث لغو، لأنه يستحقه بغير وصية، ويظهر أنه لا يأثم بذلك، لأنه موكد للمعنى الشرعي بخلاف تعاطي العقد الفاسد"(دیکھئے مقالہ: مولانا عمر بن یوسف کوکنی بحوالہ ابن حجر مکی)۔

☆"واختلف الناس في الوصية المذكورة في هذه الآية هل كانت واجبة أم لا؟ فقال قائلون: إنها لم تكن واجبة، وإنما كانت ندبا وارشادا، وقال آخرون:قد كانت فرضا، ثم نسخت على الاختلاف منهم في المنسوخ منها، واحتج من قال: إنها لم تكن واجبة بأن في سياق الأية وفحواهادلالة على نفي وجوبها و هو قوله: الوصية للوالدين والأقربين بالمعروف، فلما قيل فيها: بالمعروف، و إنها على المتقين دل على أنها غير واجبة"(احکام القرآن للجصاص ۲/ ۲۰۰)(ماخوذ از مقالہ مولانا ظفر عالم ندوی)۔

☆"وفسره بالزيادة على الثلث وبالوصية للوارث قال:إلا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار، لأن الامتناع لحقهم وهم أسقطوه ولا معتبر إجازتهم في حال حياته؛ لأنها قبل ثبوت الحق إذا الحق ثبت عند الموت، فكان أن يردوه بعد وفاته بخلاف مابعد الموت، لأنه بعد ثبوت الحق، فليس لهم أن يرجعوا عنه"(ہدایہ مع الفتح ۱۰/ ۴۱۷)(ماخوذ از مقالہ: مولانا ارشد علی رحمانی)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

☆"ولو أوصى لبعض ورثته فأجاز الباقون جازت الوصية، لأن امتناع الجواز كان لحقهم لما يلحقهم من الأذى والوحشة بإيثار البعض ولا يوجد ذلك عند الإجازة، وفي بعض الروايات عنه عليه السلام أنه قال: لا وصية لوارث؛ إلا أن يجيزها الورثة" (بدائع الصنائع ۶/ ۳۳۴)۔

☆"والمراد بعدم صحة وصية الوارث عدم اللزوم، لأن الأكثر على أنها موقوفة على إجازة الورثة كما سيأتي بيانه، وروى الدارقطني من طريق ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس مرفوعا: لا تجوز وصية لوارث إلا أن يشاء الورثة—كما سياتي بيانه ورجاله ثقات—واحتجوا من جهة المعنى بأن المنع كان في الأصل لحق الورثة، فإذا أجازوه لم يمتنع"(فتح الباری ۵/ ۳۶۹-۳۶۸)(ماخوذ از مقالہ: مولانا زبیر احمد قاسمی)۔

☆"ولا تجوز الوصية للوارث عندنا؛ إلا أن يجيزها الورثة، ولو أوصى لوارثه أو لأجنبي صح في حصة الأجنبي، ويتوقف في حصة الوارث على إجازة الورثة، إن أجازوا جاز، وإن لم يجيزولبطل، ولا تعتبر إجازتهم في حياة الموصي حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك"(فتاوی ہندیہ ۴/ ۲۲۳)(ماخوذ از مقالہ مفتی محمد مقصود فرقانی)۔

☆"يرى جمهور الفقهاء: أن هذا التقسيم لا يلزم الورثة، فلهم أن يقبلوه أو يرفضوه، لأن القيمة المالية لأعيان التركة قد تكون متساوية، لكن المصلحة فيها متغايرة، فكما لايجوز إبطال حق الوارث في قدر حقه، لا يجوز إبطاله في عين هذا الحق أيضا، ويرى بعض فقهاء الشافعية والحنابلة: وإن كان الأصح في المذهب هو الرأي السابق أن هذا التقسيم من المورث جائز، ويلزم به الورثة مادامت القسمة عادلة، فخصص لكل وارث مايساوي قيمة نصيبه، وبقدر حصته، ولا يفتقر التقسيم إلى إجازة الورثة، لأن حق كل وارث إنما هو في القيمة، لافي عين معينة من أعيان التركة، بدليل أن المورث لو باع في مرض موته التركة كلها بثمن المثل صح بيعه ونفذ"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۹۶)(از مقالہ مولانا عبدالعظیم ندوی)۔

☆"جب مرنے والے کوڈر اور خوف ہو کہ اس کی اولاد اس کے مرنے کے بعد ترکہ شرعی طریقہ پر تقسیم نہیں کرے گی تو مرنے والے پر ضروری ہے کہ تمام ورثاء کے لئے شرعی حصص کے مطابق وصیت کرے اور اس پر گواہ بنائے اور وصیت نامہ کو رجسٹرڈ کرادے، تاکہ اس کے مرنے کے بعد کوئی مستحق کا حق دبانا چاہے تو نہ دبا سکے اور فتنہ وفساد کا دروازہ بند

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو جائے'' (الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر ۱/۲۴۱ شارح مفتی سعید احمد پالنپوری) (ماخوذ از مقالہ مفتی عبد القیوم پالنپوری)۔

☆''إن كان عليه حج أو زكوة أو كفارة أو غير ذلك من الواجبات فالوصية بذلك واجبة، وإن لم يكن فهي غير واجبة، بل جائزة'' (بدائع الصنائع ۶/۴۲۴) (مقالہ مولانا اسجد قاسمی ندوی)۔

☆''إذا زال المانع عاد الممنوع'' (مقالہ مولانا جہانگیر حیدر قاسمی)۔

☆''وتصح وصية لكل وارث بمعين بقدر إرثه ولو لم تجز الورثة'' (التوضیح فی الجمع بین المقنع والتنقیح ۲/۸۵۳) (ماخوذ از مقالہ موصوف)۔

☆''وهذه العقود ماشرعت إلا لحوائج العباد، فإذا مست حاجتهم إلى الوصية وجب القول بجوازها'' (بدائع الصنائع ۶/۴۲۳) (مقالہ مذکور)۔

☆''إن الوصية للوارث ليست وصية باطلة بدليل أنه اتصلت بها الإجازة جازت والباطل لا يحتمل الجواز بالإجازة، وبه تبين أن الوارث محل للوصية'' (بدائع الصنائع ۶/۴۳۵)۔

☆''وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده في حياته لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته، فإنه وإن كان هبة في الاصطلاح الفقهي، ولكنه في الحقيقة والمقصود استعجال لما يكون بعد الموت، وحيئنذ ينبغي أن يكون سبيله سبيل الميراث'' (تکملہ فتح الملہم ۲/۷۵) (ماخوذ از مقالہ مفتی سلمان منصور پوری)۔

دوسرا موقف:

اس مسئلہ میں دوسرا موقف یہ ہے کہ چونکہ اپنے وارثین کو حقوق اور میراث کا مال پہنچانے کا اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، اس لئے ان ملکوں میں جہاں وراثت کا قانون نافذ نہیں ہے اور وصیت پر ہی میراث کا ملنا موقوف ہے تو مصلحۃ مورث کے لئے انتقال سے پہلے وصیت نامہ لکھ دینا واجب وضروری اور لازم ہے۔

اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات مقالہ نگاران علماء ومفتیان نے اختیار کیا ہے:

مولانا نور الحق رحمانی، مولانا رضوان الحسن مظاہری، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد الیاس قاسمی، مفتی سلمان قاسمی پالنپوری، مولانا عبد الرب سعادتی، مفتی ابصار احمد ندوی، مفتی عبد اللطیف، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی خواجہ نظام الدین یوسفی، مولانا اکمل یزدانی قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی ریاست علی قاسمی امروہوی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مفتی ابوبکر قاسمی، مفتی عثمان گورینی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی عبد الرشید قاسمی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کانپوری، مولانا عبدالشکور قاسمی آکولہ اور مولانا عبدالحکیم پالنپوری۔

انہیں واجب قرار دینے والے حضرات میں ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی عبداللہ کاوی والا اور مفتی جنید بن محمد نے وجوب کوشرط کے ساتھ مشروط کیا ہے، ان کے الفاظ ہیں: اگر وارث کے لئے مال کے نقصان کا یا شرعی طریقہ پر تقسیم نہ ہونے کا خطرہ ہو اور ناممکن ہو تو وصیت لکھ دینا واجب ہے، نیز ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی صاحب نے عام حالات میں تو اس کو جائز ہی کہا ہے، تاہم اگر کسی دوسرے وارث کو زیادہ میراث لے لینے کا ظن غالب ہو تو وہ بھی اس کو واجب ہی قرار دیتے ہیں۔

تیسرا موقف: (متفرق آراء اور ضروری وضاحتیں):

اس پہلے سوال کے جواب میں مفتی حبیب اللہ قاسمی نے وصیت کو ورثہ کے لئے ایک لغو عمل قرار دیا ہے اور اس کے لئے ہبہ سے کام لینے کی تجویز پیش کی ہے۔

اور مولانا محمد صادق مبارکپوری نے اس کو سرے سے کالعدم قرار دیا ہے اور دلائل وہی نقل کئے ہیں جن میں علی الاطلاق ورثہ کے لئے وصیت کی ممانعت آئی ہے، مثلاً: "لا وصية لوارث" وغیرہ (دیکھئے: مذکورہ حضرات کے مقالات)۔

اور مولانا عبداللہ سعدی نے صرف فقہاء کی عبارتیں نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے، کوئی رائے نہیں دی ہے، اس موضوع پر تین مفصل مقالات عرب علماء کے بھی موصول ہوئے ہیں، جن میں ڈاکٹر حسن اشفری، ڈاکٹر صویعی شلبک، شیخ محمد ابوعبداللہ ابوزی کے اسمائے گرامی شامل ہیں، ان تینوں عرب علماء کی تحریر کی علمی وقعت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، تاہم اکیڈمی کے طے کردہ سوالات سے ہم آہنگ نہیں ہیں، سوائے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان اجرائے میراث والے سوال کے، اس لئے تلخیص میں ہر سوال کے تحت ان سے استفادہ سے راقم الحروف قاصر ہے، البتہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان اختلاف دارین اور دینین پر چونکہ انہوں نے بحث کی ہے، اس لئے اس بارے میں اخیر میں ہم استفادہ اور ان کی آراء شامل کرنے کی کوشش کریں گے (ان کی آراء کا خلاصہ اخیر میں ملاحظہ فرمائیں)۔

دلائل:

جن حضرات نے اس مسئلہ میں مورث کے لئے وصیت لکھ دینے کو واجب وضروری اور لازم قرار دیا ہے، ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

☆ مستحقین کو حق سے محروم کرنا ظلم ہے، اور میراث ورثہ کا حق ہے، جس سے قانونی طور پر روکا جا رہا ہے، اور رفع ظلم، دفع نزاع اور تنفیذ شریعت حتی الامکان ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے، اگر وصیت نامہ تیار نہیں کیا جاتا تو رفع ظلم نہیں ہو پائے گا، اور مورث کا منشاء بھی چونکہ وصیت نہیں ہے، بلکہ حق پہنچانا ہے، اس لئے "الأمور بمقاصدها" (الاشباہ)، "إذا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضر احدکم الموت إن ترک خیرا الوصیة"(سورۂ بقرہ:۱۸۰)اور: "إنما الأعمال بالنیات"(بخاری) کے تقاضے کے تحت ایسا کرنا جائز ہی نہیں، بلکہ واجب اور لازم ہے(دیکھئے مقالہ: مولانا نورالحق رحمانی)۔

☆اگر وصیت نہیں لکھے گا تو مرنے کے بعد ورثہ میں فتنہ وفساد اور بدحالی کی کیفیت پیدا ہوگی، ارشاد باری تعالی ہے: "الفتنة أشد من القتل"(سورۂ بقرہ:۱۹۱)۔

☆"کتب علیکم إذا حضر أحدکم الموت إن ترک خیرا الوصیة للوالدین والأقربین بالمعروف حقا علی المتقین، فمن بدله بعد ما سمعه، فإنما إثمه علی الذین یبدلونه، إن الله سمیع علیم"(سورۂ بقرہ:۱۸۰-۱۸۲)(ماخوذ از مقالہ ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی اکمل یزدانی قاسمی)۔

☆"یأ یها الذین آمنوا قوا أنفسکم وأهلیکم نارا"(سورۂ تحریم:٦)(مقالہ: خواجہ نظام الدین یوسف)۔

☆"ینقسم حکم الوصیة بالنسبة للموصی إلی أربعة أقسام: الوجوب، الندب، الإباحة، الکراهة، فأما الوصیة الواجبة فهی ما یترتب علیها إیصال الحقوق لأربابها کالوصیة برد الودائع، والدیون، لأنه إن لم یوصی بها ومات تضیع علی أربابها، فیأثم بذلک"(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ لعبد الرحمن الجزیری کتاب الوصایا۳/۲۲۰)(دیکھئے مقالہ: مولانا محمد ارشاد اللہ قاسمی، مفتی عبد الرشید کانپوری)۔

☆اگر ورثہ محروم ہوں گے تو وہ آہ و بکا کریں گے جو خود اس کے لئے باعث عذاب ہے، اس لئے بھی وصیت واجب ہے: "عن ابن شهاب قال: قال سالم: سمعت عبد الله ابن عمر یقول: قال رسول الله ﷺ: یعذب المیت ببکاء أهله علیه"(نسائی باب النہی عن البکاء علی المیت)(ماخوذ از مقالہ مذکورہ، نیز مفتی عبد الرشید قاسمی کانپوری)۔

☆"عن النبی ﷺ: من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة"(مشکاۃ۱/۲٦٦)(ماخوذ از مقالہ: مفتی عبد الرشید قاسمی کانپور، مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

☆"عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: ما حق امرأ مسلم له شئ یوصی فیه یبیت لیلتین إلا وصیة مکتوبة عنده" (مشکوۃ۱/۲٦۵، ترمذی باب ما جاء فی الحث علی الوصیۃ، حدیث نمبر:۹۷۴)(مفتی عبد الرشید قاسمی، مولانا رضوان الحسن مظاہری، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی)۔

☆"ألحقوا الفرائض بأهلها، فما بقی فهو لأولی رجل ذکر"(مسلم کتاب الفرائض، حدیث نمبر۱۴۲۱، بخاری حدیث نمبر٦۷۳۲)(مولانا راشد حسین ندوی)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

☆"إن مالا يتم الواجب إلا به، فهو واجب" (فقہ النوازل ۳/۲۲۵)۔

☆"ما كان وسيلة إلى الواجب، فهو واجب"(موسوعۃ القواعد الفقہیہ ۹/۲۰۵)(دیکھئے مقالہ: مولانا محمد الیاس قاسمی)۔

☆"أن عليا رضى الله عنه دخل على رجل من بنى هاشم وهو مريض يعوده، فأراد أن يوصى، فنهاه، وقال: إن الله تبارك و تعالى يقول: "إن ترك خيرا" مالا فدع مالك لورثتك، وفي رواية: وإنك إنما تدع شيئا يسيرا فدعه لعيالك، فإنه أفضل"(السنن الکبری للبیہقی ۹/۴۷۱)(دیکھئے مقالہ:مفتی جنید بن محمد پالنپوری)۔

☆"عن النبى ﷺ: إنك أن تذرورثتك أغنياء خير من أن تذر هم عالة يتكففوا الناس، وإنك لن تنفق نفقة تبتغى بها وجه الله، إلا أجرت بهاحتى ماتجعل فى امرأتك"(بخاری ۱/۱۷۲، ترمذی ۱/۳۳)(دیکھئے مقالہ:مفتی انور علی اعظمی،مفتی جنید بن محمد پالنپوری)۔

☆"مقدمة الواجب واجب"(مقالہ مولانا عبدالرب والی سعادتی)۔

☆"وإذا أمر الله تعالى عبده بفعل من الأفعال وأوجبه عليه، وكان المامور لايتوصل إلى فعله، إلا بفعل غيره، وجب عليه كل فعل لا يتوصل إلى فعل الواجب، إلا به" (العمدۃ فی اصول الفقہ ۲/۴۱۹) (ماخوذ از مقالہ:مفتی ابصار احمد ندوی)۔

☆"الضرر يزال"(قواعد الفقہ/۸۸)۔

☆"الضرر يدفع بقدر الإمكان"(قواعد الفقہ/۸۸)(دیکھئے مقالہ:مولانا محمد اقبال ٹنکاروی)۔

☆"وشاملة لسائر الوصايا وغيرهما، فمن خاف من سائر الناس من موص ميلا عن الحق وعدولا إلى الجور، فالواجب عليه إرشاده إلى العدل والصلاح ولا يختص بذلك الشاهد والوصى والحاكم دون سائر الناس، لأن ذلك من باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر"(احکام القرآن للجصاص ۱/۲۰۹)(ماخوذ از مقالہ:مفتی محمد عثمان بستوی گورینی)۔

واجب قرار دینے والے مقالہ نگاران نے عام طور سے مذکورہ آیات و احادیث وعبارات فقہیہ کو سامنے رکھتے ہوئے ان ممالک میں جہاں ورثہ کے درمیان مورث کے انتقال کے بعد تقسیم میراث میں دشواری، میراث نہ ملنے کا خطرہ، ورثہ کے درمیان حق تلفی کا امکان یا نزاع کی صورت پیدا ہونے کو مدنظر رکھا ہے اور اس وصیت نامہ کو ورثہ کے حق میں وصیت ماننے کے بجائے محض ایک قانونی حل تصور کئے جانے کا عندیہ دیا ہے، اس لئے اس کو وصیت کہنے کے بجائے مستحقین تک حق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہنچانے کا حفظ ما تقدم کے طور پر شرعی حیلہ کہا جائے یا "تقسیم المیراث قبل موت المورث عند المصلحة والخطر" کا نام دیا جائے، جیسا کہ ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مولانا نورالحق رحمانی، مفتی سلمان منصور پوری، مفتی محمد ریاست علی قاسمی، مفتی انور علی اعظمی وغیرہ حضرات کی تفصیلی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۲-کیا زندگی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھ دینا حدیث "لا وصیة لوارث" کے خلاف اور معارض اور غیر شرعی ہے؟

اس سوال کے جواب میں سوائے دو حضرات کے علاوہ بھی ۶۲ مقالہ نگاران حضرات کی رائے یہ ہے کہ چونکہ اس وصیت نامہ کا مقصد نہ تو کسی وارث کو محروم کرنا ہے اور نہ ہی ان کے حصہ شرعی سے کم دینا ہے، بلکہ ہر ایک کو سہام شرعی کے مطابق حق پہنچانا ہے، اس لئے یہ وصیت نامہ حدیث رسول: "لا وصیة لوارث" کے خلاف اور معارض نہیں ہے، لہذا اسے غیر معتبر اور غیر شرعی قرار دینے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے۔

یہ موقف چونکہ تقریباً اتفاقی ہے، اس لئے طوالت سے بچنے کے لئے یہاں پر جملہ مقالہ نگاران کے اسمائے گرامی درج کرنے سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

دلائل و وجوہ:

عام طور سے حضرات مقالہ نگاران نے اس حدیث کا مقصد یہ تحریر کیا ہے کہ میراث میں کسی بھی وارث کے حق میں وصیت سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے دوسرے ورثہ کو ضرر اور نقصان پہنچ سکتا تھا، ایک کو زیادہ اور دوسرے کو کم، تو یہ دل شکنی کی بات تھی، اور یہاں زیر بحث مسئلہ میں وصیت مقصود ہی نہیں ہے، بلکہ ہر ایک کو اس کا سہام شرعی دینا ہے، اور تقسیم بھی مورث کی موت کے بعد ہی ہو رہی ہے، صرف زندگی میں حصص کی تعیین جو شرعی طور پر کتاب و سنت میں پہلے ہی ہو چکی ہے، ان کو دشواریوں اور مصالح کے پیش نظر ضبط تحریر میں لایا جا رہا ہے، اس لئے دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

نیز اگر یہ تقسیم اس قدر شدید ممنوع ہوتی تو شریعت میں حصص مقرر کر کے پہلے ہی نہ بتا دئے گئے ہوتے، زندگی میں ورثہ کے حق میں تقسیم میراث کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اگر آج تقسیم کا وصیت نامہ تحریر کر دیا جائے، اور آخرت کو جانے کی نہ جانے پہلے کس کی باری آ جائے، اور اس کی وجہ سے ظاہر ہے سابقہ تقسیم میں خلل واقع ہونا بدیہی امر ہے اور شریعت اس الجھن سے مکلّف کو بچانا چاہتی ہے، ورنہ شریعت کے پیش نظر اور کوئی وجہ ممانعت زندگی میں تقسیم میراث میں نہیں ہے۔

☆"عن أبی أمامة الباهلی قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع: إن الله تبارک و تعالی قد اعطی کل ذی حق حقه، فلا وصیة لوارث" (ترمذی ۲/ ۳۲، ابوداؤد ۲/ ۳۹۶) اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت کے الفاظ سے ہی اس کا جواب نکل آ تا ہے (دیکھئے مقالات: مفتی شبیر احمد قاسمی مرادآ باد، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی)۔

☆"الضرر والإضرار حرام هو في الوصية من الكبائر، وكذا في الدين، قال تعالى: "غيرمضار"،الاضرار راجع إلى الوصية والدين، أما رجوعه إلى الوصية، فبأن يزيد على الثلث أو يوصي لوارث، فإن زاد، فإنه يرد، إلا أن يجيزه الورثة، لأن المنع لحقوقهم لا لحق الله تعالى، وإن أوصى لوارث، فإنه يرجع ميراثا، وأجمع العلماء على أن الوصية لوارث لا تجوز" (التفسير المنير ۳-۴/۲۸۵)۔

☆"ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه يشترط ألا يكون الموصى له وارثا للموصي عند الموت إذا هناك وارث آخر لقوله عليه الصلاة والسلام:" إن الله أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث"، وقوله عليه الصلاة والسلام: "لا تجوز وصية لوارث، إلا أن يشاء الورثة"، ولأن في إيثار بعض الورثة من غير رضا الأخرين ضررا يؤدي إلى الشقاق والنزاع وقطع الرحم وإثارة البغضاء والحسد بين الورثة" (موسوعہ فقہیہ ۴۳/۲۴۶) (تفصیل کے لئے دیکھئے مقالات: مفتی محمد عثمان گورینی، وڈاکٹر شاہجہاں ندوی)۔

☆"ويحرم من الوصية ما فيه مضار للورثة أو قصدالإضرار بهم" (تفسیر مظہری ۲/۳۴۵) (از مقالہ: مفتی ریاست علی قاسمی رامپوری)۔

☆"وإن أوصى لكل وارث بمعين بقدر إرثه جاز، لأن حق الوارث في القدر لا في العين" (الروض المربع شرح زاد المستقنع کتاب الوصایا ۳۰۳/۳، المغنی لابن قدامہ ۶/۴۴۹) (دیکھئے مقالہ: مفتی ابصار احمد ندوی)۔

☆"قال العثماني: وقال الجصاص: روى عن النبي ﷺ أنه قال: لا وصية لوارث، إلا أن يجيزها الورثة، وفيه أن الأخبار الواردة، بأن لاوصية لوارث من غير ذكر الإجازة محمولة على أن الورثة لم يجيزوها" (اعلاء السنن ۱۸/۳۰۲) (مقالہ مولانا عبدالرب سعادتی)۔

☆"قال القهستاني: واعلم أن الناطفي ذكر عن بعض أشياخه أن المريض إذا عين لوارث من الورثة شيئا كالدار على أن لا يكون له في سائر التركة حق يجوز، وقيل: هذا إذا رضي ذلك الوارث بعد موته، فحينئذ يكون تعيين الميت كتعيين باقي الورثة معه، كما في الجواهر، قلت: وحكى القولين في جامع الفصولين، فقال :قيل:جاز، وبه افتى بعضهم، وقيل: لا" (ردالمحتار ۵/۶۴۴) (از مقالہ مولانا سلمان پالنپوری)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البتہ اس مسئلہ میں مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ ان تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وصیت اور میراث کا حکم منصوص ہے، جبکہ مولانا عبداللہ سعدی نے کوئی رائے ظاہر کئے بغیر صرف فقہاء کی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

سوال نمبر ۳- حدیث نبوی ﷺ "لاوصیة لوارث" کا مدار و مقصد:

اس سوال کے جواب میں بھی تمام مقالہ نگاران اس بات پر متفق ہیں کہ سہام شرعی کے مطابق تمام ورثہ کے لئے وصیت نامہ لکھ دینا یا بقدر حصہ شرعی کی وصیت کرنا اس حدیث کی ممانعت کے دائرے میں نہیں آتا، بلکہ اس کا مقصد اور مورد صرف وہ وصیت ہے جس میں کسی مستحق وارث کو اس کے حق سے کم دیا جائے، یا کسی کا حصہ کم کرکے دوسرے کو زائد دیا جائے اور حق تلفی روا رکھی جائے، یہ مسئلہ بھی چونکہ اتفاقی ہے، اس لئے مقالہ نگاران کے اسمائے گرامی کی فہرست نقل کرنے سے یہاں بھی احتراز کیا جاتا ہے۔

دلائل و تائیدات:

اس سلسلہ کی بعض عبارات سوال نمبر ۲ کے دلائل کے ضمن میں مذکور ہو چکی ہیں، بعض کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے:

☆"والصحيح ما ذهب إليه مالك رحمه الله، لأن المنع إنما تعلق بحق الورثة، كالزائد على ثلث المال، فإذا أجازوه، جاز كالرضى بالعيب " (المقدمات الممہدات، کتاب الوصایا، فصل الوصیۃ للوارث ۳/ ۱۱۴) (ماخوذ از مقالہ: مفتی ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی)۔

☆"فإن فعل صحت في ظاهر المذهب، ووقفت على إجازة الورثة، لما روى ابن عباس أن النبي ﷺ قال: "لا يجوز لوارث وصية، إلا أن يشاء الورثة"، فيدل على أنهم إذا شاؤوا كانت وصية جائزة" (الکافی، کتاب الوصایا، باب من تصح وصیتہ ۲/ ۲۶۸) (دیکھئے مقالہ موصوف)۔

☆"لأن امتناع الجواز كان لحقهم لما يلحقهم من الأذى والوحشة بإيثار البعض ولا يوجد ذلك عند الإجازة، وفي بعض الروايات عنه عليه الصلاة والسلام أنه قال: لا وصية لوارث، إلا أن يجيزها الورثة" (بدائع الصنائع ۵/ ۴۳۴) (ماخوذ از مقالہ: مفتی محمد عثمان گورینی)۔

☆"قال العيني في العمدة: قال المنذري: إنما يبطل الوصية للوارث في أكثر أهل العلم من أجل حقوق سائر الورثة، فإن أجازوها جازت، كما إذا أجازوا الزيادة على الثلث" (تحفۃ الاحوذی، باب ما جاء لا وصیۃ لوارث ۵/ ۴۰۲) (ماخوذ از مقالہ: مفتی ابصار احمد ندوی)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

☆"ويحرم من الوصية ما فيه مضار للورثة أو قصد الإضرار بهم"(تفسیر مظہری ۲/۳۴۵)(دیکھئے مقالہ: مولانا اسجد ندوی قاسمی)۔

☆"وتصح وصية لكل وارث بعين بقدر إرثه، ولولم تجزالورثة"(التوضیح فی الجمع بین المقنع والتنقیح ۲/۸۵۳)(دیکھئے مقالہ: مولانا محمد جہانگیر حیدر قاسمی)۔

☆"(غير مضار) بالدين أو الوصية لورثته بوجه من وجوه الضرار، كأن يضرّبدين ليس عليه أو يوصي بوصية لا مقصد له فيها، إلا الإضرار بالورثة أو يوصي لوارث مطلقا أو لغيره بزيادة على الثلث، ولم تجز الورثة"(زبدۃ التفسیر مختص من فتح القدیر للشوکانی آیت ۱۲/۹۷)(ماخوذ از مقالہ: مولانا نور الحق رحمانی پٹنہ)۔

☆"قال الامام المحدث الشاه ولي الله الدهلوي: فلما تقررأمر المواريث قطعا لمنازعتهم وسدا لصفاتهم كان من حكمه أن لا يسوغ الوصية لوارث، إذ في ذلك مناقضة للحد المضروب"(حجۃ اللہ البالغہ ۲/۴۰۳، تکملہ فتح الملہم ۲/۹۳)(ماخوذ از مقالہ مفتی محمد سلمان منصور پوری)۔

اس سوال کے جواب میں مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب کی رائے بھی جملہ مقالہ نگاران کی طرح یہ ہے کہ ورثہ کو حتی الامکان نقصان سے محفوظ رکھنے اور ضرر سے بچانے کا شریعت نے قصد کیا ہے، اور زیر بحث مسئلہ میں یہ مقصود نہیں ہے، اس لئے اس حدیث کا مورد ومقصد اضرار ونقصان ہے، سہام شرعی کے مطابق وراثت کی وصیت نہیں ہے۔

سوال نمبر ۴- غیر مسلم اکثریت ممالک میں اجرائے وصیت کی مزید اور کیا شکلیں ہوسکتی ہیں؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ ملک کی سیاسی اور امن وامان کی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے وہاں کے مسلم باشندگان کو چاہئے کہ پرامن طریقے سے اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے اس ملک کی سیاسی شخصیات سے ملاقات، گفت وشنید، بھائی چارے کے قیام کے ساتھ، دار القضاء اور مسلم پرسنل لاء کے نفاذ کی جدوجہد کریں، جمہوری بنیاد پر میراث اور دیگر مسلم مسائل میں مداخلت نہ کرنے کے مطالبات کرتے رہیں، یہ عام طور سے حضرات علماء کا رجحان ہے، البتہ:

مولانا محمد انیس ندوی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا عبد العظیم ندوی، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا محمد الیاس قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی والا، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا احسن عبد الحق ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی ارشد علی رحمانی، مفتی ابوبکر قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عبد الشکور قاسمی حضرات علماء نے وصیت کا طریقہ اختیار کرنے کے ساتھ زندگی میں ہی ہبہ کردینے کی بھی تجویز پیش کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

متفرق تجاویز:

مذکورہ آراء کے اظہار کے علاوہ مقالہ نگاران نے مزید الگ الگ تجویزیں اس طرح تحریر کی ہیں:

-مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب: وصیت کے علاوہ کوئی دوسری صورت نظر نہیں آتی، لوگ اپنی جدوجہد سے قانون میں تبدیلی اور پرسنل لاء کے نفاذ کی کوشش کریں۔

-مفتی محمد مقصود فرقانی: تراضی مسلمین سے قاضی مقرر کرنے کی کوشش کریں اور وہ میراث کو نافذ کرے۔

-مولانا نورالحق رحمانی: اپنے اہل وعیال کو دین کی تعلیم دے کہ وہ احساس خوف خدا کے ساتھ آپس میں حصہ تقسیم کرلیں، پرسنل لاء کے آئینی طور پر نفاذ کا مطالبہ کریں، دارالقضاء قائم کریں اور حکومت سے ٹکراؤ کے بغیر کوئی مثبت جدوجہد کریں۔

-مولانا محمد ارشاداللہ قاسمی: حکومت سے پرسنل لاء کے نفاذ کا مطالبہ کرے، دوسرے اثر ورسوخ والے ممالک سے دباؤ بنانے کی درخواست کرے۔

-مولانا خورشید احمد اعظمی: باہم مسلمانوں میں اخوت کا قیام، حکومت سے پرسنل لاء اور قوانین شرعی کی رعایت کا مطالبہ اور شرعی پنچایت کا قیام۔

-مفتی عبدالرشید قاسمی کانپور: اس وطن کے غیر مسلم بھائیوں کو ساتھ لے کر اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور اس سے بے اعتنائی نہ برتا جائے۔

-مفتی رضوان الحسن مظاہری: دارالقضاء کا قیام اور شرعی پنچایت ہندوستان کی طرح قائم کرنے کی جدوجہد۔

-مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی: وصیت کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

-مولانا محمد الیاس قاسمی: ہبہ، وصیت کے علاوہ وقف علی الاولاد کی شکل اختیار کی جائے۔

-مولانا ظفر عالم ندوی: پرسنل لاء کے نفاذ کی کوشش، اور جب تک نہ ہو مطلق ہبہ کا راستہ اختیار کیا جائے اور برابری برتی جائے۔

-ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی: اپنے حق میں قانون بنوانے کی کوشش کرے، ورنہ سہام شرعی کے مطابق وصیت کردے۔

-مفتی سلمان پالنپوری: حصص کے مطابق جائداد کو رجسٹرڈ کرادے۔

-مفتی جنید بن محمد: مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لئے عدالت عظمی سے قانونی چارہ جوئی کرے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

-مولانا محمد صادق مبارکپوری: مسلم پرسنل لا کمیٹی بنانے کی کوشش کرے۔

-مولانا عبدالرب سعادتی: مسلمان میراث کا خاکہ بنا کر حکومت سے منظور کرائے۔

-مولانا عبدالقیوم پالنپوری: مسلمانوں کے عائلی قوانین کو منظور کرانے کی سیاسی طور پر کوشش کی جائے۔

-مفتی ابصار احمد ندوی: عوام میراث کے تعلق سے بیداری، باشعور افراد پر مشتمل کمیٹی، اگر مرض الموت میں ہو تو وصیت، مسلم تنظیموں کا قیام جو حکومت وقت سے مطالبہ کرے کہ اس کے لئے کوئی قاضی بحال کیا جائے۔

-مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی: مورث خود کوئی کمیٹی بنائے اور اس کے نام وصیت کرے۔

-مفتی سید قمر الدین محمود بڑودہ: محکمہ شرعیہ اور دار القضا کا قیام اور اس جانب کوشش۔

-مولانا حافظ کلیم اللہ عمری: مسلم پرسنل لاء کی تشکیل، حقوق میراث پروگرام ترتیب دینا، حکومت کی کارروائی سے قبل اپنی میراث تقسیم کرنا۔

-مولانا عبید اللہ ندوی: دار القضاء اور شرعی پنچایت قائم کرنا اور اس کے لئے تحریک چلانا۔

-مولانا راشد حسین ندوی: سرکاری رجسٹر میں اندراج کرائے۔

-مولانا اکمل یزدانی: حکومت سے مطالبہ، علماء و دانشور پر مشتمل کمیٹی کی تشکیل۔

-مولانا محمد اقبال ٹنکاروی: پاور آف آٹارنی، وکیل نامہ، قانونی مشورہ۔

-مولانا اسجد قاسمی ندوی: حکومت سے بات چیت، مطالبہ، مسلمانوں میں بیداری، حقوق کی معرفت۔

-مفتی انور علی اعظمی: مسلم پرسنل لاء کے نفاذ کی جدوجہد۔

-مولانا محمد جہانگیر حیدر قاسمی: مسلم پرسنل لاء کے نفاذ کی کوشش، افہام و تفہیم کا طریقہ۔

-مفتی محمد سلمان منصور پوری: عوام کی ذہن سازی، قانونی رجسٹرڈ کرانے کا طریقہ، حکومت کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش۔

-مولانا خورشید انور اعظمی: زندگی ہی میں بیع نامہ لکھ دے، ہبہ کر دے۔

-مولانا فیاض عالم قاسمی: اولاً مسلمان پہلے خود شریعت کے احکام پر عمل کریں، قانون میراث جاری کرنے کی کوشش کریں، جیسے ہندوستان میں ہے-وصیت کو قانونی حیثیت دی جائے-مورث کی طرف سے اس تقسیم کو ہبہ تصور کیا جائے اور مورث کا نفقہ ورثہ پر واجب ہو-مورث اپنی جائداد ورثہ میں حسب شرعی تقسیم کر دے اور ان سے ماہانہ متعین مقدار وصول کرے، یہ شکل مضاربت اور اجارہ کی بن جائے گی جو قابل عمل ہے اور ان تمام شکلوں کو قانونی اہمیت دی جائے، اس کی کوشش کی جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال نمبر ۵- دینی اور دعوتی مصالح کے پیش نظر مسلمانوں کا غیر مسلم رشتہ دار کی جائداد سے فائدہ اٹھانا:

اس سوال کے جواب میں علماء کی دو رائیں ہیں:

پہلی رائے:

ان ملکوں میں اگر غیر مسلم رشتہ دار کے مسلمان رشتہ داروں کی جائداد سے فائدہ اٹھانے کا قانون ہو تو مسلمانوں کے لئے بھی دعوتی مصالح، ملکی حالات اور قانونی دشواری کی وجہ سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہوگی، اور اس کے لئے اس مسئلہ میں صحابہ کی دوسری رائے سے حالات کے پیش نظر استفادہ کیا جاسکتا ہے، اس رائے کے حاملین مندرجہ ذیل حضرات علماء کرام ہیں:

مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا محمد ارشاد اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مفتی عبدالرشید قاسمی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے کشمیر، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد انیس ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد الیاس قاسمی، مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی سلمان پالنپوری، مولانا محمد ریاض ارمان القاسمی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا اکمل یزدانی، مولانا ارشد علی رحمانی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی ابوبکر قاسمی، مفتی عثمان بستوی گورینی، مولانا محمد جہانگیر حیدر قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مفتی عبدالرحیم قاسمی (بھوپال) مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد فیاض عالم قاسمی۔

دلائل:

☆"وأهل الذمة فى حكم الهبة بمنزلة المسلمين، لأنهم التزموا أحكام الاسلام فيما يرجع إلى المعاملات، إلا أنه لا تجوز المعاوضة بالخمر عن الهبة فيما بين المسلم والذمى" (فتاوی ہندیہ ۴/۴۰۵، شامی ۵/۷۲۶) (ماخوذ از مقالہ: مولانا راشد حسین ندوی، موصوف نے اس کو ہبہ کے درجہ میں رکھا ہے، اور جس طرح غیر مسلم سے ہدیہ لینا جائز ہے، اسی طرح اس کی بھی گنجائش ہوگی)۔

☆"الشهر الحرام بالشهر الحرام والحرمات قصاص فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم" (سورۂ بقرہ: ۱۹۴)۔

☆"الاسلام يعلو و لا يعلى عليه" (سنن دارقطنی ۳/۲۵۲، بیہقی ۶/۲۰۵)۔

☆"الاسلام يزيد ولا ينقص" (ابوداؤد کتاب الفرائض حدیث نمبر ۲۹۱۲، ۳/۲۲۱) (ماخوذ از مقالہ مولانا عبیداللہ ندوی)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

☆"الضرورات تبيح المحظورات"(الاشباہ والنظائر)۔

☆"الضرر يزال"(الاشباہ والنظائر)۔

☆"المشقة تجلب التيسير"(الاشباہ والنظائر)(مذکورہ دلائل مولانا ارشد علی رحمانی نے ذکر کئے ہیں، دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

☆(غیر مسلم عورتوں سے نکاح پر قیاس)"ما رأيت قضاء أحسن من قضاء قضى به معاوية، نرث أهل الكتاب ولا يرثونا كما يحل النكاح فيهم ولا يحل لهم، وبه قال: مسروق و سعيد بن المسيب وابراهيم نخعي و اسحاق"(فتح الباری ۱۲/۵۰)(ماخوذ از مقالہ: مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی)۔

☆"اس خون بہا پر قیاس جس کی مکافات نہیں ہو سکتی"۔

☆"یورپی افتاء کونسل کی قرارداد غیر مسلم اقرباء کی جائداد سے فائدہ اٹھانے کے سلسلہ میں:"وقد سئل المجلس الأوروبي للإفتاء والبحوث عن توريث المسلم من أقاربه غير المسلمين، فأجاب في القرار رقم واحد في الدورة الخامسة ما نصه:(يرى المجلس عدم حرمان المسلمين ميراثهم من أقاربهم غير المسلمين ومما يوصون لهم به، وأنه ليس في ذلک ما يعارض الحديث الصحيح: "لا يرث المسلم الكافر، ولا الكافر المسلم"، الذي يتجه حمله على الكافر الحربي، مع التنبيه إلى أنه في أول الإسلام لم يحرم المسلمون من ميراث أقاربهم من غير المسلمين، وهو ما ذهب إليه من الصحابة: معاذ بن جبل، ومعاوية ابن أبي سفيان، ومن التابعين جماعة منهم: سعيد بن المسيب، ومحمد بن الحنفية، وأبو جعفر الباقر، ومسروق بن الأجدع، ورجحه شيخ الإسلام ابن تيمية وتلميذه ابن القيم"(قرارات و فتاوى المجلس الأوروبي للافتاء والبحوث، المجموعتان الأولى والثانية، قرار (۵/۱)،فتوى(۱۹)،(ص۱۳۷-۱۳۸)(دیکھئے مقالہ غیر مطبوعہ: ڈاکٹر احمد الصویعی شلیبک)۔

بعض صحابہ کرام جیسے حضرت معاذ بن جبل وحضرت امیر معاویہؓ کا تعامل(دیکھئے مقالہ: مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا عبید اللہ ندوی)۔

☆"عن عبد الله بن بريده أن أخوين اختصما إلى يحيى بن يعمر يهودى و مسلم فورث المسلم منهما، وقال حدثنى أبو الأسود؛ أن رجلا حدثه أن معاذا حدثه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: الاسلام يزيد ولا ينقص، فورث مسلما، وفى رواية أن معاذ أتى بميراث يهودى وارثه

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلما"(ابوداؤد کتاب الفرائض حدیث نمبر ۱۳، ۲۹۱۲ مختصر السنن مع معالم السنن ۴/۱۸۱)(ماخوذ از مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

☆"ویجوز أن یوصی المسلم للکافر، والکافر للمسلم، فالأول لقوله تعالى: لا ینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین، الآیة–والثانی، لأنهم بعقد الذمه ساووا المسلمین فی المعاملات، لهذا جاز التبرع من الجانبین فی حالة الحیوة، فکذا بعد الممات"(ہدایہ ۴/۶۴۱)(مولانا موصوف)۔

☆"وتصح الوصیة من المسلم للذمی وبالعکس......حتی جاز التبرع من الجانبین فی حال الحیاة، فکذا بعد الموت......وفی السیر الکبیر ما یدل علی جواز وجه التوفیق: أنه لا ینبغی أن یفعل، وإن فعل جاز، کذا فی الکافی، وفیه تأمل"(مجمع الانہر ۲/۶۹۲)۔

☆"لا یشترط اتحاد الدین بین الموصی والموصی له لصحة الوصیة، فتجوز وصیة المسلم لغیر المسلم، وتجوز الوصیة لغیر المسلم لأهله، ولغیر أهل ملته کالیهودی للمسیح وبالعکس، والمسلم للیهودی أو المسیح وبالعکس، لأن غیر المسلمین فی دار الاسلام لهم ما علی المسلمین، وعلیهم ما علی المسلمین، رواه مسلم عن بریدة"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۱۰/ ۷۴۷۴)۔

☆"تصح الوصیة من المسلمین وغیره، لأنها نوع من البر وهو مرغوب فیه فی کل الأدیان، وتجوز کما تقدم وصیة المسلم للکافر والکافر للمسلم فلیس الاسلام شرطا لصحة الوصیة، فتصح وصیة الذمی للمسلم وللذمی و بالعکس"(الفقہ الاسلامی وادلتہ للزحیلی ۱۰/ ۷۴۹۴)(ماخوذ از مقالہ: مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

نیز ڈاکٹر شاہجہاں ندوی نے آٹھ وجوہ ذکر کرنے کے بعد جواز پر استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر مال کو "خیر" سے تعبیر کیا ہے، لہذا اس کا استعمال خیر ہی میں ہونا چاہئے، اگر مسلمان رشتہ دار اسے نہ لیں گے تو غیر مسلم قرابت دار اس کا استعمال معصیت اور حرام کاموں میں کریں گے، ان دلائل کی روشنی میں جمہور کی رائے سے عدول کی گنجائش ہے"(دیکھئے: موصوف کا مقالہ)۔

دوسری رائے:

دوسری رائے یہ ہے کہ ان حالات میں کافر رشتہ دار کے مال سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش نہیں ہے، اور دعوتی نقطہ اور مصالح کی جو بات کہی گئی ہے، وہ محض ایک مفروضہ ہے جو محل نظر ہے اور کافر کا مال لینے کے لئے اس کو بنیاد نہیں بنایا جاسکتا، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالعظیم ندوی، مولانا عبداللہ سعدی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مفتی جنید بن محمد، مولانا عبدالرب سعادتی، مفتی منصف بدایونی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مفتی عبدالقیوم پالنپوری، مفتی ابصار احمد ندوی، مولانا سید قمرالدین محمود بڑودوی، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی، مفتی محمد اقبال ٹنکاروی، مفتی اسجد قاسمی ندوی، مولانا عبدالشکور قاسمی آکولہ۔

دلائل:

عدم جواز کے قائلین نے عام طور سے اس سلسلہ میں جمہور صحابہ اور علماء کی جو رائے کافر اور مسلم کے درمیان اختلاف دین وملت کی وجہ سے عدم توارث کی ہے اسے ترجیح دیا ہے اور انہیں دلائل سے استدلال کیا ہے، جنہیں جمہور نے مستدل بنایا ہے، مثلاً:

☆"عن أسامة بن زيد رضى الله عنهما أن النبى ﷺ قال: لا يرث المسلم الكافر، ولا الكافر المسلم" (بخاری باب لا یرث المسلم الکافر، حدیث نمبر ۶۷۶۴، مسلم حدیث نمبر ۴۲۲۵) (ماخوذ از مقالہ مفتی ابصار احمد ندوی)۔

☆"لا يتوارث أهل ملتين شتى" (ابوداؤد باب هل يرث المسلم الکافر، حدیث نمبر ۲۹۱۱)۔

☆"وأما الكافر فإنه لا يرث المسلم بالإجماع وبالحديث، وبقوله تعالى:ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا، الآية" (عمدۃ القاری ۱۶/۴۵)۔

☆"اخر منهم أى فى الميراث كما روى عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما، وقال قتادة وابن اسحاق: فى المؤازرة، وهذا بمفهومه مفيد لنفى الموارثة والمؤازرة بينهم و بين المسلمين وإيجاب ضد ذلك، وإن كانوا أقارب، ومن هنا ذهب الجمهور إلى أنه لا يرث مسلم كافرا ولا كافر مسلما، وأخرج ذلك ابن مردويه، والحاكم وصححه عن أسامة أنه ﷺ قال ذلك، وقرأ الآية، ومن الناس من قال: إن المسلم يرث الكافر دون العكس، وليس مما يعول عليه، الفتوى على الأول" (روح المعانی ۶/۵۶) (دیکھئے مقالہ: مولانا عبدالعظیم ندوی)۔

☆"عن عم أبى حرة الرقاشى رضى الله عنه قال رسول الله ﷺ: ألا لا تظلمو، ألا لا يحل مال امرأ إلا بطيب نفس منه" (مشکوۃ المصابیح / ۲۵۵)۔

☆"عن سعيد بن زيد رضى الله عنه قال رسول الله ﷺ: من أخذ شبرا من الأرض ظلما، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين" (متفق علیہ، مشکوۃ / ۲۵۴) (ماخوذ از مقالہ: مفتی عبدالقیوم پالنپوری)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

☆"وموانعه على ماهنا أربعة: الرق والقتل واختلاف الدين اسلاما وكفرا و اختلاف الدارين، قوله: اسلاما و كفرا قيد به، لأن الكفار يتوارثون فيما بينهم، وإن اختلفت مللهم عندنا، لأن الكفر ملة واحدة"(ردالمختار۶/۷۶۷-۷۶۶)(ماخوذ از مقالہ: مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی بڑودہ)۔

☆"ذهب الجمهور الفقهاء إلى أن المسلم لا يرث الكافر" (موسوعہ فقہیہ ۱۹/۳)(دیکھئے مقالہ: مولانا محمد صادق مبارکپوری)۔

عقلی اور منطقی استدلالات:

مولانا سید قمر الدین بڑودہ لکھتے ہیں: رہا دعوت دین کا معاملہ تو دعوت دین حدود شرع میں رہ کر تو مطلوب ہے، احکام خداوندی کو توڑ کر دعوت دین مطلوب نہیں ہے، ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"إنك لا تهدى من أحببت ولكن الله يهدى من يشاء" (سورۂ قصص:۵۶)(دیکھئے مقالہ: موصوف)۔

حافظ کلیم اللہ عمری صاحب سوالنامہ کے دعوتی مصالح، والی عبارت پر نقد کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

صورت مسئولہ میں مذکورہ خدشات یقیناً شیطانی وسوسہ کی وجہ سے ہے، صحابہ کرام کی بڑی تعداد عزیمت کی راہ پر چلی، اللہ تعالیٰ نے اس کا بہتر سے بہتر بدلہ عنایت فرمایا، دین و دنیا کی کامیابی سے ہمکنار ہوئے، لہذا تقوی کی زندگی گذارنے والا اور اللہ پر بھروسہ رکھنے والا کبھی ناکام نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اللہ کا وعدہ ہے،"ومن يتق الله يجعل له مخرجا، ويرزقه من حيث لا يحتسب، ومن يتوكل على الله فهو حسبه، إن الله بالغ أمره قد جعل الله لكل شئ قدرا" (سورۂ طلاق ۲، ۳)...... کسی مہاجر کو مذکورہ صورتحال پیش بھی آئے تو ایسی صورت میں مدنی معاشرہ کی مثالیں پیش کرنی ہوگی، مواخات مدینہ کا سبق دہرانا ہوگا، آج کے دور میں دعوتی میدان میں کام تو ہو رہا ہے، مگر عملاً ایسا نمونہ ناپید ہے کہ مہاجر بھائیوں کے لئے مسلم معاشرہ انصار مدینہ کا رول ادا کرتا ہو...... بھائی چارگی کا حقیقی ماحول قائم کرنا مسائل حل کرنے میں ممدو معاون ہوگا، یا پھر ہر شہر اور بستی میں بیت المال جیسے رفاہی ادارے قائم کئے جائیں' (دیکھئے مقالہ: موصوف)۔

نیز مولانا ظفر عالم ندوی کہتے ہیں: دعوتی پہلو سے مال کو باعث رغبت سمجھنے کی بلاشبہ ایک حکمت ہوسکتی ہے، مگر صریح اور صحیح روایتوں کی موجودگی میں کسی مصلحت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی، جبکہ عمر بن یوسف کی رائے یہ ہے کہ دعوتی نقطہ نظر سے اجتہاد کی گنجائش ہے (دیکھئے دونوں حضرات کے مقالات)۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی فرماتے ہیں: آج کی مصلحت یہی ہے کہ ان کو میراث دی جائے محروم نہ کیا جائے، تالیف قلب کی نیت سے، تاکہ وہ اسلام کی طرف راغب رہیں متنفر نہ ہوں اور کہیں بھی شریعت نے ان جیسی مجبوریوں میں حاجت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اورضرورت کے مطابق فیصلے کرنے سے روکا نہیں ہے۔اگراس کے خلاف کوئی کہے تو اس سے کہا جائے گا کہ اس پر دلیل لاؤ "فمن ادعی فعلیه البیان"(دیکھئے مقالہ:مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

مفتی شبیر احمد قاسمی مرادآباد کہتے ہیں کہ'' اس تناظر میں علماء وقت کوغور کرنا ہے کہ ہندوستان جیسے غیر اسلامی ممالک میں فریق ثانی کی رائے پرعمل کر سکتے ہیں یانہیں اگرفریق ثانی کی رائے پران ممالک میں پیش آمدہ مسائل اورمشکلات میں دینی مصلحت کے پیش نظرعمل کیا جائے توشاید نامناسب نہ ہوگا۔

متفرق رائے:

مجوزین میں قاری ظفر الاسلام صدیقی صاحب نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر حربی نہ ہوتو لے سکتا ہے،مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کہتے ہیں کہ وارث تونہیں ہوگا، تاہم مل جائے تو لے سکتا ہے،مفتی عبدالقیوم پالنپوری کہتے ہیں، مال لینا تو درست نہیں ہے،تاہم اگر اپنی زندگی میں کوئی غیرمسلم ہبہ اور بخشش کے طور پر دے تو لینا جائز ہے،مولانا عبدالشکور صاحب۔ قاسمی آکولہ کی رائے ہے کہ صرف اضطرار کی حالت میں درست ہے، جومصالح بیان کئے گئے ہیں ان میں نہیں۔

مفتی محمد سلمان منصورپوری کہتے ہیں کہ غیرمسلم ممالک میں اس کی گنجائش ہے،مسلم ملکوں میں نہیں،جبکہ مفتی انورعلی اعظمی صاحب،خواجہ نظام الدین یوسفی،اور مولانا عمر بن یوسف نے خاموشی اختیار کی ہے،مولانا خورشید انور اعظمی اور مولانا ولی اللہ مجید کہتے ہیں کہ اس صورت میں وصیت کی کوشش کرے۔

سوال نمبر ٦ - ورثہ کے درمیان انصاف قائم رکھنے اور مستقبل میں کوئی اختلاف نہ ہو، اس مقصد سے مورث کا اپنی زندگی میں سہام شرعی کے مطابق ترکہ تقسیم کردینے کی وصیت شرعاً معتبر ہوگی یانہیں؟

اس کے جواب میں بنیادی طور پر تین رجحانات سامنے آئے ہیں:

پہلا رجحان:

اس سوال کے جواب میں زیادہ تر مقالہ نگار حضرات کا رجحان یہ ہے کہ چونکہ اس وصیت کا مقصد ورثہ کوان کا حق شرعی دینا،مستقبل میں اختلاف ونزاع سے بچانا اورانصاف کو بروئے کار لانا ہے،اس لئے یہ وصیت معتبر اور درست ہے،اس رائے کومندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے۔

مولانا زبیر احمد قاسمی،مفتی محمد مقصود فرقانی،مولانا نورالحق رحمانی،محمد اخلاق قاسمی،مفتی عبدالرشید قاسمی،مفتی اعجاز الحسن باندے،مفتی رضوان الحسن مظاہری،مولانا محمد انیس ندوی،مفتی جمیل احمد نذیری،مولانا عمر بن یوسف کوکنی،مولانا ظفر عالم ندوی،مفتی سلمان قاسمی پالنپوری،مفتی جنید بن محمد پالنپوری،مولانا عبدالرب سعادتی،مفتی عبداللہ کاوی والا،مفتی ابصار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احمد ندوی، مولانا سید قمر الدین محمود بڑودہ، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، ڈاکٹر مفتی شاہجہاں ندوی، خواجہ نظام الدین یوسفی، مولانا اکمل یزدانی، مولانا ارشد علی رحمانی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی ابوبکر قاسمی، مولانا اسجد قاسمی ندوی، مفتی محمد عثمان غنی گورینی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد جہاں گیر حیدر قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا عبدالشکور قاسمی اکولہ، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی منصف بدایونی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مفتی ریاست علی قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی۔

دلائل ووجوہ:

ان حضرات نے دلائل وشواہد میں فقہاء کی انہیں عبارات اور نصوص کو ذکر کیا ہے جو سوال نمبر ۲ کے ضمن میں مذکور ہو چکے ہیں، اور اس بات کو بنیادی حیثیت دی ہے کہ چونکہ مورث کا منشاء کسی وارث کو نقصان پہنچانا نہیں ہے، بلکہ سہام شرعی کے مطابق حق دینا ہے اور شریعت ہی پر عمل کرانا ہے، اس لئے اس میں کوئی قباحت کی بات نہیں ہے، تاہم یہاں بھی یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ اس وصیت کا مقصد بھی دراصل وصیت نہیں ہے، بلکہ مورث کی موت کے بعد تقسیم ہونے والی جائداد کی حسب سہام شرعی زندگی میں محض تحدید وتعیین ہے، اگرچہ مقالہ نگاران نے وصیت کے زمرے کی بات نقل کی ہے، مثلاً دوسرے ورثہ کو نقصان نہ ہونا، تمام ورثہ کا راضی ہونا وغیرہ۔

☆ ”قال الله تعالى: كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خير الوصية“ (سورہ بقرہ: ۱۸۰) (ماخوذ از مقالہ مفتی ابوبکر قاسمی دربھنگہ، ان کا خیال ہے کہ مولانا عبدالصمد رحمانی نے اس آیت سے اسی طرح کی وصیت مراد لی ہے)۔

☆ ”قال رسول الله ﷺ : ما حق امرئ مسلم له شئ يوصى فيه يبيت ليلتين إلا وصية مكتوبة عنده“ (متفق علیہ مشکوۃ ۱/۲۶۵) (ماخوذ از مقالہ: مفتی عبدالرشید کانپور)۔

☆ ”ولو أوصى لبعض ورثته، فأجاز الباقون، جازت الوصية، لأن امتناع الجواز كان لحقهم لما يلحقهم من الأذى والوحشة بإيثار البعض، ولا يوجد ذلك عند الإجازة“ (بدائع الصنائع کتاب الوصایا ۷/۳۳۸) (ماخوذ از مقالہ: ڈاکٹر شاہجہاں ندوی)۔

☆ ”ويحرم من الوصية ما فيه مضار للورثة أو قصد الإضرار بهم“ (تفسیر مظہری ۲/۳۴۵) (دیکھئے مقالہ: مفتی ریاست علی رامپور)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

☆"قال (العبد الضعيف عفا الله عنه) قد ثبت بماذكرنا أن مذهب الجمهور في التسوية بين الذكر والأنثى في حالة الحياة أقوى وأرجح من حيث الدليل، ولكن ربما يخطر بالبال أن هذا فيما قصد فيه الأب العطية والصلة، وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده في حياته لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته، فإنه وإن كان هبة في الاصطلاح الفقهي، ولكنه في الحقيقة والمقصود استعجال لما يكون بعد الموت، وحينئذ ينبغي أن يكون سبيله سبيل الميراث، فلو قسم رجل في مثل هذه الصورة للذكر مثل حظ الانثيين على قول الإمام احمد و محمد بن الحسن، فالظاهر أن ذلك يسع له، ولم أرذلك صريحا في كلام الفقهاء، غير أنه لا يبدو خارجا عن قواعد هم والله اعلم" (تکملہ فتح الملہم ۲/۴۸-۴۹)(ماخوذ از مقالہ: مولانا عبدالرب عبدالوہاب سعادتی، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

☆"ويرى بعض فقهاء الشافعية والحنابلة-وإن كان الأصح في المذهب هو الرأى السابق-أن هذا التقسيم من المورث جائز، ويلزم به الورثة مادامت القسمة عادلة......وأخذ القانون المصرى والسورى بالرأى الثاني" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۹۶/۸)(ماخوذ از مقالہ: مولانا عبدالحکیم پالنپوری)۔

☆"ارشاد غيرك إلى ما فيه خير وصلاح له من قول أو فعل في الدين أو الدنيا" (التفسیر المنیر ۳۱۷/۱)(دیکھئے مقالہ موصوف)۔

☆"وقال الحنابلة و محمد من الحنفية: للأب أن يقسم بين اولاده على حسب قسمة الله تعالى في الميراث، فيجعل للذكر مثل حظ الأنثيين؛ لأن الله تعالى قسم بينهم كذلك، وأولى ما اقتدى به: هو قسمة الله، ولأن العطية في الحياة أحد حالى العطية، فيجعل للذكر مثل حظ الانثيين كحالة الموت، والميراث المترتب عليه، يدل لهذا أن العطية استعجال لما يكون بعد الموت، فينبغي أن تكون على حسبه" (حوالہ سابق المغنی ۶۰۴/۵، القوانین الفقہیہ ر ۳۶۷)(ماخوذ از مقالہ مولانا انوارالحق رحمانی)۔

دوسرا رجحان (مشروط اجازت):

یہ مسئلہ تقریباً مقالہ نگاران کے نزدیک اتفاقی ہے، تاہم بعض حضرات نے اپنی رائے کو بعض شرطوں کے ساتھ مشروط رکھا ہے، کہ انتقال کے بعد ورثا اس پر راضی ہوں تب معتبر ہے، اور کچھ لوگوں نے الگ الگ باتیں بھی کہیں ہیں، ان کی مشروط آراء نام بہ نام ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

-مولانا ارشاد اللہ قاسمی: یہ درست ہے، تاہم زندگی میں تقسیم نہ کرے، بلکہ اپنے فیصلہ میں رکھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

-مولانا خورشید احمد اعظمی: اس کا اعتبار اور تحدید اس وقت درست ہے، جب شریعت کے مطابق ہو اور کسی کو اعتراض نہ ہو۔

-مولانا محمد اخلاق قاسمی: اگر شریعت کے مطابق ہے تو قانون میراث کے مطابق مانا جائے گا۔

-مولانا عبداللہ سعدی: یہ لغو ہے اور اجازت پر موقوف ہے۔

-مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی: کسی کو خاص مصلحت کے وقت دینا چاہے تو ہبہ کردے، وصیت کی صورت میں مال ملنا یقینی نہیں ہے۔

-مولانا محمد الیاس قاسمی: وصیت کی یہ صورت اسی وقت درست ہوگی جب سبھی ورثہ موت کے بعد اجازت دیں۔

-ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی: مورث کی وفات کے بعد ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

-قاضی عبدالجلیل قاسمی: دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہے، اس لئے اجازت پر موقوف ہوگا۔

-مفتی عبداللہ کاوی والا: یہ درست ہے، البتہ تمام ورثہ سے اس پر دستخط کرالے۔

-مفتی ابصار احمد ندوی: یہ درست ہے، حدیث کے مطابق ہے، تاہم اس میں اندیشہ ہے۔

-مولانا سید قمر الدین محمود: یہ وصیت اس وقت درست ہوگی جب برضا و رغبت مورث کے انتقال کے بعد قبول کرے۔

-مفتی حبیب اللہ قاسمی: ہبہ کر کے مالک بنادے، زندگی میں ہی۔

-مفتی شبیر احمد قاسمی: جس نے اجازت دی اس کے حق میں معتبر اور جس نے نہیں دی اس کے حق میں وصیت کا کوئی اثر نہیں۔

-مفتی انور علی اعظمی: یہ درست ہے، مگر اس وقت جب تمام ورثہ اتفاق کرلیں۔

-مفتی جہانگیر حیدر قاسمی: جواز میں کوئی کلام نہیں، لزوم میں اختلاف ہے۔

-مفتی محمد سلمان منصور پوری: انتقال کے بعد تمام ورثہ راضی ہوں تو درست ہے۔

تیسرا رجحان:

زندگی میں سہام شرعی کے مطابق وصیت کردینے کے سلسلہ میں جناب مولانا محمد صادق مبارکپوری، اور مفتی عبد القیوم پالنپوری کا رجحان یہ ہے کہ وصیت کی یہ صورت درست اور معتبر نہیں ہے، اور مولانا عبداللہ سعدی کے نزدیک لغو ہے اور مولانا عبدالعظیم ندوی کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ معتبر اور ملزم نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلیل:

ان حضرات نے حدیث رسول اللہ ﷺ:"إن الله أعطى كل ذى حق حقه لا وصية لوارث" (مشکوۃ بحوالہ ابوداؤد، ۲۶۵) سے اس کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا صادق مبارکپوری)، مزید دلائل عدم جواز کے ماقبل میں تفصیل سے ذکر کئے جاچکے ہیں حسب ضرورت رجوع کیا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر ۷-وصیت کے سلسلہ میں مورث کی زندگی میں ورثہ کی طرف سے ظاہر کی گئی رضامندی مورث کی موت کے بعد معتبر ہوگی یا مورث کی زندگی میں بھی اس کا اعتبار ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں بھی تمام مقالہ نگاران متفق ہیں کہ ورثہ کے حق میں وصیت کے سلسلہ میں ورثہ کی طرف سے مورث کے انتقال کے بعد والی رضامندی ہی معتبر ہوگی، زندگی والی رضامندی کافی نہیں ہوگی، اس لئے کہ وارث کے حق میں مورث کی وصیت ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے، اور اس کا تعلق مورث کی وفات کے بعد سے ہے، چونکہ یہ اتفاقی مسئلہ ہے، اس لئے اسمائے گرامی کو بخوف طوالت حذف کیا جاتا ہے۔

البتہ اس مسئلہ میں صرف مفتی عبدالقیوم پالنپوری صاحب کی رائے مختلف ہے، ان کا خیال ہے کہ بعد مرگ یا قبل مرگ یہ تو بعد کی بات ہے، سرے سے وصیت ہی معتبر نہیں ہے، جبکہ مولانا محمد اخلاق قاسمی اس کو مشروط کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وصیت نامہ کے مطابق مال مل جاتا ہے تو موت کے بعد رضامندی ضروری نہیں ہے، اگر کمی زیادتی ہوتی ہے تو پھر نئی اجازت پر معاملہ موقوف رہے گا۔

دلائل و وجوہ:

مذکورہ تمام ہی حضرات نے قدر مشترک اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ چونکہ تقسیم کا تعلق مورث کی موت کے بعد سے ہے، اس لئے رضامندی بھی موت کے بعد ہی معتبر ہوگی، اس لئے کہ مورث اور موصی کی زندگی میں دی گئی اجازت دراصل حق ثابت ہونے سے پہلے کی ہے، جس کا یوں بھی کوئی اعتبار نہیں ہے، اور حق ثابت ہوا ہے مورث کے انتقال کے بعد، لہذا رضامندی بھی اسی وقت کی معتبر ہوگی، اس بات کی تائید وتوثیق میں بہت سی فقہی عبارات بھی پیش کی ہیں، مثلاً:

☆"قد اختلف فيمن أوصى بأكثر من الثلث، فأجازه الورثة في حياته، أو أوصى لبعض ورثته فأجاز الباقون في حياته، فقال أبوحنيفة، وأبويوسف، و محمد، و زفر، والحسن بن زياد، والحسن بن صالح، وعبيد الله بن الحسن، والشافعي: لا يجوز ذلك حتى يجيزوها بعد الموت، وقال ابن ابى ليلى، و عثمان البتي: ليس لهم أن يرجعوا فيه بعد الموت وهي جائزة عليهم" (احکام القرآن ۲/۱۲۴) (دیکھئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقالہ: مولانا ظفر عالم ندوی)۔

☆"إلا أن يجيزها الورثة بعد موته، وهم كبار ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته" (بدایۃ المبتدی کتاب الوصایا) (ڈاکٹر شاہجہاں ندوی کے مقالہ سے ماخوذ)۔

☆"ولا تعتبر إجازتهم في حياة الموصي، حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك، كذا في فتاوى قاضي" (عالمگیری ۶/ ۹۰) (مقالہ موصوف)۔

☆"وفي التاتارخانية: فإن أجازه الورثة في حياة المورث لا يعتبر إجازتهم، وكان لهم الرجوع، وإن أجازوا بعد موته صحت الإجازة" (دیکھئے: تاتارخانیہ ۱۹/ ۳۸۱، شامی ۱۰/ ۳۴۰، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۱۰۲، امداد الفتاوی ۴/ ۳۳۳، اعلاء السنن ۱۸/ ۳۰۲) (ماخوذ از مقالہ عبدالرب سعادتی)۔

☆"ولا ينفع إجازتهم في حال حياته، بل لا بد من الإجازة بعد موته، فإذا أجازوا حال حياتهم كان لهم الرجوع" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۳/ ۳۲۰) (ماخوذ از مولانا عبیداللہ ندوی)۔

☆"يرى أئمة المذاهب الأربعة أن الاجازة لا تكون مقبولة وملزمة، إلا بعد موت الموصي، فلو أحدثت الإجازة أوالرد في حياة الموصي لم يعتبر ذلك، لأن ملك التركة لا يثبت للورثة، إلا بعد موت المورث، فتعتبر اجازتهم وردهم بعد ثبوت الملك لهم" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۱۰۲) (ماخوذ از مقالہ: مولانا عبدالرب سعادتی)۔

البتہ اس مسئلہ میں مفتی محمد عثمان گورینی، مولانا نعیم اختر قاسمی نے کوئی رائے نہیں دی ہے خاموشی اختیار کیا ہے، اور مولانا عبیداللہ ندوی نے اس سوال کے جواب میں یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ ورثہ کی اجازت کی دو شرطیں ہیں، ایک تو یہ کہ اجازت دینے والا اہل تبرع میں سے ہو اور اجازت موصی کی وفات کے بعد ہونی چاہئے، اور مفتی جمیل احمد نذیری نے یہ شرط لگائی ہے کہ "اجازت دینے والے ورثہ اگر سب بالغ ہوں تب ہی معتبر ہے"، اور یہی بات مفتی حبیب اللہ قاسمی اور مولانا احسن عبدالحق ندوی وغیرہ نے لکھی ہے۔

قاضی فیاض عالم قاسمی لکھتے ہیں: اگر مورث کا مقصد حسب شرع تقسیم ہے اور اس نے اپنی حیات میں صرف سہام متعین کر دیا ہے اور اس بات کی وصیت کی کہ مقررہ سہام کے مطابق جائداد تقسیم کی تو ایسی صورت میں چونکہ انجام کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے ایسی وصیت کی حیثیت نصیحت سے زیادہ کچھ نہیں ہے، البتہ تقسیم کر کے وصیت بھی کر دیا تو اس کو ہبہ تصور کرنا چاہئے نہ کہ وصیت، اگر چہ وہ لفظ "ہبہ" سے ہبہ نہ کرے، یا حسب شرع نہ ہو، اس لئے کہ لوگ عموماً ہبہ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصیت کے اصطلاحی الفاظ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہبہ کی نیت سے وصیت کرتے ہیں اور پھر وارثین میں جھگڑا رونما ہوتا ہے جس کا مشاہدہ ہم دارالقضاء میں کرتے رہتے ہیں، ہم نے علماء ہند کے اردو فتاوی کے ''باب الوصیہ'' کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ وصیت کے اکثر سوالات ایسے ہیں جن میں وارث کے لئے ہی وصیت کی گئی ہے، اور بعض مرتبہ وکلاء اور علماء کرام کی طرف سے بھی ہبہ یا وصیت نامہ بنایا جاتا ہے جس کی حیثیت ایک خواہش یا نصیحت سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

وضاحت:

یہ واضح رہے کہ تادم حیات جائداد پر مورث کے اختیار باقی رہنے کے سلسلے میں اٹھائے گئے پہلو پر مقالہ نگاران نے کوئی خاص توجہ نہیں دی ہے، صرف ورثہ کی اجازت ورضامندی، اس کے اعتبار وعدم اعتبار اور کب معتبر ہے اور کب معتبر نہیں ہے، اسی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس سلسلہ کی تفصیلات اور فقہی عبارات اپنے اپنے مقالات میں پیش کی ہیں۔

سوال نمبر ۸- اگر کوئی وارث موجود نہ ہو تو اپنی بیوی کے لئے کل جائداد کی وصیت جائز ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں بھی تین موقف پائے جاتے ہیں:

پہلا موقف:

اکثر مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ چونکہ بیوی کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا وارث بھی نہیں ہے، اور وہ ''من یرد الیہ'' میں سے بھی نہیں ہے کہ تقسیم کے بعد جو بچ جائے وہ اسے مل سکے، اس لئے شوہر پورے مال کی وصیت بیوی کے لئے کردیتا ہے تو جائز ہے، معتبر ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں کسی وارث کے ساتھ حق تلفی نہیں ہو رہی ہے۔

اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا نورالحق رحمانی، مولانا محمد ارشاد اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مولانا عبدالعظیم ندوی، مولانا رضوان الحسن مظاہری، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد انیس ندوی، مولانا محمد الیاس قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، قاری ظفر الاسلام صدیقی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مفتی سلمان قاسمی پالنپوری، مولانا عبدالرب سعادتی، مفتی ابصار احمد ندوی، مولانا سید قمرالدین محمود بڑودہ، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی خواجہ نظام الدین یوسفی، مولانا اکمل یزدانی، مولانا ارشد علی رحمانی،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی، مفتی ابوبکر قاسمی، مفتی اسجد قاسمی ندوی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا محمد جہاں گیر حیدر قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا منصف بدایونی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی ریاست علی قاسمی۔

دلائل:

مذکورہ حضرات مقالہ نگاران اس کے لئے دلائل وشواہد کے طور پر بہت سی عبارتیں فقہ کی درج کی ہیں، مثلاً:

☆ یہ تبرع اور احسان ہے، "إن الله لا يضيع أجر المحسنين" (سورۂ توبہ:۱۲۰) (ماخوذ از مقالہ مفتی ابوبکر قاسمی)۔

☆"يا معشر أهل اليمن إنما يموت الرجل منكم لا يصلح أن أصله من العرب، ولا يدرى ممن هو؟ فمن كان كذلك، فحضره الموت، فإنه يوصى بمال كله حيث شاء"(مصنف عبد الرزاق ۹/۶۹-۷۰، حدیث نمبر ۱۶۳۷۴ بحوالہ فتح الملہم) (ماخوذ از مقالہ: عبدالرب سعادتی)۔

☆"لو أوصى لزوجته، أوهي له، ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية" (الدرالمختار ۷/۳۴۲)(ماخوذ از مقالہ مفتی ریاست علی رامپوری)۔

☆"كونه غير وارث أى إن كان ثمة وارث آخر، وإلا صح كما لو أوصى أحد الزوجين للآخر ولا وارث غيره" (ردالمختار ۱۰/۳۳۷)۔

☆"وذكر في الزيادات: إذا أوصت المرأة بنصف مالها لزوجها، ولم يكن وارث آخر، فالمال كله للزوج، النصف بحكم الإرث والنصف بحكم الوصية، كذا في الخلاصه"(برجندی شرح الوقایہ ۴/۱۳۹)(ماخوذ از مقالہ مولانا خورشید انور اعظمی)۔

☆"وهذا كله إذا كان للموصى ورثة، فإن لم يكن له ورثة لامن ذوى الفروض والعصبات ولا من ذوى الأرحام، فحينئذ تنفذوصيته في أكثر من الثلث بالغة ما بلغت، هذا هو المختار عند الحنفية، كما صرح به الحصكفي "(شامی ۵/۴۶۱، تکملہ فتح الملہم ۸/۹۲)(ماخوذ از مقالہ: مولانا عبد الحکیم قاسمی پالنپوری)۔

☆"وكذلك لو أوصى لرجل بجميع ماله، وليس له وارث، تنفذ الوصية فى الكل، ولا يحتاج فيما إلى إجازة أحد"(تاتارخانیہ ۱۹/۳۸۱)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

☆"ولو أوصى أحدهما أى أحد الزوجين للآخر بكل ماله ولا وارث له غيره فله أى الموصى له كله، أى كل المال، فيأخذ جميعه إرثاووصية على الصحيح من المذهب؛ لأنه لا يرد عليهما" (مطالب أولی النہی کتاب الوصایا ۴/۴۴۸) (ماخوذ از ڈاکٹر شاہجہاں ندوی)۔

☆"قال أبوحنيفة وأبويوسف و محمد و زفر والحسن بن زياد: إذا لم يكن له وارث، فأوصى بجميع ماله جاز، وهو قول شريك بن عبدالله" (احکام القرآن للجصاص ۲/۱۲۵) (ماخوذ از مولانا ظفر عالم ندوی)۔

☆"ويفتى بالرد على الزوجين في زماننا لفساد بيت المال......قال في المستصفى: والفتوى اليوم بالرد على الزوجين وهو قول المتأخرين من علمائنا ...... أفتى كثير من المشائخ بالرد عليهما إذا لم يكن من الأقارب سواهما" (ردالمحتار ۵/۵۵۶ کتاب الفرائض) (ماخوذ از مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

☆"يرد على الزوجين بناء على أنه ليس في زماننا بيت المال، لأنهم لا يضعون موضعه، و عليه المتأخرون منا، ......فيرد عليهما عند عدم أصحاب الفرائض النسبية، وهما مقدمان على ذوى الأرحام، والحق الرد عليهما وضع موضع بيت المال فدرجتهما درجة بيت المال، يعنى لولم يكن الموصى له بجميع المال فالآن يرد على الزوجين لفقد بيت المال في زماننا" (سراجی علی المیراث مع حاشیہ دلیل توارث/۲۱) (مقالہ ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

دوسرا موقف:

اس سلسلہ میں دوسرا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پورے مال کی وصیت اپنی بیوہ کے لئے کرتا ہے تو یہ درست نہیں ہے، اور باطل ہے، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مفتی اعجاز الحسن بانڈے کشمیر، مولانا عبداللہ سعدی، مفتی جنید بن محمد، مفتی عبدالقیوم پالنپوری، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا احسن عبدالحق ندوی۔

دلائل:

ان حضرات نے اس سوال کے جواب میں بھی اسی حدیث کو بنیاد بنایا ہے؛ جس میں صراحت ہے کہ "إن الله قد أعطى كل ذى حق حقه لا وصية لوارث" (حوالہ اوپر آچکا ہے، دیکھئے مقالہ: مفتی جنید بن محمد)۔

☆"أما الزوجان، فحالتان: الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولدوولدالابن، وإن سفل،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والثمن مع الولد وولدالابن، وإن سفل"(سراجی فی المیراث ۷-۸)(دیکھئے مقالہ: مولانا احسن عبدالحق ندوی)۔

تیسرا موقف:

اس سوال کے جواب میں تیسرا موقف یہ ہے کہ بجائے وصیت کے تکلف میں پڑنے کے عطیہ اور ہبہ کر کے اپنی بیوی کو مال کا وارث اور مالک بنادے، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عمر بن یوسف کوکنی، مولانا محمد نور الحق رحمانی، حافظ کلیم اللہ عمری (ان کی رائے وصیت کی تو نہیں ہے، تاہم ہبہ کے جواز کی ہے)(مولانا رحمت اللہ ندوی)۔

اور ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ چونکہ فی زمانہ بیت المال نہیں ہے، لہذا بیوی کو ہی کوئی دوسرا وارث نہ ہونے کی صورت میں بیت المال کا درجہ دے کر سارے مال کو اسی پر رد کر دیا جائے اور اس پر "الاشباہ والنظائر" کی طویل عبارت بھی نقل کی ہے: "یرد علی الزوجین بناء علی أنه لیس فی زماننا بیت المال، لأنهم لا یضعون موضعه، وعلیه المتاخرون"(سراجی مع حاشیہ دلیل توارث ۲۱)، اور مولانا محمد اقبال ٹنکاروی کہتے ہیں کہ وصیت کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، تاہم معتبر ہے، بشرطیکہ دوسرے ورثہ راضی ہوں، مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب کہتے ہیں کہ اگر کوئی وارث نہ ہو تو ثلث سے زائد مال بیوی کو ملے گا، ان حضرات کے پیش نظر وارث کے سلسلہ میں وصیت کی ممانعت سے بچنا ہے، مفتی جنید بن محمد نے بیوی کے حق میں وصیت کرنے کو منع کیا ہے، البتہ یہ کہتے ہیں کہ کسی بھی وارث کی عدم موجودگی میں پورا کا پورا مال بیوی کو ملے گا ہی، لہذا وصیت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور اس پر "فتاوی رحیمیہ" (۲۵۷/۱۰) کا حوالہ دیا ہے۔

سوال نمبر ۹- کسی وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زائد کی وصیت کر دی، اور دوسرے ورثاء مورث وموصی کی زندگی میں اس پر راضی بھی ہوگئے تھے، تو کیا یہ وصیت معتبر ہوگی؟ اور انتقال مورث کے بعد ورثہ کی رضامندی کی تجدید ضروری ہوگی، یا وہی رضامندی کافی ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگاران اس بات پر متفق ہیں کہ ایک تہائی سے زیادہ اگر کسی وارث کے حق میں مورث نے وصیت کر دی اور مورث کی زندگی میں سارے ورثہ اس پر رضامند تھے، تو اس وصیت کے معتبر قرار پانے کے لئے مورث کے انتقال کے بعد بھی اس پر تمام ورثہ کا رضامند رہنا ضروری ہوگا، اگر کسی کو اس پر اعتراض ہوتا ہے تو وہ وصیت کالعدم قرار پائے گی، اور محض زندگی کی رضامندی کافی نہیں ہوگی۔

البتہ اس سوال کے جواب میں مولانا محمد ارشاد اللہ قاسمی صاحب نے مورث کی زندگی میں ظاہر کی گئی دیگر ورثہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رضامندی کو معتبر مانا ہے، جبکہ مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی عبدالقیوم پالنپوری اور مفتی خواجہ نظام الدین یوسفی نے اس کے جواب پر خاموشی اختیار کی ہے، جبکہ مولانا احسن عبدالحق ندوی نے ثلث مال سے وصیت کی تفصیلات درج کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی صاحب نے اس مسئلہ پر صرف فقہاء کی عبارتیں نقل کی ہیں، اپنی طرف سے کوئی رائے نہیں دی ہے۔

دلائل:

☆"إن الانسان إذا أوصى لوارثه بوصية، فلم يجزها سائر الورثة لم تصح بغير خلاف بين العلماء" (المغنی لابن قدامہ ۸/۳۹۶) (ماخوذ از مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی)۔

☆"رجل أوصى بجميع ماله للفقراء او لرجل بعينه لا تجوز ذلك، إلا من الثلث، فإن أحازه الورثه في حياة المورث لا يعتبر إجازتهم، وكان لهم الرجوع، وإن أجاز وابعد موته صحت الإجازة" (تاتارخانیہ ۱۹/۳۸۱)، "ولا تعتبر إجازتهم حال حياته أصلاء، بل بعد وفاته" (الدرالمختار ۱۰/۳۴۰)، "ولا تجوز مازاد على الثلث، إلا أن يجيزها الورثة بعد موته، وهم كبار، ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته" (ہندیہ ۶/۱۰۶) (ماخوذ از مقالہ: مفتی ریاست علی قاسمی)۔

☆"ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته، لأنها قبل ثبوت الحق، إذا الحق يثبت عند الموت، فكان لهم أن يردوه بعد وفاته، بخلاف ما بعد الموت، لأنه بعد ثبوت الحق، فليس لهم أن يرجعوا عنه" (الہدایہ مع البنایہ کتاب الوصایا ۱۳/۳۹۳) (دیکھئے مقالہ: مفتی شاہجہاں ندوی)۔

☆"وبردهم وإجازتهم بعده لعدم تحقق استحقاقهم قبل موته" (حاشیہ البجیرمی علی الخطیب کتاب الوصیۃ ۳/۲۷۰) "ولا تصح إجازتهم وردهم، إلا بعد موت الموصى، وما قبل ذلك فلا عبرة به" (المقنع مع المبدع ۵/۳۹ھ) (دیکھئے مقالہ: موصوف)۔

☆"ثم وقت الإجازة هو ما بعد موت الموصى، ولا تعتبر الإجازة حال حياته، حتى أنهم لو أجاز وافي حياته لهم أن يرجعوا عن ذلك بعد موته، وهذا قول عامة العلماء، وقال ابن ابى ليلى: تجوز إجازتهم بعد موته و حال حياته، فإذا أجازوا في حياته، فليس لهم أن يرجعوا بعد موته، ولا خلاف في أنهم إذا اجازوا بعد موته ليس لهم أن يرجعوا بعد ذلك الخ" (بدائع الصنائع ۶/۴۸۳، ہدایہ ۴/۳۹، فتح القدیر ۱۰/۴۴۸) (ماخوذ از مقالہ: مفتی شبیر احمد قاسمی مرادآباد)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے فقہاء کی ان عبارتوں کو ہی پیش نظر رکھتے ہوئے، مورث کی وفات کے بعد والی رضامندی کو معتبر قرار دیا ہے۔

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرض مسئلہ:

میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل

(سوال نمبر ۱، ۲، ۳، ۴ وسوال نمبر ۷)

مفتی راشد حسین ندوی ☆

فقہ اکیڈمی کے تعیسویں سمینار کا ایک اہم موضوع ''میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل'' ہے، اس موضوع کے سوال نمبر ۱، ۲، ۳، ۴ وسوال ۷ کے عرض مسئلہ کے لیے راقم کو حکم دیا گیا ہے، اس موضوع پر اکیڈمی کو ۴۸ مقالات موصول ہوئے ہیں، اس موضوع پر بھیجے جانے والے سوالنامہ کا پہلا سوال یہ تھا کہ جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کے لیے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھا دینا (تا کہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں) واجب ہے یا جائز یا ممنوع؟

اس سوال کے جواب میں فاضل مقالہ نگاروں نے تین طرح کی آراء ظاہر کی ہیں:

پہلی رائے: مندرجہ ذیل حضرات نے اس طرح کی وصیت کو جائز قرار دیا ہے:

(مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی محمد مقصود علی فرقانی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے القاسمی، مولانا عبدالعظیم ندوی، مولانا محمد انیس ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا عمر ابن یوسف کوکنی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا محمد صادق مبارک پوری، مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا محمد منصف بدایونی، مولانا ارشد علی رحمانی، ڈاکٹر حسن اشفری اور مفتی رحمت اللہ ندوی)۔

دوسری رائے: مندرجہ ذیل حضرات نے سوالنامہ میں درج حالات کے وقت اس طرح کی وصیت کو واجب قرار دیا ہے:

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(ڈاکٹر مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی لطیف الرحمان، مفتی ابصار احمد ندوی، مفتی عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبدالرب واپی سعادتی، مفتی جنید پالنپوری، خواجہ نظام الدین یوسفی، مفتی سلمان پالنپوری قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد الیاس قاسمی، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا عبدالرشید کانپوری، مولانا محمد اخلاق قاسمی، مولانا عبدالحکیم پالنپوری قاسمی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا ریاست علی قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی اکمل یزدانی قاسمی، مولانا نورالحق رحمانی اور راقم الحراف راشد حسین ندوی)۔

جبکہ مولانا ارشاد اللہ قاسمی صاحب نے کئی دلائل ذکر کیے ہیں اور لکھا ہے کہ ان سے وجوب کا اشارہ ملتا ہے، لیکن واضح طور پر کوئی حتمی بات نہیں کہی۔

تیسری رائے: یہ ہے کہ اس طرح کی وصیت لغو اور غیر معتبر ہے، مفتی حبیب اللہ صاحب نے یہ رائے صراحت سے ظاہر کی ہے، جبکہ مولانا عبداللہ سعدی نے تحفۃ المحتاج کی ایک عبارت نقل کر کے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دلائل: تیسری رائے کے قائلین میں سے مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی فرماتے ہیں: اس لیے کہ جن کا حصہ شرعی منصوص علیہ ہے، وہ بہر حال انتقال کے بعد اپنے حصہ شرعی کے مالک ہیں، اس لیے وہ محتاج وصیت نہیں ہیں، اور مولانا عبداللہ سعدی تحفۃ المحتاج (۷/۱۶) کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

"وقال ابن حجر والوصية لكل وارث بقدر حصته مشاعاً كنصف وثلث لغو لانه يستحقه بغير وصية .....الخ"

جن حضرات نے اس طرح کی وصیت کو جائز قرار دیا ہے ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- "ان اللّٰه تبارک و تعالیٰ قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصية لوارث"

مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ان الفاظ میں صاحب شریعت نے واضح فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کا حق متعین کر کے مقرر کر دیا ہے، اس کو اس متعین حق سے زیادہ نہیں ملے گا، لہٰذا لا وصية لوارث کا مطلب واضح ہو گیا کہ اس متعین حصہ سے ہٹ کر وصیت کے ذریعہ کچھ نہیں ملے گا، اب اگر مورث اپنی موت سے قبل زندگی میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کو ہر متوقع وارث کے لیے متعین کر کے نامزد کر دے تو حدیث مذکور کی خلاف ورزی لازم نہیں آئے گی اور یہ بلا شبہ جائز و درست ہوگا، اسی سے ملتی جلتی دلیل مولانا احسن عبدالحق ندوی اور مولانا ریاض ارمان قاسمی صاحب نے بھی دی ہے۔

۲- "لا وصية لوارث" میں وارث کے لیے وصیت کا عدم جواز معلول بعلت الضرر ہے، اسی لیے ورثہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اجازت سے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے "الا ان یجیزھا الورثۃ" مذکورہ وصیت میں بھی ممانعت کی وجہ نہیں پائی جارہی ہے، لہٰذا اس کو جائز ہونا چاہیے۔

(مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مفتی مقصود علی فرقانی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے قاسمی، مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا محمد انیس ندوی)۔

۳- ترکہ اس مال کو کہا جاتا ہے جو میت اپنے پیچھے چھوڑ کر جاتا ہے اور ترکہ کی تقسیم ورثاء کی ذمہ داری ہے نہ کہ میت کی، لہٰذا اس کو واجب قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی)۔

۴- حدیث شریف "لا ضرر ولا ضرار" اور قاعدہ فقہیہ "الضرر یزال" (مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

۵- حاشیۃ الشروانی کی عبارت "خرج بہ مالو اوصی لبعضھم بقدر حصتہ کأن أوصی لأحد ابنیہ الثلاثۃ بثلث مالہ فانھا تصح .....الخ" (مولانا عمر ابن یوسف کوکنی)۔

۶- احکام القرآن للجصاص کی عبارت "فلما قیل فیھا بالمعروف وانھا علی المتقین دل علی انھا غیر واجبۃ" سے استدلال کرتے ہوئے مولانا ظفر عالم ندوی فرماتے ہیں: مذکورہ کلام سے یہ معلوم ہوا کہ آیات میراث کے نزول سے قبل والدین اور اقرباء کے حق میں جو وصیت کا حکم تھا، بعض علماء کے نزدیک وہ واجب نہیں تھا، اسی طرح جہاں میراث کی تقسیم ممکن نہ ہو اور وصیت کرنے کی نوبت آئے تو یہ وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب اور جائز ہوگی۔

۷- مولانا عبدالعظیم ندوی صاحب نے الفقہ الاسلامی کی عبارت کو پیش کیا ہے: "ویری بعض فقھاء الشافعیۃ والحنابلۃ ان ھذا التقسیم من المورث جائز.....الخ"۔

۸- مولانا عبیداللہ ندوی صاحب نے کئی دلائل درج کیے ہیں، کچھ درج ذیل ہیں:

الف: وجوب کے لیے کسی نص کا ہونا ضروری ہے۔

ب: فقہاء کے درمیان جواز اور عدم جواز کا اختلاف خود عدم وجوب کی دلیل ہے۔

ج- ورثاء کی موجودہ تعداد میں کمی بیشی ہونے پر مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔

د: وصیت ایک تبرع ہے اس کا وجوب نہیں ہوسکتا۔

جن حضرات نے اس طرح کی وصیت کو واجب قرار دیا ہے، ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- "یا ایھا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأھلیکم ناراً .....الآیۃ"

اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے خواجہ نظام الدین یوسفی صاحب لکھتے ہیں: امر بالمعروف و نھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عن المنکر بھی دین کا ایک اہم جزء ہے، نیز وہ خود ہمارے بچے ہیں، تو ہمارے اوپر ضروری ہے کہ ہم ان کو کسی بھی طرح شریعت کے خلاف عمل کرنے کی اجازت نہ دیں، ہماری وفات کے بعد بھی شریعت کے حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے شرعی تقسیم کرنے کی کوئی صورت موجود ہو تو ہم اس کو کیوں نہ اختیار کریں۔

۲- اسلام میں اصل اعتبار نیت اور مقاصد کا ہے۔"انما الأعمال بالنیات.....الحدیث" اور اس وصیت کو اگر چہ وصیت کا نام دیا گیا ہے، لیکن درحقیقت یہ میراث کی تقسیم ہے، ایسا وصیت نامہ تیار نہ کرنے کی صورت میں شریعت کا نظام میراث متاثر ہوگا اور وارثوں کے حقوق ضائع ہوں گے جو ظلم ہے اور رفع ظلم واجب ہوتا ہے (مولانا نورالحق رحمانی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا جمیل احمد نذیری، مفتی عبداللہ کاوی والا)۔

۳- "فأما الوصیة الواجبة فھی ماترتب علیھا ایصال الحقوق لأربا بھا"(کتاب الفقه علی المذاھب الأربعة) (مولانا اخلاق قاسمی)۔

۴- قرآن مجید میں تفصیل سے میراث کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور اس تفصیل کے مطابق تقسیم کرنے کو ضروری قرار دیا گیا:"للرجال نصیب مما ترک الوالدان.....الآیة" اور "یوصیکم اللہ.....الآیة" میں اس کی تفصیلات ہیں، حدیث شریف میں بھی حکم دیا گیا ہے:"ألحقوا الفرائض بأھلھا" یہ احکام مورث کی موت کے بعد دوسرے مومنین کو دیا گیا ہے، لیکن اگر اس حکم کی تکمیل مورث کے کسی عمل پر موقوف ہو جائے تو یہ عمل اس پر بھی لازم ہونا چاہیے، خاص طور سے اس لیے بھی کہ بعض مفسرین نے یوصیکم میں مخاطب اسی کو قرار دیا ہے:"وقیل الخطاب لذوی الاولاد علی معنی یوصیکم فی توریثھم اذامتم" (روح المعانی: ۴/۲۱۶)(راشد حسین ندوی، مولانا عبدالرشید صاحب کانپوری، مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا محمد ارشاد اللہ قاسمی)۔

۵- "کتب علیکم إذا حضر احدکم الموت.....الآیة" کے متعلق علامہ کاسانی فرماتے ہیں: فقال بعضھم: الوصیة بقیت واجبة للوالدین والاقربین غیر الوارثین بسبب الکفر والرق۔ (بدائع الصنائع: ۶/۴۲۴)۔

لہٰذا یہ وجوب اصحاب حقوق کو ان کا حق دلانے کے لیے بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے (راشد حسین ندوی، مولانا عبد الرشید کانپوری، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا محمد ارشاد اللہ قاسمی)۔

۶- اصول فقہ کی کتابوں میں یہ اصول مشہور ہے:"مالا یتم الواجب الا به فھو واجب" (فقہ النوازل: ۳/ ۲۲۵)(مولانا الیاس قاسمی، مولانا خواجہ نظام الدین یوسفی، مولانا عبدالرب سعادتی، مفتی ابصار احمد ندوی)۔

۷- فتاویٰ دارالعلوم (۱۷/۵۰۱) میں اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں ہے:"اس صورت میں رجسٹری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرانا اس کے ذمہ ضروری ہے‘‘ (مفتی سلمان پالنپوری)۔

۸- مفتی سعید احمد پالنپوری نے اپنی کتاب الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر (صفحہ ۲۴۱) میں اس طرح کی صورت حال میں رجسٹری کرا دینے کو ضروری قرار دیا ہے (مفتی عبدالقیوم پالنپوری، مولانا محمد ارشاد اللہ قاسمی)۔

۹- مولانا ابصار احمد ندوی نے فتاوی الشبكة الاسلامية کی یہ عبارت نقل کی ہے: ’’واذا كان الاب المذكور لا يستطيع أن يحفظ لابنه حقه هذا الا بالوصية له بالمال فالواجب ان يوصى له به..... الخ‘‘ (۱۲/ ۲۱۹۲)۔

ان آراء میں سے وجوب کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ جائز قرار دینے والے حضرات کے اکثر دلائل اس بات پر مبنی ہیں کہ یہ وصیت ’’ لا وصية لوارث ‘‘ کے معارض نہیں ہے، لہٰذا اسے جائز ہونا چاہیے، لیکن معارض نہ ہونے کے بعد فقہی مرتبہ اور حیثیت سے ان دلائل میں کوئی بحث نہیں ہے، رہی یہ دلیل کہ ترکہ کی تقسیم ورثاء کی ذمہ داری ہے نہ کہ مورث کی تو یہ ایک وزنی دلیل ہے، لیکن قائلین وجوب کے دلائل میں اس کا جواب آ گیا ہے، وہ یہ کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ شریعت کے احکام کے مطابق تقسیم ہو، اس حکم کی بجا آوری کے لیے تمام مومنین کو مخاطب بنایا گیا ہے، لہٰذا یہ تقسیم جس کے فعل پر موقوف ہو اس کا فعل واجب ہونا چاہئے، رہا یہ استدلال کہ وصیت ایک تبرع ہے اس کو واجب کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ تقسیم میراث کی ایک کوشش ہے، صرف وصیت کے لفظ سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔

قائلین جواز کی ایک وزنی دلیل یہ بھی ہے کہ اس وصیت کے وجوب کے لیے کوئی نص موجود نہیں ہے، لیکن قائلین وجوب کے دلائل میں اس کا یہ جواب آ چکا ہے کہ چونکہ یہ محض وصیت نہیں ہے بلکہ تقسیم میراث کو یقینی بنانے کی ایک صورت ہے، لہٰذا خاص طرح کے حالات میں اس کے لیے نص آیت میراث کو قرار دیا جا سکتا ہے، قاعدہ فقہیہ مالا يتم الواجب الا به فهو واجب سے اس کی طرف رہنمائی بھی مل رہی ہے، مزید یہ کہ اس رائے کو فتاوی دار العلوم دیوبند اور بعض بڑے علماء کی تائید بھی حاصل ہے۔ واللہ اعلم

اس موضوع کا دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ وصیت حدیث: ’’لا وصية لوارث‘‘ کے خلاف تو نہیں؟

اس کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ یہ وصیت مذکورہ حدیث کے معارض نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث میں ممانعت اس وصیت کی ہے جس سے کسی وارث کو ضرر پہنچانے کا ارادہ ہو، مذکورہ وصیت کا مقصد تو ہر وارث کو اس کا پورا حق دلانا ہے، البتہ مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب نے لکھا ہے کہ ورثاء کے حق میں وصیت غیر معتبر اور لغو ہے، اور حافظ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کلیم اللہ عمری صاحب نے لکھا ہے کہ مذکورہ وصیت شریعت کے خلاف تو ہے مگر جہاں نظام میراث کلی طور پر قابل عمل نہ ہو تو اس وصیت کی حیثیت ایک عہد نامہ کی ہو جائے گی، یہی رائے مولانا احسن عبدالحق ندوی کی بھی ہے، اس میں راجح رائے اکثر مقالہ نگاروں کی ہے، دلیل اوپر گزر چکی ہے کہ حدیث معلول بعلت الضرر ہے۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ حدیث نبوی ''لا وصیة لوارث'' کا مورد و مقصد صرف وہ وصیت ہے، جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو، یا وہ وصیت بھی اس ممانعت کے دائرہ میں آتی ہے، جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو؟

اس کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کسی وارث کو اس کے شرعی حق سے زیادہ نہ دلایا جائے، اس ممانعت کے دائرہ میں وہ وصیت نہیں آئے گی جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا شرعی حق دلانا ہو، اس کے دلائل اوپر گزر چکے ہیں، لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، البتہ مفتی حبیب اللہ صاحب نے اس سوال کے جواب میں بھی اپنی بات دہرائی ہے کہ اس وصیت کی ضرورت نہیں ہے اور مولانا صادق مبارکپوری فرماتے ہیں کہ وہ وصیت بھی اس میں داخل ہے، جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو۔

اس میں بھی راجح رائے اکثر مقالہ نگاروں کی معلوم ہوتی ہے، دلائل اوپر گزر چکے ہیں۔

چوتھا سوال یہ تھا کہ غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کی مزید کیا شکلیں ہو سکتی ہیں؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل شکلیں تحریر فرمائی ہیں:

۱- اپنی زندگی ہی میں حسب حصص شرعیہ ورثاء کے درمیان اپنا مال تقسیم کر دے یا ہبہ کر کے اس کا قبضہ کرا دے۔ (مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبدالعظیم ندوی، مولانا اخلاق قاسمی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مفتی جنید پالنپوری، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا الیاس قاسمی، مولانا عبداللہ سعدی، مولانا محمد الیاس ارمان قاسمی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ارشد علی رحمانی اور مفتی رحمت اللہ ندوی)۔

۲- پرسنل لا بورڈ کی تشکیل کی جائے پھر اس کے ذریعہ نظام شریعت و میراث نافذ کیا جائے۔ (حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبدالعظیم ندوی، مولانا عبدالحکیم پالنپوری قاسمی، مفتی اکمل یزدانی)۔

۳- علماء اور ائمہ عوام کی ذہن سازی کریں۔ (مفتی لطیف الرحمان، راشد حسین ندوی، مفتی ابصار احمد ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا محمد منصف بدایونی)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴- اہل سیاست اسلامی نظام میراث کو قانون کی شکل میں مدون کر کے نافذ کرانے کی کوشش کریں (مفتی لطیف الرحمان صاحب)۔

۵- مسلمان اجتماعی طور پر جس طرح بھی ممکن ہو حکومتوں پر دباؤ ڈال کر اسلامی نظام میراث جاری کروانے کی کوشش کریں۔ (مولانا عبدالرشید کانپوری، راشد حسین ندوی، مولانا نور الحق رحمانی، مولانا ارشاد اللہ قاسمی، مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی عبدالقیوم پالنپوری، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا عبدالرب سعادتی، مفتی محمد جنید پالنپوری، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا ریاست علی قاسمی، مولانا محمد منصف بدایونی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی اکمل یزدانی قاسمی)۔

٦- خود مورث اپنے اہل وعیال کی دینی تربیت کرے اور اسلامی نظام میراث پر عمل پیرا ہونے کے لیے ان کی ذہن سازی کرے (مولانا نور الحق رحمانی)۔

۷- ہر مسلم آبادی میں علماء اور دانشوروں پر مشتمل ایک پنچایت قائم کی جائے جو شریعت کی روشنی میں میراث تقسیم کیا کرے (مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی ابصار احمد ندوی، مفتی رضوان الحسن مظاہری)۔

۸- مسلم آبادیوں کو مختلف حلقوں میں تقسیم کیا جائے اور ہر حلقہ میں ایک کمیٹی قائم کی جائے جو تقسیم میراث کا کام کرے (مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

۹- جہاں دارالقضاء موجود ہوں وہاں کی عوام سے کہا جائے کہ اپنے معاملات دارالقضاء میں دائر کریں (مفتی ابصار ندوی)۔

۱۰- حصص شرعیہ کے مطابق سرکاری کھاتوں میں وارثوں کے نام کر دے، لیکن باقاعدہ ہبہ کر کے ان کو مالک نہ بنائے، حق تصرف اپنے پاس رکھے (مفتی سلمان پالنپوری، مفتی جنید پالنپوری)۔

۱۱- اپنی جائداد اولاد پر وقف کر دے (مولانا محمد الیاس قاسمی)۔

۱۲- دارالقضاء قائم کر کے مسلمانوں کو آمادہ کیا جائے کہ معاملات ان میں حل کرائیں (مولانا رضوان الحسن مظاہری، سید قمر الدین محمود قاسمی، مفتی مقصود علی فرقانی، مولانا عبیداللہ ندوی، مفتی اکمل یزدانی قاسمی)۔

۱۳- تقسیم میراث کے لیے مورث علماء کی کوئی کمیٹی تشکیل دے (مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی)۔

۱۴- مورث ملک کے مجسٹریٹ کے نام وصیت لکھ دے کہ میری میراث شریعت کے مطابق تقسیم کی جائے (مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۵- مورث ورثاء کے لیے بخشش نامہ لکھ دے(مولانا انیس ندوی)۔

۱۶-مسلمان شرعی پنچایتیں قائم کریں، اور اپنے معاملات ان پنچایتوں کے ذریعہ حل کرائیں (مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

راقم کو سوال نمبر ۷ کے عرض مسئلہ کا بھی حکم دیا گیا ہے، اس سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ورثاء کے حق میں وصیت شرعاً دوسرے ورثاء کی رضامندی پر موقوف ہوتی ہے، تو کیا مورث کی زندگی میں دوسرے ورثاء کی رضامندی کافی ہوگی یا اس کی موت کے بعد ورثاء کی رضامندی ضروری ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاروں نے صراحت کی ہے کہ صرف مورث کی زندگی میں دوسرے ورثاء کی رضامندی کافی نہیں ہے، مورث کی موت کے بعد ان کا رضامند ہونا ضروری ہے، اس کے لیے ان حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل نقل کیے ہیں:

۱- إلا أن تجیز ورثته بعد موته ولاتعتبر إجازتهم حال حیاته اصلاً۔ (الدرالمختار)(مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد انیس ندوی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی، مولانا جمیل احمد نذیری، مفتی سلمان پالنپوری قاسمی، راشد حسین ندوی، مولانا عبد الرشید صاحب کانپوری، مفتی ظفر عالم ندوی، مولانا عبد الحکیم پالنپوری قاسمی، مولانا ریاست علی قاسمی، مولانا محمد منصف بدایونی، مولانا ارشد علی رحمانی)۔

۲- ولا تعتبر اجازة الورثة فی حال حیاة الموصی حتی کان لهم ان یرجعوا بعد موت الموصی۔ (مجمع الانہر: ۴/ ۴۱۹)(مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی الصار احمد ندوی)۔

۳- لا اعتبار برد الورثة وإجازتهم فی حیاة الموصی، فلو أجازوا فی حیاته أو أذنوا له فی الوصیة ثم ارأدوا الرد بعد موته فلهم ذالک۔ (روضۃ الطالبین للنووی: ۵/ ۱۰۵-المطالب: ۶/ ۷۶)(مولانا محمد عمر ابن یوسف کوکنی)۔

۴- ولا تنفع إجازتهم فی حال حیاته بل لا بد من الاجازة بعد موته۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۳/ ۳۲۰)(مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا محمد ارشاد اللہ قاسمی، مولانا اخلاق قاسمی، مولانا عبد الرشید کانپوری)۔

۵- ثم وقت الاجازة هو بعد موت الموصی ولا تعتبر الاجازة حال حیاته (بدائع الصنائع: ۶/ ۳۸۲) (مولانا محمد انیس ندوی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا اخلاق قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی اکمل یزدانی قاسمی، مولانا ارشد علی رحمانی)۔

۶- ولا تعتبر باجازتهم فی حال حیاته۔ (فتح القدیر: ۱۰/ ۴۴۸)(مولانا محمد انیس ندوی، مفتی شبیر احمد قاسمی،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی)۔

۷- ولا معتبر باجازتهم في حال حياته۔ (ہدایہ:۴/۶۳۹)(مفتی شبیر احمد قاسمی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا جمیل احمد نذیری، مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا اخلاق قاسمی، مفتی اکمل یزدانی قاسمی)۔

۸- فالجمهور على انهم إن أجازوا في حياة الموصي كان لهم الرجوع متى شاؤا وإن أجازوا بعده نفذ۔ (فتح الباری:۵/۴۶۹)(مولانا زبیر احمد قاسمی)۔

۹- ولا تعتبر إجازتهم في حياة الموصي حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك۔ (فتاوی عالمگیریہ:۴/۲۲۳)(مفتی مقصود علی فرقانی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے قاسمی، مفتی سلمان صاحب پالنپوری، مولانا عبد الرب سعادتی، مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی لطیف الرحمان صاحب، مولانا صادق مبارکپوری)۔

۱۰- لا يجوز ذالک حتى يجيزوها بعد الموت.....الخ۔ (احکام القرآن:۲/۱۳۲)(مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا الیاس قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا اخلاق قاسمی، راشد حسین ندوی، مولانا عبد العظیم ندوی، مفتی ظفر عالم ندوی، مولانا نور الحق رحمانی، مولانا ارشد علی رحمانی)۔

۱۱- إن أجازوا بعد الموت ليس لهم أن يرجعوا عنها وإن أجازوا في حال الحياة فلهم ان يرجعوا بعد الموت۔ (تاتارخانیہ:۱۹/۴۸۷)(مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی جنید بن محمد پالنپوری، مولانا عبد الرب سعادتی، مولانا اخلاق قاسمی)۔

۱۲- ولا تعتبر الرد والإجازة إلا بعد موت الموصي۔ (المغنی لابن قدامہ:۶/۴۵۸)(مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ارشد علی رحمانی)۔

۱۳- أن يكون الإجازة بعد موت الموصي عند جمهور الفقهاء، فلا عبرة بإجازة الورثة في حال حياة الموصي۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ:۴۳/۲۴۷)(مولانا عبد الجلیل قاسمی)۔

۱۴- ولا عبرة بردهم وإجازتهم في حياة الموصي۔ (محلی:۳/۱۶۰-مغنی المحتاج:۳/۵۶)(مولانا عبد اللہ سعدی)۔

۱۵- أن تكون الإجازة بعد موت الموصي.....الخ۔ (الفقہ الاسلامی:۱۰/۷۴۷۷)(مفتی سلمان پالنپوری قاسمی، مولانا عبد الرشید کانپوری، مولانا حبیب اللہ قاسمی، خواجہ نظام الدین یوسفی، مولانا عبد الحکیم پالنپوری قاسمی، مولانا ارشد علی رحمانی)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۶- حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مولانا عبدالرب سعادتی فرماتے ہیں: اس پر حضور (ﷺ) کا فرمان: ''لا وصیة لوارث الا ان یجیزھا الورثة'' دال ہے، اس لیے کہ وہ مورث کی زندگی میں ورثہ نہیں ہیں۔

۱۷- مورث کی موت سے پہلے ورثہ مالک نہیں بنتے، لہٰذا ان کی اجازت بھی معتبر نہیں ہوگی (مفتی عبداللہ کاوی والا، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، خواجہ نظام الدین یوسفی)۔

اخیر میں یہ وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اس موضوع پر ڈاکٹر احمد الصویعی شلبیک کا فاضلانہ مقالہ بھی موصول ہوا تھا لیکن ڈاکٹر صاحب موصوف نے چونکہ راقم سے متعلق سوالات پر اپنی آراء ظاہر نہیں کی ہیں، لہٰذا ان کی آراء پیش نہیں کی جاسکیں۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل

سوال نمبر ۵، ۶، ۸، ۹

مولانا نورالحق رحمانی ☆

راقم کو میراث ووصیت کے مسائل سے متعلق چار سوالات (۵، ۶، ۸، ۹) پر عرض مسئلہ تیار کرنے کو کہا گیا، اور عاجز کو اکیڈمی کی طرف سے کل ساٹھ مقالات موصول ہوئے، جن میں سے چار عربی میں ہیں، باقی سب اردو میں ہیں، اکثر مقالات مختصر ہیں، بعض میں صرف اظہار رائے ہے، ہر مسئلے کی دلیل مذکور نہیں ہے، اور ایک معتد بہ تعداد ان بحوث ومقالات کی ہے جو مفصل بھی ہیں اور مدلل بھی اور جن میں موضوع سے متعلق مختلف پہلوؤں پر دلائل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور بعض اہل علم نے تو بڑی محنت اور عرق ریزی سے اس موضوع پر اطمینان بخش مواد یکجا کر دیا ہے۔

ان چاروں سوالات میں پہلا سوال یعنی سوال نمبر ۵ زیادہ اہمیت کا حامل ہے؛

یہ بات تقریباً فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا اور کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، لیکن اس وقت غیر مسلم ممالک میں ایک صورت یہ درپیش ہے کہ بعض دفعہ مسلمان مورث کی حیثیت میں ہوتے ہیں اور کسی غیر مسلم سے اس کی ایسی قرابت ہوتی ہے کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسے بھی حق میراث حاصل ہوتا، قانون کے ذریعہ اس مسلمان کے مال سے اس کے غیر مسلم رشتہ دار کو متروکہ دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر مورث غیر مسلم ہو اور اس کا مسلمان قرابت دار ہو تو قانون اسے ترکہ میں حق دلاتا ہے، اگر وہ نہ لے تو ترکہ دوسرے غیر مسلم قرابت داروں میں تقسیم ہوجائے گا، تو کیا ایسی صورت میں جب کہ مسلمان کے مال سے غیر مسلم کو ترکہ دلایا جاتا ہو، مسلمان بھی اس قانون سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں؟ وہ اس کے لئے کوشش کر سکتے ہیں یا قبول کر سکتے ہیں؟

اس سلسلہ میں اس بات کو بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ دعوتی نقطۂ نظر سے بھی اس مسئلہ کی بڑی اہمیت ہے، اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہوجائے کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ اپنے صاحب ثروت والد یا والدہ کے ترکہ سے بالکل محروم

☆ استاذ المعہد العالی، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوجائے گا تو مادیت کے غلبہ کی وجہ سے یہ بات اس کے قبولِ اسلام میں رکاوٹ بن سکتی ہے یا بعض دفعہ اسے سخت معاشی تنگی سے گذرنا پڑتا ہے، اگر یہ تنگی اس کے پائے استقامت میں تزلزل پیدا نہ کرے، تب بھی اس کے جیسے بہت سے لوگ جو کسی درجہ میں اسلام کی طرف راغب ہوتے ہیں، اس کی معاشی بدحالی کو دیکھ کر اپنے قدم روک سکتے ہیں، خاص کر ہندوستان میں اس طرح کے واقعات سے وہ لوگ گذرتے رہتے ہیں، جو دعوت دین کے کام کی طرف متوجہ ہیں۔

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کے تین مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں: پہلا نقطۂ نظر ان ارباب علم کا ہے جنہوں نے اس مسئلہ میں جمہور فقہاء ومحدثین کے قول کی پیروی کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اختلاف دین مانع ارث ہے، لہٰذا جس طرح کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، اسی طرح کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوسکتا۔

۲- دوسرا نقطۂ نظر بہت سے علماء وارباب افتاء نے موجودہ حالات میں حضرت معاذ اور حضرت امیر معاویہؓ کے فیصلے کو ترجیح دی ہے، جیسے تابعین کی ایک جماعت نے اور علماء متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے تلمیذ رشید علامہ ابن القیم نے اور معاصر علماء میں ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور دیگر بہت سے علماء عرب وعجم نے اختیار کیا ہے اور یورپین علماء کونسل نے بھی اپنے پانچویں سمینار میں اسی قول کی بنیاد پر مسلمان کو کافر مورث کے وارث بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔

تیسری رائے ان علماء کی ہے جنہوں نے دلائل کی روشنی میں فریق اول (جمہور) کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسے عزیمت قرار دیا ہے، لیکن موجودہ عصری تقاضوں اور دعوتی مصالح کے پیش نظر جن کا سوال نامہ میں تذکرہ کیا گیا ہے بطور رخصت کے حضرت معاذ اور حضرت امیر معاویہؓ کے مذہب اور فیصلہ کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، کچھ حضرات نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی حکومت اپنے قانون کی رو سے کسی مسلمان وارث کو غیر مسلم مورث کے ترکہ میں سے حصہ دے رہی ہے، یا دیگر غیر مسلم ورثین اپنی مرضی سے اسے بھی حصے دے رہے ہیں تو لے سکتا ہے، اور کچھ حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس مقصد کے لئے مسلمان کا آگے بڑھ کر مطالبہ کرنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا بھی درست ہے، بہرحال اس طرح نتیجہ کے لحاظ سے غور کیا جائے تو دو ہی فریق ہوئے، ایک مانعین کی جو جمہور کے نقطۂ نظر کی بنیاد پر مسلم کو کافر کا وارث نہیں بناتے اور دوسرے وہ حضرات جو دوسرے قول کی بنیاد پر وارث بنانے میں یا بطور ہبہ وعطیہ کے لینے کو جائز قرار دیتے ہیں، دونوں فریق کے دلائل حسب ذیل ہیں:

اس سلسلے میں فریق اول کی سب سے اہم دلیل حضرت اسامہؓ کی حدیث ہے جو بخاری ومسلم کے علاوہ دیگر صحاح وسنن میں مروی ہے:

۱-"عن أسامة رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

المسلم"(بخاری ۱۰۰۱/۲، حدیث:۶۷۶۴)۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ حدیث اس مسئلہ میں بالکل صریح اور واضح ہے کہ مسلم اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے اور کافر کا لفظ اس حدیث میں مطلق ہے جو اولاد، والدین، زوجین، حربی، ذمی اور مرتد سب کو شامل ہے، لہذا مسلم اور کافر کے درمیان خواہ قرابت کا رشتہ ہو یا زوجیت کا وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے۔

۲-دوسری حدیث ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد اور بیہقی وغیرہ کی ہے:"عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ: لا یتوارث أهل ملتین شتی" (ابوداؤد ۴۰۲/۲، کتاب الفرائض)(دو مختلف مذاہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے)۔اس طرح کی اور بھی متعدد احادیث ہیں۔

۳-اسی طرح درج ذیل آیات "ولن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلا" (نساء:۵۶)۔

۴-حضرت نوح علیہ السلام کے قول "رب إن ابنی من أهلی" اللہ تعالی کی طرف سے رد:"قال یا نوح إنه لیس من أهلک إنه عمل غیر صالح" (ہود ۴۵-۴۶)۔

اس آیت میں کفر کی بنا پر باپ بیٹے کے تعلق کو ختم کر دیا گیا ہے اور کافر بیٹے کو باپ کے اہل میں سے قرار نہیں دیا گیا۔

خلاصہ یہ کہ وراثت کے لئے ولایت ضروری ہے اور مسلم اور کافر کے درمیان ولایت نہیں ہے، لہذا ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

۵-"اجماع صحابہ: عن الزهری أنه قال: لا یرث المسلم الکافر ولا یرث الکافر المسلم علی عهد رسول الله ﷺ ولا عهد أبی بکر، ولا عهد عمر، فلما ولی معاویة ورث المسلم من الکافر ولم یورث الکافر من المسلم، قال: فأخذ بذلک الخلفاء حتی قام عمر بن عبد العزیز فراجع السنة الأولی، ثم أخذ بذلک یزید بن عبد الملک"(مقالہ مولانا عبدالحکیم پالنپوری/ص ۱۱)۔

اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ سے حضرت علیؓ کے زمانہ تک صحابہ کا اجماع رہا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہ ہوگا، بعد میں حضرت معاویہؓ کے دور میں جو ہوا وہ اس اجماع کے خلاف تھا، چنانچہ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پہلے والے اجماعی حکم کو جاری فرمایا۔

قیاس: قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں، کیونکہ دونوں کے درمیان ولایت نہیں پائی جاتی جو وراثت کا سبب ہے:"وینقضه قیاس آخر وهو أنه یتعلق بالولایة ولا ولایة بین المسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والکافر" (تکملۃ فتح الملہم ۲/۱۱، کتاب الفرائض)۔

اور حضرت معاذ اور حضرت معاویہؓ کے فیصلے کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ ان کا یہ عمل بطور توریث کے نہ تھا بلکہ تالیف قلب کے لئے تھا۔

جن حضرات نے جمہور کے قول کو اختیار کیا ہے اور کسی بھی مصلحت کی خاطر دوسری رائے کو اختیار کرنے کی بالکلیہ اجازت نہیں دی ہے، ان کے اسمائے گرامی اور ان کی آراء اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہیں:

۱۔مفتی عبدالقیوم پالنپوری جامعہ نذیریہ شمالی گجرات مختلف فتاوی کے اقتباسات نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ کسی کافر کا مال بھی بلا اجازت اور بغیر طیب نفس کے لینا حرام اور غصب کے حکم میں ہے، دعوت وتبلیغ کے مقاصد کے لئے بھی جس طرح چوری اور غصب کی شرعاً اجازت نہیں ہے اور یہ حرام ہے، اسی طرح لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے نومسلموں کو دوسروں کا مال جبراً قانون ملکی کی بنا پر لینے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟

۲۔مفتی کلیم اللہ عمری مدنی استاذ ومفتی جامعہ دارالسلام عمرآباد کے نزدیک مسلمان کے لئے کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کا وارث بنے یا حق وراثت کے نام پر ترکہ پانے کی تگ ودو کرے، سوالنامہ میں جن مصالح کا تذکرہ ہے ان کو وہ شیطانی وسوسہ قرار دیتے ہیں۔

۳۔مولانا عبدالعظیم ندوی استاذ جامع العلوم گجرات لکھتے ہیں: داعیان اسلام کے پیش نظر یہ بات رہنی چاہئے کہ عہد نبوی جو آغاز اسلام کا دور تھا اس میں لوگوں کی تالیف قلب کی زیادہ ضرورت تھی پھر بھی یہ حکم نہیں دیا گیا، اس لئے انہیں چاہئے کہ اپنے نومسلم بھائیوں کے ذہن میں یہ بات پیوست کردیں کہ اگر اسلام کی خاطر ترکہ سے محروم ہونا پڑے تو یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے۔

۴۔مولانا ظفر عالم ندوی استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ لکھتے ہیں: مذکورہ تمام روایات اور فقہاء کی تصریحات سے یہ بات تو تقریباً حتمی طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ غیر مسلم مورث کی میراث میں مسلم وارث حصہ نہیں پائے گا، صحیح اور صریح روایتوں کے مقابلہ میں کسی مصلحت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

۵۔مولانا محبوب فروغ قاسمی استاذ حدیث جامعہ حسینیہ کیرالہ لکھتے ہیں: جس طرح کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، اسی طرح مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا، جزاء بالمثل ایسے مقام پر ہوتی ہے جہاں نص نہ ہو، ہاں ملکی قانون دلوائے یا غیر مسلم ورثہ دیں تو لینے میں حرج بھی نہیں ہے۔

۶۔مفتی سعید الرحمٰن قاسمی مفتی امارت شرعیہ لکھتے ہیں: جن غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کو غیر مسلم کے ترکہ سے حق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیا جاتا ہے وہاں اس حق کو لینا یا فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ جب شریعت نے اس کو حق ہی نہیں دیا ہے تو پھر اس کا لینا کیسے جائز ہوگا؟

۷-مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی بڑودہ تحریر فرماتے ہیں: رہا معاشی تنگی کا مسئلہ تو رزق کا ذمہ حق تعالی نے لیا ہے، دعوت دین حدود شرع میں رہ کر مطلوب ہے، احکام خداوندی کو توڑ کر دعوت دین مطلوب نہیں ہے، ہدایت تو اللہ کے قبضے میں ہے۔

۸-مفتی عبد اللہ کاوی والا تحریر فرماتے ہیں: اگر غیر مسلم کے ترکہ میں مسلم کو بھی کسی ملک کے قانون سے حق ملتا ہو تو قبول نہیں کرنا چاہئے، چاہے غیر مسلم دیگر ورثاء کو وہ حصہ دے دیا جائے، ہاں غیر مسلم ورثاء برضا و رغبت دینا چاہیں تو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، خلاف شرع کام کو ذریعہ دعوت و تبلیغ نہیں بنا سکتے، یہ بھی ایک قسم کی مداہنت فی الدین ہے۔

۹-یہی رائے مفتی سلمان پالنپوری گجرات کی ہے۔

۱۰-مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی مرادآباد لکھتے ہیں: کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا، غیر مسلم ممالک میں تالیف قلب کے پیش نظر بھی غیر مسلم مورث کا مال مسلمان کو نہیں دیا جاسکتا، سوالنامہ میں جن خدشات کا ذکر کیا گیا ہے وہ عہد رسالت میں بھی موجود تھا۔

۱۱-مولانا عبد الرب عبد الوہاب سعادتی لکھتے ہیں: ان صریح نصوص کے ہوتے ہوئے کوئی مسلمان کس طرح غیر مسلم کا وارث ہوسکتا ہے؟ خواہ قانون کی رو سے اس کی گنجائش ہو۔

۱۲-شیخ سعدی جن کا مقالہ عربی میں ہے ان کے نزدیک بھی مسلم کافر کا وارث نہیں ہوسکتا، جن حضرات نے میراث کو نکاح پر قیاس کیا ہے اس کا انہوں نے دلیل المحتاج شرح المنہاج اور مغنی المحتاج کے حوالہ سے رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ قیاس بعید ہے، اس لئے کہ وراثت کی بنیاد موالاۃ اور نصرت پر ہے اور مسلم و کافر کے درمیان موالاۃ کا فقدان ہے، اور نکاح تو ایک طرح کی خدمت لینا ہے، اما النکاح فمن نوع الاستخدام۔

۱۳-دوسرا عربی مقالہ جو گیارہ صفحات پر مشتمل ہے اس کا عنوان ''میراث المسلم من غیر مسلم دراسۃ تحلیلیۃ مقاصدیۃ'' ہے، مقالہ نگار ڈاکٹر حسن اشفری استاذ الفقہ کلیۃ الشریعۃ جامعۃ القرءین مغرب ہیں، انہوں نے چار وجوہ سے فریق ثانی کے نقطہ نظر کی تردید کی ہے اور جمہور فقہاء کی پرزور تائید کی ہے، آخر میں لکھتے ہیں: مخالفین، مسلم کو کافر کا وارث بنا کر جن مقاصد و مصالح کو بروئے کار لانا چاہتے ہیں وہ جمہور صحابہ و تابعین اور علماء راسخین کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھے، انہوں نے دیکھا کہ ان مصالح کے مقابلے میں دیگر مصالح زیادہ قوی ہیں...... میرا خیال ہے کہ اگر ہم اس وراثت کا دروازہ کھول دیں تو بہت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے مسلم نوجوان کے لئے حرص وطمع کا دروازہ کھول دیں گے، اس لئے کہ ان کی ایک جماعت اہل کتاب عورتوں خصوصا بوڑھی عورتوں سے نکاح کی رغبت کرے گی تا کہ انہیں ان کی وراثت حاصل ہو، مسلم نوجوان کے لئے تنہا یہی فتنہ کافی ہے۔

فریق ثانی اوران کے دلائل:

جن حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کافر تو مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا لیکن مسلمان کافر مورث کا وارث ہوگا، ان کے اسمائے گرامی اور دلائل درج ذیل ہیں:

صحابہ کرام میں حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اس کے قائل تھے کہ کافر تو کسی حال میں مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، لیکن مسلمان کافر کا وارث ہوگا، حضرات تابعین کی ایک جماعت (حسن، محمد بن الحنفیہ، علی بن حسین، سعید بن المسیب، مسروق، عبداللہ بن معقل، شعبہ، زہری، یحیی بن معمر، اسحاق بن راہویہ اور محمد بن علی بن حسین وغیرہ) کا ہے (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۲/۳۵۷، المبسوط ۳۰/۳۰ وغیرہ)۔

اور علماء متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ان کے شاگرد رشید علامہ ابن القیم نے بھی ضرورت ومصلحت کے پیش نظر اسی قول کو اختیار کیا ہے (احکام أہل الذمہ ۲/۴۶۲)۔

اور معاصر علماء میں ڈاکٹر محمد یوسف قرضاوی، ڈاکٹر سعود بن عبداللہ القینسان عمید کلیۃ الشریعۃ ریاض یونیورسٹی اور دیگر علمائے عرب وعجم نے موجودہ حالات میں اسی قول کو ترجیح دی ہے، اور یورپین افتاء کونسل نے اپنے پانچویں سیمنار میں یہی فیصلہ کیا ہے، دلائل درج ذیل ہیں:

۱- **"روی عن أبی الأسود الذیلی قال: کان معاذ بالیمن، فارتفعوا إلیه فی یهودی مات و ترک أخا مسلما، فقال معاذ: انی سمعت رسول الله ﷺ یقول: إن الاسلام یزید ولا ینقص فورثه"** (مسند احمد حدیث نمبر ۲۱۵۰۰، سنن ابی داؤد ر ۲۹۱۲)۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اسلام، مسلمان ہونے والے کے لئے زیادتی خیر کا سبب ہے، کمی اور محرومی کا سبب نہیں، اس حدیث کو گرچہ ضعیف کہا گیا ہے، اس لئے کہ ابوالاسود کا سماع حضرت معاذ سے ثابت نہیں لیکن شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ ابوالاسود کا سماع حضرت معاذ سے ممکن ہے، پھر حاکم نے مستدرک میں اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے، اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، اسی طرح علامہ سیوطی نے اسے جامع صغیر میں روایت کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے (دیکھئے فتح الباری ۱۲/۵۰، الجامع الصغیر ۱/۱۲۳)۔

۲- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"عن عبد الله بن معقل قال: مارأيت قضاء أحسن من قضاء قضى به معاوية، نرث أهل الكتاب ولا يرثونا، كما يحل النكاح فيهم ولا يحل لهم" (فتح الباری ۱۲/۵۸)۔

(عبداللہ بن معقل بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے اس فیصلے سے زیادہ بہتر فیصلہ نہیں دیکھا جو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوں گے اور وہ ہمارے وارث نہیں ہوں گے، جیسا کہ ہمارے لئے ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور ان کے لئے ہماری عورتیں حلال نہیں ہیں)۔

قیاس: جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ ہمارے لئے اہل کتاب عورتوں سے نکاح حلال ہے، ان کے لئے ہماری عورتوں سے نکاح حلال نہیں، اسی طرح ہم ان کے وارث ہوں گے وہ ہمارے وارث نہیں ہوں گے، اس پر یہ نقد کیا گیا ہے کہ وراثت کا سبب موالاۃ ہے اور وہ یہاں نہیں پائی جاتی لیکن اس کا جواب آگے آرہا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے جو وراثت کے قول کو ترجیح دی ہے، انہوں نے اس کے متعدد دلائل پیش کئے ہیں اور اس رائے کو مصالح سے زیادہ قریب قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: سنت متواترہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ ظاہری احکام میں زنادقہ و منافقین کو مسلمانوں کے قائم مقام قرار دیتے تھے، عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین کا انتقال ہوا، جن کے نفاق کی قرآن نے شہادت دی اور ان کے نماز جنازہ پڑھنے اور ان کے لئے استغفار کرنے سے آپ ﷺ کو منع فرمایا گیا، پھر بھی آپ ﷺ نے ان کے مومن وارثین کو ان کے مال کا وارث بنایا، ان کے مال کو مال فئ قرار نہیں دیا، اس سے پتہ چلا کہ وارث کی بنیاد ظاہری نصرت پر ہے، قلبی ایمان اور باطنی موالات پر نہیں، ان مسائل میں مسلمانوں کو ان کی میراث کا مستحق قرار دینا شریعت کے اصول کے موافق ہے، اس لئے کہ اہل ذمہ پر مسلمانوں کا حق اور احسان ہے کہ وہ ان کی جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں، ان کی طرف سے قتال و دفاع کرتے ہیں، ان کے قیدیوں کو چھڑاتے ہیں، لہٰذا وہ کفار کے مقابلہ میں ان کی میراث کے زیادہ مستحق ہیں۔

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کا وارث قرار دینے میں یہ مصلحت ہے کہ لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب ہوگی، اس لئے کہ بہت سے غیر مسلم اسلام میں اس خطرہ سے داخل نہیں ہوتے کہ اگر وہ مسلمان ہوجائیں تو اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے مرنے کے بعد ان کے ترکہ سے محروم رہیں گے اور فرماتے ہیں کہ یہ بات میں نے براہ راست ان سے سنی ہے، لہٰذا اگر انہیں یہ معلوم ہوجائے گا کہ مسلمان ہونے سے ان کی میراث ساقط نہیں ہوگی تو پھر انہیں اسلام کی طرف قوی رغبت ہوگی، تنہا یہ مصلحت عدم وراثت والی حدیث کی تخصیص کے لئے کافی ہے، جبکہ ہمارے علماء اس سے کم درجہ مصلحتوں کی خاطر نص عام کی تخصیص کرتے ہیں اور یہ مصلحت اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی مصلحت سے بڑھ کر ہے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصول شرع کے خلاف نہیں (احکام اہل الذمہ/ ۶۲ ۴ وما بعدہ)۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی فرماتے ہیں: میں اس رائے کو راجح سمجھتا ہوں اگرچہ جمہور اس کے قائل نہیں ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ اسلام اس خیر اور نفع کی راہ میں حائل نہیں ہوتا جو مسلمانوں کو حاصل ہو رہا ہو اور مال کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں صرف ہو نہ کہ اس کی معصیت میں، لہٰذا مسلمان اس کے زیادہ مستحق ہیں۔

ہمارے مقالہ نگار حضرات نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اگر مغربی ممالک میں مسلمان اپنے غیر مسلم مورث کا ترکہ نہ لے تو وہ اسلام کی مخالفت اور مسیحیت کی تبلیغ واشاعت میں خرچ ہوگا تو جس طرح بینک کے سود کو علماء بینک میں چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتے، کیونکہ وہ اسلام دشمنی میں صرف ہوگا، اسی طرح یہ ترکہ بھی اسلام دشمنی میں صرف ہوگا۔

عربی مقالہ نگار ڈاکٹر احمد صویعی شلیبک، استاذ کلیۃ الشریعۃ شارقہ امارات نے جن کا مقالہ پچاس صفحات پر مشتمل ہے بڑی تفصیل سے اس مسئلے سے بحث کی ہے اور اس دوسرے نقطہ نظر کی بھرپور تائید کی ہے اسی طرح ہمارے اردو مقالہ نگار حضرات نے موجودہ حالات کی روشنی میں اس دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی وغیرہ)۔

ان حضرات نے یورپین افتاء کونسل کا فیصلہ بھی نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے: کونسل کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے غیر مسلم اقرباء کی میراث سے محروم نہ کیا جائے، یہ حدیث صحیح: "لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کو حربی کافر پر محمول کیا جاسکتا ہے، چنانچہ صدر اسلام میں مسلمان اپنے غیر مسلم اقرباء کی میراث سے محروم نہیں ہوئے، صحابہ کرام میں سے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، محمد بن الحنفیہ، ابوجعفر باقر اور مسروق بن الاُجدع کی بھی یہی رائے ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے (اجتماعی فیصلے اور فتاوی: پانچواں سمینار ۲۰۰۰ء/ ص ۸۱، آئی او ایس سینٹر فار عربی اینڈ اسلامک اسٹڈیز جامعہ نگر نئی دہلی)۔

جہاں تک دلائل کا تعلق ہے تو اگر غیر جانبداری کے ساتھ دونوں فریق کے دلائل کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بے غبار ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس سلسلہ میں جمہور امت کی رائے بہت قوی اور مدلل ہے، اس عاجز نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ ان واضح اور صریح احادیث کی روشنی میں اور جمہور کے راجح قول کی بنیاد پر دریافت کئے گئے مسئلہ میں کافر مورث کے ترکہ میں مسلمان رشتہ دار کا حق نہیں بنتا، اس لئے ایک مسلمان کے لئے عزیمت کی راہ تو یہی ہے کہ وہ غیر مسلم کے ترکہ کا طالب نہ ہو، ہاں اگر غیر مسلم برادران و متعلقین اپنی طرف سے وہ حصہ پیش کردیں تو ان کی طرف سے عطیہ سمجھ کر لے سکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البتہ سوالنامہ میں دعوتی نقطہ نظر سے جس ضرورت کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے بالکلیہ چشم پوشی بھی نہیں کی جا سکتی، لہٰذا اس اہم ضرورت کی بنیاد پر حضرت معاذ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ کے فیصلے کو رخصت کے طور پر اختیار کرنے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ یہ فیصلہ بھی صحابہ کرام اور تابعین عظام سے منقول ہے اور اسلام کی پہلی صدی میں بعض مسلم شہروں اور علاقوں (یمن اور شام وغیرہ) میں معمول بہ رہا ہے، پھر نومسلموں کی تالیف قلب شرعاً مطلوب ہے، ایسی ضرورت کی بنا پر بعض مرجوح اور غیر مفتی بہ قول کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے، اور صحابہ و تابعین اور علمائے سلف کے اختلاف کی ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ بوقت ضرورت ان میں سے کسی قول کو جس سے شریعت کا مقصد پورا ہوتا ہو اختیار کیا جا سکتا ہے، ہمارا فقہی سرمایہ علمائے سلف ہی کے اجتہادات کا مجموعہ اور ان کا علمی و فقہی ترکہ اور ورثہ ہے جس سے بوقت ضرورت فائدہ اٹھانا چاہئے، جن مقالہ نگار حضرات نے اس دوسری رائے کو اختیار فرمایا ہے طوالت کے خوف سے ان کی آراء کا خلاصہ ذکر کرنے کے بجائے ان کا صرف نام ذکر کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد اقبال، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا زبیر احمد قاسمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا ارشاد اللہ قاسمی، مفتی شاہجہاں ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا الیاس قاسمی، مفتی بدر احمد مجیبی، مفتی محمد عثمان، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبدالرشید کانپور، مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا محمد انیس ندوی، مفتی سلمان پالنپوری، مفتی محمد مقصود علی فرقانی، مولانا اخلاق قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا محمد جہانگیر، وغیرہ۔

سعادت مندی کی بات تو یہی ہے کہ وہ اسے قبول کرلیں کہ اس میں سب کا فائدہ ہے اور شریعت کے منشاء کی تکمیل ہے اور امید یہی ہے کہ وہ عام طور پر اسے قبول کرلیں گے، لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک یا چند ظلم و تعدی پر آمادہ ہوں اور وہ اپنے غلط مفاد کی خاطر اس سے گریز کرنا چاہیں تو پھر مورث کی یہ کوشش کامیاب نہ ہوگی، اس لئے اس کے سد باب کے لئے بہتر صورت یہی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہی ہبہ کرکے ہر وارث کو قابض اور دخیل بنادے۔

جمہور فقہاء کے بالمقابل دوسری رائے جو بعض شافعیہ و حنابلہ کی ہے وہ یہ ہے کہ مورث کی یہ تقسیم جائز ہے اور ورثہ پر اس کی پابندی ضروری ہے بشرطیکہ تقسیم عادلانہ ہو۔

یہی دوسری رائے موجودہ حالات کے لحاظ سے انسب ہے، اس لئے کہ اس وقت بالعموم میراث کی تقسیم میں گھپلہ، خصوصاً عورتوں کی حق تلفی اور اختلاف و انتشار لڑائی جھگڑے عام ہیں، اس فتنہ کے سد باب کے لئے مناسب یہی ہے کہ اس وصیت کو لازم قرار دیا جائے تا کہ مفسد عناصر کے لئے اس سے فرار کی راہ باقی نہ رہے، شاید اسی مصلحت کی خاطر اکثر مقالہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نگاروں نے اسے درست قرار دیا ہے بلکہ اسے مستحسن قدم قرار دیا ہے، اس وصیت کو جائز اور مستحسن قرار دینے والے حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا محمد منصف بدایونی لکھتے ہیں: اس کی دو شکلیں ہیں:

الف- اجمالاً حصص مقرر کرنا مثلاً ربع فلاں کا، سدس فلاں کا، یہ شکل جائز ہی نہیں بلکہ ورثہ کی طرف سے بعض پر اگر زیادتی کا ظن غالب ہو تو مستحب ہے۔

ب- تفصیلاً حصص مقرر کرنا مثلاً فلاں وارث کے لئے فلاں مکان، اس شکل میں اگر ورثہ کے حصص کے تناسب کو ملحوظ رکھا گیا ہو تو یہ بھی جائز ہے، یہی رائے مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی کی ہے۔

۳- مفتی ابصار احمد ندوی لکھتے ہیں کہ اس صورت میں اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس وصیت کے بعد مزید مال آئے اور پھر مورث کا انتقال ہو تو اس وقت کل مال میں وراثت شرعی طور پر تقسیم ہوگی۔

مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا انیس ندوی، مولانا محمد جہان گیر حیدر قاسمی، خواجہ نظام الدین یوسفی، ڈاکٹر احمد صویعی شلیبک شارقہ، ڈاکٹر صاحب کا مقالہ اس موضوع پر بہت مفصل ہے اور موصوف نے اسی نقطہ نظر کی پرزور تائید فرمائی ہے۔

جبکہ بعض حضرات نے اسے غیر معتبر اور بعض نے جمہور کے مذہب کے مطابق ورثہ کی اجازت پر موقوف قرار دیا ہے۔

دوسرا مسئلہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ اگر مورث اپنی زندگی میں جائداد تقسیم کر رہا ہے تو میراث کے اصول کے مطابق للذکر مثل حظ الانثیین کے قاعدہ پر عمل کرے گا، یا لڑکا اور لڑکی دونوں کو برابر دے گا، چونکہ سوالنامہ میں اس شق کی وضاحت نہیں کی گئی ہے اس لئے اکثر مقالہ نگاروں نے اس سے تعرض نہیں کیا ہے جن حضرات نے اس شق سے بحث کی ہے ان میں سے اکثریت نے میراث کے اصول پر لڑکے کے لئے دوہرا اور لڑکی کو اکہرا دینے کو ترجیح دی ہے، جو امام محمدؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے، اس لئے کہ یہ زندگی میں میراث کی تقسیم ہے اس لئے اس پر میراث کا حکم جاری ہوگا اور اللہ رب العزت کی تقسیم سے زیادہ منصفانہ اور عادلانہ تقسیم اور کیا ہو سکتی ہے، جبکہ بعض دوسرے حضرات دونوں کو برابر دینے کو ترجیح دیتے ہیں جو جمہور کا قول ہے، اس لئے کہ یہ زندگی میں دے رہا ہے اس لئے یہ عطیہ ہے اور عطیہ اور ہبہ کے سلسلے میں حدیث میں عدل اور برابری کا حکم ہے، "سووا بین اولادکم فی العطیة"، اس سلسلے میں مفتی شبیر احمد صاحب کا مقالہ خاصا مفصل اور مدلل ہے اور انہوں نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، لیکن انہوں نے دلائل کی رو سے امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے، جیسا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے بھی تکملہ فتح الملہم میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور دلیل کے لحاظ سے واقعتہ یہ قول راجح ہے، اس لئے کہ اگر دونوں کو برابر دیا جائے تو اس میں لڑکے کا نقصان ہے جبکہ شریعت نے اسے دوحصہ اس کی ذمہ داریوں کی بنا پر دیا ہے، وہ قوام اور گھر کا کفیل ہے۔

۸-کسی دوسرے وارث کی عدم موجودگی میں بیوی کے لئے وصیت:

جو لوگ لاولد ہوتے ہیں ان کو فطری طور پر اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ ان کے گزرنے کے بعد ان کی بیوہ کا حق محفوظ رہے اور وہ بے سہارا نہ ہو جائے، ایسی صورت میں اگر وہ اپنی بیوہ کے لئے کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں وصیت کر جائے تو کیا اس کا اعتبار ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات متفق ہیں کہ یہ وصیت شرعاً درست ہے، اس لئے کہ وارث کے حق میں وصیت کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ جب اللہ نے ہر صاحب حق کو قانون میراث کے ذریعہ اس کا حق دے دیا ہے تو پھر کسی وارث کے حق میں وصیت اللہ کے قانون کی خلاف ورزی ہے، اس سے دوسرے وارثین کی حق تلفی، دل آزاری اور باہم قطع رحمی اور عداوت کا سبب بنے گی، لیکن جب دوسرے ورثاء موجود ہی نہیں ہیں تو پھر اس وصیت میں کوئی حرج نہیں ہے، مقالہ نگار حضرات نے اس سلسلہ میں درج ذیل فقہی عبارتیں نقل کی ہیں۔

"وإن لم يكن له وارث أصلا تصح من جميع المال...لأن امتناع الزيادة على الثلث لحق الورثة، قال في الزيادات: في امرأة لاوارث لها الا زوجها فالوصية له منصف مالها، فانها صياخذ النصف بالميراث ثم النصف الباقي بالوصية" (المبسوط ۲۹/۲)۔

زیادات میں اس عورت کے بارے میں کہا ہے جس کا بجز شوہر کے کوئی وارث نہیں ہے اور اس نے شوہر کے لئے اپنے نصف مال کی وصیت کر دی تو شوہر نصف مال میراث کی بنا پر لے گا اور باقی نصف وصیت کی بنا پر لے گا۔

"حتى لو اوصى لزوجته أوهي له ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية" (الدر المختار) (یہاں تک کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کے لئے یا بیوی نے اپنے شوہر کے لئے وصیت کی اور کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو وصیت درست ہے)۔

مفتی شبیر احمد قاسمی لکھتے ہیں: اس کے لئے بہتر شکل یہی ہے کہ بیوی کو حسب مناسب سرمایہ ہبہ کر کے قبضہ دے دے، لیکن اگر ہبہ کی شکل اختیار کرنا نہیں چاہتا ہے، اس لئے کہ آج کے زمانہ میں ہبہ کی رجسٹری کے لئے تقریباً بیع نامہ کی رجسٹری کے برابر اسٹامپ فیس لازم ہے، اس خرچہ سے بچنا چاہتا ہے کہ زندگی میں مال متروکہ اس کے قبضہ اور اختیار سے باہر نہ نکل جائے، اس لئے وہ یہی مناسب سمجھتا ہے کہ بیوی کے نام سرمایہ کا کچھ حصہ وصیت کر دے تو ایسے حالات میں اگر شوہر کا کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرا وارث نہیں ہے تو جتنے سرمایہ اور مال کی وصیت کرے گا اتنے میں وصیت نافذ ہو جائے گی، اس مسئلہ میں صرف ایک عربی مقالہ نگار شیخ عبداللہ سعدی نے اختلاف کیا ہے، اس لئے کہ یہ بیوی کے حق میں وصیت ہے جو وارث ہے اور اصولی طور پر کسی وارث کے حق میں وصیت وارث کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے اور آدمی کا اپنے حق میں کی گئی وصیت کی اجازت دینا متعذر ہے، لہٰذا وہ باطل قرار پائے گی۔"وخرج بما ذكرته وصية من ليس له الاوارث واحد فانها باطلة لتعذر إجازته لنفسه"(تحفۃ المحتاج ۷/۱۵)۔

۹- کسی وارث کے حق میں وصیت یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زائد کی وصیت:

اگر کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کردی؛ جب کہ اس کی زندگی میں دوسرے ورثاء اس پر رضامند ہو گئے تھے تو کیا یہ وصیت معتبر ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں بھی تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ اگر مرنے والے نے کسی وارث کے حق میں وصیت کی یا کسی غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی تو یہ وارث کے حق میں وصیت اور غیر وارث کے حق میں تہائی سے زیادہ کی وصیت شرعاً غیر معتبر ہے اس لئے کہ اس سے ورثاء کی حق تلفی ہوگی، ہاں اگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں تو پھر یہ وصیت درست ہوگی، کیونکہ وارث کے حق میں وصیت کی ممانعت یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی ممانعت وارثین کے حق کے تحفظ کی خاطر ہے اور جب وہ خود اس پر راضی ہوں تو گویا وہ خود سے اپنا حق کم کرنے پر راضی ہو گئے، اس لئے یہ وصیت درست ہو جائے گی، حدیث میں "إلا أن يجيزها الورثة " اور "الا أن يشاء الورثة" کا استثناء موجود ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ ورثہ نے اگر مورث کی زندگی میں اس کی اجازت دی ہے، تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ مورث کی موت سے قبل وہ اس کے مالک ہی نہیں ہیں، لہٰذا مورث کے مرنے کے بعد وہ اس کی اجازت دیں تو یہ اجازت معتبر ہوگی، اسی طرح کوئی وارث مجنون یا نابالغ ہو تو مورث کے مرنے کے بعد اس کی اجازت غیر معتبر ہے، اسے اس کا پورا ترکہ دیا جائے گا، البتہ عاقل بالغ ورثہ میں سے جو لوگ اجازت دیں گے ان کے حصہ میں سے کم کیا جائے گا "ان الوصية لغير الوارث تلزم فى الثلث من غير اجازة وما زاد على الثلث يقف على اجازتهم فإ ن أجازوه جاز وإن ردوه بطل فى قول جميع العلماء"(المغنی لابن قدامہ ۸/۴۰۴)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفصیلی مقالات:

مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان وراثت کا مسئلہ
ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر حسن اَشفری ☆
(ترجمہ: ڈاکٹر صفدر زبیر ندوی)

قوموں اور تہذیبوں کی تاریخ پر جو شخص بھی نظر ڈالے گا وہ یہ محسوس کرے گا کہ مال کے مسائل خصوصاً آمد و خرچ اور وراثت کے مسائل و احکام پر دوسری اقوام کی بہ نسبت مسلم قوم نے زیادہ توجہ دی، یہ صرف دعوی بلا دلیل نہیں ہے، اور نہ اسلام کی حمایت میں کوئی مبالغہ آمیز جوش و جذبہ ہے، بلکہ یہ ایسی حقیقت ہے جسے آیات و احادیث بیان کرتی ہیں، اور علماء کی کتابیں ٹھوس ثبوتوں کے ذریعہ جس کی تائید کرتی ہیں، اور یہ ایک ایسا یقینی علم ہے جو تحقیق کرنے والے اسکالرز اور پختہ علم والے افراد کو ہی حاصل ہوتا ہے۔

اس مقالہ میں ہم خصوصیت سے اس علم کا ذکر کریں گے جو اسلامی علوم میں سب سے زیادہ عزیز اور بہت ہی نفیس علم ہے، اور جو سب سے زیادہ دقیق اور بہت ہی دشوار گذار ہے، اور جو لوگوں کی مالی حالت کو مستحکم کرنے میں سب سے زیادہ سودمند اور صلاحیت والا ہے، بلاشبہ وہ میراث کا علم (یعنی علم الفرائض) ہے، یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ بنیادی ربانی علم ہے، واجب التنفیذ ہے، جامع ہے، عدل والا ہے، اور عاجزی کی حد تک تھکا دینے والا ہے۔

فرضیین (۱) (علم فرائض کے ماہرین) کے نزدیک یہ واضح ہے کہ اسلام میں دو آدمیوں کے درمیان میراث کا عمل اس وقت تک جاری نہیں ہوتا جب تک اس کے تمام ارکان نہ پائے جائیں، اور اس کی تمام شرطیں سامنے نہ رکھی جائیں، اور اس کی تمام (موانع) رکاوٹوں کو دور نہ کرلیا جائے۔

☆ استاذ فقہ، کلیۃ الشریعہ اَغادیر، جامعۃ القرویین، مراکش۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمہور علماء کے نزدیک وراثت کے مشہور موانع میں سے کفر کا پایا جانا ہے، کفر سے مراد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں علماء کے اقوال کیا ہیں؟ اسلام میں وراثت جاری ہونے میں اس کو مانع قرار دینے کا مقصود شرعی کیا ہے؟

جمہور کے مذہب کا بیان:

جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ دو الگ الگ دین کے ماننے والوں کے درمیان کبھی بھی وراثت جاری نہیں ہوسکتی (۲)، لہذا کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا، اسی طرح کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں قرار پائے گا، اس لئے کہ دین کا مختلف ہونا میراث کے معتبر موانع میں سے ایک مانع ہے؛ چنانچہ ان کے نزدیک لفظ ''کافر'' سے مراد ہر وہ شخص ہوگا جو دین اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو ماننے والا ہو، خواہ وہ آسمانی مذاہب کے ماننے والوں یا خود ساختہ مذاہب کے ماننے والوں میں ہو یا کسی اور مذہب کا ماننے والا ہو، اور خواہ وہ حربی ہو یا سلمی، معاہد ہو یا ذمی، یہی رائے خلفائے راشدین سے مروی ہے، یہی ائمہ اربعہ (امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد) کا مذہب ہے، اور یہی عام فقہاء امصار کا مذہب ہے، اور موجودہ اکثر مسلم ممالک میں اسی قول پر عمل ہے (۳)۔

اس مذہب کے صحیح ہونے میں جمہور مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کرتے ہیں:

۱- متفق علیہ حدیث ہے: "لا یرث المسلم الکافر، ولا الکافر المسلم" (۴) (مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا)، اس باب میں یہی حدیث اصل ہے، اور یہ حدیث صحیح ہے، عبارت سے ہی اس کا معنی واضح ہے۔

۲- حدیث ہے: "لا یتوارث أهل ملتین شتی" (۵) (دو مختلف دین رکھنے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے)، لفظ ''ملتین'' کے مطلق ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ایک جانب دین اسلام ہے اور دوسری جانب اس کے مقابلہ میں دوسرے تمام ادیان ہیں، ورنہ صاحب اقتدار فقہاء کو یہ حق ضرور ملتا کہ وہ دوسرے دین والوں کو اسلامی قانون وراثت کو ماننے پر مجبور کریں، لیکن ایسا نہیں ہے، امام محمد بن حسن الشیبانی مؤطا میں کہتے ہیں: کفر ایک ملت ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں، چاہے ان کے دین مختلف ہوں، یہودی نصرانی کا وارث ہوتا ہے اور نصرانی یہودی کا وارث ہوتا ہے۔

یہ قول مالکیہ کے نزدیک ضعیف قول ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ دین کے مختلف ہونے کے باوجود کافروں کے درمیان وراثت کے جاری ہونے کے سلسلہ میں علماء مالکیہ کے تین اقوال ہیں، اس بات کو بنیاد بناتے ہوئے کہ کیا کفر ایک ہی ملت ہے یا متعدد ملتیں ہیں؟:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الف-مشہور یہ ہے کہ کفر متضاد متعدد ملتیں ہیں، لہذا اگر ملتیں مختلف ہیں تو کفار کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی۔

ب- یہ کہ کفر تین ملتیں ہیں: یہودیت ایک ملت ہے، نصرانیت ایک ملت ہے، اوران دونوں کے علاوہ ایک ملت ہے، اس بنیاد پر یہودی اور نصرانی کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی، اور نہ ان دونوں میں سے کسی ایک اوران دونوں کے علاوہ کے درمیان وراثت جاری ہوگی، جبکہ ہر ملت آپس میں ایک دوسرے کی وارث ہوگی، ایک روایت کے مطابق امام احمد اسی کے قائل ہیں۔

ج-یہ کہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اگرچہ ان کی ملتیں مختلف ہوں، اس لئے کہ کفر ایک ملت ہے، حنفیہ اسی کے قائل ہیں، شافعیہ کا یہی صحیح قول ہے اور امام احمد سے ایک روایت یہی ہے(۶)۔ اور پہلی حدیث میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

غیر جمہور کے مذہب کا بیان:

اس مذہب کے مقابل ایک دوسرا مذہب ہے جو ایک چیز میں جمہور کی رائے کے موافق ہے اور دوسری چیز میں اس کے مخالف ہے۔

اول: محل اتفاق:

تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی بھی حال میں کافر کو مسلمان کا وارث قرار دینا حرام ہے، اس لئے کہ یہ مسلمانوں کو محتاج بنانے اور دین پر عمل کو حقیر سمجھنے کا سبب بنے گا، اس سلسلہ میں بہت سی دلیلیں پیش کرتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں(۷):

قرآن کریم سے:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"ولن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلا"(۸)، اور ارشاد ہے:"رب إن ابني من أهلي وإن وعدك الحق وأنت أحكم الحاكمين، قال یا نوح إنه لیس من أهلك إنه عمل غیر صالح فلا تسألن ما لیس لك به علم"(۹)، ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اس آیت پر تعلیق کرتے ہوئے لکھا ہے: اللہ تعالی نے باپ اور بیٹے کے درمیان رشتہ کو ختم کردیا اور اس کو باپ کے اہل خانہ کا فرد نہیں مانا، تو اس طرح اللہ تعالی نے ان دونوں کے درمیان ایمان اور کفر کو واضح کردیا(۱۰)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سنت نبوی ﷺ سے:

حدیث ہے جسے جماعت نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إن الإسلام یزید ولا ینقص" (۱۱) (بلاشبہ اسلام بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں ہے)، اور اسی معنی کی اور بھی احادیث و آثار ہیں جو اسلام اور اہل اسلام کی رفعت و سربلندی پر دلالت کرتی ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی پیروی کرنے میں مصالح حاصل ہوتے ہیں اور مفاسد دور ہوتے ہیں۔

اجماع سے:

اس مسئلہ پر بہت سے اہل علم نے اجماع نقل کیا ہے، چنانچہ ابن رشد (متوفی ۵۹۵ھ) بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں بنے گا (۱۲)۔

دوم: محل اختلاف:

اس رائے کے حاملین کے قول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کو کافر کا وارث بنانا جائز ہے (برخلاف جمہور کے کہ وہ اس سے منع کرتے ہیں)، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ سے جواز کی رائے نقل کی گئی ہے، انہوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا، لیکن کافر کو مسلمان کا وارث نہیں بنایا، محمد بن حنفیہ، علی بن حسین، سعید بن المسیب، مسروق، عبداللہ بن معقل الشعبی، یحیی بن یعمر، اسحاق بن راہویہ اور ایک جماعت سے بھی یہی رائے بیان کی گئی ہے (۱۳)، متأخرین علماء میں سے علامہ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) اور ان کے شاگرد علامہ ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ) اور معاصر علماء میں سے ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور ڈاکٹر سعود بن عبداللہ الفنیسان (۱۴) وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

مسلمان کو کافر کا وارث قرار دینے کے جواز کے قائلین درج ذیل دلائل سے استدلال کرتے ہیں:

حدیث قولی:

امام ابوداؤد اور امام احمد نے روایت کیا ہے کہ دو بھائیوں نے (جن میں سے ایک یہودی تھا اور ایک مسلمان)، اپنے ایک کافر بھائی کی میراث کے سلسلہ میں یحیی بن یعمر کے پاس مقدمہ پیش کیا، تو انہوں نے مسلمان کو ان دونوں کا وارث قرار دیا، اور کہا کہ مجھ سے ابوالاسود نے بیان کیا کہ ایک آدمی نے ان سے بیان کیا کہ حضرت معاذؓ نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "الاسلام یزید ولا ینقص" (اسلام بڑھتا ہے گھٹتا نہیں)، لہذا مسلمان وارث ہوگا (۱۵)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن یعمر سے اور وہ ابوالاسود سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا: حضرت معاذؓ یمن میں تھے، تو لوگوں نے ایک یہودی کی وراثت کے سلسلہ میں ان کے پاس مقدمہ پیش کیا جو مر گیا تھا اور اپنے پسماندگان میں ایک مسلمان بھائی کو چھوڑا تھا، تو حضرت معاذؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "إن الاسلام یزید ولا ینقص" (کہ اسلام بڑھتا ہے گھٹتا نہیں ہے) تو انہوں نے مسلمان کو اس کا وارث قرار دیا(۱۶)، اس دلیل میں علت وہ ہے جس کی طرف ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اشارہ کیا کہ اسلام مسلمانوں کے لئے خیر میں اضافہ کا سبب بنتا ہے، محرومی اور نقصان کا سبب نہیں بنتا ہے(۱۷)، اسی طرح ایک حدیث یہ بھی ہے: "الإسلام یعلی ولا یعلی" (۱۸) (اسلام غالب ہوتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا ہے)، دونوں حدیثوں کا مفہوم تقریبا یکساں ہے۔

عملی حدیث:

اس سے استدلال علامہ ابن تیمیہ نے کیا ہے وہ کہتے ہیں: سنت متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے منافقین کے ساتھ ظاہری احکام میں مسلمانوں کا سا معاملہ فرماتے تھے، چنانچہ وہ وارث بھی ہوتے تھے اور ان کے وارث بھی بنائے جاتے تھے، عبداللہ بن اُبَی وغیرہ کا انتقال ہوا جن کے منافق ہونے کی گواہی قرآن نے دی، اور جن پر نماز پڑھنے اور ان کے لئے استغفار کرنے سے رسول اللہ ﷺ کو روک دیا گیا، تو مسلمان وارثین ان کے وارث ہوئے...... اور نبی ﷺ نے کسی منافق کے ترکہ میں سے کچھ بھی نہیں لیا، اور نہ اسے مال فی بنایا، بلکہ اسے ان کے وارثوں کو دے دیا، اور یہ یقینی امر معلوم ہے، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ میراث کا مدار ظاہری نصرت پر ہے، نہ کہ دلوں کے ایمان اور باطنی موالات پر(۱۹)۔

قیاس:

ان لوگوں نے اس سلسلہ میں قیاس سے بھی استدلال کیا اور کہا: ہم ان کی عورتوں سے شادی کرتے ہیں، لیکن وہ ہماری عورتوں سے شادی نہیں کر سکتے، اور یہ ثابت شدہ اصول ہے، تو اس پر قیاس کرتے ہوئے ہم ان کے وارث ہوں گے وہ ہمارے وارث نہیں ہو سکتے(۲۰)۔

مصلحت کی رعایت کرنا اور مقصد کو پیش نظر رکھنا:

علامہ ابن تیمیہ نے شریعت کے اعلی مقاصد اور اس کے عظیم اصولوں کو حجت مانا ہے وہ کہتے ہیں: ان مسائل میں وارث بنانا(۲۱) شریعت کے اصولوں کے موافق ہے، لہذا یہ مسلمانوں کے لئے انعام ہے اور اہل ذمہ کی زندگی بچانے، ان کی طرف سے جنگ کرنے، اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرنے اور ان کے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنے کی وجہ سے ان پر یہ حق ہے......، لہذا مسلمان کفار کے مقابلہ میں ان کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں(۲۲)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابن القیم نے اس مسئلہ میں عجیب مذہب اختیار کیا اور اس مسئلہ کو سمجھنے میں مشکل ترین مرحلہ تک آگے بڑھ گئے جہاں انہوں نے اپنی نگاہ دوررس کو اس مسئلہ کے عملی اثرات اور اس کے منفعت بخش مقاصد تک پہنچایا، اور یہ رائے ظاہر کی کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کا وارث بنانے میں اسلام کی طرف ان ذمیوں کو راغب کرنا ہے جو اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں، ان میں سے اکثر کے اسلام میں داخل ہونے سے یہ خوف بھی مانع ہے کہ اگر ان کے مالدار رشتہ داروں کی موت ہو جائے تو مسلمان ہونے کی صورت میں انہیں ان کی وراثت میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا، ان میں سے کئی لوگوں کی زبان سے میں نے یہ خود سنا ہے، تو اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے مسلمان ہو جانے کے باوجود میراث سے ان کا حصہ ساقط نہیں ہوگا، تو اسلام لانے میں جو مانع ہے وہ کمزور پڑ جائے گا اور اسلام کے تئیں ان کی رغبت بڑھ جائے گی، اور یہی ایک سبب تخصیص کے لئے کافی ہے، اور وہ (مجتہدین) اس سے بہت ہی کمتر درجہ کی علت کی بنیاد پر عموم کی تخصیص کر دیتے ہیں، لہذا یہ ایک ظاہری مصلحت ہے جس کا اعتبار شریعت اکثر تصرفات میں کرتی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ اس کی مصلحت ان کی عورتوں سے شادی کرنے کی مصلحت سے بڑھی ہوئی ہے، اور یہ ان میں سے نہیں ہے جن سے اصول شرع کی مخالفت لازم آتی ہو (۲۳)۔

ڈاکٹر قرضاوی نے اس مسئلہ کے مصلحتی پہلو کو بطور حجت پیش کیا اور کہا: میں اسی رائے کو راجح قرار دیتا ہوں؛ اگرچہ جمہور اس کے قائل نہیں ہیں، اور میرا خیال یہ ہے کہ اسلام کسی مسلمان کو حاصل ہونے والے نفع یا خیر کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتا ہے...... اور مال کے سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ اسے اللہ تعالی کی اطاعت کے لئے محفوظ کیا جائے نہ کہ اس کی معصیت کے لئے، اور لوگوں میں اس کے سب سے زیادہ حقدار مسلمان ہی ہیں (۲۴)۔

تاویل:

جمہور نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان کی ان حضرات نے اس طرح تاویل کی ہے:

ان حضرات نے حدیث "لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" کی وہی تاویل کی ہے جو تاویل حنفیہ نے حدیث "لا یقتل مسلم بکافر" (۲۵) کی ہے، اور کہا کہ کافر سے مراد حربی ہے نہ کہ منافق، مرتد یا ذمی؛ چنانچہ مسلمان حربی کا وارث نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ ان کے درمیان تعلق منقطع ہو جاتا ہے (۲۶)۔

فریقین کے دلائل کا تجزیہ:

جو شخص بھی علم اصول کے میزان میں فریقین کے دلائل کو پرکھے گا وہ یہ جان لے گا کہ حدیث "لا یرث المسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الکافر ، ولا الکافر المسلم" ہی اس مسئلہ میں اصل ہے، اور اسی کی طرف رجوع ہونا چاہئے ، یہ نص صحیح قطعی الدلالۃ ہے، اور اس کے مثل کے علاوہ کی طرف عدول نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ کوئی معتبر شرعی ضرورت ہو۔

مختلف دلائل جن کا ذکر مخالفین نے کیا ہے، اور انوکھی توجیہات جن سے اس مسئلہ میں انہوں نے کام لیا ہے اور عظیم مقاصد جن کو بروئے کار لانے کا انہوں نے قصد کیا ہے...... یہ سب مل کر بھی علماء اسلام کے سواد اعظم کے مقصود کی مخالفت کے لئے کافی نہیں ہو سکتے ، اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: عام کو خاص پر محمول کرنا ان دونوں کے درمیان تعارض پیدا کرنے سے زیادہ بہتر ہے:

وہ اس طرح کہ جمہور کی رائے کی تردید میں بیان کئے گئے حدیثی نصوص کے معانی میں عموم پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر "الاسلام یزید ولاینقص"(۲۷) اور "الإسلام یعلو ولا یعلی" (۲۸) والی حدیثیں ہیں، ان احادیث کے الفاظ کے عموم کو اس مسئلہ میں نص کا درجہ رکھنے والی حدیث "لا یرث المسلم الکافر ، ولا الکافر المسلم" کے ذریعہ خاص کر دیا گیا ہے، اور اصولی قاعدہ یہ ہے کہ جب عام اور خاص میں تعارض ہو جائے تو نص خاص کو مقدم کیا جائے گا، اس لئے کہ عمومی نصوص کی دلالت ظنی ہوتی ہے، لہذا قطعی الدلالۃ خاص نصوص کی مخالفت کرنے کی قوت اس میں باقی نہیں رہتی ہے۔

رہا مسئلہ عملی سنت کا جس سے مخالفین نے استدلال کیا ہے تو وہ محل نظر ہے، اس لئے کہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا گہرائی سے مطالعہ کرے گا وہ یہ جان لے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا منافقین کے ساتھ جو معاملہ تھا وہ اعلانیہ کفر کرنے والوں کے ساتھ آپ ﷺ کے معاملہ سے الگ ہے، چنانچہ منافقین کا گرچہ عقیدہ کفریہ ہے، لیکن وہ ایمان کا اظہار کرتے ہیں، اور اسلام کے ارکان بظاہر ان کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں، اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ معاملہ کی بنیاد ظاہر پر رکھی اور خفیہ باتوں اور بھیدوں کو اللہ کے حوالہ کر دیا۔

اس کی تائید میں وہ روایت بھی ہے جسے امام مالک نے اپنی مؤطا میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "ورث أباطالب عقیل وطالب ولم یرثه علي" (۲۹) (حضرت طالبؓ اور عقیلؓ ابو طالب کے وارث بنے اور حضرت علیؓ کو ان کی وراثت نہیں ملی)۔

دوسری وجہ: فاسد قیاس کرنا:

اور ان کا یہ کہنا کہ ہم ان کی عورتوں سے شادی کرتے ہیں وہ ہماری عورتوں سے شادی نہیں کر سکتے ، لہذا اس طرح ہم ان کے وارث ہوں گے وہ ہمارے وارث نہیں ہوں گے، تو یہ قیاس فاسد ہے، اس لئے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، اسلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے قانون میراث پر شادی بیاہ کا قانون جاری نہیں ہوتا ہے کہ اس پر قیاس کرلیا جائے، جب ہم نے فقہ اسلامی کی کتابوں کی خاک چھانی تو یہ معلوم ہوا کہ وراثت کا ایک مستقل نظام ہے اور یہ نظام بالکل الگ ہے، اس بنا پر اہل کتاب سے حاصل ہونے والی وراثت کو ان کی عورتوں سے شادی کے جواز پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں دوری اور تعلق کا منقطع ہوجانا ہے۔

تیسری وجہ: تاویل کا صریح نصوص کے تقاضوں سے دور ہونا:

مخالفین نے جن تاویلات پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے وہ صحیح صریح نصوص کے تقاضوں کے خلاف ہیں، میرے نزدیک اصل سے مقصود حدیث "لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" ہے، اور جو اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ اس نص کی دلالت اس روایت کے لئے قطعی ہے جس کو امام مالکؒ نے مؤطا میں متصل سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا: "لا یرث المسلم الکافر" (۳۰) (مسلمان کافر کے وارث نہیں ہوں گے)، اور اس میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا، تو اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حدیث کے اسی شق پر مزید تنبیہ ہے، گویا آپ ﷺ کو یہ یقین تھا کہ صحابہ نے ان کی یہ بات سمجھ لی ہے کہ کافر مسلمان کے وارث نہیں ہوں گے، چنانچہ یہ حدیث تذکیر کے طور پر آئی ہے کہ مسلمان بھی کافر کے وارث نہیں ہوں گے، اس کو اس مثال سے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ کوئی آدمی اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہے کہ "فلاں سے مت ملو اور نہ وہ تم سے ملے" پھر نکلتے ہوئے دروازہ کے پاس پہنچے اور اس کی طرف متوجہ ہوکر صرف اتنا کہے کہ "فلاں سے مت ملو" اور پہلی والی گفتگو کو پورا ادا نہ کرے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نص حدیث میں موجود تقابل ہی مقصود بالذات ہے، اور یہی وہ چیز ہے جس کو ہم قرآن کے اس عمومی قاعدہ سے پوری طرح ہم آہنگ سمجھتے ہیں: "لكم دينكم ولي دين" (۳۱) (تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے)۔

چوتھی وجہ: مصلحتوں کے درمیان تعارض کا پایا جانا:

مخالف جماعت نے جن اچھے مقاصد اور بہتر مصالح کو بیان کیا ہے ایسا نہیں ہے کہ یہ صحابہ، تابعین اور اکابر علماء کی رائے سے الگ ہے؛ بلکہ ان حضرات نے اس مقصد کے برخلاف دوسرے بڑے مصالح اور بلند مقاصد کو پیش نظر رکھا، مسلمان کو کافر کا وارث ہونے سے روکنے میں اس بات کی طرف توجہ دلانا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کی وجہ سے عزت والا ہے، اور اپنے دشمنوں سے مستغنی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "أيبتغون عندهم العزة فإن العزة لله جميعا" (۳۲)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر جس شخص کو عزیز واقارب کا مال چلے جانے کا خوف اس کو اسلام قبول کرنے سے روک دے اس کے نزدیک مال ہی اس کا معبود ہوگا، اور دنیا کی عزت حاصل کرنا اس کا مقصود ہوگا، تو ایسے شخص پر ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنے دل سے مال کی چاہت کو دور کرے، اور پھر عزت وشرافت اور پاکدامنی کی صفات سے اپنے دل کو آراستہ کرے، اس لئے کہ اللہ ہی ہے جس کو چاہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلت میں مبتلا کر دیتا ہے، اور وہی ہے جس کو چاہے غنی کر دیتا ہے اور جس کو چاہے محتاج بنا دیتا ہے۔

اگر ہم یہ جائز قرار دیں کہ مسلمان کافر کے وارث ہوں گے، تو ہم حریص مسلمانوں کے لئے حرص کا دروازہ کھول دیں گے، اس لئے کہ ان میں سے ایک گروپ اہل کتاب کی عورتوں سے اور خاص طور پر ان کی عمر دراز عورتوں سے شادی کرنے کی طرف راغب ہو جائے گا، ان کے مال کی میراث کے حصول کی خاطر نہ کہ ان کے اسلام لانے کی محبت میں، اور مسلم نوجوانوں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے، اس باب میں اتنے ہی کی توفیق ملی جس سے ہم مطمئن ہیں، اللہ تعالیٰ مراد کو زیادہ جاننے والا ہے، اور وہی احکم الحاکمین ہے، واللہ اعلم۔

جہاں تک والد کا اپنے مال کو اولاد کے درمیان تقسیم کرنے کا مسئلہ ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں، جیسا کہ فقہ اسلامی کی کتابوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے:

۱-اگر عدل ومساوات کے ساتھ ہو تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔

۲-اگر ان کے درمیان فرق کے ساتھ ہو کہ بعض کو دیں اور بعض کو نہ دیں، یا بعض کو بعض پر فوقیت دیں تو اس سلسلہ میں چار اقوال ہیں: مطلق کراہت کے ساتھ جواز کا ہے، مطلق ممنوع کا ہے، ضرورت کی قید کے ساتھ جواز کا ہے، ہبہ کی قید کے ساتھ جواز کا ہے۔

پہلا قول: مالکیہ کے نزدیک مشہور قول کراہت کا ہے، لیکن اگر ایسا ہو جائے تو جائز ہے، ان حضرات نے حدیث سابق میں مذکور مساوات کے حکم کو مندوب اور نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے(۳۳)، حدیث سابق یہ ہے: "فأشهد على هذا غيري" (اس معاملہ پر میرے علاوہ کو گواہ بنالو)، یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ مکروہ ہے یا امر احسن سے خارج ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو تو اس سے بچایا لیکن دوسرے کو اس سے بچنا واجب نہیں قرار دیا، اگر وہ بالکل ممنوع ہوتا تو دوسروں کو نہ اس کا حکم دیتے اور نہ اس کی اجازت مرحمت فرماتے(۳۴)۔

دوسرا قول: امام مالک سے مروی ایک غیر مشہور قول ممنوع کا ہے، اور یہی ظاہریہ کا مذہب ہے(۳۵)، بخاریؒ نے "ترجمۃ الباب" میں اس کی صراحت کی ہے، اور بخاری کا مذہب ان کے "تراجم الباب" میں ہے، اور یہی طاؤس، ثوری،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسحاق اور بعض مالکیہ کا قول ہے، اس قول کی بنیاد پر اگر تفاوت واقع ہو تو یہ باطل ہے(۳۷)، اس لئے کہ بعض اولاد کو بعض پر تقسیم میں ترجیح دینا ناجائز ہے، خواہ ضرورت کی وجہ سے ہو یا غربت کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے ہو، یہ ایک قسم کا ظلم ہے، جیسا کہ سابق حدیث میں ہے، یہ بھائیوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتا ہے اور ان کے درمیان عداوت کی آگ کو بھڑکاتا ہے، لہذا والد پر واجب ہے کہ اپنی اولاد کے درمیان عدل سے کام لے، اور ان کے دلوں میں آپسی محبت کی حفاظت کرے، اور ان امور سے بچے جو اس کے برخلاف ہوں، اور انہوں نے اس حدیث "فأشهد على هذا غيري" کی تاویل کرتے ہوئے اسے زجر و توبیخ پر محمول کیا نہ کہ اباحت پر(۳۸)۔

تیسرا قول: امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ بعض بیٹوں یا بیٹیوں کو بعض پر ترجیح دینا یا بعض اولاد کو چھوڑ کر صرف بعض اولاد کے لئے وقف کو خاص کر دینا اگر اَثرۃ(۳۹) کے طریقے پر یعنی ظلما ہو تو یہ مکروہ ہے، اور اگر اس کی بنیاد یہ ہو کہ بعض اولاد کثیر العیال ہیں اور وہ ضرورتمند ہیں تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے(۴۰)، اور اسی قول پر قیاس کرتے ہوئے باپ اگر حصول علم کی ترغیب دینے کے لئے علم حاصل کرنے والی اپنی اولاد کے لئے، یا متدین اولاد کے لئے یا جس کو کوئی فضیلت حاصل ہو اس کے لئے کوئی جائداد ہبہ کے طور پر خاص کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے(۴۱)۔

چوتھا قول: بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ باپ اپنی وفات سے پہلے ورثہ کے درمیان اپنا مال اگر ہبہ کے طور پر تقسیم کرتا ہے اور اس میں ہبہ کی تمام شرطیں پائی جارہی ہیں تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر وراثت کے طور پر تقسیم کرتا ہے تو یہ درست نہیں، اس لئے کہ باپ ابھی زندہ ہے اور زندہ کی وراثت نہیں ہوتی(۴۲)، ابن حجر ہیتمی فرماتے ہیں: اگر باپ اپنی ملکیت کو اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کر دے، اور اس کا طریقہ یہ ہو کہ ان میں سے ہر ایک ہبہ شریعت کے طریقہ پر جائداد کا مالک بنا دے، اور اس میں ہبہ کی تمام شرطیں (یعنی ایجاب و قبول، قبضہ، یا قبضہ کی اجازت کا ہونا) پائی جائیں، اور ہر ایک ہبہ کی ہوئی چیز پر قبضہ کر لے، اور یہ سب ہبہ کرنے والے کے ہوش و حواس کی حالت میں ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، اور ان میں سے ہر ایک کو جس جائداد پر ملکیت حاصل ہوئی ہے اس میں اس کا کوئی بھائی حصہ دار نہیں ہوگا، اور ان میں سے جو انتقال کر جائے تو جو بھی اس کی ملکیت میں زمین یا سرمایہ تھا وہ اس کے ورثہ کو دیا جائے گا...... اور اگر ان کے درمیان تقسیم ایسے طور پر کی گئی کہ ان کو شرعی طور پر مالک نہیں بنایا گیا تو یہ تقسیم باطل ہوگی، اور جب اس کا انتقال ہوگا تو اس کی تمام جائداد اس کی اولاد کی وراثت ہوگی، اور "للذكر مثل حظ الانثيين" کے تحت تقسیم ہوگی(۴۳)۔

۳- اس مسئلہ میں عدل و مساوات کے مفہوم میں علماء کا اختلاف ہے، اور اس میں دو قول ہیں:

الف- ایک قول ہے: اس کا معنی مرد و عورت کے درمیان برابری کے ہیں، مالکیہ میں سے ابن القصار کا یہی رجحان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے(۴۴)،اس لئے کہ اس سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث میں ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے،ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:"اتقوا الله واعدلوا فی أولادکم......"(اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل سے کام لو)،اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:"إن لبنیک علیک من الحق أن تعدل بینھم"(۴۵)(تمہاری اولاد کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے درمیان عدل کرو)،اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:"سووا بین أولادکم فی العطیة، فلو کنت مفضلا أحداً لفضلت النساء"(۴۶)(عطیہ دینے میں اپنی اولاد کے درمیان مساوات کا خیال رکھو،اگر میں کسی کو ترجیح دیتا تو عورتوں کو ترجیح دیتا)۔

ب-دوسرا قول ہے:عدل و مساوات سے مراد یہ ہے کہ اولاد کی میراث کے مطابق یعنی"للذکر مثل حظ الأنثیین" کے مطابق ان کے درمیان تقسیم ہو،مالکیہ میں سے ابن شعبان کا یہی رجحان ہے(۴۷)،اس لئے کہ اللہ تعالی نے ان کے لئے میراث کی تقسیم اس طرح کی ہے،اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے،اور یہی ہبہ اور عطیہ میں اولاد کے درمیان مطلوب عدل ہے(۴۸)،وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

حواشی:

۱-اس فنی اصطلاح کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو علم میراث سے اشتغال رکھتے ہیں۔

۲-دیکھئے:رسالہ ابن ابی زید القیروانی،ص/۱۷۷،القوانین الفقہیہ لابن جزی الغرناطی،ص/۳۳۸۔

۳-مدونۃ الأسرۃ المغربیۃ نے اسی کو اختیار کیا ہے،جیسا کہ دفعہ ۳۳۲ میں اس کی صراحت ہے،جس میں لکھا ہے:مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی وراثت نہیں،اور نہ ان کے درمیان جن کے نسب کی شریعت نے نفی کردی ہو۔

۴-بخاری:کتاب الفرائض،حدیث نمبر:۶۷۶۴،مسلم:کتاب الفرائض،حدیث نمبر:۱۶۱۴۔

۵-ابوداؤد:کتاب الفرائض،حدیث نمبر:۲۹۱۱،ترمذی:کتاب الفرائض،حدیث نمبر:۲۱۰۸،ابن ماجہ:کتاب الفرائض،حدیث نمبر:۲۷۳۱،مسند احمد،حدیث نمبر:۶۶۳۶۔

۶-اس مسئلہ کے دلائل کے لئے دیکھئے:الذخیرہ للقرافی ۱۳/۲۱-۲۲،فتح الباری لابن حجر ۱۲/۵۱،منح الجلیل لعلیش ۹/۶۹۳،الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۳/۲۶۔

۷-یہ دلائل دونوں فریق(جمہور اور ان کے مخالفین)کے درمیان مشترک ہیں۔

۸-سورۂ نساء:۵۶۔

۹-سورۂ ہود:۴۵-۴۶۔

۱۰-دیکھئے:ویب سائٹ:http://www.qaradawi.net/site/topics

۱۱-مسند احمد،حدیث نمبر:۲۱۵۰۰،مسند احمد کی تخریج کرنے والوں کا کہنا ہے کہ منقطع ہونے کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے،ابوداؤد،حدیث نمبر:۲۹۱۲،حاکم ۴/۳۴۵،حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۲-بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۲۳۔

۱۳-دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۳/ ۳۵۷ طبع المکتب الثقافی السعودی مراکش، دراسۃ فی فقہ المقاصد: یوسف القرضاوی، ص/ ۱۸۷۔

۱۴-سابق عمید کلیۃ الشریعہ، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، سعودی عرب، دیکھئے: ویب سائٹ :
http://www.ahlalhadeeth.com/vb/archive/index.php/t-71164.html

اور یہ درج ذیل سوال کا جواب تھا: میں نصرانی باپ سے ایک مسلمان عورت ہوں، میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے جو فرانس میں مقیم تھے، انہوں نے میراث چھوڑی، لوگوں نے میراث میں سے میرا حصہ مجھ کو اس ملک میں بھیج دیا جہاں میں مقیم ہوں، تو کیا میرے لئے وہ حصہ لینا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے یا حرام ہے؟ ڈاکٹر الفنیسان نے پہلے جمہور کی رائے پیش کی، پھر اس کے بعد اس رائے کا ذکر کیا جس میں مسلمان کے لئے کافر کی میراث کو جائز قرار دیا گیا ہے، پھر آگے لکھا: کافر سے مسلمان کی میراث میں جب معاملہ اس طرح کا ہے تو میرا رجحان دوسرے قول کی طرف ہے، لہذا اس میراث کو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور میری آپ سے ایک نصیحت یہ ہے کہ اس مال میں سے ایک حصہ کو اللہ کے راستہ میں صدقہ کردیں۔

۱۵-ابوداؤد: کتاب الفرائض، حدیث نمبر: ۲۹۱۲، مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۱۵۰۰۔

۱۶-اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

۱۷-دراسۃ فی فقہ مقاصد الشریعۃ، ص/ ۲۷۹۔

۱۸-دارقطنی اور بیہقی نے اس کی روایت کی ہے، اور بخاری نے ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کا ذکر کتاب الجنائز، باب: إذا أسلم الصبي میں کیا ہے۔

۱۹-احکام اہل الذمہ لابن القیم، ص/ ۴۶۲ اور اس کے بعد کے صفحات، طبع جامعہ دمشق، تحقیق: صبحی الصالح۔

۲۰-حوالہ سابق۔

۲۱-ان مسائل سے مقصود ہے: کسی شخص کا میراث کے لئے اسلام لانا، میراث کی تقسیم سے پہلے اپنے کافر غلام کو آزاد کرنے والے کا ولاء کے ذریعہ وارث بننا، اور مسلمان کا اپنے ذمی رشتہ دار کا وارث بننا، ان تین مسائل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ شریعت کے محاسن میں سے ہیں۔

۲۲-احکام اہل الذمہ لابن القیم، ص/ ۴۶۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔

۲۳-حوالہ سابق۔

۲۴-دراسۃ فی فقہ مقاصد الشریعہ، ص/ ۲۷۹۔

۲۵-بخاری: کتاب العلم، حدیث نمبر: ۱۱۱، مسلم: کتاب الحج، حدیث نمبر: ۱۳۷۰۔

۲۶-دراسۃ فی فقہ مقاصد الشریعہ، ص/ ۲۷۹۔

۲۷-اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

۲۸-اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

۲۹-موطا امام مالک بروایت محمد بن حسن الشیبانی، ص/ ۲۵۵، باب: لا یرث المسلم الکافر۔

۳۰-حوالہ سابق۔

۳۱-سورۂ کافرون: ٦۔

۳۲-سورۂ نساء: ۱۳۹۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۳-إکمال المعلم للقاضی عیاض ۵/ ۳۵۰، فتح الباری لابن حجر ۵/ ۲۱۴۔

۳۴-المعلم للمازری ۲/ ۳۵۰، إکمال المعلم للقاضی عیاض ۵/ ۳۴۹۔

۳۵-القوانین الفقہیہ لابن جزی، ص: ۲۴۱، المحلی لابن حزم ۹/ ۱۴۵۔

۳۶-بخاری: کتاب الہبہ، باب الہبہ للولد وإذا أعطی بعض ولدہ شیئا لم یجز حتی یعدل بینہم ویعطی الآخرین مثلہ ولا یشہد علیہ، حدیث نمبر: ۲۴۴۶۔

۳۷-فتح الباری لابن حجر ۵/ ۲۱۴۔

۳۸-إکمال المعلم للقاضی عیاض ۵/ ۳۵۰۔

۳۹-أثرۃ: استبداد، اس کے مقابلہ میں ایثار آتا ہے، المصباح المنیر للفیومی، مادہ: أثر۔

۴۰-المغنی لابن قدامہ ۶/ ۲۳۳، فتح الباری لابن حجر ۵/ ۲۱۴۔

۴۱-الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۱۱/ ۳۶۰۔

۴۲-الفتاوی الفقہیہ الکبری لابن حجر الہیتمی ۵/ ۴۴، دار الفکر، بیروت۔

۴۳-حوالہ سابق، ج ۴، ص ۳۔

۴۴-المعلم للمازری ۲/ ۳۵۱، إکمال المعلم للقاضی عیاض ۵/ ۳۴۹۔

۴۵-مسند احمد ۴/ ۲۶۹۔

۴۶-سعید بن منصور اور بیہقی نے اپنی سند سے اس کو روایت کیا ہے، اور ابن حجر نے فتح الباری (۵/ ۲۱۴) میں اس کو حسن قرار دیا ہے۔

۴۷-المعلم للمازری ۲/ ۳۵۱، اکمال المعلم للقاضی عیاض ۵/ ۳۴۹۔

۴۸-القوانین الفقہیہ لابن جزی، ص/ ۲۴۱۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اختلاف دین اور مسلمان کا کافر کے وارث بننے کے مسئلہ میں اس کے اثرات

قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک تحقیقی مطالعہ

پروفیسر احمد صویعی شلیبک ☆

مقدمہ:

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونستهديه ونتوب إليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ﷺ وعلى آله وأصحابه وسلم تسليما كثيرا إلى يوم الدين، أما بعد:

اسلامی شریعت کا دوام وبقا، اس کا کامل ومکمل ہونا اور ''خاتمیت'' ان ممتاز خصوصیات میں سے ہیں جن کی بنیاد پر اللہ تعالی نے اسے سابقہ تمام تر شریعتوں پر فضیلت بخشی ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ شریعت تو انسان وجنات کی ہدایت اور ان کے لئے طریقۂ زندگی کے طور پر نازل کی گئی ہے، تا کہ اللہ تعالی زمین اور اس پر بسنے والی مخلوق کا تنہا وارث ہو۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ ہمیشہ رہنے والی اس شریعت کے اندر تمام احکامات اور دنیوی امور سے متعلق تمام تر افعال واعمال کی تفصیلات موجود ہوں، چنانچہ انسانی ضرورت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جس کے بارے میں حق کو کھول کر نہ بتایا گیا، اور ایسی باتوں کی رہنمائی کی گئی جن سے ان کے دین ودنیا دونوں سنور جائیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''ونزلنا عليک الكتاب تبيانا لكل شئى'' (سورۂ نحل:۸۹)۔

اسی اصول کی بنیاد پر مسلمانوں کی زندگی کا طریقہ قابل توجہ ہے، خاص کر جو مسلمان مغربی ممالک میں زندگی گزار رہے ہیں، غیر اسلامی معاشرہ میں رہنے پر مجبور ہیں اور زندگی کے تمام میدانوں میں ان قوانین اور نظامہائے زندگی پر

☆ اسسٹنٹ پروفیسر کلیۃ الشریعہ، جامعہ شارقہ، عرب امارات۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عمل کر رہے ہیں جو انسانی فکر کے نتائج ہیں اور جسے انسانوں نے اپنے روزمرہ کے تجربات کی روشنی میں تیار کیا ہے، یہ انسانی فکر انہیں شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے پر مجبور کرتی ہے، حالانکہ انہیں شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، خاص طور پر اس وقت جبکہ وہ قوانین بعض مسلمانوں کی خواہشوں کے مطابق ہو جیسے کہ مغربی ممالک قانون سازی میں مرد وعورت کو وراثت میں برابر قرار دیتے ہیں اور شوہر کے علاوہ دوسروں کے لئے ازدواجی تعلقات میں ''حریت'' اور ''اباحیت'' کو جائز قرار دیتے ہیں، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی نئی نسل کی ایک خاصی تعداد ایسی ہے جو اسلامی شریعت سے بہت کم واقفیت رکھتی ہے، اور جو افراد تھوڑی بہت معلومات رکھتے ہیں ان میں بھی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے والے کم ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی نئی نسل کے ذہنوں میں دین اسلام اور شریعت اسلامی کو مسخ کرنے کی فکر غالب آگئی ہے، نیز یہ کہ انسان فطری طور پر خواہشات نفس کا گرویدہ بنایا گیا ہے۔

من جملہ ان تمام میدانوں میں جہاں غیر شرعی احکام ہماری زندگی میں سرایت کر چکے ہیں یا ہماری نئی نسل کا ذہن پراگندہ ہو چکا ہے ایک میراث کا موضوع اور ترکہ کی تقسیم کا مسئلہ ہے، لہذا ضرورت ہے کہ علماء کرام اور طالبان علوم دینیہ بحث وتحقیق کے صحیح اصولوں کے مطابق شرعی احکام کی توضیح وتشریح کی کوشش کریں اور شاید مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے حق میں یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ فقہاء کے مسالک میں سے آسانی اور سہولت کو اختیار کرنے کے نظریہ کو قبول کیا جائے، تاکہ مسلمانوں کا اسلام سے تعلق استوار رہے، اور مسلمانوں کی تالیف قلب ہو، بالکل اسی طرح جیسے رسول اللہ ﷺ کبھی کفار کو کچھ دے کر اور اکثر نومسلموں کے مسائل حل کر کے ان کی تالیف قلب کرتے تھے، تاکہ لوگ دین اسلام کی طرف راغب ہوں۔

فقہ الاقلیات سے متعلق بہت سے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ جس کے بارے کثرت سے دریافت کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ کیا مسلمان اپنے ایسے قریبی رشتہ دار کے وارث بن سکتے ہیں جو کافر یا مرتد ہوں؟ میں نے اس مسئلہ کی تحقیق کی، اور اللہ تعالی کی توفیق سے اس مسئلہ کا تشفی بخش حل مل گیا، اس سے انشاء اللہ مغربی ممالک کے لوگ فائدہ اٹھائیں گے، اور اس کے ذریعہ یہ ثابت ہو جائے گا کہ اسلام اور شریعت اسلامیہ ہر زمانہ اور ہر علاقہ کے لئے مفید ہے۔

میں نے اس تحقیقی مقالہ کو ایک مقدمہ، ایک تمہید، تین مباحث اور ایک خاتمہ میں تقسیم کیا ہے:

مقدمہ میں اس موضوع کی اہمیت اور بحث کا خاکہ پیش کیا ہے۔

تمہید میں موانع ارث کو بیان کیا ہے۔

مبحث اول: اس میں اختلاف دین کا مفہوم اور کافر کا مسلم سے اور مسلم کا کافر سے وراثت پانے کا حکم بیان کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مبحث دوم: اس میں وراثت کی تقسیم سے پہلے کافر کے اسلام قبول کرنے کا حکم بیان کیا ہے۔

مبحث سوم: اس میں مرتد کے وارث ہونے کا حکم بیان کیا ہے۔

خاتمہ میں اس مسئلہ کے اہم ترین نتائج اور خلاصہ کو بیان کیا ہے۔

تمہید

میراث کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

لغوی تعریف:

لغت میں لفظ 'میراث' ارث کے معنی میں مستعمل ہے، یہ مصدر ہے، "ورث الشئی وراثة و میراثا و إرثا" اور 'ارث' دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے:

۱-مصدر کے معنی میں یعنی وارث۔

۲-اسم مفعول کے معنی میں یعنی موروث۔

لفظ 'میراث' اگر مصدری معنی میں ہو تو اس کے دو معنی ہونگے، اول: "البقاء" یعنی کسی چیز کا اس کے مالک کے قبضہ میں رہنا، تقریباً اسی مفہوم میں اللہ تعالی کا صفتی نام "الوارث" ہے، یعنی وہی تنہا ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جو مخلوق کا وارث ہوگا، "واللہ تعالی خیر الوارثین" یعنی اللہ تعالی ہر چیز کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے گا، جبکہ ہر چیز ختم ہو جائے گی سوائے اللہ تعالی کی ذات کے، اور اسی مفہوم میں رسول اللہ ﷺ کی یہ دعاء ہے:

"اللھم متعنی بسمعی وبصری واجعلھما الوارث منی" (المستدرک علی الصحیحین للحاکم ج۲ ص:۷۰۲، حدیث نمبر:۱۹۶۱؛ سنن الترمذی ج۴ ص:۳۶۷، حدیث نمبر:۳۵۰۲)۔

یعنی میری طرح انہیں بھی صحیح سالم رکھ، یہاں تک کہ میری وفات ہو جائے۔

"میراث" اگر معنی مصدری میں استعمال ہو تو اس کا دوسرا مفہوم ہے "کسی چیز کا ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جانا" خواہ یہ منتقلی حسی ہو جیسے 'اموال' یا 'اعیان' کا ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا، یا حقیقتاً ہو جیسے مال کا موجودہ وارث کی طرف حقیقی طور پر منتقل ہونا، یا حکمی طور پر ہو جیسے ولادت سے قبل حمل کے لئے وراثت میں حصہ، یا معنوی طور پر ہو جیسے علم واخلاق اور نبوت کا وارث بننا، جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالی کا یہ ارشاد:

"فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعله ربی رضیا" (سورہ مریم:۵،۶)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ تعالی کا یہ ارشاد: "وورث سليمان داؤد" (سورہ نمل:١٦) اس سے مراد بادشاہت ونبوت کی ملکیت ہے اور قریب قریب اسی مفہوم میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

"إن العلماء ورثة الأنبياء وإن الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكن ورثوا العلم ممن أخذهٗ أخذ بحظ وافر" (سنن الترمذی ۲۷۷/۳، حدیث نمبر:٢٦٣٦)۔

لفظ 'میراث' اگر اسم مفعول کے معنی میں ہو تو وہ 'ارث' کے مرادف ہوتا ہے، لغت میں اس کے معنی ہیں "الاصل والبقية" یعنی وہ مال جو میت چھوڑے، کیونکہ یہ باقی ماندہ مال ہے جس کو میت نے اپنے نسبی یا سببی وارث کے لئے چھوڑا ہے (لسان العرب لابن المنظور ٢٦٦/١٥، مقاییس اللغۃ ٦٢٩/٢، القاموس المحیط ص:٢٢٧، مختار الصحاح ٢٩٨/٥، المصباح المنیر ٩٠١/٢، المعجم الوسیط ١٠٢٤/٢٢)۔

میراث کی اصطلاحی تعریف:

میراث کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: یہ ایسا حق ہے جو قابل تجزی ہو اور صاحب میراث کی موت کی بعد قرابت، زوجیت یا حق ولاء کی بنیاد پر اس کے مستحق کے لئے ثابت ہو (اسہل المدارک ٣٣٢/٢، حاشیۃ البقری علی شرح الرحبیۃ ص:٣٠)۔

علم میراث: ایسے فقہی اور حسابی قواعد کا علم جن کی بنیاد پر وراثت کے مستحق کو معلوم کیا جا سکے، اور ہر وارث کا حق کیا ہے؟ نیز وراثت میں حصہ پانے کے اسباب، اس کے شرائط اور موانع کا علم ہو سکے (الشرح الکبیر ٤٥٦/٣)۔

موانع ارث:

میراث میں استحقاق کیلئے وراثت کے ارکان وشرائط اور اسباب کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی موانع ارث نہ پائے جائیں، جن کی شریعت نے وضاحت کی ہے کہ وہ میت اور اس کے زندہ رشتہ دار کے درمیان باہم توا ث کے لئے مانع ہیں۔

'مانع' کی لغوی تعریف:

مانع لفظ 'منع' کا اسم فاعل ہے، جس کے معنی حائل یا دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ کے ہیں، لہذا ہر وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اسے "مانع" کہا جائے گا، مانع کی جمع موانع ہے، جیسے عورت کے حق میں نماز، روزہ اور دیگر عبادات کیلئے حیض مانع ہے، کہا جاتا ہے:

"هذا مانع بين كذا وكذا أى حائل بينهما ومنعه من حقه ومنع حقه منه إذا حماه وحال بينه

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وبینه" (لسان العرب ۱۳/ ۱۹۴-۱۸۵، معجم مقاییس اللغة ۲/ ۴۹۰، المصباح المنیر ۲/ ۷۹۷، مختار الصحاح ص: ۲۶۵)۔

مانع کی اصطلاحی تعریف:

مانع کی اصطلاحی تعریف ہے: "هو ما یلزم من وجوده العدم ولا یلزم من عدمه وجود ولا عدم لذاته" (الفروق للقرافی ۱/ ۶۲، البحر المحیط ۱/ ۳۱۰، مذکرۃ اصول الفقہ للشنقیطی ص: ۴۴، التحفة فی علم المواریث ص: ۸۹)۔

یعنی ایسی چیز جس کے وجود سے دوسری چیز کا عدم (نہ ہونا) لازم آئے لیکن اس کے عدم (نہ ہونے) سے دوسری چیز کا وجود (ہونا) یا اس کے ذات کی نفی لازم نہ آئے۔

"ما یلزم من وجوده العدم" کا مطلب ہے کہ مانع ارث کے پائے جانے سے وراثت میں حصہ پانے کا حکم نہ پایا جائے، جیسے قتل اور اختلاف دین موانع ارث میں سے ہے، لہٰذا مانع ارث یعنی قتل اور اختلاف دین کے پائے جانے کی صورت میں میراث معدوم ہوگا، گرچہ وراثت میں حصہ پانے کے اسباب مثلاً قرابت یا زوجیت موجود ہو، نیز اس کے دیگر شرائط مثلاً مورث کی موت اور وارث کی زندگی متحقق ہو۔

اور "ولا یلزم من عدمه وجود ولا عدم" کا مطلب یہ ہے کہ موانع ارث مثلاً قتل یا اختلاف دین کے نہ پائے جانے کی صورت میں میراث کا وجود اور عدم وجود لازم نہیں آتا (التحقیقات المرضیة فی المباحث الفرضیة ص: ۴۵، الترکات والوصایا ص: ۱۴۳، احکام المیراث ص: ۱۹۹)۔

موانع ارث کا مفہوم:

یعنی جس کی بنیاد پر وارث ہونے کی اہلیت مفقود ہو جائے، باوجودیکہ اس کے اسباب مثلاً قرابت یا نکاح یا حق ولاء موجود ہو نیز دیگر شرائط بھی پائے جا رہے ہوں، یعنی کسی شخص کو حق وراثت سے اس وجہ سے روک دیا جائے کہ فی نفسہ اس کے اندر موانع ارث میں سے کوئی سبب پایا جا رہا ہے، ایسے شخص کو "محروم" کہا جاتا ہے، مانع وارث سے وراثت کی اہلیت سلب کر لیتا ہے، لہٰذا ایسا شخص اور معدوم شخص برابر ہے، گویا ایسا شخص اصلا موجود نہیں ہے، لہٰذا اسے محروم کہا جاتا ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں ماہرین میراث اس کی اصطلاحی تعریف یوں کر سکتے ہیں: موانع ارث یہ ہے کہ وراثت کے اسباب اور شرائط پائے جانے کے باوجود اہلیت وراثت مفقود ہو جائے، یا یہ کہ وہ حکم سے خارج ایسا امر ہے جس کے ہونے سے وراثت کا حقدار نہ ہونا لازم آئے، گرچہ حصہ پانے کے اسباب پائے جا رہے ہوں، لہٰذا موانع کے موجود ہونے کی صورت میں میراث میں حصہ پانے کے حکم کی نفی ہو جائے گی (شرح السراجیة ص: ۷۹، احکام المیراث لمصطفی شلبی ص: ۶۰، احکام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

المیراث فی الشریعۃ الاسلامیۃ ص:۱۹۹)۔

جو موانع فرد اور میراث کے درمیان رکاوٹ بنتے ہیں وہ دو طرح کے ہیں:

پہلی قسم: ایسے موانع جن پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، تین ہیں: غلامی، قتل اور اختلاف دین۔

۱- غلامی: یعنی معنوی طور پر عاجزی جو انسان کو لاحق ہوتی ہے، جس کی وجہ اللہ کا انکار ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ شارع نے اس شخص کے تصرف کو نافذ نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اور اللہ کے انکار کے سبب اس کو دوسرے کا غلام بنا دیا ہے (مغنی المحتاج ۳/ ۲۵، زاد المحتاج ۳/ ۴۴، روضۃ الطالبین ۶/ ۳۰، التعریفات للجرجانی ص: ۱۴۸، الرحبیۃ مع شرحہا ص: ۳۶، العذب الفائض ۱/ ۲۳، الفوائد الجلیۃ ص: ۲۸)، لہٰذا غلامی وراثت میں حصہ پانے کے لئے مانع ہے، نہ وہ وارث بن سکتا ہے، اور نہ ہی وارث بنایا جا سکتا ہے، خواہ غلامی مکمل ہو یا مدبر ہو یا اس کی آزادی کسی صفت پر معلق ہو یا اس کی آزادی کی وصیت کی گئی ہو یا وہ ام ولد ہو یا مکاتب ہو (حاشیۃ ابن عابدین ۶/ ۷۶۲، الاختیار ۵/ ۱۱۵، البحر الرائق ۸/ ۵۷۰، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۴۸۵، التاج والاکلیل ۶/ ۴۲۲، مغنی المحتاج ۳/ ۲۵، نہایۃ المحتاج ۶/ ۲۸، روضۃ الطالبین ۶/ ۳۰، المغنی ۶/ ۲۶۲، کشاف القناع ۴/ ۴۹۴، المحرر فی الفقہ ۱/ ۴۱۳، العذب الفائض ۱/ ۲۳)۔

۲- قتل: یہ ایسا فعل ہے جو نفس کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے (کشاف القناع ۵/ ۵۰۴)، یا یہ ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے روح نکل جاتی ہے (التعریفات للجرجانی ص: ۲۲۰)۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قتل مانع ارث ہے اور قاتل مقتول کے مال اور اس کی دیت سے کچھ بھی وراثت نہیں پائے گا، یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ قاتل اس کے وارثین میں ہو، البتہ جو قتل مانع ہے اس کی نوعیت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے (المبسوط ۳/ ۱۰۳، بدائع الصنائع ۷/ ۲۷۱، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۴۸۶، مواہب الجلیل ۶/ ۴۲۲، مغنی المحتاج ۳/ ۲۵، الاقناع ۲/ ۴۹، حاشیۃ البیجوری ۲/ ۷۳، المغنی ۶/ ۲۹۲، العدۃ شرح العمدۃ ص: ۲۹۲، حاشیۃ الروض المربع ۶/ ۱۹)۔

۳- اختلاف دین سے مراد اسلام اور کفر کا اختلاف ہے اور یہی ہمارے مقالہ کا موضوع ہے۔

دوسری قسم: ایسے موانع جن میں فقہاء کا اختلاف ہے، وہ ہیں غیر مسلموں کے درمیان باہم دار کا اختلاف، ارتداد، اور حکمی دار (حاشیۃ ابن عابدین ۶/ ۷۶۷، مجمع الانہر ۲/ ۷۴۸، حاشیۃ الخرشی ۴/ ۲۲۳، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۴۸۶، مغنی المحتاج ص: ۱۴۳، نہایۃ المحتاج ۷/ ۱۳، المغنی ۶/ ۲۹۷، المحرر فی الفقہ ۱/ ۴۱۳، منار السبیل ص: ۲۳۸)۔

مبحث اول: اختلاف دین

قتل کی طرح اختلاف دین بھی مانع ارث ہے، دین کے اختلاف کا مطلب ہے ایک کا دین دوسرے کے دین سے الگ ہو، اس مبحث میں ہم درج ذیل امور پر گفتگو کریں گے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اختلاف کی لغوی تعریف:

لفظ 'اختلاف' لغت میں اختلف یختلف اختلافا سے مصدر ہے، اور ''اتفاق'' کی ضد ہے، یعنی کسی معاملہ پر متفق نہ ہونا بایں طور کہ ہر شخص اپنے احوال یا اقوال یا رائے میں دوسرے کے طریقہ سے جدا طریقہ اختیار کرے، یعنی دو چیزوں میں برابری نہ ہونا، چنانچہ جن چیزوں میں برابری نہیں ہوگی وہ اختلاف اور تخالف ہے۔

لفظ 'خلاف' خالف یخالف خلافا ومخالفة کا مصدر ہے، جو وفاق کی ضد ہے، یعنی ایسی بات پیش کرنا جو دوسرے کی بات سے جدا اور اس کے مغایر ہو۔

'خلاف' اور 'اختلاف' لغت کے اعتبار سے اتفاق کی ضد ہے (لسان العرب ۹/ ۹۰، الکلیات للکفوی ص: ۶۰، القاموس المحیط ص: ۱۰۴۵، المصباح المنیر ۱/ ۲۴۵، معجم مقاییس اللغة ۲/ ۲۱۳، مختار الصحاح ص: ۷۸، المعجم الوسیط ۱/ ۲۵۱)، اگر کسی معاملہ پر دونوں فریق متفق نہ ہوں تو کہا جاتا ہے: اختلف الامر۔ اسی مفہوم میں اللہ کا ارشاد ہے: ''اختلاف ألسنتکم وألوانکم'' (سورہ روم: ۲۲) اور ''مختلفا ألوانه'' (سورہ نحل: ۱۳) اور اسی مفہوم میں نماز میں صفوں کی برابری کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''لا تختلفوا فتختلف قلوبکم'' (سنن ابوداود ۱/ ۱۷۵، سنن النسائی، حدیث نمبر: ۸۱۲، المستدرک ۲/ ۲۸۶، حدیث نمبر ۲۱۵۸، صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۷۴۹، حدیث نمبر ۱۵۵۶)، یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ جب صفوں میں لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھ جائیں گے، تو ان کے قلوب متاثر ہوں گے اور آپس میں الفت ومحبت کی جگہ اختلاف وانتشار جنم لے لیں گے۔

کہا جاتا ہے: ''وخالفه إلی الشیء: أی عصاہ إلیه، أو قصدہ بعد أن نهاہ'' اور اسی سے متعلق اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے: ''وما أرید أن أخالفکم إلی ما أنهاکم عنه'' (سورہ ہود: ۸۸)۔

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''لم أکن لأنهاکم عن أمر ارتکبه أو آتیه'' (تفسیر الطبری ۱۰/ ۴۵۳، تفسیر ابن کثیر ۲/ ۵۹۹)۔

راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ''والاختلاف والمخالفة: أن یأخذ کل واحد طریقا غیر طریق الآخر فی حاله وأقواله، والاختلاف أعم من الضد، لأن کل ضدین مختلفان ولیس کل مختلفین ضدین'' (مفردات الفاظ القرآن: ۲۹۴)۔

اختلاف اور مخالفۃ کا مطلب ہے کہ ہر ایک دوسرے سے جدا طریقہ اختیار کرے، لفظ 'خلاف' لفظ 'ضد' سے زیادہ عام ہے، اس لئے کہ دو متضاد چیزیں باہم مختلف ہوتے ہیں لیکن ہر دو مختلف چیز متضاد نہیں ہوتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح 'خلاف' اور 'اختلاف' لغت میں مطلق مغایرت کا نام ہے، خواہ یہ قول میں ہو یا رائے میں یا موقف میں یا حالت وکیفیت میں۔

اختلاف کی اصطلاحی تعریف:

فقہاء اور اصولیین کے نزدیک لفظ 'خلاف' اور 'اختلاف' اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوتے ہیں، یعنی مطلق مغایرت اور عدم اتفاق کے مفہوم میں، چنانچہ فقہاء کے نزدیک خلاف اور اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اجتہادات، آراء اور اقوال کسی مسئلہ میں ایک دوسرے سے الگ ہیں، مثلاً بعض فقہاء کی رائے کسی مسئلہ میں وجوب کا ہے، بعض اس کو مستحب کہتے ہیں، اور بعض مباح قرار دیتے ہیں (الموافقات ۱۶۱/۴، الفتاوی الہندیہ ۳۱۲/۳، کشاف اصطلاحات الفنون للتھانوی ۲۲۰/۲)۔

اس کے برخلاف بعض علماء خلاف اور اختلاف کے مابین فرق کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ 'اختلاف' کا لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جبکہ اس کی رائے کی بنیاد کسی دلیل پر ہو اور 'خلاف' کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب اس رائے کی کوئی دلیل نہ ہو (شرح فتح القدیر ۳۹۴/۶، حاشیۃ ابن عابدین ۳۳۱/۴)۔

کلیات میں ہے: اختلاف اس کو کہتے ہیں جس میں کسی دلیل پر انحصار ہو، اور اگر کوئی دلیل نہیں ہے تو وہ خلاف ہے، اس طرح اختلاف رحمت کی علامت ہے اور خلاف بدعت کی علامت، اسی طرح لفظ 'خلاف' کا استعمال ایسے موقعہ پر کرتے ہیں جہاں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو اور وہ کتاب وسنت اور اجماع کے مخالف ہو (الکلیات، ص:۶۱)۔

اختلاف دین کا مفہوم:

اختلاف دین سے مراد یہ ہوتا ہے کہ مورث کا دین وارث کے دین کے مخالف ہو، خواہ وارث بننے کا سبب زوجیت ہو یا قرابت، بایں طور کہ میت مسلمان ہو اور اس نے کتابیہ بیوی یا غیر مسلم رشتہ دار کو چھوڑا ہو۔

نکاح اور قرابت وراثت کے دو اسباب ہیں، لہذا غیر مسلم بیوی اور غیر مسلم رشتہ دار اپنے مسلمان رشتہ دار کے وارث نہیں ہوں گے، جب تک میراث سے حق پانے میں مانع موجود ہو، اور جب استحقاق کے وقت سے پہلے مانع ختم ہو جائے تو وراثت میں حصہ نہ پانے کا حکم بھی ختم ہو جائے گا اور دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، لہذا اگر بیوی اپنے شوہر کی وفات سے پہلے یا بیٹا اپنے باپ کے انتقال سے قبل اسلام قبول کر لیں تو ان کے مابین وراثت جاری ہوگی، سبب وراثت یعنی زوجیت اور قرابت پائے جانے کی وجہ سے، اس کی مثال یہ ہے کہ اگر لڑکا اسلام قبول کر لے اور والد کفر پر ہی قائم رہیں یا وہ اہل کتاب میں سے ہوں اور اپنے دین پر قائم رہیں، اس صورت میں دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو دوسرا وارث نہیں ہوگا، دونوں کا دین جدا جدا ہونے کی وجہ سے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اختلاف دین کی متعدد شکلیں ہوتی ہیں، مثلاً کبھی وارث مسلمان ہو اور مورث غیر مسلم، کبھی وارث غیر مسلم ہو اور مورث مسلمان، اور کبھی وارث اور مورث دونوں غیر مسلم ہوں۔

مسلمان اور کافر کے درمیان وراثت کا حکم:

تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کے ترکہ میں ذرہ برابر بھی وراثت کا حق نہیں رکھتا ہے، خواہ وراثت میں استحقاق کا سبب زوجیت یا قرابت ہو، اور مستحقین کے درمیان وراثت کی تقسیم تک کافر اپنے کفر پر قائم رہے، اور ہر ہر وارث اپنا حصہ حاصل کرلیں، لہذا کافر بیوی اپنے مسلمان شوہر کا وارث نہیں ہوگی، اور کافر لڑکا اپنے مسلمان والد کے مال کا حقدار نہیں ہوگا، اسی طرح کافر رشتہ دار اپنے مسلم رشتہ دار کا وارث نہیں ہوگا، خواہ یہ رشتہ بھائی کا ہو یا چچا کا یا اسی طرح کوئی اور رشتہ ہو (البحر الرائق ۸/۵۵۶، حاشیۃ الدسوقی ۴/۴۸۶، بدایۃ المجتہد ۲/۳۵۲، مغنی المحتاج ۳/۲۴، المغنی ۶/۲۹۴، الاستذکار ۵/۶۳۳)۔

لیکن کافر کے مال میں مسلمان وارث ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کے دو اقوال ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

پہلی رائے:

جمہور فقہائے احناف، شوافع، مالکیہ، حنابلہ اور فقہاء اہل ظاہر، خلفاء اربعہ اور جمہور صحابہ کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کافر کے مال کا وارث بالکل نہیں ہوگا خواہ رشتہ قرابت داری کا ہو یا زوجیت کا، کافر حربی ہو یا ذمی، یا مرتد، یہی رائے عمرو بن عثمان، عروۃ، زہری، عطاء، طاؤس، حسن، عمر بن عبدالعزیز، ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، ابوعبید، داؤد بن علی، طبری اور عام فقہاء کی ہے (المبسوط ۳۰/۳۰، البحر الرائق ۸/۵۵۶، مجمع الانہر ۲/۷۴۸، حاشیۃ ابن عابدین ۶/۷۶۷، بدایۃ المجتہد ۲/۳۵۲، حاشیۃ الدسوقی ۴/۴۸۶، شرح الزرقانی ۴/۲۲۸، الکافی لابن عبدالبر ۲/۵۵۵، الام ۵/۱۵۰، مغنی المحتاج ۳/۲۴، نہایۃ المحتاج ۶/۲۷، روضۃ الطالبین ۶/۲۹، المغنی ۶/۲۹۴، کشاف القناع ۴/۴۷۶، العدۃ شرح العمدۃ ص: ۲۹۱، المحلی ۹/۳۰۴، الاستذکار ۵/۶۳۱)۔

ان حضرات نے درج ذیل روایات سے استدلال کیا ہے:

۱- حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا يرث المسلم من الكافر ولا يرث الكافر من المسلم" (البخاری مع فتح الباری ۱۲/۵۰، حدیث نمبر: ۲۹۱، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۴۱۴۰) (مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث ہوگا)۔

طریقۂ استدلال: اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کو کافر کا اور کافر کو مسلمان کا وارث بننے سے منع فرمایا، خواہ کافر سے رشتہ قرابت کا ہو یا زوجیت کا، وہ حربی ہو یا ذمی یا مرتد، یہ حکم عام ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لہذا کسی دلیل کے بغیر اس کو خاص کرنا جائز نہیں ہوگا، اور خاص کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے (المحلی ج۹ص:۳۰۴، نیل الاوطار ۶/ ۷۴)۔

اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث میں کافر سے مراد حربی ہے نہ کہ منافق، اور نہ ہی مرتد یا ذمی، اس لئے کہ لفظ 'کافر' اگر چہ ہر کافر کیلئے مطلقا استعمال ہوتا ہے، لیکن کبھی لفظ کافر سے کفار کی بعض قسمیں مراد ہوتی ہیں، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''إن الله جامع المنافقين والكافرين في جهنم جميعا'' (سورہ نساء:۱۴۰) (اللہ منافقین اور کفار کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے)۔

یہاں پر لفظ 'کافرون' میں منافقین شامل نہیں ہیں، یہی حال مرتد کا ہے، اگر لفظ کافر مطلقا استعمال ہو تو فقہاء اس میں مرتد کو شامل سمجھتے ہیں، اسی بنیاد پر فقہاء کہتے ہیں کہ کافر اگر مسلمان ہو جائے تو وہ ماقبل اسلام کی فوت شدہ نمازوں کی قضا نہیں کریگا، لیکن اگر مرتد تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے تو اس بارے میں دونوں طرح کے اقوال ہیں (احکام اہل الذمۃ ۲/ ۴۶۳)۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ تخصیص حدیث کے عموم کی بنیاد پر ہے، لیکن اس عموم کی تخصیص پر کیا دلیل ہے جو مسلمان کا کافر کے مال میں وارث ہونے کی ممانعت کو شامل ہے، خواہ وہ کافر قرابت دار ہو یا اس سے زوجیت کا رشتہ ہو، وہ حربی ہو یا ذمی یا مرتد۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مصلحت عموم کی تخصیص کو لازم کر رہی ہے، اور کافر کے مال میں مسلمان کے وارث ہونے میں مصلحت یہ ہے کہ اس وجہ سے جو ذمی اسلام قبول کرنا چاہے ان کو اسلام کی طرف رغبت ہوگی، بہت سے ذمی اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس راہ میں یہ خوف مانع ہوتا ہے کہ اگر ان کے صاحب جائیداد رشتہ دار وفات پائیں گے تو انہیں اس میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا، لہذا اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے میراث پانے کا حق ساقط نہیں ہوگا تو قبول اسلام کی راہ میں مانع جذبہ کمزور ہو جائے گا، اسلام کے تئیں اسکی رغبت بڑھ جائے گی، اور تنہا یہ مقصد تخصیص کیلئے کافی ہے۔

یہ مصلحت واضح ہے، مختلف تصرفات میں شارع نے اس کا اعتبار کیا ہے، یہ مصلحت کبھی ان کی خواتین سے نکاح کرنے کے مقصد سے بھی زیادہ بڑی ہوتی ہے، پھر یہ اصول کے خلاف بھی نہیں ہے، کیونکہ مسلمان ذمیوں کی حمایت کرتے ہیں، ان کی جانب سے دفاعی جنگ کرتے ہیں اور ان کے قیدیوں کا فدیہ ادا کرتے ہیں، اور چونکہ میراث کا استحقاق معاونت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی وجہ سے ہوتا ہے، لہذا مسلمان ان کے وارث ہونگے لیکن چونکہ وہ مسلمانوں کی مدنہیں کرتے، لہذا وہ مسلمانوں کے وارث نہیں ہوں گے، کہ میراث کا اصل مقصودتو دلجوئی ہے، اگر یہ بات ان کے بارے میں معتبر ہوتی تو منافقین نہ خود وارث بنتے اور نہ وارث بنائے جاتے، حالانکہ راجح یہی ہے کہ وہ وارث بھی بنتے بھی ہیں اور مورث بھی (احکام اہل الذمۃ ۲/ ۴۶۳)۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن قیم نے جو بات کہی ہے بعینہ اسی بات کا ان دنوں ہم مغربی ممالک میں مشاہدہ کر رہے ہیں، یہاں بعض افراد ایسے ہیں جو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کہتے تھے کہ اگر انہیں اس بات کا علم ہوتا کہ اسلام ہمارے لئے اپنے غیر مسلم رشتہ داروں سے میراث کو ممنوع قرار دیتا ہے تو ہم اسلام قبول نہیں کرتے، اور خود یہاں ایسے بھی افراد ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا، پھر ان کے کسی غیر مسلم رشتہ دار کے انتقال کے بعد معلوم ہوا کہ اب وہ ان غیر مسلم رشتہ دار کے وارث نہیں بن سکتے ہیں، تو انہوں نے اسلام کو ہی خیر آباد کہہ دیا اور مرتد ہو گئے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کی خواتین سے نکاح کرنے کی مصلحت منصوص ہے، اور اس نص کا کوئی معارض نہیں ہے، جبکہ غیر مسلموں کو اسلام سے قریب کرنے کی مصلحت گرچہ شریعت میں معتبر ہے، لیکن یہاں نص کے معارض ہے، اس لئے اس مصلحت کو نص پر مقدم نہیں کر سکتے، جس طرح شارع کا قصد انہیں اسلام سے قریب کرنا ہے، اسی طرح وراثت کے مسئلہ میں شارع کا مقصد ایک حکمت کی بنیاد پر توارث کو روکنا ہے، اور وہ حکمت مسلمان اور کافر کے درمیان دوری کو باقی رکھنا ہے تاکہ اس کی وجہ سے کوئی ایسی چیز لازم نہ آئے جو دینی ولایت (دوستی) تک پہنچا دے (ارث المسلم من قریب الکافر، دکتور عابد السفیانی، مجلۃ جامعۃ ام القری ۱۵ و ۲/۵۱۵)۔

اس کا جواب دو طریقہ سے دیا گیا ہے، اول یہ کہ یہاں پر تألیف قلب اور نص قرآنی کے مابین کوئی تضاد نہیں ہے، کہ نص پر اس کو مقدم کرنا لازم آئے، تألیف قلب ظاہری مصلحت ہے اور اسی مصلحت نے حدیث کی نص کے عموم کو خاص کیا ہے، فقہاء نے مصلحت کی بنیاد پر بہت سے مسائل میں عام کو خاص کیا ہے (الہدایہ ۳/۱۱۶، حاشیۃ ابن عابدین ۴/۴۴۱، المدونۃ الکبری ۲/ ۲۹۴، بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۹۸، المنتقی ۴/ ۲۲۹، نہایۃ المحتاج ۴/ ۴۲۵، مغنی المحتاج ۲/ ۲۰۱، المغنی ۶/ ۲۶۲، کشاف القناع ۴/ ۳۰۹)، اس کی کچھ مثالیں اس طرح ہیں:

۱- فقہائے احناف نے اللہ تعالی کے ارشاد: "فإن لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشہداء" (سورہ بقرہ: ۲۸۲) کے عموم کو ان مسائل میں عورتوں کی گواہی سے خاص کیا ہے جن سے مرد واقف نہیں ہوتے، اس تخصیص کی وجہ ضرورت اور مصلحت ہے (شرح فتح القدیر ۶/ ۹۰۸، المدخل الفقہی العام ۱/ ۱۲۹)۔

۲- فقہائے مالکیہ اللہ تعالی کے ارشاد: "واستشہدوا شہیدین من رجالکم" (سورہ بقرہ: ۲۸۲) اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"وأشهدوا ذوى عدل منكم" (سورہ طلاق:۲) کے عموم کو بچوں کی شہادت سے خاص مانتے ہیں، بچوں کی شہادت سے مراد ایسی گواہی ہے جو زخمی کے سلسلہ میں باہم بچوں کے درمیان ہو، بشرطیکہ یہ گواہی ان کے اپنے علاقہ میں ہو اور وہ ابھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے ہوں، اس تخصیص میں خون کی حفاظت کی مصلحت ہے (المنتقی ۲۲۹/۴، الموطا ۲/۷۲۶، احکام القرآن ۱/۲۵۲)۔

۳-فقہائے شوافع رسول اللہ ﷺ کے فرمان: "أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله" (صحیح البخاری ۱/۱۷، حدیث نمبر:۲۵، صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۲۴، المستدرک ۱/۳، حدیث نمبر:۱۴۶۸) کو زندیق متستر سے خاص مانتے ہیں جب وہ توبہ کرے لیکن اس کی توبہ قبول نہ ہو (المستصفی ج۱ ص:۲۹۸)۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:...... "فهذا لو قضينا به فحاصله استعمال مصلحة في تخصيص عموم وذلك لاينكره أحد" (المستصفی ۱/۲۹۸) (اگر ہم اس طرح کا فیصلہ کریں تو مطلب یہ ہوگا کہ عام کو خاص کرنے کے لئے مصلحت کا استعمال کیا گیا ہے اور اس کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا)۔

۴-فقہائے حنابلہ ہبہ میں اولاد کے درمیان برابری سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: "اتقوا الله واعدلوا بين أولادكم" (صحیح البخاری ۲/۹۱۴، حدیث نمبر:۲۴۴۷، صحیح مسلم، حدیث نمبر:۴۱۸۱) کے عموم کو صاحب اولاد، طالب علم اور نیک آدمی سے خاص مانتے ہیں (المغنی ۶/۲۶۲، کشاف القناع ۳۰۹/۴)۔

ب-یہ کہنا کہ کافر و مسلم کے درمیان توارث نہ ہونے کی مصلحت ان دونوں کے درمیان دوری رکھنا ہے تاکہ اس وجہ سے ان کے درمیان دینی ولایت نہ ہو، صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اسلام نے غیر مسلموں اور خاص طور سے غیر مسلم رشتہ دار جیسے والدین وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک کو واجب قرار دیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وإن جاهداك على أن تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما في الدنيا معروفا" (سورہ لقمان:۱۵) یہ حکم اللہ تعالی کے اس ارشاد میں بھی ہے: "ووصينا الإنسان بوالديه حسنا وإن جاهداك لتشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما" (سورہ العنکبوت:۸)۔

قریبی رشتہ دار سے صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں میری ماں میرے پاس ضرورت سے آئیں تو میں نے نبی کریم ﷺ دریافت کیا کہ کیا میں اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں بالکل (صحیح البخاری ۲/۹۲۴، حدیث نمبر:۲۴۷۷، صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۳۲۴، الادب المفرد، حدیث نمبر:۲۵)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک سرخ جوڑا (حلۃ حمراء) دیکھا، توانہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اے اللہ کے رسول! آپ اس جوڑے کوخرید لیتے اور جمعہ کے دن جب وفود آپ کے پاس آتے تو آپ اسے زیب تن فرماتے، بڑا اچھا ہوتا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عمر! اس طرح کے جوڑے وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو، پھر جب ایک موقعہ پر آنحضور ﷺ کے پاس کچھ تحائف آئے، جس میں کچھ جوڑے تھے، آپ ﷺ نے ایک جوڑا حضرت عمرؓ کو بطور ہدیہ پیش فرمایا، حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے رسول اللہ! آپ نے مجھے یہ جوڑا عنایت فرمایا ہے حالانکہ اس کے بارے میں آپ کا تبصرہ سن چکا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! میں نے تمہیں یہ پہننے کیلئے نہیں دیا تھا بلکہ اس لئے دیا تھا کہ تم اسے فروخت کرو یا کسی دوسرے شخص کو پہنا دو، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسے اپنے ماں شریک بھائی کو ہدیہ کردیا جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے (صحیح البخاری ۱/ ۳۰۲، حدیث نمبر: ۸۴۶، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۵۴۰۱، الادب المفرد، حدیث نمبر: ۷۱)۔

اسی طرح اسلام نے کافر رشتہ دار کیلئے وصیت کو جائز قرار دیا ہے (بدائع الصنائع ۷/ ۳۳۵، التاج والاکلیل ۶/ ۳۶۸، المجموع ۱۴/ ۳۲۶، المغنی ۶/ ۱۷، الانصاف ۷/ ۲۲۲) اور شوہر و بیوی کے درمیان اللہ تعالی نے محبت والفت رکھی ہے، گرچہ بیوی کافر ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ”ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجا لتسكنوا إليها وجعل بينكم مودة ورحمة“ (سورہ روم: ۲۱)۔

ان جیسے رشتوں میں کافر رشتہ دار سے محبت والفت، ہمدردی اور قربت کے جو جذبات ہوتے ہیں ان سے دینی ولایت ثابت نہیں ہوتی، یہی صورت مسلم کا کافر سے وراثت پانے کے مسئلہ میں ہے، اگر اسلام میں کافر و مسلم کے مابین دوری پیدا کرنا مقصود ہوتا تو اس طرح صلہ رحمی اور ہمدردی کی اجازت نہیں ہوتی۔

۲- حضرت اسامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کل آپ مکہ میں اپنے گھر میں قیام کریں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا عقیل (بن ابی طالب) نے ہمارے لئے گھر بار چھوڑا ہے، ابوطالب کے انتقال کے بعد عقیل اور طالب کو ان کی وراثت سے حصہ ملا جبکہ حضرت جعفر اور حضرت علی کو ان کی وراثت سے حصہ نہیں ملا، اس وجہ سے کہ یہ دونوں مسلمان تھے اور عقیل وطالب کافر تھے (صحیح البخاری ۲/ ۵۷۵، حدیث نمبر: ۱۱۵۱، الموطا ۱/ ۳۴۴، حدیث نمبر: ۱۵۷۳، صحیح سنن ابن ماجہ ۲/ ۲۷۳، حدیث نمبر: ۲۲۲۳)۔

وجہ استدلال: اس حدیث سے صاف واضح ہے کہ مسلم و کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے اور یہ کہ ایک مذہب والے ہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، لہذا کافر صرف کافر کا وارث ہوگا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوگا، ابتدائے اسلام میں یہی حکم تھا، اسی بنیاد پر جعفر وعلی وارث نہیں بنے، ورنہ وہ وارث بنتے، جیسا کہ روایت میں صراحت کے ساتھ وارد ہے (العلاقات الاجتماعیۃ بین المسلمین وغیر المسلمین ص: ۲۳۴)۔

اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ابو طالب کی وفات ہجرت سے دو برس قبل ہوئی، اس وقت وراثت کا حکم نہیں آیا تھا، اور ابھی تک مسلمان کو کافر سے میراث لینے سے منع نہیں کیا گیا تھا، بلکہ حالت یہ تھی کہ مکہ میں جو بھی کافر مرتا تو ان کی مسلم اولاد کو اسی طرح وراثت سے حصہ دیا جاتا جس طرح مشرک اولاد کو، بلکہ اس وقت تو مشرکین مسلم عورتوں سے نکاح بھی کرتے تھے، حالانکہ نکاح وراثت سے زیادہ اہم ہے، البتہ مدینہ میں اللہ تعالی نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان نکاح اور وراثت کی ممانعت کے ذریعہ سے ان کے درمیان موالات کو ختم فرمایا، اور ان سے فیصلہ کن جہاد کا حکم دیا، رہی بات عقیل کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو عقیل نے بنی ہاشم کی جائداد پر قبضہ کرلیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس مکان پر بھی قبضہ کرلیا جو اپنے والد سے وراثت میں پائی تھی، اور اس مکان کو بھی جو حضرت خدیجہؓ کا تھا، اور ابو طالب کی ملکیت نہیں تھی، اس طرح دیگر تمام مشرکین نے ان مہاجرین کی جائدادوں پر زبردستی قبضہ کرلیا جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اپنی جائداد سے بے دخل کئے گئے، عقیل کا قبضہ اسی نوعیت کا تھا نہ کہ انہیں وراثت میں ملی تھی (احکام اہل الذمۃ ۲/ ۴۶۵، الصارم المسلول ص: ۱۹۰، احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام ۴/ ۱۷)۔

۳-حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا يرث المسلم النصراني إلا أن يكون عبده أو أمته" (سنن الدارقطنی ۴/ ۷۴، حدیث نمبر: ۲۲، المستدرک ۴/ ۳۸۳، حدیث نمبر: ۸۰۰۷، تلخیص الحبیر ۳/ ۸۴) (مسلمان کسی عیسائی کا وارث نہیں ہوگا، سوائے اپنے غلام یا اپنی باندی کے)۔

۴-حضرت جابرؓ سے مرفوعا مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم اہل کتاب کے وارث نہیں ہوں گے اور نہ وہ ہمارے وارث بنیں گے، سوائے اس کے کہ مسلمان اپنے غلام یا باندی کا وارث ہوگا، ان کی عورتیں ہمارے لئے حلال ہیں، لیکن ہماری عورتیں ان کے لئے حلال نہیں ہیں (سنن الدارقطنی ۴/ ۷۵، حدیث نمبر: ۲۴، سنن الدارمی، حدیث نمبر: ۳۰۲۸)۔

وجہ استدلال: مسلم وکافر کے درمیان باہم وراثت جاری ہونے کی مطلق نفی آئی ہے، اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے، اور نہ کسی کا استثنا ہے، صرف غلام اور باندی کو مستثنی رکھا گیا ہے، مسلمان حق ولاء کی بنا پر ان دونوں کا وارث ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "الولاء لمن اعتق" (صحیح البخاری ۶/ ۲۴۸۱، حدیث نمبر: ۶۳۷۰، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۳۷۷۶، المحلی ۹/ ۳۰۵، التعلیق المغنی علی الدارقطنی ۴/ ۷۵)۔

اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں ایک راوی ابو الزبیر ہیں، ان پر تدلیس کا اتہام ہے، اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابوالزبیر کی اس روایت کی متابع حسن کی وہ روایت ہے جو حضرت جابرؓ سے بطریق عن شریک عن الأشعث عن الحسن مروی ہے، اور اس روایت کو عبدالرزاق نے ابن جریج سے، انہوں نے أبوالزبیر کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ اس نے جابر سے حدیث سنی ہے (التعلیق المغنی علی الدارقطنی ۴/ ۷۵، ارواء الغلیل ۶/ ۱۵۵)۔

۵-حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور ان کے والد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا يتوارث أهل ملتين" (السنن الکبری للنسائی ۴/ ۸۲، حدیث نمبر: ۶۳۸۱، السنن الکبری للبیہقی ۹/ ۲۵۸، حدیث نمبر: ۸۰۷۴، سنن الترمذی ۴/ ۴۲۴، حدیث نمبر ۲۱۰۱، سنن ابن ماجہ ۲/ ۹۱۲، حدیث نمبر: ۲۷۳۱، سنن ابی داؤد ۳/ ۱۲۵، حدیث نمبر: ۲۹۱۱، سنن الدارقطنی ۴/ ۱۷۵، حدیث نمبر: ۲۵) (دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے)۔

۶-حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ فرمایا: ایک مذہب والے دوسرے مذہب والے کے وارث نہیں ہوں گے (سنن الدارقطنی ۴/ ۶۹، حدیث نمبر: ۶)۔

۷-حضرت اسامہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: دو مختلف ملتوں کے افراد ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے (مصنف ابن ابی شیبۃ ۶/ ۲۸۶، حدیث نمبر: ۳۱۴۲۸)۔

وجہ استدلال: ان تمام احادیث سے یہ واضح ہے کہ وارث و مورث کے دین کا اختلاف موانع ارث میں سے ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مذہب کے افراد باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اور اسلام کفر سے الگ دین ہے، لہٰذا ان دونوں کے ماننے والے یعنی مسلمان اور کافر کے درمیان توارث کا سلسلہ جاری نہیں ہوگا۔

اس دلیل پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عمرو بن شعیب کی روایت ضعیف ہے، کیونکہ اس سند میں یعقوب بن عطا ہیں اور وہ قوی (مضبوط) نہیں ہیں، ابن معین اور ابوزرعہ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ عمرو بن شعیب منکر الحدیث ہیں (احکام اہل الذمۃ ۲/ ۴۴۸، تلخیص الحبیر ۳/ ۸۴)، امام ترمذی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"لا يعرف إلا من حديث أبي ليلى وفيه ضعف" (احکام اہل الذمۃ ۲/ ۴۴۸) یہ روایت صرف ابولیلی کے واسطہ ملتی ہے اور اس میں ضعف ہے۔

اس کے علاوہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں عمرو بن راشد راوی تنہا ہیں، جو حدیث میں لین (ضعف) کی علامت ہے، اور جمہور محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے (تلخیص الحبیر ۳/ ۸۴، التعلیق المغنی علی الدارقطنی ۴/ ۶۸)۔

۸-سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ محمد بن اشعث نے انہیں بتایا کہ ان کی یہودی یا نصرانی پھوپھی انتقال کر گئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور انہوں نے اس کا تذکرہ حضرت عمر بن خطابؓ سے کیا اور دریافت کیا کہ اس کا وارث کون ہوگا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس کے ہم مذہب رشتہ دار، پھر وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس آئے اور یہی سوال پوچھا، انہوں نے فرمایا: کیا تم حضرت عمرؓ کا قول بھول گئے، ان کا قول ہے: اس کے ہم مذہب رشتہ دار ہی اس کے وارث بنیں گے (الموطا ا/ ۵۲۳، حدیث نمبر: ۱۵۰۴، سنن البیہقی ۹/ ۲۵۸، حدیث نمبر: ۱۲۳۸۰، سنن سعید بن منصور ا/ ۶۶، حدیث نمبر: ۱۱۴)۔

وجہ استدلال: اس اثر سے بھی واضح ہے کہ وراثت صرف ہم مذہب افراد کے درمیان ہی جاری ہوسکتی ہے، اس کے علاوہ میں نہیں۔

۹- امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد خلافت میں مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی کافر مسلم کا، جب معاویہؓ کا دور آیا تو انہوں نے مسلمان کو کافر رشتہ دار کا وارث قرار دیا، البتہ کافر کو مسلمان کا نہیں، بعد کے خلفاء بھی اسی رائے پر قائم رہے لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور خلافت آیا تو انہوں نے پہلے والی رائے کو اختیار کیا، اسی کو یزید بن عبدالملک نے بھی اختیار کیا، اس کے بعد جب ہشام بن ملک نے خلافت کا عہدہ سنبھالا تو انہوں نے دوسری رائے کو فروغ دیا (المصنف ابن ابی شیبۃ ۶/ ۲۸۷ حدیث نمبر: ۳۱۴۳۹)۔

وجہ استدلال: اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ سے حضرت علی کے دور تک اس مسئلہ میں صحابہ کا اجماع تھا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا، پھر بعد میں جو تبدیلی آئی اس کا بیان ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ بعد میں پیش آیا وہ سابق حکم کے مخالف تھا، لہذا اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا (العلاقات الاجتماعیۃ بین المسلمین وغیر المسلمین ص: ۲۳۵)۔

۱۰- اسلام کا نظام وراثت ایک پختہ بنیاد اور مضبوط اساس پر قائم ہے اور وہ بنیادی اساس وارث و مورث کے مابین ''مناصرت'' کا اور ''مولات'' ہے، مسلمان اور کافر کے درمیان ''ولایت ونصرت'' نہیں ہوتی، کیونکہ دین کا فرق ان دونوں کے درمیان ''دوستی'' سے مانع ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''لا تتخذوا الیھود والنصاری أولیاء بعضھم أولیاء بعض'' (سورہ مائدہ: ۵۱)۔

اور یہ ارشاد: ''والذین کفروا بعضھم أولیاء بعض'' (سورہ انفال: ۷۳)۔

ان آیات میں اگر ولایت سے مراد وراثت لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ مسلم و کافر کے درمیان توارث کا تعلق قائم نہیں ہوگا، اور اگر مراد مطلق 'ولایت' مراد ہو تو وراثت میں ولایت کا مفہوم پایا ہی جاتا ہے، اور یہ معروف ہے، کیونکہ وارث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مورث کے مال کا جانشین ہوتا ہے اور اختلاف دین کی وجہ سے مسلم وکافر کے درمیان اس ولایت کا وجود نہیں ہوسکتا (المبسوط ۳۰/۳۰، احکام القرآن لابن العربی ۲/۸۸۸، تفسیر ابن کثیر ۲/۴۳۴)۔

اس دلیل پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ میراث کا دارومدار ظاہری معاونت ونصرت پر ہے، نہ دل کے ایمان اور باطنی موالات پر کہ جس کی بنیاد پر ثواب یا سزا کا تحقق ہوتا ہے، مسلمان ذمی کی مدد کرتے ہیں اور ان کے طرف سے دفاعی جنگ کرتے ہیں، ان کے قیدیوں کا فدیہ کا ادا کرتے ہیں، لہذا مسلمان ذمیوں سے وراثت پائیں گے، لیکن چونکہ ذمی مسلمانوں کی مدد نہیں کرتے، لہذا وہ مسلمانوں کے وارث نہیں ہوں گے، میراث کی بنیاد اس موالات پر نہیں ہے جس کا تعلق دل سے ہے، لیکن اگر ایسا ہو تو منافقین مسلمانوں کے وارث نہیں ہوتے اور نہ وارث بنائے جاتے، جبکہ مروج یہی ہے کہ وہ وارث بھی بنتے ہیں اور مورث بھی، احادیث متواترہ سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظاہری احکام میں زنادقہ کو مسلمانوں کی صف میں رکھتے تھے، وہ وارث ومورث دونوں بنتے تھے، عبد بن ابی اور دوسرے منافقین کا جب انتقال ہوا (جن کے نفاق کی گواہی قرآن نے دی ہے) تو باوجودیکہ حضور ﷺ کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کے لئے مغفرت طلب کرنے سے منع کیا گیا، مسلمان اس کے وارث ہوئے اور وہ مسلمانوں کے وارث ہوئے، جیسے عبداللہ بن ابی کے مال کے وارث ان کے لڑکے ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے منافقین میں سے کسی کے ترکہ سے کچھ نہیں لیا، اور نہ اس کے مال کو فیٔ قرار دیا بلکہ ان کے وارثین میں وہ مال تقسیم فرمادیا، یہ بات یقین کے درجہ میں ثابت ہے، لہذا جب ظاہری مدد اور پشت پناہ ہونے کی بنیاد پر مسلمان منافقین کے وارث بن سکتے ہیں تو ذمی کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے، بلکہ بعض منافقین ذمیوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں (احکام اہل الذمۃ ۲/۴۶۳)۔

دوسری رائے:

حضرت معاذؓ اور حضرت معاویہؓ کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا، البتہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا، یہی حضرت عمرؓ سے منقول ہے، اور حسن، محمد بن حنفیہ، علی بن حسین، سعید بن المسیب، مسروق، عبداللہ بن معقل، شعبی، زہری، نخعی، یحیی بن معمر، اسحاق اور محمد بن علی بن حسین بھی اسی کے قائل ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے (المبسوط ۳۰/۳۰، مجمع الانہر ۲/۷۴۸، الدر المنتقی ۲/۷۴۸، المجتہد ۲/۳۵۴، الام ۵/۱۵۲، الاعلام بفوائد عمدۃ الاحکام ۸/۷۳، المغنی ۶/۹۴، المحلی ۹/۳۰۴، فتح الباری ۱۲/۵۰، الاستذکار ۵/۳۶۳، نیل الاوطار ۶/۷۴، التعلیق المغنی علی الدارقطنی ۴/۷۵، احکام اہل الذمۃ ۲/۴۶۲)۔

یہ تمام حضرات درج ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱- ابوالاسود دؤلی بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذؓ جب یمن کے گورنر تھے تو وہاں کے لوگوں نے ایک یہودی سے متعلق مسئلہ دریافت کیا جو مر چکا تھا اور اس نے ایک مسلمان بھائی کو چھوڑا تھا، حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا: "إن الإسلام يزيد ولا ينقص"، اس روایت کی بنیاد پر حضرت معاذ نے مسلمان کو اس یہودی کا وارث قرار دیا (الفتح الربانی بترتیب مسند الامام احمد ۱۵/ ۱۹۰، المستدرک للحاکم ۴/ ۶۹، حدیث نمبر: ۲۹۹۸، سنن ابی داؤد ۳/ ۹۲۳، حدیث نمبر: ۲۹۱۲، سنن البیہقی ۹/ ۳۴۳، حدیث نمبر: ۱۲۴۷۲، مصنف ابن ابی شیبۃ ۶/ ۲۸۷، جامع الاصول ۹/ ۶۰۴)۔

وجہ استدلال: چونکہ اسلام اپنے پیروکاروں کے حق میں اضافہ کا سبب بنتا ہے، لہذا اس کا تقاضہ ہے کہ مسلمان غیر مسلم سے وراثت پائے، اور غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہ ہو، گویا اسلام مسلمان کے حق میں اضافہ کرتا ہے اور اس کے حقوق کی کمی کا سبب نہیں بنتا ہے، جب ایک مسلمان دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے قبل اپنے کافر رشتہ دار سے وراثت کا حق دار بن رہا تھا تو اب اگر اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے وہ محروم ہو جاتا ہے، تو گویا اسلام اس کے حق کو کم کرنے کا سبب بن رہا ہے، حالانکہ یہ درست نہیں (المبسوط ۳۰/ ۳۰، فتح الباری ۱۲/ ۵۱، اختلاف الدارین ص: ۳۰۶)۔

اس استدلال پر متعدد اعتراضات ہوتے ہیں، جو اس طرح ہیں:

الف: یہ حدیث ضعیف ہے، لہذا اس سے استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ اس کی سند میں انقطاع ہے اور جہالت بھی، انقطاع اس طرح کہ ابوالاسود دؤلی ایک شخص کے واسطہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاذ سے بیان کیا...... اور جہالت اس بنیاد پر کہ ابوالاسود نے حضرت معاذؓ سے براہ راست یہ روایت نہیں سنی، کیونکہ ابوالاسود کی حضرت معاذ سے ملاقات نہیں ثابت ہے (فتح الباری ۱۲/ ۵۱، التعلیق المغنی علی الدارقطنی ۴/ ۷۵، الاستذکار ۲/ ۳۹۱، المفہم ۴/ ۵۷۶)۔

اس اشکال کا یہ جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابوالاسود کا حضرت معاذؓ سے سماع ممکن ہے جیسا کہ علامہ ابن حجرؒ نے کہا ہے (فتح الباری ۱۲/ ۵۱، التعلیق المغنی علی الدارقطنی ۴/ ۷۵)، پھر امام حاکم نے اپنی مستدرک میں یحیی بن معمر عن ابی الاسود کی سند سے اسے صحیح قرار دیا ہے، حافظ ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے (المستدرک ۲/ ۶۱۹)، اسی طرح امام سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے (الجامع الصغیر ۱/ ۱۲۳)۔

ب- اگر ہم اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیں تب بھی یہ حدیث اس مسئلہ میں نص صریح نہیں بن سکتی، بلکہ اس کے اندر مختلف مفاہیم کا احتمال پایا جاتا ہے، ایک احتمال یہ ہے کہ اسلام مسلمانوں کے حق میں اضافہ کا سبب بنتا ہے اس سے مراد ممالک کا فتح ہونا ہے، اور اسلام قبول کرنے والوں کی کثرت ہے، اس روایت کا ظاہری اور متبادر مفہوم یہی ہے، لہذا اس مفہوم کے علاوہ دوسرا مفہوم لینا صحیح نہیں ہوگا، ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اسلام مسلمانوں کی بلندی، رفعت وشوکت، قوت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وطاقت اورعزت وبرتری میں اضافہ کا سبب بنتا ہے اوران چیزوں میں کمی کا سبب نہیں بنتا ہے،لہذا جوشخص اسلام قبول کرنے سے پہلے ذلیل وحقیر سمجھا جاتا ہے، اسلام اسے بلندی عطا کرتا ہے اوراس کی عزت وشرف اور امن وسکون میں اضافہ کرتا ہے۔

ایک احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسلام مستقل ترقی کرتا رہا اور اس وقت درجہ کمال کو پہنچ گیا جب اللہ تعالی کا یہ ارشاد نازل ہوا: "الیوم أکملت لکم دینکم" ...... اس کے احکام میں اور شریعت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، بلکہ اللہ تعالی نے دین اسلام کوتمام ادیان پر غلبہ عطا فرمایا جیسا کہ اللہ تعالی نے وعدہ فرمایا تھا(المغنی ۶/ ۲۰۳، فتح الباری ۱۲/ ۵۱، سبل السلام ۳/ ۱۵۱، المفہم ۴/ ۵۶۷)، جب اس حدیث میں یہ احتمالات پائے جارہے ہیں تو پھر یہ حجت نہیں بن سکتی، کیونکہ اس مفہوم کومراد لینے میں مکمل وضاحت موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے حکم کوثابت کرنے کیلئے دلیل کی ضرورت ہے،لہذا اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

اس اعتراض کا جواب دوطرح سے دیا جاسکتا ہے:

الف- حدیث کے متبادر مفہوم اوراس مفہوم کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے جسے صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ نے بیان کیا ہے،حدیث کا مفہوم اس مفہوم سے زیادہ وسیع ہے جسے جمہور علماء نے اختیار کیا ہے،اس لئے کہ اس میں جوامع الکلم کی شان ہے، پھر حضرت معاذؓ فقہ میں امتیازی حیثیت رکھنے والے ایک جلیل القدر صحابی ہیں،احکام اور قرآن کے علم میں منتہائے کمال ہیں،انہیں امام الفقہاء اور کنز العلماء جیسے القاب سے نوازا گیا ہے،لہذا ان کا بیان کردہ مفہوم زیادہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو اختیار کیا جائے (دیکھئے:الاصابۃ ۲/ ۴۰۶، تہذیب التہذیب ۱۰/ ۱۸۶، اختلاف الدارین واثرہ فی احکام المناکحات والمعاملات ص: ۳۰۷)۔

ب- روایت کا یہ احتمال کہ اسلام میں زیادتی اس کے ماننے والوں کی کثرت تعداد کے اعتبار سے ہے،تو اس سے خود یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کافر رشتہ دار سے وراثت پاسکتا ہے، کیونکہ اسلام کے اندر ایسی شان وشوکت پائی جاتی ہے جس سے ایک مسلمان کی عزت وشرف میں اضافہ ہوتا ہے،لہذا مسلمان اور کافر کے درمیان حکم میں یکسانیت نہیں ہوگی، یہاں تک کہ یہ کہا جائے کہ مسلمان کافر سے وراثت نہیں پاسکتا ہے، کیونکہ مسلمان اپنے اسلام کی وجہ سے کافر سے بلند مرتبہ رکھتا ہے،اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کوکافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور یہ بات میراث سے کہیں زیادہ سخت ہے،اور یہ کہ مسلمان کی گواہی کافر کی گواہی پر مقدم مانی جائے گی اور فرمایا کہ کافر کی معاونت حاصل نہیں کی جائے گی،اس طرح کی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا البتہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ج-کافر کا مسلمان سے وراثت نہ پانے کی وجہ اسلام نہیں بلکہ کافر کا کفر ہے، کیونکہ وہ خبیث ہے، اور اس لائق نہیں ہے کہ مسلمان اس کو اپنا جانشین بنائیں، لہذا اس کمی کو اسلام کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا، جیسے شوہر دائرہ اسلام میں داخل ہوجائے اور اس کی بیوی مجوسیت پر قائم رہے تو ان دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بیوی ناپاک ہے اور وہ اس لائق نہیں ہے کہ مسلمان شوہر اس کو اپنا فراش بنائے، نہ کہ اس کی وجہ اس کے شوہر کا اسلام ہے، جو اس کی ملکیت کو باطل کررہا ہے (المبسوط ۳۰/۳۱)۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ کافر کا کفر اس سے مانع نہیں ہوتا کہ مسلمان کافر کے مال کو بیع، عطاء اور ھبہ میں قبول کرے، اسی طرح میراث کا بھی حکم ہوگا، جہاں تک مجوسی عورت پر قیاس کرنے کی بات ہے تو وہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ کفار کے مال اور ملک بضع کے حکم میں فرق ہے (اختلاف الدارین ص:۳۰۶)، پھر اگر مسلمان شوہر اور مجوسی بیوی کے درمیان تفریق کی علت یہ ہے کہ عورت خبیثہ ہے، وہ اس قابل نہیں کہ مسلمان اس کو اپنا فراش بنائے تو اس بنیاد پر مسلمان شوہر اور اہل کتاب بیوی کے درمیان تفریق واجب ہوجائے گی کیونکہ وہ بھی خبیث ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۲-رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الإسلام يعلو ولا يعلى عليه" (صحیح البخاری ۱/۲۳۴ معلقا، سنن الدارقطنی ۳/۲۵۲، حدیث نمبر:۳۰، سنن البیہقی ۵/۲۰۵ وقد حسنہ الالبانی فی الارواء ۵/۱۰۶)۔

اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ اسلام کی سربلندی اس طرح ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو اور کافر مسلمان کا وارث نہ بنے، کیونکہ مسلمان کا مرتبہ کافر سے زیادہ بلند ہوتا ہے، اس لئے کافر پر مسلمان کی ولایت ثابت ہوتی ہے، کہ کافر مسلمان کے مقابلہ میں کم مرتبہ ہے اور وراثت بھی ایک طرح کی ولایت ہے، لہذا مسلمان کا کافر سے وراثت پانا ثابت ہوگیا اور کافر کے مسلمان سے وراثت پانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے (المبسوط ۳۰/۳۱، احکام الاحکام ۴/۱۸۱)۔

اس استدلال پر مختلف اعتبار سے اعتراض کیا جاتا ہے:

الف-یہ حدیث ضعیف ہے، علامہ ابن حجرؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: إسناده ضعيف جدا (تلخیص الحبیر ۴/۱۲۶، حدیث نمبر:۱۹۲۱) (اس کی سند انتہائی ضعیف ہے)۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن درجہ کی ہے، امام سیوطیؒ نے اسے جامع صغیر میں نقل کیا ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے (الجامع الصغیر للسیوطی ۱/۲۳)، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"ورأيته موصولا مرفوعا من حديث غيره أخرجه الدارقطني ومحمد بن هارون الروياني في مسنده من حديث عائذ بن عمر وبسند حسن" (فتح الباری ۳/۲۲۰)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(میرے نزدیک یہ حدیث دوسری حدیث کے مقابلہ میں متصل السند ہے، مرفوع ہے، دارقطنی اور محمد بن ہارون الرویانی نے اپنی مسند میں عائذ بن عمر کے واسطہ سے صحیح سند کے ساتھ تخریج کیا ہے)، علامہ البانی نے الارواء میں اس کو حسن قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"وجملة القول أن الحديث حسن مرفوعا بمجموع طريقي عائذ ومعاذ وصحيح موقوفا" (ارواء الغلیل ۱۰۶/۵ حدیث نمبر: ۱۲۶۸)۔

(خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث عائذ اور معاذ کے طرق سے مرفوع ہونے کے اعتبار سے حسن ہے اور موقوف ہونے کے اعتبار سے صحیح ہے)۔

ب- اگر اس حدیث کو بالفرض صحیح مان بھی لیں تب بھی یہاں اسلام سے دین اسلام مراد ہے، لہذا بلندی اور علو بذات خود دین کی ہوگی، لہذا دین اسلام تمام مذاہب پر غالب ہوگا، اور اس پر کوئی دین غالب نہیں آسکتا ہے، یا علو سے مراد حجت و برہان یا دبدبہ و غلبہ ہے، یعنی: عاقبت میں مؤمنین کیلئے مدد اور نصرت (المبسوط ۳۱/۳۰، السراجیہ ص: ۴۷)۔

اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہاں علو کا مفہوم تمام مذاہب پر اسلام کی سربلندی ہو یا حجت یا غلبہ، اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے، کیونکہ اسلام کی وجہ سے مسلمان کی سربلندی ان کی عزت وشوکت کے اعتبار سے ہوتی ہے، جس سے مسلمان کی عزت وشرف میں چار چاند لگ جاتے ہیں، لہذا اگر یہ کہا جائے کہ مسلمان کافر سے وراثت نہیں پائے گا تو اس قول کی بنیاد پر مسلمان اور کافر کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رہ سکے گا۔

ج- یہ حدیث دلیل نہیں بن سکتی، کیوں کہ حدیث میں "علو" سے مقصود خود اسلام کی دیگر تمام ادیان ومذاہب پر فضیلت وفوقیت ہے، اور اس میں میراث کے جواز یا عدم جواز کا کوئی اشارہ نہیں ہے، لہذا میراث کے مسئلہ کو اس حدیث پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ صریح نص "لا يرث المسلم الكافر" (اس کی تخریج گزر چکی ہے) کے مخالف ہے، نص صریح، ایسی صورت میں ایک مجمل حدیث کے مقابلہ میں جس کی صحت متفق علیہ نہیں ہے، ایک صحیح حدیث کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے، جس کا صحیح ہونا متفق علیہ ہے (المغنی ۲۰۴/۶، احکام الاحکام ۱۸/۴، فتح الباری ۶۱/۱۲)۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت اسامہؓ والی حدیث اور حضرت معاذؓ والی حدیث کے درمیان تطبیق ممکن ہے، اس طور پر کہ حضرت اسامہ والی حدیث میں کافر سے حربی مراد لیا جائے یعنی مسلمان کافر حربی کا وارث نہیں ہوگا، اور معاذ والی حدیث جس سے کافر سے مسلمان کا وارث ہونا ثابت ہوتا ہے، اس میں کافر سے ذمی مراد لیا جائے، کیونکہ لفظ 'کافر' گرچہ ہر طرح کے کافر کیلئے عام ہے، مگر بعض اوقات کافر کی کوئی مخصوص قسم مراد لی جاسکتی ہے، رسول اللہ ﷺ کے اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارشاد میں اس کا ثبوت ملتا ہے:"لا نرث أهل الکتاب ولا یرثونا إلا أن یرث الرجل عبده أو أمته وننکح نساؤهم ولا ینکحون نسائنا" (اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے) اس حدیث سے اسامہ والی روایت میں کافر کی تخصیص آزاد سے ہوجاتی ہے اور غلام اور باندی خارج ہو جاتے ہیں، اسی طرح علماء کی ایک جماعت نے نبی اکرم ﷺ کے فرمان: "لا یقتل مسلم بکافر" (صحیح البخاری ۶/ ۲۵۳۴، حدیث نمبر ۶۵۱۷، سنن النسائی، حدیث نمبر: ۴۷۴۸) میں کافر کو ذمی کے بجائے حربی پر محمول کیا ہے (احکام اہل الذمۃ ۲/ ۴۶۳، اختلاف الدارین ص: ۳۰۸)۔

۳- حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"نحن نرث الکافرین ونحجبهم ولا یرثوننا ولا یحجبوننا" (البحر الزخار للبزار ۵/ ۳۶۹، نیل الاوطار ۶/ ۷۴)۔

(ہم مسلمان کافر سے وراثت پاتے ہیں اور ان کے حق میں حاجب بنتے ہیں، جبکہ وہ ہم سے وراثت نہیں پاتے ہیں اور نہ ہمارے حق میں حاجب بنتے ہیں)۔

وجہ استدلال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم کافر سے مطلقا میراث پائے گا خواہ وہ ذمی ہو، معاہد ہو یا حربی، اس روایت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ کافر مسلمان سے وراثت نہیں پائے گا۔

اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو پھر اسے مسلمان کا مرتد کے وارث ہونے پر محمول کیا جائے گا، تاکہ متضاد احادیث کے درمیان تطبیق ہو جائے اور تناقض وتضاد سے بچا جا سکے (حوالہ سابق)۔

اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث کو "مسلم کا مرتد کے وارث ہونے" پر محمول کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، لہذا اس حدیث کا عموم باقی رہے گا، اگر مذکورہ مفہوم پر محمول کرنے کی وجہ احادیث کے درمیان تطبیق دینا ہے تو 'مسلم کا کافر ذمی سے وراثت پانے' پر محمول کرنا اس مقصد کی برآوری کیلئے زیادہ موزوں ہوگا (اختلاف الدارین ص: ۳۰۵)۔

۴- قیاس: شریعت نے اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمانوں کے نکاح کو مباح قرار دیا ہے، جبکہ اہل کتاب کے لئے مسلمانوں کی عورتوں سے رشتہ ازدواج قائم کرنا درست نہیں ہے، اسی بنیاد پر مسلمان ان کے وارث بن سکتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے وارث نہیں بن سکتے، اسی طرح میراث کے مسئلہ کو ایسے افراد سے قصاص پر قیاس کیا جائے جن کا خون برابر نہیں ہوتا، کہ کافر قاتل کو مقتول مسلمان کے بدلے قتل کیا جائے گا، جبکہ مسلمان کو کافر کے قتل کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا، اسی طرح میراث کے مسئلہ کو جنگ میں کافر کے مال کو بطور غنیمت حاصل کرنے پر قیاس کیا جائے، لہذا اگر وراثت کا سبب پایا جائے تو مسلمان کافر سے وراثت پائے گا (بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۵۳، المغنی ۶/ ۲۰۳، احکام اہل الذمۃ ۲/ ۴۶۴، المفہم ۴/ ۵۶۷، الاعلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بفوائد عمدۃ الاحکام ۸/ ۴۷، فتح الباری ۱۲/ ۶۱)۔

مذکورہ بالا قیاس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ میراث کے زیر بحث مسئلہ کو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے جواز پر قیاس کرنا قیاس بعید ہوگا، کیونکہ یہ قیاس صریح نص کے مقابلہ میں ہے، اور نص صریح کی موجودگی میں قیاس نہیں ہوتا ہے، لہذا مذکورہ بالا قیاس درست نہیں ہے اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

ایک دوسرا قیاس بھی سابق قیاس کے معارض ہے، وہ یہ ہے کہ توارث اور ارث کی علت کا تعلق آپسی 'موالات' 'مناصرت' اور 'محبت' سے ہے، اور مسلم و کافر کے درمیان ولایت نہیں ہوتی، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**لا تتخذوا الیھود والنصاری أولیاء بعضھم أولیاء بعض**" (سورہ مائدہ: ۵۱)، لہذا مسلم و کافر کے مابین وراثت جاری نہیں ہوگی اور پھر غلام کا آزاد عورت سے نکاح درست ہے، لیکن وہ اس عورت کا وارث نہیں بن سکتا ہے، کیونکہ نکاح کا تعلق توالد و تناسل اور انسانی ضرورت کی تکمیل سے ہے، جبکہ وراثت کی بنیاد 'آپسی موالات و مناصرت' ہے، اس بنیاد پر نکاح جائز ہے اور وراثت جائز نہیں۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دیگر دلائل کی طرح یہ دلیل بھی ہماری رائے کو مضبوط کرتی ہے، کہ مسلمان کا کافر کے مال سے وراثت پانا جائز ہے، اور مصلحت کی بنیاد پر اسامہ والی روایت کی تخصیص کی جائے گی، اور جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ میراث کی بنیاد موالات و مناصرت پر ہے تو ظاہر ہے کہ موالات سے مراد ظاہری موالات ہے نہ کہ ولایت قلبی اور باطنی موالات، جس سے ثواب و عقاب متعلق ہوتے ہیں، اگر "موالات" کے معنی "باطنی موالات" کے ہوتا تو اس کو وارث نہیں بنایا جاتا، اور منافق کو وارث بنایا جاتا، کیونکہ منافق کافر سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے، اور جہاں تک غلام کا تعلق ہے، تو وہ گرچہ اپنی آزاد بیوی کا غلامیت کی وجہ سے وارث نہیں ہوگا لیکن وہ زوجیت کی وجہ سے وارث ہوگا کہ زوجیت اسباب ارث میں سے ایک ہے، طاؤس سے یہ بھی منقول ہے کہ غلام بھی وارث ہوگا اور وراثت میں جو کچھ وہ پائے گا وہ اس کی کمائی کی طرح اس کے آقا کا ہوگا (المغنی ج ۶ ص: ۱۸۵)۔

۵- وراثت کا استحقاق کبھی عام سبب کی وجہ سے ہوتا ہے، اور کبھی کوئی خاص سبب استحقاق پیدا کرتا ہے، عام سبب کی بنیاد پر مسلم کافر کا وارث ہوتا ہے، لہذا وہ ذمی جس کا دار الاسلام میں کوئی وارث موجود نہ ہو تو مسلمان اس کا وارث ہوگا، اور کافر کسی بھی حال میں مسلمان کا وارث نہیں ہوگا، نہ سبب عام کی بنیاد پر اور نہ سبب خاص کی وجہ سے، اس کی دلیل یہ ہے کہ مرتد کی وراثت مسلمان کو ملتی ہے، جبکہ مسلمان کی وراثت مرتد کو کسی بھی حالت میں نہیں ملتی، اور مرتد بھی کافر کی طرح ہوتا ہے، لہذا دیگر کافروں کا یہی حکم ہوگا (المبسوط ۳۰/ ۳۰، العلاقات الاجتماعیۃ ص: ۲۳۳)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس قول پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ وراثت میں ولایت کا معنی پایا جاتا ہے، کیونکہ وارث مورث کے مال کا جانشیں ہوتا ہے، ملکیت، قبضہ اور تصرف ہر طرح سے، اور دین کے فرق کی وجہ سے ایک دوسرے کیلئے ولایت کی گنجائش نہیں، یہی وجہ ہے کہ ہجرت کرنے والے اور ہجرت نہ کرنے والے دونوں کے درمیان ولایت باقی تھی، یہاں تک کہ جب ہجرت کی فرضیت نازل ہوئی تو یہ ولایت ختم ہوگئی، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولا یتھم من شئ حتی یھاجروا" (سورہ انفال: ۷۲)۔

مذکورہ آیت کفار و مسلمین کے درمیان بطریق اولی ولایت کو باطل کرنے والی ہے، اور خاص سبب کی بنیاد پر جب کافر کی مسلم پر ولایت ثابت نہیں ہوتی تو اسی طرح مسلمان کی ولایت بھی کافر پر ثابت نہیں ہوگی، جیسے قرابت کی بنیاد پر نکاح کی ولایت اور مال میں تصرف کی ولایت وغیرہ میں ہوتا ہے، اس طرح مذکورہ مسئلہ اور عام سبب کی بنیاد پر وراثت کا حقدار ہونے کے مسئلہ میں فرق ہوگیا، کیونکہ سبب عام کی بنیاد پر کافر پر مسلمان کی ولایت ثابت ہوتی ہے، جیسے شہادت کی ولایت، سلطنت کی ولایت، اور مسلمان پر کافر کی ولایت کسی بھی حال میں ثابت نہیں ہوتی، یہی حکم وراثت کا بھی ہوگا، برخلاف مرتد کے کہ اس سے مسلمان کے وارث ہونے کو اسلام کی طرف منسوب کیا جائے گا، اور اسلام کے زمانہ میں کمائے ہوئے مال کا وارث ہوگا، البتہ ارتداد کے زمانہ میں حاصل کئے ہوئے مال کا وارث نہیں ہوگا، اسی بنیاد پر مرتد مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کی جانب استناد کا معنی نہیں پایا جاتا ہے، یا پھر ارتداد کی سزا کے طور پر وارث نہیں ہوگا جیسے قاتل کا حکم ہے (المبسوط ۳۰/۳۰، العلاقات الاجتماعیہ ص: ۲۳۸)۔

ترجیح:

دونوں طرح کی آراء کے دلائل کے جائزہ اور بحث و تمحیص کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میرے نزدیک دوسرا قول راجح ہے، اور درج ذیل مصالح کی بنیاد پر اس رائے پر فتوی دینا بہتر ہے:

۱-اس میں مصلحت دو اعتبار سے ہے:

الف- مسلم کو اس کے قریبی رشتہ دار سے وراثت ملنے کی صورت میں ان لوگوں کے لئے ترغیب کا سامان پیدا ہوتا ہے جو دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں، کیونکہ اسے معلوم ہوگا کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے میراث میں ان کا حصہ ختم نہیں ہوگا، بہت سے افراد صرف اس وجہ سے اسلام قبول نہیں کرتے کہ انہیں اندیشہ رہتا ہے کہ اگر ان کے رشتہ دار رخصت ہوگئے تو انہیں ان کے مال سے وراثت نہیں مل پائے گی، اور اس طرح کی بات روز کا مشاہدہ ہے جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے بیان کیا ہے (احکام اہل الذمہ ۲/ ۴۶۴)، میں نے از خود اس طرح کی بات امریکہ میں سنی، جب وہاں دعوتی سرگرمیاں انجام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دے رہا تھا، بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ اسلام قبول کرتے ہیں، اور جب اس کے رشتہ دار کا انتقال ہوتا ہے اور انہیں بتایا جاتا ہے کہ اس غیر مسلم رشتہ دار کے مال میں اس کے لئے وراثت جائز نہیں ہے تو وہ اسلام کو چھوڑ دیتا ہے، اور مرتد ہو جاتا ہے، بعض تو یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اسلام غیر مسلم کے مال میں حصہ پانے کو منع کرتا ہے تو میں مسلمان ہی نہ ہوتا۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت معاویہؓ کے پاس آیا اور ان سے دریافت کیا: مجھے اسلام نفع پہنچائے گا یا نقصان؟ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا کہ اسلام نفع پہنچاتا ہے، پھر اس شخص نے بیان کیا کہ میرے والد عیسائی تھے اور اخیر زندگی تک عیسائی ہی رہے اور میں مسلمان ہوں، اب میرے عیسائی بھائی کہتے ہیں کہ ہم تمہارے مقابلہ میں والد کی میراث کے زیادہ مستحق ہیں، حضرت معاویہؓ نے ان سے کہا کہ اپنے بھائیوں کو میرے پاس بلاؤ، پھر ان سب سے کہا کہ تم سب اپنے والد کی میراث میں برابر کے حصہ دار ہو، پھر حضرت معاویہ نے امیر زیاد کو لکھا کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا، البتہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا، جب یہ مکتوب ان تک پہنچا تو انہوں نے قاضی شریح کو یہ حکم ارسال کیا اور انہیں حکم دیا کہ مسلمان کو کافر کے مال سے وراثت میں حصہ دیں، اور کافر کو مسلمان کے مال سے وراثت نہ دیں، حالانکہ اس حکم نامہ سے قبل قاضی شریح نہ کافر کو مسلمان کے مال سے وراثت دیتے تھے اور نہ ہی مسلمان کو کافر کے مال سے، لیکن جب امیر المومنین نے ایسا فیصلہ کیا تو انہوں نے کہا: "هذا قضاء أمير المومنين" (سنن سعید بن منصور ۱/ ۶۷، حدیث نمبر: ۱۴۶)۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کے پاس جب یہ خبر پہنچی کہ بعض کفار صرف اس وجہ اسلام کے قبول کرنے سے رک رہے ہیں، کیونکہ انہیں ان کے آباء کی وراثت نہیں ملے گی، تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ مسلمان ان سے وراثت پائیں گے، لیکن وہ مسلمانوں کے وارث نہیں ہوں گے، مسروق بن اجدع فرماتے ہیں کہ اسلام میں اس فیصلہ سے زیادہ حیرت انگیز کوئی فیصلہ نہیں دیا گیا (سنن الدارمی ص: ۴۲۲، حدیث نمبر: ۳۰۴۰، سنن سعید بن منصور ۱/ ۶۶ حدیث نمبر: ۱۴۵، فتح الباری ۱۲/ ۶۱)۔

حضرت عبداللہ بن معقل فرماتے ہیں کہ اصحاب نبی ﷺ کے فیصلہ کے بعد کوئی فیصلہ میری نظر سے نہیں گذرا جو اہل کتاب کے حق میں حضرت معاویہؓ کے فیصلہ سے زیادہ بہتر ہو، انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ ہم ان کے وارث ہوں گے، لیکن وہ ہمارے وارث نہیں ہوں گے، جیسے ہمارے لئے ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے، لیکن ہماری عورتوں سے ان کا نکاح جائز نہیں (سنن سعید بن منصور ۱/ ۶۷، حدیث نمبر: ۱۴۷، مصنف ابن ابی شیبة ۶/ ۲۸۷، حدیث نمبر: ۳۱۴۴۲، فتح الباری ۱۲/ ۶۱)۔

ب۔ مسلمان کو اس کے کافر رشتہ دار سے وراثت دلانے کی صورت میں مسلمان کی تالیف قلب ہوگی، جس طرح نبی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اکرم ﷺ بسا اوقات کفار کو عطایا دیا کرتے تھے، آپ ﷺ نے بیشتر نومسلموں کو ہدایا عطا فرمایا، ان ہدایا کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں اس دین کے قبول کرنے کی رغبت پیدا ہو، اور شاید یہی مقصود ہے مولفۃ قلوب افراد کو زکوۃ دینے کی مشروعیت میں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: "إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل" (سورہ توبہ:۶۰)۔

'مولفۃ قلوب' کی متعدد قسمیں تھیں، بعض وہ اشراف عرب تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ تالیف قلب کیلئے صدقات دیا کرتے تھے جیسے آپ ﷺ نے عیینہ بن حصن، اقرع بن حابس اور عباس بن مرداس السلمی کو عطا کیا، یہ لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، مگر انکے ارادے کمزور تھے، لہذا آپ ﷺ انہیں اسلام میں رغبت دلانے کیلئے کچھ دیتے رہتے تھے، دوسرا طبقہ وہ تھا وہ جو دائرہ اسلام میں داخل ہوا، اسلام کے تعلق سے ان کی ارادے بھی مضبوط تھے، لیکن چونکہ وہ اشراف قوم تھے، جیسے عدی بن حاتم اور زبرقان بن بدر، لہذا نبی اکرم ﷺ ان کے قوم کی تالیف قلب کے طور پر اور ان جیسے باحیثیت وباثروت افراد کو راغب کرنے کیلئے نوازتے تھے (تفسیر الخازن ۲/ ۴۷۳، المحرر الوجیز ۳/ ۴۹، تفسیر النسفی ۱/ ۵۰۳، تفسیر ابن کثیر ۲/ ۴۸۰، احکام القرآن لابن العربی ۲/ ۹۶۲)۔

نبی کریم ﷺ ان اشراف قوم کو زکوۃ کا مال دیا کرتے تھے جبکہ وہ فقراء ومساکین نہ تھے، تاکہ ان کے دل اسلام پر مضبوط ہوجائے، اور دوسروں لئے رغبت ہو، لہذا مسلمان کو کافر کے مال سے وراثت دینا تالیف قلب کے طور پر بطریق اولی جائز ہوگا، خاص طور سے ان لوگوں کو جو فقراء ہوں اور لوگوں سے صدقات وغیرہ لیا کرتے ہوں۔

۲- قاعدہ: فقہی قاعدہ: "إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما" (الاشباہ والنظائر للسیوطی ص: ۸۷، الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص: ۸۹) (جب دو مفاسد باہم متعارض ہوجائیں تو اس ان میں جو کم ضرر رساں ہو اس پر عمل کیا جائے گا اور جو زیادہ ضرر والی ہو اس چیز کو چھوڑ دیا جائے گا)۔

ایک اور قاعدہ ہے: "الضرر الاشد يزال بالضرر الأخف" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص: ۸۸)۔

یعنی جس میں زیادہ ضرر ہو اس کو ہلکے ضرر پر عمل کر کے رفع کیا جائے گا۔

چنانچہ جب کسی معاملہ میں دو طرح کے ضرر پائے جائیں، ان میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہو تو ہلکے ضرر پر عمل کیا جائے گا اور سخت ضرر کو ترک کر دیا جائے گا۔ یعنی جب دو ممنوع امور جمع ہوجائیں اور دونوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنا ضروری اور لازمی ہو تو جس کا ضرر ہلکا ہو اور جو اہون ترین ہو اس پر عمل کرنا لازم قرار پائے گا، ایسا اس لئے کہ بڑے ضرر کی رعایت اس کے ازالہ ہی سے ہوگا، کیونکہ مفاسد میں نفی کا لحاظ کیا جاتا ہے اور مصالح میں اثبات کا لحاظ کیا جاتا ہے (الوجیز فی ایضاح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قواعد الفقہ الکلیۃ للبورنوص:۲۶۰، القواعد الفقہیۃ للندوی ص:۳۵۰، القواعد الفقہیۃ ص:۱۰۲)۔

ان دونوں قواعد فقہیہ کی بنیاد پر دو اصولوں کے درمیان تعارض پیدا ہو رہا ہے، اول یہ کہ اسامہ والی نص کی بنیاد پر مسلمان کو کافر کا وارث قرار نہ دینا ثابت ہوتا ہے، دوم: مسلمان کو کافر کا وارث قرار نہ دینے کی صورت میں برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، مثلاً اس کی وجہ سے لوگوں کا قبول اسلام سے رک جانا، دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد مرتد ہو جانا؛ لہذا ضرر اخف پر عمل کر کے ضرر اشد یعنی ارتداد اور قبول اسلام سے امتناع کو دفع کرنا ضروری قرار پائے گا، اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ مسلمان کو اس کے کافر رشتہ دار کا وارث بنانا ایک اصل یعنی عدم جواز کے مقابلہ میں استثنائی صورت ہے۔

۳-دفع حاجت اور رفع حرج: بلاشبہ مسلمان کو اس کے کافر رشتہ دار کا وارث نہ بنانے کی وجہ سے بہت سے مفاسد وجود میں آئیں گے، خاص طور پر مغربی معاشرے اور ان معاشروں میں جہاں قانون الٰہی رائج نہیں ہے، اس کے ذریعہ کبھی ایک مسلمان آگ کے گڑھے میں گر سکتا ہے، یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو دنیا و آخرت دونوں جگہ اس کے لئے ''مضرت'' کا سبب ہے، خصوصاً امریکہ وغیرہ میں اکثر جو لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں وہ غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، وہ اسلامی مراکز اور مساجد میں لوگوں سے صدقہ وزکوۃ مانگتے ہیں، لہذا جب کسی مسلمان کا کوئی کافر رشتہ دار جو مالدار ہو مثلاً باپ وغیرہ کا انتقال ہو تو وہ مسلمان دوسروں کے مقابلہ میں اپنے باپ کے مال کا زیادہ مستحق ہے تا کہ اپنی ضرورت پوری کرے اور فاقہ کشی دور کرے، بنسبت اس کے کہ اس کے والد کا مال کافر حکومت کے قبضہ میں چلا جائے یا اسکی غیر مسلم اولاد میں تقسیم ہو، ایک غریب وضرورت مند مسلمان جو لوگوں سے معاونت حاصل کرتا ہے ان کو کیسے کہا جائے گا کہ تمہیں اپنے کافر والد کا مال بطور وراثت نہیں مل سکتا، تم اسی حال پر قائم رہو، لوگوں سے صدقہ وخیرات مانگ کر کھاؤ، اگر مسلمان کو اس کے کافر رشتہ دار کا وارث ہونے کے جواز پر فتوی دیا جائے تو یہ ضرورت پوری ہو جائے گی، اور حرج دور ہو جائے گا، اور اس طرح وراثت سے محرومی ان کے دخول اسلام کی راہ میں مانع ثابت نہیں ہوگا، اور نہ ہی ان کے اسلام لانے کا تاوان بنے گا، اور اس لئے بھی کہ تا کہ غیر مسلم تنہا وارث نہ بنے، یہ ضرورت خاص طور پر ان ممالک میں شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی ہے جہاں اسلام ابھی نیا نیا داخل ہوا ہے، اور اس کی اشاعت اتنی زیادہ نہیں ہوئی ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کو طاقت وقوت حاصل ہو اور وہ آپسی تکافل ومناصرت کی صلاحیت حاصل کر لیں (الوسیط فی الفقہ الاسلامی المواریث ص:۱۴)۔

یہ کھلی حقیقت ہے کہ اس طرح کی ضرورت شاذ اور نادر الوقوع نہیں ہیں، خود مسلم ممالک میں اس طرح کی مثالیں مل سکتی ہیں، اور مغربی ممالک اور مسلم اقلیت والے معاشرے میں اس طرح کی چیز تو عام ہے، لہذا یہ ''حاجت عام'' ہے اور ''حاجت عام'' فرد واحد کے حق میں 'ضرورت خاص' بن جاتی ہے، امام جوینیؒ رقمطراز ہیں: عام لوگوں کے حق میں پائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جانے والی ضرورت فردواحد کے حق میں لازمی ضرورت بن جاتی ہے، کیونکہ اگر مضطر فرد اپنی ضرورت کو دبائے رکھے اور انہیں میتہ نہ ملے تو وہ ہلاک ہوجائے گا، اسی طرح اگر سارے لوگ اپنی ضرورت کو دبائے رکھیں تو سب ہلاکت کے دہانے پر پہنچ جائیں گے، لہذا سارے لوگوں کی تعدی میں ہلاکت کا خطرہ ہے جو کہ فرد واحد کے حق میں ضرورت کے بڑھ جانے کا خطرہ ہے (الغیاثی ص: ۳۴۵)۔

یورپی افتاء کونسل 'مجلس الاوروبی للافتاء والبحوث' سے مسلم کا غیر مسلم رشتہ دار سے وراثت پانے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے اپنے پانچویں سیمینار میں ایک تجویز کی شکل میں جواب دیا، یہ تجویز اس طرح ہے: مجلس کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کے کافر رشتہ داروں کی وراثت سے اور ان کی وصیت سے محروم نہ کیا جائے اور یہ رائے صحیح حدیث "لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم' (تخریج گزرچکی ہے) کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اس کافر کو کافر حربی پر محمول کیا جائے گا، اس سلسلہ میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ دار کے میراث سے محروم نہیں ہوتے تھے، صحابہ میں معاذ بن جبل، معاویہ بن ابی سفیان، تابعین میں سعید بن المسیب محمد بن حنفیہ، ابوجعفر باقر، مسروق بن اجدع کی یہی رائے ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم نے اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے (قرارات وفتاوی المجلس الاوربی للافتاء والبحوث، المجموعتان الاولی والثانیۃ، قرار: ۱/ ۵، فتوی: ۱۹، ص ۱۳۷)۔

مبحث ثانی: ترکہ کی تقسیم سے قبل کافر مسلمان ہوجائے

کسی مسلمان کا انتقال ہوا، اس کے پسماندگان میں دو بیٹے ہیں، ایک مسلمان دوسرا کافر، اب اس کے ترکہ کی تقسیم سے قبل کافر بیٹا اسلام قبول کر لے تو اس صورت میں باپ کی موت سے قبل بیٹے کی حالت یعنی اس کے کفر کا اعتبار کیا جائے گا، اس کو ترکہ سے محروم رکھا جائیگا یا باپ کی موت کے بعد کی حالت یعنی اس کے اسلام کو دیکھتے ہوئے اس کو وارث قرار دیا جائیگا؟ اہل علم کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے:

پہلی رائے:

جمہور فقہائے احناف، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ (ایک روایت کے مطابق) کا مسلک یہ ہے کہ جب کسی سے مانع ارث زائل ہوجائے تو وہ وارث نہیں قرار دیا جائیگا، بلکہ اس کو وراثت سے محروم رکھا جائیگا، یعنی اگر کافر اپنے مورث کی وفات کے بعد اور اس کے ترکہ کی تقسیم سے پہلے اسلام قبول کرلے تو وہ وارث نہیں ہوگا، اور ترکہ اس کے دوسرے وارثین کو ملے گا۔

یہی رائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے، سعید بن المسیب، عطاء، طاؤس، زہری، سلیمان بن یسار، امام نخعی،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکم، ابوزیاد اور عام فقہاء نے اسی کو اختیار کیا ہے (حاشیۃ ابن عابدین ۶/ ۷۶۷، الدر المنتقی ۲/ ۷۴۸، البہجۃ فی شرح التحفۃ ۲/ ۴۲۱، القوانین الفقہیۃ ص: ۳۳۸، بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۶۰، مغنی المحتاج ۳/ ۲۵، الاقناع ۲/ ۴۹، فتح الوہاب ۲/ ۸، المغنی ۶/ ۲۹۸، کشاف القناع ۴/ ۴۶۲، الکافی لابن قدامہ ۲/ ۵۵۶)۔

ان حضرات کا مستدل یہ آیتیں ہیں:

۱- "للرجال نصيب مما ترك الوالدان والأقربون" (سورۂ نساء: ۷)۔

۲- "إن امرؤ هلك ليس له ولد وله أخت فلها نصف ما ترك" (سورۂ نساء: ۱۷۶)۔

۳- "ولكم نصف ما ترك أزواجكم" (سورۂ نساء: ۱۲)۔

یہ آیتیں اس بات پر دال ہیں کہ ترکہ میراث کے وارثین کو ملے گا اور تقسیم کی شرط کے بغیر ان کی ملکیت ثابت مانی جائے گی، کیونکہ تقسیم کا عمل ملکیت میں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ میراث کے استحقاق یا عدم استحقاق میں تقسیم کا کوئی اثر واقع نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس میں ملکیت ثابت ہو چکی ہے، لہذا کسی وارث کے اسلام لانے کی وجہ سے دوسرے وارث کی ملکیت ختم نہیں ہوگی، گرچہ یہ قبول اسلام تقسیم ترکہ سے پہلے ہی کیوں نہ ہو، جس طرح تقسیم ترکہ کے بعد اسلام لانے سے وارث کی ملکیت زائل نہیں ہوتی (احکام اہل الذمۃ ۲/ ۴۵۸، فقہ الاقلیات المسلمۃ ص: ۴۸۱، العلاقات الاجتماعیہ ص: ۲۴۰)۔

اس استدلال پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ ان آیات میں کوئی ایسی صراحت نہیں جس سے ترکہ کی تقسیم سے پہلے اسلام لانے والے کافر کو وراثت سے محروم ہونے کا پتہ چلے، ان آیات کا اصل مقصد مورث کی موت کے بعد ترکہ میں ورثہ کے استحقاق کو بیان کرنا ہے، پھر اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ استحقاق موت کے بعد ثابت ہو، کیونکہ نسب ہی میراث کی بنیاد ہوتی ہے، اور یہ وراثت کے منجملہ اسباب میں سے ایک ہے، جو موت سے قبل پایا جا رہا ہے، اور اسلام اس کے استحقاق کی ایک شرط ہے، جو کہ موت کے بعد پائی جا رہی ہے۔

۲- دوسری دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

"لا يرث المسلم من الكافر ولا يرث الكافر من المسلم" (تخریج اوپر گزر چکی ہے) (نہ مسلمان کسی کافر کا وارث ہوگا اور نہ ہی کافر کسی مسلمان کا وارث ہوگا)۔

یہ حدیث عام ہے، اس میں ترکہ کی تقسیم سے پہلے اسلام لانے یا تقسیم کے بعد اسلام لانے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، مورث کی موت کے بعد وہ کافر تھا اور کفر موانع ارث میں سے ایک ہے۔

اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ حدیث مسلمان سے کافر کا وارث ہونے اور کافر کا مسلمان سے وارث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونے سے متعلق ہے، بشرطیکہ کافر اپنے مورث کی موت کے بعد بھی حالت کفر پر قائم رہے، اور یہ بات یہاں محل نزاع نہیں ہے، البتہ اس روایت میں مورث کی موت کے بعد وارث کے اسلام قبول کر لینے سے وارث کی محرومی کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۳-ان حضرات کی تیسری دلیل یہ ہے کہ مورث کی موت سے ہی وراثت مسلم ورثاء کی جانب منتقل ہوگئی، لہذ جو انتقال کے بعد مسلمان ہوا وہ وارثین کے ساتھ شامل نہیں ہوگا، جیسے اس شخص کے اسلام قبول کر لینے سے قبل ہی وہ لوگ وراثت تقسیم کر لیتے تو بعد میں اسلام قبول کرنے والے کو کچھ نہیں ملتا، دوسری وجہ یہ ہے کہ مورث کی موت کے وقت مانع ارث کا تحقق ہو چکا ہے، لہذا وہ شخص وراثت کا حقدار نہیں ہوگا جیسا کہ اگر وہ غلام ہوتا پھر آزاد ہو جاتا یا وہ حالت کفر پر ہی باقی رہتا (المغنی ۶/۲۹۸)۔

اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہم نے ظاہری اعتبار سے جو ورثاء موجود ہیں ان کے لئے ایسی ملکیت کو مانا ہے جو قابل لحاظ ہو، بالکل اسی طرح جیسے ہم اس وقت ان لوگوں کے لئے ملکیت کا حکم لگائیں گے جب وارث نے کنواں کھودا، اور چھری نصب کر دی ہو، یہاں ہم ظاہر کا اعتبار کرتے ہیں، اس کے بعد اگر کنویں میں کوئی انسان گر جائے تو ان سب پر دیت لازم ہوگی، اس مثال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پہلا حکم صحیح نہیں تھا، اسی طرح یہاں بھی ہے، اور اس مسئلہ کو غلام پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ کافر کے اسلام لانے اور غلام کے آزاد ہونے میں کافی فرق ہے، کافر میں بمقابلہ غلام کے سبب زیادہ قوی ہوتا ہے، اس لئے کہ کافر حالت کفر میں اپنے جیسے کافر کا وارث بنتا ہے اور عاقلہ بھی ہوتا ہے اور مدد بھی کرتا ہے جبکہ غلام میں نہ ہی وارث بننے کی صفت پائی جاتی ہے اور نہ ہی عاقلہ ہونے کی اور نہ ہی مدد کرنے کی، اور اس لئے بھی کہ کافر آزاد ہوتا ہے اور وہ اپنی اس صفت کی وجہ سے میراث کا متقاضی ہوتا ہے، اور کفر مانع ارث ہے، برخلاف غلام کے کہ وہ میراث کا متقاضی نہیں ہوسکتا اور نہ ہی وہ اسکا اہل ہے، پس آزادی سے تقاضائے میراث کی تجدید ہوتی ہے اور اسلام سے مانع ارث ختم ہو جاتا ہے، پھر اسلام خود اس کی جانب سے پایا گیا، لہذا یہ اس کے حق میں محمود عمل ہے اور ثواب کا باعث ہے، برخلاف اس کی آزادی کے کہ اس میں غلام کا اپنا دخل نہیں ہوتا، بلکہ یہ دوسرے کی جانب سے پائی جاتی ہے، اس لئے آزادی میں غلام کو ثواب نہیں ملتا، بلکہ اس کے آقا کو ثواب ملتا ہے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ اس کا تعریف کیا جانا عوض بن جائے جو اسلام کے حق میں ترغیب کا باعث ہو (احکام اہل الذمۃ ۲/۴۵۹)۔

۴-چوتھی دلیل یہ ہے کہ ترکہ کی تقسیم میں محض تاخیر کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا کہ جو حقیقتا وارث نہ ہو وہ وارث ہو جائے، بالکل اسی طرح جیسے تقدیم وارث کے ساقط کرنے کا موجب نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اگر تقسیم ترکہ سے پہلے میت کا کوئی بھائی پیدا ہو تو وراثت میں اس کو حصہ نہیں دیا جائیگا، لہذا اس پر قیاس کرتے ہوئے اگر میت کی موت کے بعد اس کا کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غیر مسلم بھائی اسلام قبول کرے تو اس کو بھی وارث نہیں قرار دیا جانا چاہیے (العلاقات الاجتماعیۃ ص: ۲۴۱)۔

۵- پانچویں دلیل یہ ہے کہ جو شخص موت کے وقت وارث نہ ہو اس کو موت کے بعد وارث نہیں قرار دیا جائیگا، اس لئے کہ اس صورت میں مورث کی موت کے بعد کسی شخص کو وارث قرار دینا لازم آئے گا، جو قابل فہم نہیں ہے (احکام اہل الذمۃ ۲/۴۵۸) اور اس لئے بھی کہ توارث کا تعلق ولایت سے ہوتا ہے، اور مسلمان کی موت کے وقت مسلمان اور کافر کے درمیان کوئی رشتۂ ولایت موجود نہیں ہے، اور اپنے مورث کی موت کے بعد اور ترکہ کی تقسیم سے قبل کافر کا اسلام لانا اس تہمت کا باعث بھی ہے کہ وہ ترکہ حاصل کرنے کے لئے اسلام لایا ہے، لہذا وہ وارث نہیں ہوگا۔

اس دلیل پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تقسیم ترکہ سے قبل اسلام لانے کی صورت میں وارث بننے میں کون سی چیز مانع ہے، اسلام قبول کر کے وہ وارث بن چکا ہے، کیونکہ وراثت کے استحقاق کے لئے اسلام شرط ہے، اور یہ شرط مورث کی موت کے بعد پائی جا رہی ہے، اور جو ولایت میراث سے متعلق ہوتی ہے اس سے مراد ظاہری ولایت ہے نہ کہ ایسی ولایت جو دل کے یقین اور باطنی موالات پر قائم ہو۔

دوسری رائے:

فقہائے حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ ترکہ کی تقسیم سے پہلے اگر کسی کا کفر زائل ہو جائے تو وہ وارث ہوگا، یعنی اگر کوئی کافر ترکہ کی تقسیم سے قبل اسلام لے آئے تو وہ وارث ہوگا، البتہ جو مال ورثاء کے درمیان تقسیم ہو چکا اور وارثین نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تو اس میں سے کچھ نہیں ملے گا، البتہ اگر کچھ مال تقسیم ہو چکا ہے تو باقی مال سے حصہ ملے گا۔ یہی رائے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت حسن بن علیؓ اور ابن مسعودؓ سے منقول ہے اور اسی کے قائل جابر بن زید، حسن، عکرمہ، مکحول، قتادہ، حمید، ایاس بن معاویہ اور اسحاق وغیرہ ہیں (کشاف القناع ۴/۴۷۶، المغنی ۶/۲۵۵، منار السبیل ۲/۲۸۲، المحرر فی الفقہ ص: ۴۱۳، حاشیۃ الروض المربع ۶/۱۸۱، المعتمد فی فقہ الامام احمد ۲/۹۹)۔

ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"كل قسم قسم فى الجاهلية فهو على ما قسم وكل قسم أدركه الإسلام فهو على قسم الإسلام" (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۲۹۱۴، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۷۴۹، سنن البیہقی، حدیث نمبر: ۱۸۷۹۵، سنن سعید بن منصور، حدیث نمبر: ۱۹۶)۔

کہ زمانہ جاہلیت میں جو تقسیم عمل میں آئی وہ اپنی اسی حالت پر باقی رہے گی، اور جو تقسیم اسلام کے دور میں ہوئی وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے مطابق ہوگی۔

اس روایت سے استدلال اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمادیا کہ جو میراث تقسیم نہیں ہوئی اور اسلام کا دور شروع ہوگیا وہ اسلامی نظام کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، لہذا ایسا کافر جس کا کفر وراثت کی تقسیم کے پہلے ختم ہوگیا، تو سمجھا جائے گا کہ اسلام کا زمانہ شروع ہوگیا، لہذا اس کی تقسیم اسلام کے مطابق عمل میں آئے گی، اور وہ وارث ہوگا، گویا حکم تقسیم پر موقوف رہے گا، اور تقسیم ہونے نہ ہونے کی بنیاد پر وراثت کا حکم لگایا جائے گا۔

اس استدلال پر دو طرح سے اعتراض ہوتا ہے:

الف- یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے ایک راوی محمد بن مسلم ہیں جو ضعیف ہیں (المحلی ۹/ ۳۰۸)۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، البانی نے ارواء الغلیل میں اس کو صحیح قرار دیا ہے (ارواء الغلیل ۶/ ۱۵۷، حدیث نمبر: ۱۷۱۷)، مزید برآں صحیح سنن ابی داؤد میں یہ حدیث موجود ہے (صحیح سنن ابی داؤد ۲/ ۱۲۲، حدیث نمبر: ۱۹۱۴)۔

ب- دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حدیث کے معنی تو یہ ہیں کہ مشرکین جب اپنی میت کے وارث بنیں، اور زمانہ جاہلیت میں وراثت تقسیم کریں تو یہ تقسیم زمانہ جاہلیت کے عرف ورواج کے مطابق ہوگی، لیکن اگر ترکہ کی تقسیم سے قبل وہ لوگ مسلمان ہوجائیں تو اسلامی نظام کے مطابق ترکہ کی تقسیم ہوگی (العلاقات الاجتماعیۃ ص: ۲۴۱)۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ موت کے بعد استحقاق وراثت کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں، اور یہ پہلے کے حکم میں ہوجائے گا، جیسے کسی نے کنواں کھودا پھر اس کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد اس کنویں میں کوئی شخص گر گیا تو اس صورت میں ضمان اس کے ترکہ سے متعلق ہوگا، بالکل اسی طرح جیسے کنویں میں گرنا اس کی زندگی میں پایا جاتا، یہاں پر کنویں کا کھودنا ضمان کا سبب ہے جو کہ اس کی زندگی میں پایا گیا، اور وقوع ضمان کی شرط ہے جو موت کے بعد پائی جارہی ہے، اور وراثت کے مسئلہ میں نسب ارث کا سبب ہے جو موت سے قبل پایا گیا اور اسلام وراثت کے استحقاق کی شرط ہے جو موت کے بعد پائی جارہی ہے، لہذا ان دونوں مسئلوں میں کوئی فرق نہیں ہوگا، اور اس لئے بھی کہ وراثت کے استحقاق میں تقسیم نہ ہونے کا بڑا اثر ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ کفار جب مسلمانوں کے اموال پر غالب آجائیں پھر مال کی تقسیم سے قبل مسلمان اسے دوبارہ حاصل کرلیں تو اس صورت میں صاحب مال اپنے مال کا زیادہ حق دار ہوتا ہے، لیکن اگر تقسیم عمل میں آچکی ہے تو صاحب مال کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا، اس مثال سے واضح ہوگیا کہ تقسیم ترکہ سے قبل اس میں ورثاء کے حقوق متعین نہیں ہوتے، یہاں تک کہ وصیت مستحکم ہوسکتی ہے خواہ وصیت قبول کے ذریعہ ہو یا رد کے ذریعہ، اس کے بعد تقسیم کے ذریعہ ہی حصے متعین ہوں گے (احکام اہل الذمۃ ۲/ ۴۵۶)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲-عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس میراث کی تقسیم زمانہ جاہلیت میں عمل میں آئی اس کا اعتبار زمانہ جاہلیت کی تقسیم کے مطابق ہوگا اور جس میراث کی تقسیم عمل میں نہیں آئی، یہاں تک کہ اس نے اسلام کا زمانہ پالیا تو اس کی تقسیم اسلامی نظام کے مطابق ہوگی (سنن سعید بن منصور ۱/۷۷، حدیث نمبر: ۱۹۳)۔

طریقہ استدلال: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تقسیم سے قبل جو شخص اسلام لے آئے وہ وارث ہوگا اور تقسیم سے قبل جس مال پر اسلام کا زمانہ شروع ہوگیا، اس مال کو اسلامی اصول کے مطابق تقسیم کیا جائیگا اور موت کے وقت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے فرمان: "وكل ميراث لم يقسم حتى أدركه الإسلام" کے مفہوم میں اس کا بھی احتمال ہے کہ جو اپنے مورث کی موت کے وقت یعنی اس کی موت سے قبل اسلام لایا پھر اس کی میراث تقسیم کرلی گئی (احکام اہل الذمۃ ۲/۴۵۶)۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ احتمال دو وجہوں سے فاسد ہے:

الف-اوپر جو آثار ہم بیان کر چکے ہیں ان میں اس بات میں صراحت ہے کہ اس کا اسلام موت کے بعد تھا نہ کہ موت سے پہلے۔

ب-استحقاق کو تقسیم سے معلق کیا گیا ہے، یہ نہیں فرمایا گیا کہ مورث کے مرنے سے پہلے ہو اور نہ ہی یہ درست ہے کہ "لم يقسم" کے معنی "قبل أن يموت مورثه" کے لئے جائیں، اور جب تاویل حد سے آگے بڑھ جائے تو وہ فحش ہوجاتا ہے (حوالہ سابق)۔

۳-عروۃ بن زبیر اور ابن ابی ملیکہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"من أسلم على شئى هو له" (سنن البیہقی ۱۳/۲۲۸، سنن سعید بن منصور ۱/۷۶، شیخ البانی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: ارواء ۶/۱۵۶)۔

جو شخص کسی شرط پر اسلام لائے تو وہ چیز اس کو ملے گی۔

طریق استدلال: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تقسیم ترکہ سے قبل اسلام قبول کرلے وہ وارث ہوگا، یعنی جس میراث کی تقسیم سے قبل اسلام لایا اس میراث میں اس کا بھی حصہ ہوگا، اور موت کے وقت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں دو تاویلوں میں سے ایک تاویل کی گئی ہے، پہلی تاویل یہ ہے کہ جو شخص اس حال میں اسلام لایا کہ ان کے پاس کچھ مال تھا، تو وہ مال اسی کا ہوگا، اس کے اسلام لانے کی وجہ سے اس مال کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملکیت ختم نہیں ہوگی۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ جوشخص میراث کی لالچ میں مورث کی موت سے قبل اسلام لایا تو اس کو وہ میراث ملے گا

(العلاقات الاجتماعیۃ ص: ۲۴)۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ توجیہ کہ 'جوشخص اس حال میں اسلام لایا کہ اسکا کچھ مال بھی تھا تو وہ مال اسی کا رہے گا، اس مال سے اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی' یا یہ توجیہ کہ 'جوشخص اپنے مورث کی موت سے قبل اسلام قبول کرلے تو وہ اس کا وارث ہوگا' اس میں کوئی بڑا فائدہ نہیں ہے، یہ معاملہ کسی سے مخفی نہیں ہے اور نہ ہی اس کا مفہوم سمجھنے کے لئے کسی بیان کی ضرورت ہے (احکام اہل الذمۃ ۲/۴۵۶)، جہاں تک مال کے لالچ میں اسلام لانے کا معاملہ ہے تو یہ اس کے حق میں تہمت ہے کہ وہ صرف ترکہ کا مال لینے کے لئے اسلام لایا ہے، چنانچہ اس حالت میں فساد کے دروازہ کو بند کرنے کے لئے اس کو وارث نہیں قرار دیا جائیگا تاکہ وہ دین کے ساتھ کھلواڑ نہ کرے، کہ کافر کا مال حاصل کرنے کے لئے اسلام میں داخل ہو پھر اسلام سے خارج ہو جائے، اس کی دلیل یہ دو قواعد ہیں:

"الأصل المعاملة بنقيض المقصود الفاسد" (ایضاح المسالک الی قواعد الامام مالک ص:۳۱۵)۔

اور "إن التهمة إذا تمكنت من فعل الفاعل حكم بفساد فعله" (تاسیس النظر ص:۲۷)۔

۴- یزید بن قتادہ العنبری فرماتے ہیں کہ میرے خاندان کے ایک فرد کا حالت کفر میں انتقال ہوگیا، اس کی وارث صرف میری بہن ہوئی، میں نہیں، کیونکہ وہ اپنے مذہب پر تھی، پھر میرے دادا نے اسلام قبول کیا، وہ حضور ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے، اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا، انہوں نے کچھ میراث بھی چھوڑی، اس طرح ایک سال گزر گیا، اس درمیان میری بہن دائرہ اسلام میں داخل ہوگئیں، انہوں نے عثمان بن عفانؓ کی عدالت میں میراث کا مقدمہ دائر کیا، اس وقت عبداللہ بن ارقم نے حضرت عثمانؓ سے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے اس طرح کے معاملہ میں ہی فیصلہ کیا تھا کہ جو شخص تقسیم میراث سے قبل اسلام قبول کرلے گا، اس کو اس کا حصہ ملے گا، حضرت عثمان نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا (سنن سعید بن منصور ۱/۱۸۵، مصنف ابن ابی شیبۃ ۶/۳۰۴، حدیث نمبر: ۳۱۶۲۴، شیخ البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: ارواء ۶/۱۵۸)، یہ ایسا فیصلہ تھا جس کی گونج ہر سو پہنچی، لیکن اس پر کسی نے نکیر نہیں کیا، گویا حضرت عثمانؓ کا یہ فیصلہ ایک اجماعی فیصلہ تھا۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تقسیم اسلام کے حکم کے مطابق عمل میں نہیں آئی تھی پھر جب تقسیم سے پہلے اسلام طاری ہوا تو اس نے اسلامی احکام پر ابھارا، کیونکہ شریعت اسلامیہ سے قبل جو کچھ پیش آیا وہ ثابت شدہ نہیں تھا، اس لئے ان لوگوں نے جو میراث تقسیم کرلی تھی وہ قابل معافی تھی، جو مال تقسیم نہیں ہوا تھا اس کو اسلام کے مطابق تقسیم پر محمول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا جائے گا، اس کی نظیر ربوا کا مسئلہ ہے، کہ ربوا کی ممانعت سے قبل جو سود لیا گیا اللہ نے اس کو معاف فرما دیا، اور تحریم سے قبل کے ربوا کو کالعدم قرار دیا گیا، اور جس پر اب تک قبضہ نہیں ہوا تھا اس کو شریعت کے حکم پر محمول کیا گیا، چنانچہ شریعت نے اس کو باطل قرار دیا، البتہ رأس المال کی واپسی کو واجب قرار دیا (العلاقات الاجتماعیۃ ص: ۲۴۱)۔

۵- پانچویں دلیل یہ ہے کہ تقسیم وراثت سے قبل مسلمان ہونے والے کو وارث قرار دینا ان کے لئے ترغیب اور ایمان میں اضافہ کا سبب ہے، اگر یہ حکم صرف استحسان کی بنیاد پر ہوتا تب بھی یہ شریعت اسلامیہ کے محاسن اور اس کے کمال کی دلیل ہوتی کہ کسی شخص کے فرزند کو ایسے مانع کی وجہ سے محروم نہ رکھا جائے جو مانع زائل ہو گیا ہو، اس لیے کہ نسب میراث کا متقاضی ہے، لیکن اس کے کفر کی وجہ سے شارع نے اس کو محرومی کی سزا دی ہے، اب جبکہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تو اب قابل مؤاخذہ نہیں، بلکہ سزا کے بمقابلہ جزاء کا زیادہ مستحق ہے، اس لیے کہ تقسیم میراث سے قبل جب مانع ارث ختم ہو گیا تو وہ ایسے حکم میں شامل ہو گیا جو گویا تھا ہی نہیں، پس گناہ سے توبہ کرنے والا شخص ایسا ہے گویا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں، اور کفر سے باز آ جانے والا ایسا ہے جیسے اس نے کفر کیا ہی نہیں، اب جبکہ اللہ نے اس کو اسلام سے نواز دیا ہے تو اس کی محرومی کی کوئی وجہ نہیں، اس کے مورث کا مال اب تک کسی دوسرے کے لئے متعین نہیں تھا بلکہ ایک اعتبار سے وہ اس کی ملکیت میں باقی تھا اور ایک اعتبار سے وہ اسکی ملکیت سے نکل چکا تھا، اس لئے کہ جب وہ میراث کی تقسیم اور بیت المال میں میراث کے جمع سے پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تو وہ دین کے اعتبار سے تمام مسلمانوں کے برابر ہو گیا، البتہ میت سے قرابت کی وجہ سے وہ عام مسلمانوں سے ممتاز ہے، لہٰذا وہ مورث کے مال کا زیادہ حقدار ہوگا (احکام اہل الذمۃ ۲/۴۵۸)۔

۶- چھٹی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے تقسیم سے قبل موت کی حالت کو موت سے قبل کی حالت پر محمول کیا ہے، کیونکہ تقسیم سے پہلے ترکہ پر ورثاء کا قبضہ نہیں ہوتا، اور نہ اس میں تصرف کا اختیار ہوتا ہے، اسی طرح ان کا حق بھی متعین نہیں ہوتا، اسی بنیاد پر ایسے مال میں اگر وصیت ہو تو وہ مستحکم ہو جاتی ہے، خواہ وصیت قبول کے ذریعہ ہو یا رد کے ذریعہ، گویا وہ مال حکما میت کے ہاتھ میں ہے اور یہ موت اور تقسیم ترکہ کے مابین ایک درمیانی حالت ہے، لہٰذا اسکو ماقبل الموت سے جوڑ دیا گیا، اس کے بقاء کی صورت کو باقی رکھتے ہوئے (حوالہ سابق)۔

۷- ساتویں دلیل یہ ہے کہ تقسیم سے قبل ترکہ میت کی ملکیت میں باقی ہوتی ہے، اس وجہ سے اگر اس میں بڑھوتری اور اضافہ ہو جائے تو اس زیادتی سے اس کے قرض کی ادائیگی کی جا سکتی ہے، جیسے اگر کسی نے اپنی زندگی میں جال نصب کیا، پھر اس کی موت کے بعد کوئی شکار اس جال میں پھنس گیا تو اسی کی ملکیت ثابت ہوگی، لہٰذا اس سے قرض کی ادائیگی کی جائے گی، اور اس کی وصیت کو نافذ کیا جائیگا، اسی طرح اگر اس کے کھودے ہوئے کنویں میں کوئی انسان گر جائے تو اس کا ضمان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی موت کے بعد اسکے ترکہ سے ادا کیا جائے گا، ان کے وارثین میں جو اسلام لائے ان کے حق میں اضافہ سمجھا جائے گا، اسلام میں رغبت دلانے کے لئے اور قبول اسلام پر آمادہ کرنے کی غرض سے (المغنی ۶/ ۲۰۷، احکام اہل الذمۃ ۲/ ۴۵۷)۔

ترجیح:

اس مسئلہ میں ہمارے نزدیک دوسرا قول راجح ہے، کہ اگر میراث کی تقسیم سے قبل کافر مسلمان ہوجائے تو اس کو وراثت ملے گی، اگر کچھ مال کی تقسیم کے بعد اسلام لایا تو جتنا مال باقی ہے اتنے میں وہ وارث ہوگا، اس لئے کہ جن احادیث سے استدلال کیا گیا ہے وہ سب وراثت کے ثابت ہونے میں صحیح اور صریح ہیں، اور یہ خاص نصوص ہیں جو اختلاف دین کی بنیاد پر میراث سے ممانعت والی عام نصوص پر مقدم ہیں۔

مبحث سوم: مرتد کی وراثت

ارتداد:

ارتداد اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے، جس کے لغوی معنی ہیں: کسی چیز سے رخ پھیر لینا، اس سے منحرف ہوجانا، اسی وجہ سے اسلام سے رخ پھیر کر کفر کی طرف مائل ہوجانے کو ارتداد کہتے ہیں، اور ایسے شخص کو اسلام میں مرتد کہا جاتا ہے، اس لیے کہ اس نے اسلام سے اپنا رخ پھیر کر کفر کی روش اختیار کر لی (لسان العرب ۵/ ۱۴۸، معجم مقاییس اللغۃ ۲/ ۳۸۶، المعجم الوسیط ۱/ ۳۳۸، المصباح المنیر ۱/ ۲۴۰)۔

اور اصطلاح میں ارتداد، نیت کے ذریعہ، کلمۂ کفر یا عمل کفر کے ذریعہ اسلام سے خارج ہوجانے کو کہتے ہیں، خواہ کہنے والے نے وہ کلمۂ کفر مذاق میں کہا ہو، عناد میں کہا ہو، یا دل میں اس کا اعتقاد رکھتا ہو (مغنی المحتاج ۴/ ۲۴، الاقناع ۲/ ۲۰۵)۔

مرتد کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوگا جو برضاء و رغبت اور اختیاری طور پر اسلام سے کفر کی طرف مائل ہوجائے، یا دین کی کسی ضروری و لازمی حقیقت کا منکر ہو، چنانچہ جو شخص شہادتین کا قائل ہو اس کی جانب سے کسی عمل، قول یا اعتقاد کے ذریعہ دین کی تنقیص نہ تو درست ہے اور نہ ہی قابل قبول۔

تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ محض ارتداد کی وجہ سے مرتد کی املاک ختم نہیں ہوں گی، اور اثنائے ارتداد، حکماً یا حقیقۃً قتل کے دوران اس کی املاک اور دیگر اموال موقوف رہیں گی، اور اس کے لیے ان میں کسی بھی طرح کا تصرف روا نہیں ہوگا، ٹھیک اسی طرح جیسے کسی دوسرے شخص کو ان میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہے، اور جب وہ اسلام میں دوبارہ داخل ہوجائے گا تو اس کی ساری املاک اس کو واپس کر دی جائیں گی (شرح فتح القدیر ۶/ ۷۳، حاشیۃ ابن عابدین ۴/ ۲۴۴، الخرشی ۸/ ۶۵،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلغۃ السالک ۲/۷۸۲، مغنی المحتاج ص: ۱۴۲، فتح الوہاب ۲/۱۵۶، المغنی ۶/۲۰۹، کشف القناع ۶/۱۸، شرح منتہی الارادات ۵/۷۳، المحلی ۸/۱۹۷)۔

ابن المنذرؒ فرماتے ہیں کہ جن فقہاء کے بابت مجھے علم ہے ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ محض ارتداد کی وجہ سے مرتد کی اپنے اموال پر ملکیت ختم نہیں ہوگی، اور وہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ جب وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہوگا تو اس کا مال اسے واپس مل جائے گا، بشرطیکہ وہ دارالحرب نہ چلا گیا ہو۔ اور ساتھ ہی اس بات پر بھی اتفاق نقل کیا ہے کہ مرتد جب توبہ کرلے اور اسلام کی طرف رجوع کرے گا تو اس کا مال اس کو واپس کر دیا جائے گا (الاجماع ص: ۱۴۴)۔

مرتد کبھی تو حالتِ ارتداد ہی میں مرجاتا ہے اور کبھی اسے ارتداد کی وجہ سے قتل کر دیا جاتا ہے، اور کبھی دارالحرب چلا جاتا ہے، اور کبھی اس سے پہلے اسکے کسی مورث کا انتقال ہو جاتا ہے، اور کبھی اس کے برعکس اس کا انتقال خود اس سے پہلے ہو جاتا ہے، مرتد کی میراث کے سلسلے میں یہاں دو فصلوں میں بحث کی گئی ہے۔

مرتد کا کسی دوسرے شخص کا وارث ہونا:

تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ مرتد علی الاطلاق کسی شخص کا وارث نہیں ہوگا، مورث مسلم ہو یا کافر یا اسی جیسا کوئی مرتد ہو (بدائع الصنائع ۷/۱۳۶، الشرح الصغیر ۲/۷۵، مغنی المحتاج ۳/۲۵، المغنی ۶/۲۰۶)، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مرتد توبہ نہیں کرتا ہے تو وہ سزائے موت کا مستحق ہے اور اس طرح وہ مردہ کے حکم میں ہے اور وراثت کے لیے وارث کا زندہ ہونا ضروری ہے، اور وارث نہ ہونے کی دوسری وجہ وارث اور مورث کے درمیان اختلافِ دین ہے۔ اور اختلاف الدین من جملہ موانعِ ارث میں ایک مانع ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" (اس کی تخریج ہو چکی ہے، دیکھئے: گذشتہ صفحات) (نہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا)۔

مرتد کافر کا وارث نہیں ہوگا، اگرچہ جو دین اس نے اختیار کیا ہے وہی دین کافر کا بھی ہے، اس لئے کہ مسلمان کافر کو اس کے دین اور مذہب پر کاربند رہنے دیتے ہیں، اسے اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہیں کرتے، اللہ تعالی کا ارشاد بھی ہے:

"لا إکراہ في الدین" (سورہ بقرہ: ۲۵۶) (دین میں کوئی زور زبردستی نہیں)۔

لیکن اس کے برعکس مرتد کو اس کے دین پر باقی نہیں رہنے دیا جائے گا، چنانچہ جو دین اس نے اختیار کیا ہے اس کا حکم اس پر نافذ نہیں ہوگا، پس اگر وہ اہلِ کتاب کا دین اختیار کر لیتا ہے، تو جس طرح دوسرے کتابیوں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے کہ ان کے ذبائح مسلمانوں کے لیے حلال ہوتے ہیں اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا درست ہوتا ہے، مرتد کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جائے گا۔

مرتد اپنے جیسے دوسرے مرتد کا بھی وارث نہیں ہوگا، چنانچہ اگر دو شخص مرتد ہوجائیں اور ان کے درمیان وراثت کا کوئی سبب بھی پایا جاتا ہو، جیسے والد اور اس کا بیٹا، یا بیوی اور اس کا شوہر، اور ان میں سے کسی کا انتقال حالتِ ارتداد ہی میں ہوجائے، تو دوسرا اس کا وارث نہیں ہوگا، اس لیے کہ ان دونوں کو ارتداد پر قائم اور باقی نہیں رہنے دیا جائے گا، اور دوسرے یہ کہ مرتد کا کوئی مذہب اور دین ہی نہیں ہوتا کہ وہ ان دونوں کو جمع کر سکے، اور ارتداد ان میں سے ہر ایک کے دوسرے کے وارث ہونے سے مانع ہے، اسلام کی نظر میں ارتداد ایسا خطرناک جرم ہے جس پر اسلام قتل کی سزا دیتا ہے، لہذا (جس جرم کی ایسی خطرناک سزا ہو) وہ میراث (جو ایک نعمت ہے) کا سبب نہیں بن سکتا، اور مرتد اس کا کسی بھی طرح حق دار نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ وہ مجرم ہے اور اپنے جرم کی وجہ سے کسی بدلہ کا نہیں بلکہ سزا کا حق دار ہے (المغنی ۲۰۶/۶، کشاف القناع ۴۷۸/۴، احکام المیراث فی الشریعۃ الاسلامیۃ ص: ۲۳۸، نظام المواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ ص: ۹۷۸، احکام المواریث بین الفقہ والقانون ص: ۹۳، نظام الارث فی التشریع الاسلامی ص: ۸۴)۔

مسلمان کا مرتد کا وارث ہونا:

اگر کوئی مسلمان دینِ اسلام سے منحرف ہوجائے اور ارتداد کی راہ اختیار کرلے، اور حالتِ ارتداد ہی میں اس کا انتقال ہوجائے، اور اپنے پیچھے مال وجائداد چھوڑ جائے تو مسلمان رشتہ دار اس کے وارث ہوں گے یا نہیں؟ اس سلسلے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں:

پہلا قول:

فقہائے مالکیہ، شوافع، حنابلہ (صحیح قول کے مطابق) اور ظاہریہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر مرتد حالتِ ارتداد ہی میں مرجاتا ہے، یا اسے قتل کردیا جاتا ہے تو اس کا مال مالِ غنیمت سمجھا جائیگا اور بیت المال میں داخل کردیا جائے گا، مسلمان رشتہ دار اس کے وارث نہیں ہوں گے، لیکن واضح رہے کہ جو مال اس نے ارتداد سے پیشتر حاصل کیا تھا، اور جو مال ارتداد کے بعد کمایا ہے (حتی کہ اس کا انتقال ہوگیا یا اسے قتل کردیا گیا یا وہ دار الحرب چلا گیا) دونوں اس حکم میں یکساں اور برابر ہیں، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عباس، اور ایک روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنھم اسی کے قائل ہیں اور ربیعۃ، ابن ابی لیلی، ابوثور اور ابن المنذر کا بھی یہی مسلک ہے (حاشیۃ الدسوقی ۴۸۶/۴، بدایۃ المجتہد ۳۵۳/۲، الکافی لابن البر ۱۰۹۰/۲، الجامع لاحکام القرآن ۴۹/۳، الام ۲۹۱/۴، روضۃ الطالبین ۳۰/۶، نہایۃ المحتاج ۲۷/۶، اسنی المطالب ۱۶/۳، المغنی ۲۰۷/۶، کشاف القناع ص: ۴۸۷، مطالب اولی النھی ۶۰۱/۳، المحلی ۳۰۴/۹، مصنف عبد الرزاق ۱۰۵/۶، التمہید ۱۶۷/۹)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہائے مالکیہ نے یہاں ایک استثنائی شکل بیان کیا ہے، وہ یہ کہ اگر ارتداد کے ذریعہ مرتد کا مقصد مسلم وارثین کو میراث سے محروم کرنا ہو تو اس کے اس ارادہ کے خلاف عمل کیا جائے گا، اور اس کے ورثہ اس کے وارث ہوں گے، اور اس صورت میں اسے میراث سے فرار اختیار کرنے والا سمجھا جائے گا (حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۳۰۴)۔

اور ظاہریہ نے حاصل شدہ مال اور غیر حاصل شدہ مال کے درمیان تفریق کی ہے، بایں معنی کہ اس نے جو مال حاصل کیا ہے وہ بیت المال کا ہے خواہ وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہو جائے یا ارتداد کی حالت میں مرجائے، یا دارالحرب چلا جائے، اور جو مال موت یا قتل تک حاصل نہ ہو وہ اس کے کافر ورثہ کا ہے (المحلی ۹/ ۳۰۴)۔

ان علماء کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱- آیات:

"يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا الكافرين أولياء من دون المؤمنين" (سورۃ النساء: ۱۴۴)۔

"والذين كفروا بعضهم أولياء بعض" (سورۃ الأنفال: ۷۳)۔

"يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم أولياء تلقون إليهم بالمودة" (سورۃ الممتحنۃ: ۱)۔

قرآن کریم کی یہ آیات مؤمن و کافر کے درمیان قرابت اور مناصرت و تعاون کی نفی کرتی ہیں، اور میراث کی بنیاد اسی قرابت اور جذبۂ ہمدردی پر ہے، چنانچہ جب ان کے ساتھ قرابت کی نفی ہوگئی تو میراث کی بھی نفی ہوگئی۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ان آیات میں کسی ایسی چیز کا تذکرہ نہیں ہے جو مسلمان اور مرتد کے درمیان میراث کے عدم جواز کی دلیل بن سکے، اور آیات کے اندر جس قرابت کی نفی وارد ہوئی ہے وہ دراصل مسلمان اور حقیقی کافروں کے درمیان قرابت اور دوستی کی نفی ہے۔ اور مرتد کا کوئی دین نہیں ہوتا، اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ اس آیت کے عموم سے میراث کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، تو اس کے عموم سے حضرت علی، عبداللہ ابن مسعود، معاذ بن جبل اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جیسے کبارِ صحابہ (جو کتاب اللہ کا زیادہ علم رکھتے ہیں) کے تعامل کی وجہ سے مرتد کو اس سے خارج بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور اس آیت کے عموم میں تمام کفار شامل ہوں گے۔ بیان کردہ شکل اس وقت پیش آئے گی جب ان آیات کو ولایت کی نفی کی وجہ سے نفی میراث کی دلیل مانا جائے (احکام الجصاص ۲/ ۱۰۲)۔

۲- حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: نہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا۔

۳- عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: دو مختلف مذہب کے ماننے والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وجہ استدلال: یہ دونوں حدیثیں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ کافر اور مسلمان کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی، اسی طرح مرتد اور کافر بھی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ مسلمان مرتد نہیں ہوتا، بلکہ مرتد شخص اسلام سے اپنا رخ پھیر کر کفر کی روش اختیار کر لیتا ہے جس سے اس کے اور اسکے مسلم رشتہ دار کے درمیان ولایت ختم ہو جاتی ہے، لہذا اس کا مال مسلمانوں کے بیت المال میں رکھ دیا جائے گا، اس لیے کہ مسلمانوں کے لیے اس کی حیثیت مال غنیمت کی سی ہے، تا کہ اس کا مال غیر مملوک نہ رہے، کیونکہ اسلام میں کوئی چیز غیر مملوک نہیں ہوتی (نیل الاوطار ۶/ ۷۴، احکام المیراث فی الشریعۃ الاسلامیۃ ص: ۱۴۴)۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت اسامہؓ کی حدیث میں جس کافر کا تذکرہ ہے اس سے مراد حقیقی کافر ہے، جس کا مذہب ہی کفر ہو، چنانچہ مرتد اس میں شامل نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس کا کوئی مذہب ہی نہیں ہے، اور اس کی دلیل اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان ہے:

"لا يتوارث أهل ملتين شتى" (دو مختلف مذہب کے ماننے والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے)۔

یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ کافر اور مرتد ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور مرتد افراد بھی آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے، لہذا جب "ارتداد" کوئی مذہب ہی نہیں تو مرتد اور ان کے مسلم ورثہ کے درمیان وراثت جاری ہوگی۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مذکورہ حدیث کافر و مسلمان، مسلمان و کافر اور مرتد سب کے درمیان وراثت کے عدمِ ثبوت کے سلسلے میں نص صریح ہے۔ خواہ وہ کسی مذہب کا ماننے والا ہو یا نہ ہو، وہ ارتداد کی وجہ سے کافر ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے اور اس کے مسلم ورثہ کے درمیان وراثت نہیں جاری ہوگی، اور اس کا مال مالِ غنیمت ہوگا۔

۴- حضرت براء بن عازبؓ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں میری ملاقات ماموں سے ہوئی، ان کے ساتھ جھنڈا تھا، میں نے کہا: کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے پاس بھیجا ہے جس نے اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کی بیوی سے شادی کر لی ہے تا کہ میں اس کی گردن مار دوں، یا اسے قتل کر دوں اور اس کا مال لے لوں" (المسند ۳۰/ ۵۲۶، حدیث نمبر: ۱۸۵۵۷، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۴۴۵۷، المستدرک حدیث نمبر: ۲۸۳۰، السنن الکبری للبیہقی حدیث نمبر: ۱۲۳۶۷)۔

وجہ استدلال: جب اس نے اپنے والد کی منکوحہ کو اپنے لیے حلال سمجھا تو وہ شخص اسلام سے منحرف ہو گیا، اور مرتد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرار پایا، چنانچہ نبی ﷺ نے اسے قتل کرنے اور اس کا مال چھیننے کے لیے ایک آدمی روانہ فرمایا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مرتد کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوگی اور اسے مال غنیمت بنا کر بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔

اس پر یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے، اس حدیث کے سلسلے میں کافی کلام ہے (دیکھئے: سنن الترمذی ۳/ ۳۶۴، حدیث نمبر ۱۳۶۲، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۶۰۷، سنن النسائی حدیث نمبر: ۳۳۳۳، المستدرک حدیث نمبر: ۳۸۳۲)۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اور اس کے شواہد بھی پیش کیے ہیں، حاکم نے اس کو امام مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے، اور امام ذہبی نے بھی اس حکم میں ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ البانی نے "الإرواء" میں اس کو صحیح قرار دیا ہے (الارواء ۸/ ۱۸، حدیث نمبر: ۲۳۵۱)، اور اس کے شواہد ذکر کرنے کے ساتھ اس کے متعدد طرق کو بھی جمع کیا ہے۔

اس جواب پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ مرتد کا مال مال غنیمت ہوگا، انہیں قتل کر کے ان کا مال اس لئے لیا جائے گا کہ انہوں نے شرعی طور پر ایک ممنوع چیز کو حلال سمجھا، جس کے نتیجہ میں وہ محارب قرار پایا، اور ان کا مال، مال غنیمت۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جھنڈا تو صرف جنگ و پیکار کے وقت لیا جاتا ہے، اور معاویہ بن قرۃ نے اپنے والد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے والد، معاویہ کے دادا کو اس شخص کے پاس بھیجا جس نے اپنے والد کی منکوحہ سے شادی کر لی تھی اور انہیں حکم دیا کہ وہ انہیں قتل کر دیں، پس انہوں نے اس کی گردن ماری اور اس کا مال چھین لیا (السنن الکبری للبیہقی ۱۲/ ۴۰۸، سنن ابن ماجہ ۳/ ۲۶۲)، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص کا مال محاربہ کی وجہ سے بیت المال میں داخل کر دیا گیا۔ اور اسی وجہ سے اس سے خمس لیا جاتا ہے اور جب یہ مال غنیمت ہے تو ان کے وارثین کا اس صورت میں کوئی حق نہیں ہوگا، کیونکہ اب وہ مال غنیمت ہو چکا ہے (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۱۳۱، العلاقات الاجتماعیۃ ص: ۲۴۴)۔

۵- اور اس لئے بھی کہ مرتد ارتداد کی وجہ سے کافر ہو گیا، چنانچہ مسلمان اس کا وارث نہیں ہوگا، جس طرح حقیقی کافر اس کا وارث نہیں ہوگا اور جو مال اس نے ارتداد سے پہلے کمایا ہے وہ مال بھی تو اسی کا ہی ہے، لہذا ارتداد سے پیشتر حاصل شدہ مال اور حالتِ ارتداد میں حاصل کیا ہوا مال دونوں یکساں ہیں، اس لیے ارتداد سے پیشتر حاصل شدہ مال بھی مالِ غنیمت سمجھا جائے گا، اور وہ اس کے ہم مذہب رشتہ داروں کو نہیں دیا جائے گا، اس لیے کہ یہ نہ تو ان لوگوں کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ لوگ اس کے وارث ہوں گے۔ اس لیے کہ یہ حکم میں ان لوگوں سے مختلف ہے (التمہید ۹/ ۱۶۷، المغنی ۶/ ۲۰۸، مغنی المحتاج ۳/ ۲۵)۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ مرتد کو کافر پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے، اس لیے کہ ارتداد سے پیشتر حاصل شدہ مال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر مرتد کی ملکیت صحیح اور درست ہے، لہذا اس کو بھی مالِ غنیمت شمار کرنا درست نہیں ہے۔ مسلمانوں کے اموال کو انتقال کے بعد بیت المال میں اس لیے داخل نہیں کیا جاتا ہے، کیونکہ ان کی ملکیت اپنے اموال پر تام اور درست ہوتی ہے۔ اور اگر ارتداد کے بعد حاصل کیے ہوئے مال کو خدا اور رسول کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کی وجہ سے مالِ غنیمت بنانا جائز ہے تو وہ حربی کی طرح ہو گیا، اور اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرتد کا مال کافر کے مال سے مختلف ہے، اس لیے کہ مرتد نے جو روش اختیار کی ہے، اس پر اسے قائم نہیں رہنے دیا جاتا ہے، اور نہ ہی وہ کسی مرتدہ سے شادی کرنے کا روادار ہے۔ اور اس کا ذبیحہ کھانا بھی درست نہیں ہے، جبکہ کافر کا حکم یہ نہیں ہے، بلکہ اس سے مختلف ہے (العلاقات الاجتماعیہ/ص ۲۴۴)۔

دوسرا قول:

امام ابو یوسف، امام محمد اور ایک روایت کے مطابق حنابلہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مرتد اگر حالتِ ارتداد ہی میں انتقال کر جائے، یا اسے قتل کر دیا جائے تو اس کا مال اس کے مسلم ورثہ کو ملے گا، خواہ وہ مال اس نے ارتداد سے پہلے کمایا ہو یا اس کے بعد۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے، اور سعید بن المسیب، جابر بن زید، حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، عطاء، شعبی، اوزاعی، نخعی، ابن شبرمۃ، اسحاق، حماد بن ابی سلیمان، حکم بن عتیبۃ، لیث بن سعد بھی اسی کے قائل ہیں، اور علامہ ابن قیم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (المبسوط ۳۰/۷، شرح فتح القدیر ۶/۷۵، حاشیہ ابن عابدین ۴/۲۴۸، الاختیار ۴/۱۴۶، المغنی ۶/۲۰۸، المحرر فی الفقہ ۲/۱۳، المعتمد ۲/۱۰۱، احکام القرآن ۲/۱۲۸، المفہم ۴/۵۶۸، الجامع لاحکام القرآن ۳/۴۹، المحلی ۹/۳۰۷، مصنف عبدالرزاق ۶/۱۰۵، مصنف ابن ابی شیبۃ ۶/۲۸۱، احکام اہل الذمۃ ۲/۴۶۳)۔

ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین" (سورہ نساء: ۱۱)۔

وجہ استدلال: آیت کا ظاہری مفہوم اس بات کا متقاضی ہے کہ مسلمان کو مرتد کا وارث بنایا جائے، اس لیے کہ مسلمان اور مرتد کے مابین کسی تفریق کا کوئی ذکر نہیں ہے (احکام القرآن ۲/۱۲۹)۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ آیت عام ہے، حضرت اسامہؓ کی حدیث "لا یرث المسلم الکافر" سے اس عموم کی تخصیص ہوتی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کافر کے مسلمان کے وارث ہونے کی تخصیص کی گئی ہے، اور مرتد کافر ہے، اس لیے اس کے مسلم ورثہ اس کے وارث نہیں ہوں گے۔ یہ حدیث اگرچہ اخبارِ آحاد میں سے ہے، لیکن امت نے اس حدیث کو تسلیم کیا ہے، اور کافر و مسلمان کے درمیان وراثت کے عدمِ ثبوت کے سلسلے میں اس پر عمل بھی ہے۔ لہذا یہ حدیث حکماً متواتر ہے (احکام القرآن ۲/۱۲۹، العلاقات الاجتماعیۃ ص: ۲۴۵)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت اسامہؓ کی حدیث کے بعض الفاظ یہ بھی ہیں: "لایتوارث أهل ملتين ولا يرث المسلم الكافر" (المستدرک ۲/۶۱۹، سنن البیہقی ۹/۲۵۸، تلخیص الحبیر ۳/۸۴)، چنانچہ یہ وضاحت کردی گئی کہ اصل مقصد دومختلف مذاہب کے ماننے والوں کے مابین وراثت کو ساقط کرنا ہے، اور ارتداد کوئی مذہب نہیں ہے، کوئی شخص نصرانی یا یہودی ہی کیوں نہ ہوجائے، اسے اس کے مذہب پر باقی نہیں رہنے دیا جائے گا، اور اس پر اس مذہب کا حکم جاری نہیں ہوگا جو اس نے اسلام سے منحرف ہوکر اختیار کیا ہے، اسی وجہ سے نہ تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا، اور اگر عورت ہے تو نہ ہی اس سے نکاح درست ہوگا۔ اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ "ارتداد" کوئی مذہب نہیں ہے، اور حضرت اسامہؓ کی حدیث دومختلف مذاہب کے ماننے والوں کے مابین وراثت کی ممانعت پر منحصر ہے، ایک دوسری صریح حدیث میں اس کی وضاحت یوں آئی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا يتوارث أهل ملتين شتى، لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم" یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ اس میں نبی ﷺ کا اصل مقصد دومختلف مذاہب کے ماننے والوں کے مابین وراثت کی ممانعت ہے (احکام القرآن ۲/۱۲۹، المغنی ۶/۲۰۸)۔

۲- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وأولوا الأرحام بعضهم أولياء ببعض في كتاب الله" (سورہ انفال: ۷۵)۔

وجہ استدلال: آیتِ کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اولوالارحام ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور اس میں مرتد اور غیر مرتد کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے، اس لیے کہ رحم کا رشتہ مرتد اور اس کے مسلم اقرباء کے درمیان اب بھی قائم ہے، اور جب رحم کا رشتہ باقی ہے تو یہ ان کی وراثت کے بقا کا سبب ہوگا۔

۳- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إن امرء هلك ليس له ولد وله أخت فلها نصف ما ترك" (سورہ نساء: ۱۷۶)۔

(اگر کوئی شخص ہلاک ہوجائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو، اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کو ترکہ میں نصف حصہ ملے گا) اور مرتد ہالک ہے، اس لیے کہ اس نے ایک ایسا جرم کیا ہے جس کی وجہ سے وہ قتل کا سزاوار ہے، چنانچہ وہ ہالک ہے (المبسوط ۱۰/۱۰۰)۔

۴- ابوالاسود دؤلی سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت معاذ بن جبلؓ نے اس شخص کے سلسلے میں جس کا حالتِ ارتداد میں انتقال ہوا تھا، اور ایک بیٹا چھوڑا تھا فیصلہ فرماتے ہوئے اس کے بیٹے کو اس کا وارث بنایا، اور فرمایا: میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا "الإسلام يزيد ولاينقص" (تخریج پیچھے گزرچکی ہے) اسلام اضافہ کرتا ہے، کمی نہیں کرتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵-سنت متواترہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نبی ﷺ ظاہری احکام میں منافق زنادقہ کے ساتھ میراث کے سلسلے میں مسلمانوں کا سا سلوک کرتے تھے، عبداللہ بن ابی اور دوسرے بہت سے منافقین کا انتقال ہوا جن کے نفاق کی گواہی خود قرآن نے دی، اور نبی ﷺ کو ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے اور ان کے لیے استغفار کرنے سے روکا گیا، لیکن ان کے مسلم ورثاء ان کے وارث ہوئے، جس طرح عبداللہ بن ابی اپنے مسلم ورثاء کا وارث ہوا حالانکہ وہ مرتد تھا، اگرچہ بظاہر منافق تھا، اس لیے کہ ایمان کے بعد اس کے کفر کی گواہی خود اللہ نے دی ہے، اور اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: "إن الذین آمنوا ثم کفروا" (یقیناً جو لوگ ایمان لائے، پھر کفر کی روش اختیار کر لی) اللہ کے نبی ﷺ نے کسی بھی منافق کے ترکہ میں سے کچھ بھی نہیں لیا۔ اور نہ ہی اس کو مال غنیمت بنایا بلکہ ان کے ورثاء کو دے دیا۔ یہ بات حتمی طور پر معروف ہے (احکام اہل الذمۃ ۲/ ۴۶۲، المبسوط ۱۰/ ۱۰۰)۔

۶-ابوعمر الشیبانی حضرت علیؓ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں: وہ مستورد عجلی کو لے کر آئے جو مرتد ہو گیا تھا، اس کے سامنے اسلام پیش کیا، اس نے انکار کر دیا، تو اس کو قتل کر دیا، اور اس کی میراث اس کے مسلم ورثاء کے درمیان تقسیم کر دی (مصنف عبدالرزاق ۹/ ۵۶۲، سنن البیہقی ۹/ ۳۴۳، سنن سعید بن منصور ۱/ ۱۰۱، مصنف ابن ابی شیبہ ۶/ ۲۸۱، سنن الدارمی ۲/ ۴۲۹)۔

۷-حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ ان کے پاس ایک بوڑھے آدمی کو لایا گیا، جو نصرانی تھا، اس نے اسلام قبول کیا تھا پھر مرتد ہو گیا، حضرت علیؓ نے اس سے کہا: غالباً تم نے ارتداد کی راہ اس لیے اختیار کی تا کہ تم میراث حاصل کر لو پھر اسلام میں دوبارہ داخل ہو جاؤ۔ اس نے کہا: نہیں، حضرت علی نے فرمایا: تم نے کسی عورت کو نکاح کا پیغام دیا لیکن ان کے اولیا نے اس کے ساتھ شادی کرانے سے انکار کر دیا، تو تم اس سے شادی کرنے کے ارادے سے مرتد ہوئے تا کہ شادی کے بعد تم پھر داخل اسلام ہو جاؤ۔ اس نے کہا نہیں، حضرت علیؓ نے کہا: تم دوبارہ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اس نے کہا: نہیں، حتی کہ مسیح سے جا ملوں۔ حضرت علیؓ نے اس کی گردن زدنی کا حکم دیا، چنانچہ اس کی گردن ماردی گئی اور اس کا ترکہ اس کی مسلم اولاد کے درمیان تقسیم کر دیا گیا (مصنف عبدالرزاق ۹/ ۵۶۲، سنن البیہقی ۶/ ۲۵۴، المحلی ۱۱/ ۱۹۷)۔

۸-قاسم بن محمدؒ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مرتد کو قتل کر دئے جانے کی صورت میں اس کے رشتہ داروں کو وارث بناتے تھے (مصنف عبدالرزاق ۹/ ۵۶۲، سنن البیہقی ۶/ ۲۵۵، سنن الدارمی ۲/ ۴۲۹)۔

۹-زید بن ثابتؓ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے اہلِ ارتداد کی طرف روانہ کیا، تا کہ میں ان کے اموال کو ان کے مسلم ورثاء کے درمیان تقسیم کر دوں (المغنی ۶/ ۳۰۸، آثار صحابہ پر مشتمل کتابوں میں یہ روایت نہیں مل سکی)۔

متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو روایات منقول ہیں وہ اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ مرتد کے مسلم ورثاء ہی دوسروں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بالمقابل اس کے ترکہ کے زیادہ حقدار ہیں اور اسلام کے ابتدائی دور میں وہ وارث بھی ہوتے تھے (بدائع الصنائع ج ۷، ص: ۱۳۸، احکام القرآن للجصاص ج ۱، ص: ۱۲۹)۔

۱۰۔ مسلم رشتہ داروں سے مرتد کی جو قرابت ہے اس کے بابت وہی اس کے مال کے زیادہ حقدار ہیں، اس لیے کہ وہ دو سبب کی بنیاد پر اس سے تعلق رکھتے ہیں، اولاً اسلام اور ثانیاً قرابت، اور جہاں تک دوسرے مسلمانوں کا تعلق ہے جن کی مرتد سے کوئی قرابت نہیں وہ صرف ایک سبب رکھتے ہیں، اور وہ ہے مسلمان ہونا۔ لہذا دو سبب والا استحقاقِ وراثت میں ایک سبب والے سے زیادہ حقدار ہے، اس لیے اسے ترکہ کا وارث بنانا زیادہ اولی اور بہتر ہے (المبسوط ۱۰/۱۰۱، شرح فتح القدیر ۶/۷۵، احکام القرآن للجصاص ۱/۱۲۹)۔

تیسرا قول:

امام ابوحنیفہ، امام ثوری، لؤلؤی اور اسحاق رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ مرتد اگر حالتِ ارتداد میں مرجائے یا قتل کردیا جائے یا دار الحرب چلا جائے اور قاضی اس کے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ دیدے تو جو مال اس نے ارتداد سے پہلے حاصل کیا ہے وہ اس کے مسلم ورثاء کا ہوگا، جبکہ ارتداد کے بعد حاصل کیا ہوا مال مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کردیا جائے گا (المبسوط ۱۰/۳۰۳، شرح فتح القدیر ۶/۷۵، حاشیۃ ابن عابدین ۴/۲۴۸، الاختیار ۴/۱۶، احکام القرآن للجصاص ۱/۱۲۸)۔

دلائل: ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ وراثت دراصل ملکیت کی نیابت کا نام ہے، اور ارتداد بقائے ملکیت کے منافی ہے، اس لیے بطریقِ اولی ارتداد ثبوت ملکیت کے منافی ہوگا، چنانچہ حالتِ اسلام میں اس نے جو مال حاصل کیا ہے وہ اس کی ملکیت سمجھا جائے گا، اور جب اس مال سے اس کا حق منقطع ہوجائے (انتقال وغیرہ کے ذریعہ) تو اس کا وارث اس کا نائب ہوگا اور حالتِ ارتداد میں حاصل شدہ مال اس کی ملکیت شمار نہیں ہوگا، اس لیے کہ حصولِ مال کے وقت ملکیت کا منافی (ارتداد) موجود ہے، اور اس کی موت کے بعد اس کا مال ضائع رہے گا، اس لیے اسے بیت المال میں داخل کردیا جائے گا (المبسوط ۱۰/۱۰۱)۔

اور اس لیے بھی کہ زمانۂ اسلام کی کمائی میں توریث کی نسبت اول ارتداد کی طرف کرنا ممکن ہے، کیونکہ سبب محل میں کام کرتا ہے اور اول ارتداد کے وقت محل موجود تھا، اور جہاں تک حالت ارتداد کی کمائی میں توریث کی نسبت کی بات ہے تو یہ نا ممکن ہے، کیونکہ اس کمائی میں سبب کے ساتھ محل معدوم ہے اور اگر اس میں توریث کا حکم ثابت بھی ہوگا تو وہ موجودہ حال پر موقوف رہے گا، اور اکتساب کے بعد چونکہ وہ کافر ہے، اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا، لہذا یہ حکم اس وقت تک موقوف رہے گا جب تک کہ اس کا اسلام تسلیم نہ کرلیا جائے، چنانچہ جب یہ سبب زائل ہوجائے بایں طور کہ وہ مرجائے یا اس کو قتل کردیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائے تو اس کی حیثیت اس حربی کی کمائی کی طرح ہے جس کا کوئی امان نہ ہو، اور اسے بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا، اور جب ہم اس کی موت یا قتل کے بعد اس کے مال کو بیت المال میں داخل کر دیں گے، تو وہ دیگر جنگی سامان کی طرح مال غنیمت ہو جائے گا، اور جو مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا جاتا ہے وہ چونکہ اسلام کی وجہ سے بیت المال کا حق ہوتا ہے، اس لیے کوئی دوسرا اس کا مستحق نہیں ہوسکتا، چنانچہ اس میں نسب کی قرابت اور اسلام کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، جس طرح حالتِ اسلام میں حاصل شدہ مال کے سلسلے میں ہم نے اس کا اعتبار کیا ہے (المبسوط ۱۰/ ۱۰۲، شرح فتح القدیر ۶/ ۷۶، احکام القرآن ۲/ ۱۲۸)۔

اس دلیل پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ارتداد سے پیشتر اور ارتداد کے بعد حاصل شدہ مال کے درمیان تفریق کمزور اور بے بنیاد ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں، لہذا جو شخص مسلمان کے اس مال کا وارث نہیں ہوتا جو اس نے مباح الدم ہونے کی حالت میں کمایا ہے، وہ اس کے اس مال کا بھی وارث نہیں ہوگا جب اس کی جان محفوظ اور اس کا خون قابل قصاص تھا۔ جس طرح ذمی کا حکم ہے جبکہ وہ دارالحرب چلا جائے (الخلاصۃ فی علم الفرائض ص: ۱۷۱)۔

چوتھا قول:

فقہاء حنابلہ کی تیسری روایت کے مطابق ان کا رجحان اس طرف ہے کہ اگر مرتد حالت ارتداد میں مر جائے یا اس کو قتل کر دیا جائے تو اس کا مال ان لوگوں کو مل جائے گا جس کا دین اس نے اختیار کیا ہے، بشرطیکہ اس میں اس کا کوئی وارث موجود ہو، اور اگر کوئی وارث موجود نہ ہو تو وہ بیت المال میں مالِ غنیمت کے طور پر داخل کر دیا جائے گا۔ قتادۃ، عمر بن عبد العزیز، علقمہ، سعید بن ابی عروبہ اور داؤد ظاہری وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے (المغنی ۶/ ۲۰۸، المحرر فی الفقہ ۲/ ۱۳، ۴، المبدع ۶/ ۲۳۴، مطالب اولی النہی ۶/ ۱۰۳، المحلی ۹/ ۳۰۵، احکام القرآن ۲/ ۱۲۹، فتح الباری ۱۲/ ۶۳)۔

ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**والذين كفروا بعضهم أولياء بعض**" (سورہ انفال: ۷۳)۔

(اور کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور قریبی ہیں)۔

وجہ استدلال: یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کی کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور قریبی ہیں اور میراث کی بنیاد قرابت اور موالات ہے، مرتد کافر ہے، اس کے کفار ورثاء جن کا اس نے مذہب اختیار کیا اس کے زیادہ حقدار ہیں، چنانچہ یہ لوگ اس کے وارث ہوں گے اور وہ ان کا وارث ہوگا (المغنی ۶/ ۲۰۸، المحلی ۹/ ۳۰۷)۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آیت میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ مرتد کے کافر ورثاء اس کے وارث ہوں گے، زیادہ سے زیادہ یہ آیت اس بات کی دلیل بن سکتی ہے کہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور قریبی ہیں، ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرے کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہیں اور ولایت (دوستی) کا میراث میں کوئی دخل نہیں، اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ کفار کے درمیان آپس میں وراثت جاری ہوگی، تو یہ حکم دراصل حقیقی کفار کے درمیان دائر ہوگا، رہی بات مرتد کی تو اس کا تو کوئی مذہب ہی نہیں ہوتا، لہذا اس کے اور اس کے کفار ورثہ کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی۔ چونکہ اسے حالت کفر پر باقی نہیں رہنے دیا جائے گا، اس لیے اس نے جو مذہب اختیار کیا ہے اس کا حکم اس پر نافذ نہیں ہوگا۔

۲۔ حضرت اسامہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" (تخریج گزر چکی ہے)۔

وجہ استدلال: ذکر کردہ حدیث کے مفہوم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک کافر دوسرے کافر کا وارث ہوگا، اور مرتد کافر ہے، اس لیے اس کے کافر ورثاء اس کے وارث ہوں گے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ جو کافر نہ خود وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص اس کا وارث ہوسکتا ہے، اس سے مراد حقیقی اور اصلی کافر ہے اور مرتد کا کوئی دین نہیں ہوتا، لہذا اس کے ہم مذہب کفار اس کے وارث نہیں ہوں گے۔

۳۔ مرتد اور اس کے ہم مذہب کفار کا دین تو ایک ہی ہے، اور ضلالت و گمراہی میں دونوں شریک ہیں، لہذا دیگر کافروں کی طرح وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے (المغنی ۶/۲۰۸، المحلی ۹/۳۰۷)۔

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مرتد کا حکم حقیقی کافر سے مختلف ہے، اس لیے کہ مرتد کو اس کے مذہب پر باقی نہیں رہنے دیا جاتا ہے، اور اس کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے، برخلاف حقیقی کافر کے، اس سے یہ پتہ چلا کہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لہذا حقیقی کافر اس کا وارث نہیں ہوگا جس طرح مرتد اس کا وارث نہیں ہوگا۔

راجح قول:

اس مسئلہ میں سب سے بہتر اور راجح (واللہ أعلم بالصواب) دوسرا قول ہے۔ وہ یہ کہ مرتد کا مال اور اس کی جملہ میراث مسلمان ورثاء کی ہوگی، خواہ اس نے وہ مال ارتداد سے پہلے حاصل کیا ہو یا اس کے بعد، اس لیے کہ سابقہ قرابت کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں وہی اس کے زیادہ حقدار ہیں، مرتد نے ارتداد کے ذریعہ ایک جرم عظیم کیا، لیکن اس کا وبال خود اس پر ہوگا، اس کا اثر اس کے ان مسلم ورثاء پر نہیں پڑے گا جن کا اس میں کوئی گناہ ہی نہیں ہے اور انہیں اس کے مال سے محروم کرنا ان کے لیے ضرر رسانی کا باعث ہے، اور نبی ﷺ فرماتے ہیں: "لا ضرر ولا ضرار" (موطا ج ۲، ص: ۱۸۱، حدیث نمبر: ۲۳۵۵، سنن ابن ماجۃ ج ۲، ص: ۲۵۸، حدیث نمبر: ۲۳۴۰، المستدرک ج ۲، ص: ۶۸، ۳، حدیث نمبر: ۲۳۹۲) (نہ کوئی نقصان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اٹھانا ہے اور نہ کسی کو نقصان پہنچانا ہے) اور اس کے مسلم ورثاء کا کبھی کبھی اس سرمایہ کے جمع کرنے اور اس کو وجود میں لانے میں کافی حصہ اور شراکت ہوتی ہے، لیکن اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا ترکہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔

خاتمہ

یہ مقالہ اختتام پذیر ہونے کو ہے۔ جس میں میں نے حتی الوسع اپنی کوشش صرف کی ہے، اور چونکہ یہ موضوع وسیع اور مختلف پہلوؤں کا حامل ہے، اس لیے میں یہاں اس کے تمام پہلوؤں کو زیرِ بحث لانا نہیں چاہتا، البتہ اس مقالہ کے ذریعہ میں جن نتائج تک پہنچا ہوں ذیل میں ان کی تلخیص پر اکتفا کرتا ہوں:

۱- اختلاف دین کا مطلب یہ ہے کہ میت کا مذہب اور اس شخص کا مذہب جس کے ساتھ وراثت کا کوئی سبب (مثلاً زوجیت وقرابت وغیرہ) قائم ہو مختلف ہو، اس طور پر کہ وارث مسلمان ہو اور مورث نصرانی ہو یا اس کے برعکس ہو۔

۲- تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اختلاف دین من جملہ موانع وراثت میں سے ایک مانع ہے، لیکن بعض مسائل میں اختلاف ہے، مثلاً: مسلمان کا کافر کے وارث ہونے اور مسلمان کا اپنے کسی قریبی مرتد کے وارث ہونے کا مسئلہ۔

۳- تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کے ترکہ میں سے کسی بھی چیز کا وارث نہیں ہوگا، اگرچہ وراثت کا متقاضی سبب زوجیت یا قرابت ہی کیوں نہ ہو، اور کافر تقسیم ترکہ کے وقت تک حالتِ کفر پر قائم رہا ہو، اور ہر وارث نے ترکہ میں سے اپنا حصہ لے لیا ہو۔

۴- مسلمان کے اپنے کسی قریبی کافر کے وارث ہونے کے سلسلے میں اختلاف دین کا کوئی اثر نہ ہوگا، چنانچہ مسلمان اپنے کافر رشتہ دار کا وارث ہوگا، ابن قیم اور ابن تیمیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور یورپ کی افتاء کونسل نے بھی اسی کا فتوی دیا ہے۔

۵- احادیث صحیحہ جو عموماً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسلمان کو کافر کا وارث نہیں بنایا جائے گا، وہ ظاہری مصلحت کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لیے کہ کافر کے مسلم اقرباء کو اس کا وارث بنانا اسلام لانے کا ارادہ رکھنے والے کے لیے اسلام کی طرف رغبت کا باعث ہے۔

۶- حضرت اسامہؓ کی حدیث "لایرث المسلم الکافر" حربی پر محمول کی جائے گی۔ اس روایت اور حضرت معاذؓ کی حدیث: "نحن نرث الکافرین ونحجبهم، ولا یرثونا ولایحجبونا" کے درمیان تطبیق یوں دی جائے گی کہ جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا اس میں کافر کو ذمی پر محمول کیا جائے گا، اور یہی تطبیق کی بہترین راہ ہے۔ اور اس طرح ان دونوں کے درمیان کوئی تعارض باقی نہ رہے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷-مسلمان کا اپنے قریبی کافر کا وارث ہونا نہ تو شریعت اسلامیہ کی بنیادوں کے خلاف ہے اور نہ ہی میراث کے اصولوں سے متصادم، میراث کی بنیاد تو نصرت اور باہمی قرابت ہے، نہ کہ عقیدہ، اور کبھی اس کی مصلحت ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی مصلحت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

۸-مسلمان کے اپنے کسی قریبی کافر کے وارث ہونے کے سلسلے میں اختلاف دین کا کوئی اثر نہ ہوگا، جبکہ وہ تقسیم ترکہ سے پہلے اسلام لے آیا ہو، اس لیے کہ اس صورت میں ثبوتِ وراثت کے سلسلے میں احادیث صحیحہ وصریحہ ہیں، لہذا جو شخص تقسیم میراث سے پیشتر اسلام لے آئے تو میراث میں اس کا بھی حصہ ہوگا، چونکہ یہ احادیث خاص ہیں، اس لیے انہیں ان احادیث پر مقدم رکھا جائے گا جو اختلاف دین کی وجہ سے ممانعتِ وراثت کے سلسلے میں عام ہیں۔

☆ ☆ ☆

مراجع ومصادر

اول-قرآن کریم وعلوم قرآن:

۱- احکام القرآن (ابوبکر محمد بن عبداللہ معروف بہ ابن العربی، تحقیق: علی محمد بجاوی، ط: بیروت، دار الفکر)۔

۲- احکام القرآن (ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص، ط: اسکندریہ، المکتب الجامعی الحدیث)

۳- تفسیر القرآن العظیم (ابوالفداء اسماعیل بن کثیر قرشی دمشقی، ط: القاہرہ، دار الحدیث، ۱۴۰۸ھ)۔

۴- تفسیر الخازن المسمی لباب التنزیل فی معانی التنزیل (علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی مشہور بہ خازن، ط: بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ)۔

۵- تفسیر النسفی المسمی مدارک التنزیل وحقائق التاویل (امام عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی، ط: بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۵ھ)۔

۶- الجامع لاحکام القرآن (ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی، ط: بیروت، موسسۃ مناہل العرفان)۔

۷- جامع البیان عن تاویل آی القرآن (ابوجعفر محمد بن جریر طبری، ط: بیروت، دار الفکر)۔

۸- المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز (عبدالحق بن غالب بن عطیۃ اندلسی، ط: بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۳ھ)۔

دوم-حدیث وعلوم حدیث:

۱- احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام (ابوالفتح تقی الدین محمد بن الشیخ ابی الحسن علی ابن وہب قشیری، ط: بیروت، دار الکتب العلمیۃ)۔

۲- الادب المفرد (ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، ط: امارات، المطبعۃ العصریۃ، ۱۴۰۱ھ)۔

۳- ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل (محمد ناصر الدین البانی، ط: بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۴۰۵ھ)۔

۴- الاستذکار (ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر نمری اندلسی، ط: ابوظبی، موسسۃ الندی، ۱۴۲۳ھ)۔

۵- الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (احمد بن علی بن حجر عسقلانی، ط: بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۵ھ)۔

۶- الاعلام بفوائد عمدۃ الاحکام (ابوحفص عمر بن علی بن احمد انصاری شافعی معروف بہ ابن ملقن، ط: ریاض، دار العاصمۃ، ۱۴۲۱ھ)۔

۷- البحر الزخار معروف مسند بزار (ابوبکر احمد بن عمر بن عبدالخالق عتکی بزار، ط: بیروت، موسسۃ علوم القرآن، ۱۴۰۹ھ)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸- التعلیق المغنی علی الدار القطنی بہامش سنن الدار قطنی (ابو الطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی، ط: بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۳ھ)۔

۹- تلخیص الکبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر (احمد بن علی بن حجر عسقلانی، ط: قاہرہ، شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المتحدۃ، ۱۳۸۴ھ)۔

۱۰- تہذیب التہذیب (احمد بن علی بن حجر عسقلانی، ط: حیدر آباد، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ)۔

۱۱- الجامع الصحیح المسمی بسنن الترمذی (ابو عیسی محمد بن محمد بن عیسی بن سورۃ ترمذی، ط: مصر، مطبعۃ مصطفیٰ بابی حلبی، ۱۳۸۸ھ)۔

۱۲- الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر (حافظ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، ط: بیروت، دار الکتب العلمیۃ)۔

۱۳- سبل السلام شرح بلوغ المرام (محمد بن اسماعیل بن صلاح الدین امیر کحلانی صنعانی، ط: ریاض، مطبوعات جامعۃ الامام)۔

۱۴- سنن ابن ماجہ (ابو عبد اللہ محمد بن ماجہ قزوینی، ط: استانبول، المکتبۃ الاسلامیۃ)۔

۱۵- سنن ابی داؤد (سلیمان بن اشعث سجستانی ازدی، ط: ریاض، مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ)۔

۱۶- سنن الدار قطنی (علی بن عمر دار قطنی، ط: قاہرہ، دار المحاسن للطباعۃ)۔

۱۷- سنن الدارمی (ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن داری، ط: بیروت، دار ابن حزم)۔

۱۸- سنن سعید بن منصور (سعید بن منصور بن شعبۃ خرسانی مکی، ط: بیروت، دار الکتب العلمیۃ)۔

۱۹- السنن الکبری (ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، ط: حیدر آباد، مطبعۃ دار المعارف، ۱۳۵۳ھ)۔

۲۰- سنن الکبری (ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی نسائی، ط: بیروت، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ، ۱۴۰۶ھ)۔

۲۱- سنن النسائی الصغری (ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی نسائی، ط: ریاض، در السلام، ۱۴۲۰ھ)۔

۲۲- صحیح ابن خزیمۃ (ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمۃ سلمی، ط: دمشق، المکتب الاسلامی، ۱۴۲۴ھ)۔

۲۳- صحیح ابن ماجۃ (محمد ناصر الدین البانی، ط: ریاض، مکتبۃ المعارف، ۱۴۲۱ھ)۔

۲۴- صحیح البخاری (ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، ط: بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۲ھ)۔

۲۵- صحیح مسلم (ابو الحسین مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری نیساپوری، ط: ریاض، دار السلام، ۱۴۱۹ھ)۔

۲۶- فتح الباری شرح صحیح البخاری (احمد بن علی بن حجر عسقلانی، ط: بیروت، دار الفکر)۔

۲۷- الفتح الربانی بترتیب مسند الامام احمد احمد بن عبد الرحمٰن البنا، ط: قاہرہ، دار الحدیث

۲۸- الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار (ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن ابی شیبۃ، ط: بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۶ھ)۔

۲۹- المستدرک علی الصحیحین فی الحدیث (ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیسابوری، ط: بیروت، دار الکتاب العربی)۔

۳۰- مسند الامام احمد (احمد بن محمد بن حنبل شیبانی، ط: مصر، دار المعارف)۔

۳۱- المصنف (ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، ط: انڈیا، المجلس العلمی، ۱۳۹۳ھ)۔

۳۲- المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم (ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی، ط: دمشق، دار ابن کثیر، ۱۴۱۷ھ)۔

۳۳- المنتقی شرح موطا امام مالک (ابو الولید سلیمان بن خلف معروف بہ باجی، ط: بیروت، دار الکتاب العربی، ط:۲، ۱۳۳۲ھ)۔

۳۴- الموطأ (مالک بن انس بن مالک اصبحی، ط: بیروت، دار احیاء الکتب العربیۃ، ۱۳۷۰ھ)۔

۳۵- نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار من احادیث سید الاخیار (محمد بن علی بن محمد شوکانی، ط: بیروت، دار القلم)۔

سوم-فقہ اسلامی:

فقہ حنفی:

۱- الاختیار لتعلیل المختار عبد اللہ بن محمود بن مودود موصلی، ط: بیروت، دار المعرفۃ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن بکر معروف بہ ابن نجیم، ط: بیروت، دار المعارف۔
۳۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی، ط: مصر، مطبعۃ الامام۔
۴۔ حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار، محمد امین بن سید عمر عابدین، ط: بیروت، دار الفکر، ۱۳۸٦ھ۔
۵۔ شرح فتح القدیر علی الہدایۃ، کمال الدین محمد بن عبد الواحد معروف بہ ابن ہمام، ط: بیروت، دار احیاء التراث۔
٦۔ الدر المنتقی شرح الملتقی، محمد علاء الدین بن شیخ بن علی حصکفی، ط: بیروت، دار احیاء التراث العربی۔
۷۔ الفتاوی الہندیہ، شیخ نظام و جماعت علماء، ط: بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۱ھ۔
۸۔ المبسوط محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی، ط: بیروت، دار المعرفۃ۔
۹۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، عبد الرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان مدعو بہ شیخ زادہ، ط: بیروت، دار الطباعۃ العامرۃ۔
۱۰۔ الہدایۃ شرح البدایۃ، برہان الدین علی بن ابی بکر راشدانی مرغینانی، ط: دمشق، المکتبۃ الاسلامیۃ۔

فقہ مالکی:

۱۔ اسہل المدارک شرح ارشاد السالک فی فقہ امام الائمۃ، مالک ابوبکر بن حسن شناوی، ط: بیروت، دار الفکر۔
۲۔ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، ابو الولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی، ط: بیروت، دار المعرفۃ، ۱۳۹۸ھ۔
۳۔ بلغۃ السالک لاقرب المسالک، احمد بن محمد صاوی، بیروت، دار الفکر۔
۴۔ البہجۃ فی شرح التحفۃ، ابو الحسن علی بن عبد السلام، ط: بیروت، دار الفکر۔
۵۔ التاج والاکلیل لمختصر خلیل، ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن ابی قاسم عبدری مشہور بہ مواق، ط: بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۲ھ۔
٦۔ شرح الخرشی علی مختصر سیدی خلیل، ابو عبد اللہ محمد الخرشی، ط: بیروت، دار الفکر۔
۷۔ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، محمد عرفۃ دسوقی، ط: مصر، دار الفکر۔
۸۔ شرح الزرقانی علی مختصر سیدی خلیل، محمد عبد الباقی بن یوسف بن احمد زرقانی، ط: بیروت، دار الفکر۔
۹۔ الشرح الصغیر علی اقرب المسالک، ابو البرکات احمد بن محمد دردیر، ط: بیروت، دار الفکر۔
۱۰۔ الفروق، ابو العباس احمد بن ادریس صنہاجی معروف بہ قرافی، ط: بیروت، عالم الکتاب۔
۱۱۔ القوانین الفقہیۃ، ابو القاسم محمد بن احمد بن جزی کلبی غرناطی، ط: ج۔
۱۲۔ الکافی فی فقہ اہل مدینۃ المالکی، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر نمری قرطبی، ط: بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۷ھ۔
۱۳۔ مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن مغربی معروف بہ حطاب، ط: بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۲ھ۔

فقہ شافعی:

۱۔ اسنی المطالب فی شرح روض الطالب، ابو یحیی زکریا انصاری، ط: بیروت، المطبعۃ المیمنیۃ۔
۲۔ الام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی، ط: بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۳ھ۔
۳۔ حاشیۃ الشیخ، ابراہیم بیجوری ابراہیم بن محمد بن احمد بیجوری، ط: بیروت، دار الفکر۔
۴۔ روضۃ الطالبین عمدۃ المفتین، محی الدین ابو زکریا یحیی بن شرف نووی دمشقی، ط: بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۴۰۵ھ۔
۵۔ زاد المحتاج بشرح المنہاج، عبد اللہ بن شیخ حسن حسن کوہجی، ط: قطر، الشؤون الدینیۃ۔
٦۔ الغیاثی، غیاث الامم فی التیاث الظلم ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ جوینی، ط: مصر، مطبعۃ نہضۃ، ۱۴۰۱ھ۔
۷۔ فتح الوہاب بشرح منہج الطلاب، ابو یحیی زکریا بن محمد انصاری، ط: بیروت، دار الفکر۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸- المجموع شرح المہذب، محی الدین ابوزکریا یحیی بن شرف نووی دمشقی، ط: مصر مطبعۃ الامام۔
۹- مغنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنہاج علی متن منہاج الطالبین، محمد بن احمد شربینی خطیب، ط: دمشق، المکتب الاسلامی۔
۱۰- نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، شمس الدین محمد بن ابی العباس بن شہاب الدین رملی مشہور بہ شافعی الصغیر، ط: بیروت، دارالفکر، ۱۴۰۴ھ۔

فقہ حنبلی:

۱- احکام اہل الذمۃ، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن قیم جوزیۃ، ط: بیروت، دارالعلم الملایین، ۱۴۱۴ھ۔
۲- الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل، شرف الدین موسیٰ حجاوی مقدسی، ط: بیروت، دارالمعرفۃ۔
۳- الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف علی مذہب الامام احمد بن حنبل، علاء الدین علی بن سلیمان بن احمد مرداوی، ط: بیروت، داراحیاء العربی۔
۴- حاشیۃ الروض المربع شرح زاد المستقنع، عبدالرحمٰن بن قاسم عاصمی نجدی حنبلی، ط: ۱۴۰۳ھ۔
۵- شرح منتہی الارادات، منصور بن یونس بن ادریس بہوتی، ط: بیروت، عالم الکتاب۔
۶- الصارم المسلول علی شاتم الرسول، ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم حرانی دمشقی معروف بہ ابن تیمیہ، ط: بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۳۹۸۔
۷- العدۃ شرح العمدۃ، بہاء الدین عبدالرحمٰن بن ابراہیم مقدسی، ط: ریاض، مکتبۃ دارالسلام، ۱۴۱۵ھ۔
۸- الکافی فی فقہ الامام المبجل، احمد بن حنبل ابومحمد موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامۃ مقدسی، ط: بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۳۹۹ھ۔
۹- کشاف القناع عن متن الاقناع، منصور بن یونس بن ادریس بہوتی، ط: مکہ، مطبعۃ الحکومۃ، ۱۳۹۴ھ۔
۱۰- المبدع فی شرح المقنع، ابواسحاق برہان الدین ابراہیم بن محمد بن مفلح مؤرخ حنبلی، ط: بیروت، دارالکتب العربی۔
۱۱- المحرر فی الفقہ، مجد الدین ابوالبرکات عبدالسلام بن عبداللہ بن محمد بن تیمیۃ حرانی، ط: بیروت، دارالکتاب العربی۔
۱۲- مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہیٰ، مصطفیٰ سیوطی رحیبانی حنبلی، ط: دمشق، المکتب الاسلامی۔
۱۳- المغنی علی مختصر الخرقی، ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ مقدسی، ط: بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۱۴ھ۔
۱۴- منار السبیل فی شرح الدلیل ابراہیم بن محمد بن سالم بن ضویان، ط: ریاض، مکتبۃ المعارف، ۱۴۱۷ھ۔
۱۵- منتہی الارادات فی جمع المقنع مع التنقیح وزیادات، تقی الدین محمد بن احمد فتوحی حنبلی، ط: بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۹ھ۔

فقہ ظاہری:

۱- المحلی، ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم ظاہری، ط: قاہرہ، دارالتراث۔

چہارم۔قواعد فقہیہ:

۱- الاشباہ والنظائر علی مذہب ابی حنیفۃ، زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن نجیم، ط: قاہرہ، موسسۃ الحلبی، ۱۳۸۷ھ۔
۲- الاشباہ والنظائر فی قواعد وفروع فقہ الشافعی، جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی، ط: بیروت، دارالکتاب العربی، ۱۴۰۳ھ
۳- ایضاح المسالک الی قواعد الامام مالک، ابوالعباس احمد بن یحیی تلمسانی، ط: رباط، طبع اللجنۃ المشترکۃ بین دولتی المغرب والامارات، ۱۴۰۰ھ۔
۴- تاسیس النظر، ابوزید عبیداللہ عمر بن عیسی دبوسی، ط: بیروت، دارابن زیدون۔
۵- القواعد الفقہیۃ بین الاصالۃ والتوجیہ، محمد بن اسماعیل، ط: قاہرہ، دارالمنار۔
۶- القواعد الفقہیۃ علی احمد ندوی، ط: دمشق، دارالقلم، ۱۴۱۲ھ۔
۷- الوجیز فی ایضاح قواعد الفقہ الکلیۃ محمد صدقی بورنو، ط: بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۶ھ۔

پنجم۔اصول فقہ:

۱- الاجماع، محمد بن ابراہیم بن منذر، ط: بیروت، دارالجنان، ۱۴۰۶ھ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲- البحر المحیط فی اصول الفقہ، بدر الدین محمد بن بہادر بن عبداللہ شافعی، ط: دار الصفوۃ للطباعۃ، ۱۴۱۳ھ۔

۳- التمہید فی اصول الفقہ محفوظ بن احمد بن حسن کلوذانی حنبلی، ط: جدۃ، دار المدنی ۱۴۰۷ھ۔

۴- مذکرۃ اصول الفقہ علی روضۃ الناظر محمد امین بن مختار شنقیطی، ط: بیروت، دار القلم۔

۵- المستصفی ابو حامد محمد غزالی۔

۶- الموافقات فی اصول الشریعۃ، ابراہیم بن موسیٰ لخمی غرناطی مالکی معروف بہ شاطبی، ط: بیروت، دار المعرفۃ۔

ششم-لغت:

۱- التعریفات، علی بن محمد علی سید زین ابی الحسن حسینی جرجانی، ط: عالم الکتاب، ۱۴۰۷ھ۔

۲- القاموس المحیط، مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، ط: بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۶ھ۔

۳- کشاف اصطلاحات الفنون۔

۴- الکلیات معجم فی المصطلحات والفروق اللغویۃ، ابو البقاء بن موسیٰ حسینی کوفی، ط: بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۲ھ۔

۵- لسان العرب، جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری، ط: بیروت، دار صادر۔

۶- مختار الصحاح محمد بن ابو بکر بن عبدالقادر رازی، ط: الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۴۰۷ھ۔

۷- معجم مقاییس اللغۃ، احمد بن فارس بن زکریا، ط: ایران، دار الکتب العلمیۃ۔

۸- المعجم الوسیط، ابراہیم انیس وغیرہ، ط: استنبوط، المکتبۃ الاسلامیۃ۔

۹- المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی احمد بن محمد بن علی مقری فیوی، ط: بیروت، دار القلم۔

ہفتم-میراث کے موضوع سے متعلق کتابیں:

۱- احکام المیراث فی الشریعۃ الاسلامیۃ، جمعۃ محمد براج، ط: عمان، دار یافا علمیۃ، ۱۴۲۰ھ۔

۲- احکام المواریث بین الفقہ والقانون محمد مصطفیٰ شلبی، ط: بیروت، دار النہضۃ العربیۃ، ۱۳۹۸ھ۔

۳- التحفۃ فی علم المواریث، محمد بن خلیل بن محمد بن غلیون، ط: طرابلس، جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ العالمیۃ۔

۴- التحقیقات المرضیۃ فی المباحث الفرضیۃ، صالح فوزان، ط: ریاض، مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۷ھ۔

۵- شرح الرحبیۃ فی علم الفرائض، محمد بن محمد سبط ماردینی شافعی، ط: دمشق، دار القلم ۱۴۱۲ھ۔

۶- العذب الفائض شرح عمدۃ الفارض، ابراہیم بن عبداللہ فرضی، ط: مصر، دار الفکر، ۱۳۹۴ھ۔

۷- الفوائد الجلیلۃ فی المباحث الفرضیۃ، عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، ط: ریاض، مطابع الفرزدق التجاریۃ، ۱۴۰۹ھ۔

۸- المیراث والوصیۃ، محمد زکریا البرویسی، ط: قاہرہ، دار الاتحاد۔

۹- نظام الارث فی التشریع الاسلامی، احمد فراج حسین، ط: بیروت، مؤسسۃ الجامعیۃ للدراسات والنشر والتوزیع، ۱۴۱۸ھ۔

۱۰- نظام المواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ محمود محمد طنطاوی۔

۱۱- الوسیط فی الفقہ الاسلامی (المواریث)، عبدالرحمن عدوی، ط: قاہرہ، المکتبۃ الازہریۃ للتراث، ۱۴۱۶ھ۔

ہشتم-جدید کتابیں:

۱- اختلاف الدارین واثرہ فی احکام الشریعۃ الاسلامیۃ، عبدالعزیز بن مبروک احمدی، ط: مدینہ، الجامعۃ الاسلامیۃ مدینہ منورہ، ۱۴۲۴ھ۔

۲- اختلاف الدارین واثرہ فی احکام المناکحات والمعاملات، اسماعیل لطفی فطانی، ط: قاہرہ، دار السلام، ۱۴۱۰ھ۔

۳- العلاقات الاجتماعیہ بین المسلمین وغیر المسلمین فی الشریعۃ الاسلامیۃ والیہودیۃ والمسیحیۃ والقانون (بدران ابو العینین بدران، ط: بیروت،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دار النہضۃ العربیۃ ۱۴۰۴ھ)۔

۴۔ فقہ الاقلیات المسلمۃ، خالد عبد القادر، ط: طرابلس، دار الایمان، ۱۴۱۹ھ۔

۵۔ المدخل الفقہی العام، مصطفیٰ احمد زرقاء، ط: بیروت، دار الفکر۔

نہم۔ مقالات وتجاویز ومتفرق فتاوی

۱۔ ارث المسلم من قریبہ الکافر، عابد بن محمد سفیانی، مجلۃ ام القری لعلوم الشریعۃ واللغۃ العربیۃ وآدابہا، جزء: ۱۵، عدد: ۲۵، ۱۴۲۳ھ۔

۲۔ قرارات وفتاوی المجلس الاروبی للافتاء والبحوث، مجموعہ اول ودوم، ط: قاہرہ، دار التوزیع والنشر الاسلامیۃ۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زندگی میں تقسیمِ میراث اور وصیت

مفتی شبیر احمد قاسمی ☆

زندگی میں ترکہ تقسیم کرنا:

اگر آدمی اپنی موت سے قبل زندگی میں اپنی جائداد اور مالِ متروک اولاد کے درمیان تقسیم کردینا چاہتا ہے، تاکہ اس کی موت کے بعد اولاد کے درمیان کسی قسم کے جھگڑے اور لڑائی کی نوبت نہ آسکے، تو اس کی دو شکلیں ہیں: (۱) ہبہ کی شکل (۲) وصیت کی شکل۔

۱- ہبہ کی شکل: زندگی میں تقسیم کرکے مالک بنا دینا:

زندگی میں اولاد کے درمیان جائداد اور سرمایہ کو تقسیم کرکے مالک بنا دیا جائے، تاکہ مرنے کے بعد کسی قسم کے جھگڑے کی نوبت نہ آسکے، تو ایسی صورت میں یہ معاملہ ہبہ کے حکم میں ہوجائے گا اور زندگی میں جب اولاد کو ہبہ کرکے قبضہ دے دیا جائے تو اس حصہ اور عطیہ میں اولاد کے درمیان مساوات اور برابری قائم رکھنے میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے، مگر اس میں دو باتوں میں اختلاف ہے: (۱) یہ حکم مستحب ہے یا واجب؟ (۲) ذکور واناث دونوں میں مساوات کا حکم ہے یا الگ الگ؟

پہلی بات: یہ حکم مستحب ہے یا واجب؟

حضرت امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، سفیان ثوریؒ، مجاہد بن جبیرؒ، عروہ بن زبیرؒ، طاؤس بن کیسانؒ اور داؤد بن علی ظاہریؒ وغیرہم کے نزدیک تساوی اور برابری قائم رکھنا واجب ہے اور اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم واجب نہیں ہے؛ بلکہ صرف مستحب ہے اور اس کی خلاف ورزی مکروہ تنزیہی ہے اور دونوں فریق حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، جس میں حضرت

☆ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سید الکونین علیہ السلام کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے:

"فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ" (بخاری ۱/ ۳۵۲، مسلم ۲/ ۳۷) (پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان برابری قائم رکھو)۔

اس عبارت کو فریق اول وجوب پر محمول کرتا ہے اور جمہور علماء اس کو استحباب اور ندب پر محمول فرماتے ہیں؛ کیوں کہ مسلم شریف میں اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:

"فَأَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِيْ ثُمَّ قَالَ: أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُوْنُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ: بَلٰى، فَقَالَ فَلَا إِذَنْ" (مسلم ۲/ ۳۷) (لہذا تم اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنالو، پھر فرمایا: کیا تم کو یہ بات اچھی لگے گی کہ تمہاری اولاد تمہارے ساتھ بھلائی کرنے میں برابر ہوں؟ تو فرمایا: جی ہاں، تو فرمایا: پس نہیں اب کیوں کہ یہ ایسا ہی ہے)۔

حدیث شریف کی اس عبارت پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ حکم وجوب کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ ترغیبی اور استحبابی ہے؛ لہذا "فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ" میں امر کا صیغہ وجوب کے لئے نہیں بلکہ اس میں امر کا صیغہ ترغیب کے لئے ہے، جو ندب و استحباب کو ثابت کرتا ہے۔ اب حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

(۱) "عَنْ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ: أَعْطَانِيْ أَبِيْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ: عَمْرَةُ بِنْتِ رَوَاحَةَ لَا أَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّيْ أَعْطَيْتُ ابْنِيْ هٰذَا مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَأَمَرَتْنِيْ أَنْ أُشْهِدَكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ۔ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ" (بخاری شریف ۱/ ۳۵۲، رقم: ۲۵۱۵، ف: ۲۵۸۲، مسلم ۲/ ۳۷)۔

(۲) "وَتَحْتَهُ فِي النَّوَوِيْ: فَمَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَمَالِكٍ وَأَبِيْ حَنِيْفَةَ أَنَّهُ مَكْرُوْهٌ، وَلَيْسَ بِحَرَامٍ وَالْهِبَةُ صَحِيْحَةٌ، وَقَالَ طَاؤُسٌ وَعُرْوَةُ وَمُجَاهِدٌ وَالثَّوْرِيُّ وَأحمد وَإِسْحَاقُ وَدَاوُدُ هُوَ حَرَامٌ، وَاحْتَجُّوا بِرِوَايَةِ لَا أَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ۔ (وقوله) اَنَّ قَوْلَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَشهد عَلٰى هٰذَا غَيْرِيْ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّهُ لَيْسَ بِحَرَامٍ، فَيَجِبُ تَاوِيْلُ الْجَوْرِ عَلٰى أَنَّهُ مَكْرُوْهٌ كَرَاهَةَ تَنْزِيْهٍ" (النووی ۲/ ۳۷، حاشیہ بخاری ۱/ ۳۵۲)۔

(حضرت امام عامر شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کو منبر پر خطبہ دینے میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے ایک چیز عطا کردی تو عمرہ بنت رواحہ (میری والدہ) نے کہا کہ میں اس وقت تک اس پر راضی نہیں ہوں جب تک اس پر حضور ﷺ کو گواہ نہ بنالو گے، تو انہوں نے حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوکر فرمایا: بے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شک میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک چیز عطا کر دی ہے، اس پر عمرہ بنت رواحہ نے مجھے حکم کیا کہ یارسول اللہ میں اس پر آپ کو گواہ بنالوں، تو آپ نے فرمایا: کہ کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اس کی طرح دیا ہے؟ کہا کہ نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان برابری قائم رکھو، فرمایا کہ انہوں نے لوٹ کر آ کر اپنے عطیہ کو واپس کر لیا۔

اس کے نیچے نوویؒ میں ہے: پس امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہی ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور حرام نہیں اور ہبہ صحیح ہو جاتا ہے۔ اور امام طاؤسؒ، عروہ، مجاہدؒ، ثوریؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ اور داؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے "لااشهد علی جور" سے استدلال کرتے ہیں (میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا)۔ (جمہور استدلال کرتے ہیں) حضور ﷺ کے اس قول سے کہ تم اس پر کسی دوسرے کو گواہ بنالو، یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یقیناً یہ حرام نہیں ہے، پس لفظ جور کی تاویل کرنا لازم ہوگا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کراہت تنزیہی کے طور پر مکروہ ہے)۔

دوسری بات: زندگی میں اولاد کو ہبہ کرنے میں مساوات:

دوسری بات یہ ہے کہ زندگی میں اولاد کو ہبہ اور عطیہ دینے میں مساوات اور برابری قائم رکھنے کا کیا حکم ہے؟ تو اس میں دو صورتیں پیش آتی ہیں:

۱- مذکر اولاد میں کم و زیادہ کا فرق، ساری اولاد ماں باپ کی خدمت گزاری اور فرماں برداری اور دینداری میں تقریباً برابر ہیں اور ایسے حالات میں بعض کو دے دے اور بعض کو نہ دے کر محروم کر دے تو ہبہ تو فی نفسہٖ صحیح اور درست ہو جائے گا، مگر باپ گنہگار ہو جائے گا، ہاں البتہ اگر کوئی اولاد نافرمان ہے، یا بے دین ہے، تو اس کو نہ دے کر محروم کر دیتا ہے اور صرف باادب، دیندار کو دیتا ہے، تو بلا کراہت جائز ہے، باپ گنہگار بھی نہ ہوگا۔

اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

(۱) "وَلَوْ وَهَبَ فِي صِحَّتِهِ كُلَّ الْمَالِ لِلْوَلَدِ جَازَ وَأَثِمَ. وَفِي الشَّامِيَةِ: وَلَوْ وَهَبَ جَمِيعَ مَالِهِ مِنْ اِبْنِهِ جَازَ قَضَاءً، وَهُوَ آثِمٌ" (الدر المختار مع الشامي زكريا ۱۲/ ۲۰۷) (اگر بحالتِ صحت کسی اولاد کو کلِ مال ہبہ کر دیا ہے تو جائز ہے، مگر باپ گنہگار ہوگا۔ اور شامی میں ہے کہ اگر سارا مال اپنے بیٹے کو ہبہ کر دیا تو قضاءً جائز ہے اور وہ گنہگار ہوگا)۔

(۲) "لَا بَأْسَ بِأَنْ يُعْطِيَ مِنْ أَوْلَادِهِ مَنْ كَانَ عَالِمًا مُتَأَدِّبًا وَلَا يُعْطِيْ مِنْهُمْ مَنْ كَانَ فَاسِقًا فَاجِرًا" (مجمع الأنهر بيروتي ۳/ ۴۹۷) (اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنی اولاد میں سے باادب عالم کو دے دے اور ان میں سے جو فاسق وفاجر ہو اس کو کچھ بھی نہ دے)۔

اور اگر ساری اولاد برابر ہیں کوئی بھی نافرمان نہیں ہے اور باپ زندگی میں تقسیم کر کے سب کو دیتا ہے، مگر بعض کو کچھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادہ اور بعض کو کم دیتا ہے اور دینے میں مساوات اور برابری قائم نہیں رکھتا ہے، مثلاً کوئی لڑکا حصول علم میں مشغول ہے اور اس کا کوئی دوسرا ذریعۂ معاش نہیں ہے، یا کوئی معذور اور مجبور ہے، یا کوئی ماں باپ کی خدمت زیادہ کرتا ہے؛ اس لئے اس کو دوسروں سے زیادہ دیتا ہے اور اس میں کسی کو نقصان اور ضرر پہنچانا بھی مقصد نہیں ہے، تو اس طرح زیادہ دینا مباح اور ''لابأس بہ'' کے درجہ میں ہے۔ اور اگر ایسی کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے؛ بلکہ ساری اولاد کے حالات تقریباً برابر ہیں، اس کے باوجود بلا وجہ کسی کو زیادہ دیتا ہے اور کسی کو کم دیتا ہے، تو جن کو کم دیا جائے اس کو بالقصد نقصان وضرر پہنچانے کے مرادف ہوگا؛ کیوں کہ اس سے اندرونی طور پر اس کی دل شکنی اور دل آزاری لازم آئے گی، ایک باپ کے لئے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے؛ اس لئے ایسا کرنا حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور جمہور علماء کے نزدیک مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس میں بلا وجہ بعض اولاد کی دل شکنی ہے اور حدیث شریف کی خلاف ورزی بھی کی گئی ہے:

''فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ'' (بخاری ۱/ ۳۵۲) (پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان برابری کا معاملہ کرو)۔

''أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً ؟ قَالَ: بَلٰى، فَقَالَ: فَلا إِذَنْ''(مسلم ۲/ ۳۷)۔

(کیا تم کو یہ بات خوش کردے گی کہ وہ سب کے سب تمہارے ساتھ بھلائی کرنے میں برابر ہوں، تو کہا: جی ہاں، تو آپ نے فرمایا: یہ بھی ایسا ہی ہے)۔

اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

(۳) ''رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ إِذَا كَانَ التَّفْضِيلُ لِزِيَادَةِ فَضْلٍ لَهُ فِي الدِّيْنِ، فَإِنْ كَانَا سَوَاءً يُكْرَهُ''

(حضرت امام ابوحنیفہؒ سے یہی مروی ہے کہ کسی کو دینی حیثیت سے فضیلت زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کو زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لہٰذا اگر دونوں برابر درجہ کے ہیں تو مکروہ ہوگا)۔

''وَرَوَى الْمُعَلّٰى عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ قال: لَابَأْسَ بِهِ إِذَا لَمْ يَقْصِدْ بِهِ الإِضْرَارَ، وَإِنْ قَصَدَ بِهِ الإِضْرَارَ سَوَّى بَيْنَهُمْ'' (قاضیخان علی ہامش الہندیہ ۳/ ۲۷۹، شامی زکریا ۱۲/ ۲۰۸)۔

(اور حضرت معلیٰؒ نے امام ابویوسفؒ سے یہی روایت فرمائی ہے کہ اگر زیادہ دینے میں جب ضرر ونقصان کا قصد نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر ضرر ونقصان کا قصد ہے تو ان کے درمیان مساوات قائم کریں)۔

مذکر ومؤنث کے درمیان مساوات:

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ مذکر ومؤنث اولاد کے درمیان فرق کرتا ہے کہ مذکر کو زیادہ اور مؤنث کو کم دیتا ہے، تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح میراث کے اصول کے مطابق مذکر کو مؤنث کے مقابلہ میں دوگنا اور مؤنث کو مذکر کا نصف اور آدھا دینا کیسا ہے؟ تو اس بارے میں جمہور علماء کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ اس میں دو فریق ہیں:

فریق اول حضرت امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے قول مشہور کے مطابق اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زندگی میں اولاد کے درمیان جائداد تقسیم کر کے مالک بنا دینے میں مذکر و مؤنث کے درمیان مساوات اور برابری قائم رکھنا مستحب ہے؛ لہٰذا لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا مستحب ہوگا، اور اس کے خلاف کرنا مکروہ ہوگا۔ اور امام نوویؒ نے کراہت تنزیہی نقل فرمائی ہے اور حنفیہ کا فتویٰ حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔ اور وہ حضرات، حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت سے یہی مراد لیتے ہیں کہ مذکر و مؤنث دونوں میں برابری لازم ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

۱-"عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبَّاسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَوُّوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلًا أَحَدًا لَفَضَّلْتُ النِّسَاءَ" (المعجم الکبیر ۱۱/ ۲۸۰، رقم: ۱۱۹۹۷)۔

(حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی اولاد کے درمیان ہبہ اور عطیہ میں مساوات اور برابری قائم رکھو؛ لہٰذا اگر میں کسی کو عطیہ میں فضیلت دیتا تو عورتوں کو مردوں پر فضیلت دیتا)۔

فریق ثانی حنابلہ اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمدؒ بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر دینا مستحب نہیں؛ بلکہ تقسیم میراث کے اصول کے مطابق لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کے ضابطہ سے ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر دینا ہوگا، یہی امام شافعیؒ کا بھی ایک قول ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں تاکید کے ساتھ یہی حکم بیان فرمایا ہے؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ تقسیم کے طریقہ کو اختیار کرنا زیادہ اولیٰ اور زیادہ بہتر ہوگا، اور اس لئے بھی یہی طریقہ زیادہ بہتر ہے کہ باپ یہ سمجھتا ہے کہ اب موت کا وقت قریب ہے اور موت کے بعد اولاد کے درمیان کوئی جھگڑا پیدا نہ ہوجائے؛ لہٰذا اس طرح جھگڑے اور اختلاف کو ختم کرنے کے لئے پہلے ہی تقسیم کر کے ان کو دے دیا جائے اور آئندہ کسی طرح کے اختلاف کا خطرہ نہ ہو تو یہ بہتر اور مناسب اقدام ہے۔ حضرات فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

۲-" يُعْطِي الْبِنْتَ كَالِابْنِ عِنْدَ الثَّانِي، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى. وَتَحْتَهُ فِي هَامِشِه: أَيْ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ التَّنْصِيفُ بَيْنَ الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى أَفْضَلُ مِنَ التَّثْلِيثِ الَّذِي هُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ قَالَ فِي الْبَزَّازِيَةِ: اَلْأَفْضَلُ فِي هِبَةِ الْبِنْتِ وَالِابْنِ التَّثْلِيثُ كَالْمِيرَاثِ، وَعِنْدَ الثَّانِي التَّنْصِيفُ وَهُوَ الْمُخْتَارُ (إلى قوله) وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يُعْطِي لِلذَّكَرِ ضِعْفَ مَا يعطي للأنثى وَالْفَتْوَى عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ" (درمختار مع ہامشہ ۱۲/ ۶۰۷، قاضیخان علی ہامش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الہندیہ ۲۷۹/۳)۔

(امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لڑکی کو لڑکے کے برابر دے اور اسی پر فتوی ہے، اور حاشیہ میں ہے یعنی ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی ہے، مذکر و مؤنث کے درمیان نصف نصف کرنا اس تثلیث سے بہتر ہے جو امام محمدؒ کا قول ہے، اور بزازیہ میں کہا ہے کہ لڑکی اور لڑکے کو ہبہ کرنے میں میراث کی طرح تین حصے کرنا زیادہ افضل ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو حصے کرنا ہے، وہی قول مختار ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مذکر کو اس کا دو چند دیا جائے جو مؤنث کو دے اور قولِ ابو یوسفؒ پر فتوی ہے)۔

شیخ وہبہ زحیلی نے اس کو بہت واضح الفاظ سے نقل فرمایا، ملاحظہ فرمایئے:

۳-"قَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ وَهُوَ رَأْيُ الْجَمْهُوْرِ: يُسْتَحَبُّ لِلأَبِ أَنْ يُسَوِّيَ بَيْنَ الْأَوْلَادِ الذُّكُوْرِ وَالإِنَاثِ فِي الْعَطِيَّةِ فَتُعْطَى الْأُنْثٰى مِثْلَ مَا يُعْطَى الذَّكَرَ (إلى قوله) وَقَالَ الْحَنَابِلَةُ وَمُحَمَّدٌ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ لِلأَبِ أَنْ يُقَسِّمَ بَيْنَ أَوْلَادِهِمْ عَلٰى حَسَبِ قِسْمَةِ اللهِ تَعَالىٰ فِي الْمِيْرَاثِ فَيُجْعَلُ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، لِأَنَّ اللهَ تَعَالىٰ قَسَّمَ بَيْنَهُمْ كَذٰلِكَ وَأَوْلىٰ مَا اقْتُدِيَ بِهِ هُوَ قِسْمَةُ اللهِ الخ" (الفقہ الاسلامی ۴/ ۷۰۴)۔

(حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ اور مالکیہ، شافعیہ نے کہا اور یہی جمہور کی رائے ہے کہ باپ کے لئے مستحب یہی ہے کہ اپنی اولاد مذکر و مؤنث کے درمیان عطیہ اور ہبہ کرنے میں مساوات اور برابری قائم رکھے؛ لہٰذا مؤنث کو مذکر کے ہم مثل دے دے اور حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام محمدؒ نے فرمایا: باپ کے لئے افضل یہی ہے کہ اپنی اولاد کے درمیان اسی طرح تقسیم کردے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے میراث میں تقسیم فرمایا ہے؛ لہٰذا مذکر کو دو مؤنثوں کے حصے کے برابر دیا کرے؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان ایسے ہی تقسیم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم کی پیروی کرنا زیادہ اولی اور زیادہ افضل ہے)۔

الحاصل: پوری تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ صرف مذکر اولاد کے درمیان تقسیم میں مساوات قائم رکھنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے اور کم زیادہ دینا مکروہ تنزیہی ہے، اور کسی کو دینا اور کسی کو بالکل محروم کردینا ظلم ہے اور باپ گنہگار ہوگا بشرطیکہ کوئی بھی نافرمان نہ ہو، اسی طرح مؤنث اولاد میں بھی برابری قائم رکھنا مستحب ہے اور مذکر و مؤنث کے درمیان مساوات کا مسئلہ اختلافی ہے، فریقِ اول حدیث نعمان بن بشیرؓ کے پیش نظر مساوات کے قائل ہیں۔ اور فریقِ ثانی اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ تقسیم میراث کے پیش نظر مساوات کے قائل نہیں، اگرچہ اکثریت فریقِ اول کی ہے، مگر دلیل فریقِ ثانی کی زیادہ مضبوط ہے۔

۲-وصیت کی شکل: زندگی میں تقسیم کر کے وصیت کر دینا:

سوال نامہ میں اسی شکل کی وضاحت طلب کی گئی ہے کہ باپ اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم کر کے ہبہ کرنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں چاہتا اور پوری زندگی مالک ہی رہنا چاہتا ہے اور یہ بھی نہیں چاہتا ہے کہ اس کی موت کے بعد اس کی اولاد اور ورثاء کے درمیان کوئی اختلاف اور جھگڑے کی نوبت آجائے اور اس کو اس بات کا خطرہ ہے کہ اس کی موت کے بعد ورثاء کے درمیان تقسیمِ میراث کا جھگڑا کھڑا ہو جائے گا اور ہر وارث کو اپنا اپنا حقِ میراث صحیح طور پر نہیں مل پائے گا، تو اس کے لئے ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ تقسیمِ میراث کے اصول کے مطابق اپنی نگرانی میں زندگی ہی میں تقسیم نامہ تیار کر کے ہر ایک کا شرعی حصہ متعین کر کے وصیت کر دے اور اس کی موت کے بعد اسی وصیت کے مطابق ہر وارث اپنے اپنے متعین حصہ کو حق میراث کے طور پر قبضہ کر لے، آیا اس کے لئے اس طرح زندگی میں ورثاء کے درمیان پیشگی میراث تقسیم کر کے وصیت کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ "لا وصية لوارث إلا أن يجيز الورثة" الحديث (دارقطني ۴/۸۶، رقم: ۴۲۵۲، سنن بیہقی رقم: ۱۲۸۰۳) کے خلاف تو نہیں، تو اس بارے میں کوئی صریح جزئیہ جواز اور عدمِ جواز سے متعلق احقر کی نظر سے نہیں گذرا، مگر خود اسی حدیث شریف کے ہر پہلو پر غور کرنے سے اس کا جواز سمجھ میں آجاتا ہے، پہلے پوری حدیث شریف نقل کر دیتے ہیں تا کہ اس کے الفاظ پر اچھی طرح غور ہو سکے۔ حضرت ابو امامہ باہلیؓ کی روایت ترمذی اور ابو داؤد میں ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے:

۱- " عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ "(ترمذي ۲/۳۲، أبوداؤد ۲/۳۹۶)۔

(حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے سال میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق متعین کر کے دے دیا ہے؛ لہٰذا کسی بھی وارث کے لئے وصیت درست نہیں)۔

اور دارقطنی اور سنن بیہقی میں حضرت عمرو بن خارجہؓ کی روایت میں "إِلَّا أَنْ يُّجِيْزَ الْوَرَثَةُ" کے الفاظ کا اضافہ ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں "إلا أن يجيز" کے بجائے "إلا أن يشاء" کے الفاظ ہیں۔ اب حدیث شریف کے الفاظ پر دو طرح سے غور کرنا ہے:

۱- "قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ" ان الفاظ میں صاحبِ شریعت نے واضح فرمایا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کا حق متعین کر کے مقرر کر دیا ہے، اس کو اس متعین حق سے زیادہ نہیں ملے گا؛ لہٰذا "لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ" کا مطلب واضح ہو گیا کہ اس متعین حصہ سے ہٹ کر وصیت کے ذریعہ الگ سے کچھ نہیں ملے گا، اب اگر مُورِث اپنی موت سے قبل زندگی میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کو ہر متوقع وارث کے لئے متعین کر کے نامزد کر دے اور مورث کی موت کے بعد ورثاء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپس میں مورث کے تیار کردہ تقسیم نامہ کو وصیت کے مطابق عملی جامہ پہنا دیں تو حدیث مذکور کی خلاف ورزی لازم نہیں آئے گی؛ بلکہ اس حدیث پر صحیح طور پر عمل کے لئے ایک خوبصورت پیش قدمی ہے؛ اس لئے زندگی میں اس طرح میراث کے اصول کے مطابق تقسیم کر کے اس پر عمل کرنے کی وصیت کر دینا بلا شبہ جائز اور درست ہوگا۔

۲- حدیث شریف کا دوسرا جزء ''فَلاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلاَّ أَنْ يُجِيزَ الْوَرَثَةُ'' اس جزء پر غور کرنا ہے کہ وارث کے لئے نفس وصیت جائز ہے یا نہیں؟ حرف استثناء سے واضح ہوا کہ ورثاء کے لئے نفسِ وصیت جائز ہے، بس اس کا نفاذ دیگر ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے؛ کیوں کہ جن ورثاء کے متعین حق میں وصیت کی وجہ سے نقصان پہنچتا ہے ان کی مرضی کے بغیر نفاذ ممکن نہیں اور جب وہ بخوشی اپنا حق چھوڑ کر نفاذِ وصیت پر راضی ہو جائے تو وصیت نافذ بھی ہو جاتی ہے؛ لہٰذا اس سے واضح ہو گیا کہ ورثاء کے حق میں نفس وصیت بنصّ حدیث بالاتفاق صحیح اور درست ہے اور ممانعت کے پہلو کا تعلق صرف کسی وارث کے حق میں نقصان پہنچنے سے ہے اور جب مورث نے اپنی زندگی میں اولاد ذکور اور اولاد اناث اور بیوہ کے درمیان تقسیم کر دیا اور موت کے بعد اسی تقسیم کے مطابق میراث وصول کرنے کی وصیت کر دی تو کسی بھی وارث کے حق میں نقصان نہیں پہنچتا؛ بلکہ ہر ایک کو اپنا اپنا حق شریعت کے قانون کے مطابق مکمل مل جاتا ہے، کسی کو کسی قسم کے نقصان کا خطرہ نہیں ہے؛ اس لئے زندگی میں نصّ قرآنی کے ضابطہ کے مطابق تقسیم کر کے وصیت کر دینا بلا شبہ جائز ہوگا۔

مسلمان غیر مسلم کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں؟

تمام اُمّت کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ غیر مسلم کسی بھی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا اور اُمّت میں کسی نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا؛ البتہ اختلاف اس بارے میں ہے کہ مسلمان کسی غیر مسلم کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں؟، چنانچہ اس مسئلہ میں دو فریق ہیں:

فریق اول: جمہورِ امّت جمہور صحابہ اور تابعین اور ائمۂ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک جس طرح غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، اسی طرح مسلمان بھی کسی غیر مسلم کا وارث نہیں بن سکتا، ان کی دلیل وہ حدیث مشہور ہے جو صحاح کی ہر کتاب میں موجود ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

۱- '' عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لايَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ'' (بخاري ۲/۱۰۰۱، رقم: ۶۵۰۷، مسلم شریف ۲/۳۳، ترمذي ۲/۳۱)۔

(حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث بن سکتا ہے)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں اصولی الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

۲-" عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا يَتَوَارَثُ الْمِلَّتَانِ الْمُخْتَلِفَانِ"(مصنف ابن ابي شيبة ١٦/ ٣٣٠،رقم:٣٢٠٨٨)۔

(حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: کہ دومختلف ملت والے ایک دوسرے کا وارث نہیں بن سکتا)۔

فریق ثانی: دوسرے فریق میں حضرات صحابہ میں سے حضرت معاذ بن جبلؓ،حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اور تابعین میں سے حضرت امام حسن بصریؒ،امام سعید بن مسیّبؒ،امام مسروق بن اجدعؒ،امام محمد بن الحنفیہؒ اورامام باقر محمد بن علی بن حسینؒ کے نزدیک کافرتو مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا،مگر مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے؛اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بلند فرمایااور مسلمانوں کوکافروں پرعزت وشرف اور بلندی عطافرمائی ہے۔یہ حضرات اپنے مدعیٰ کے ثبوت میں مختلف دلائل پیش کرتے ہیں:

(ا) سنن دارقطنی اورسنن بیہقی کی مشہورروایت ہے ملاحظہ فرمایئے:

"عَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّهُ جَاءَ يَوْمَ الْفَتْحِ مَعَ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ حَرْبٍ إِلَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَحَوْلَهُ أَصْحَابُهُ، فَقَالُوْا: هٰذَا أَبُوْ سُفْيَانُ وَعَائِذُ بْنُ عَمْرٍو فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: هٰذَا عَائِذُ بْنُ عَمْرٍو وَأَبُوْ سُفْيَانَ اَلْإِسْلَامُ أَعَزُّ مِنْ ذٰلِكَ، اَلْإِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى" (السنن الكبرى للبيهقي ٩/ ٢٢٣،رقم:١٢٣٩٩،سنن دارقطني ٣/ ١٧٢،رقم: ٣٥٧٨،بخاري شريف تحت ترجمة الباب،الجنائز ١/ ١٨٠)۔

(حضرت عائذ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ بیشک وہ فتح مکہ کے دن ابوسفیان بن حرب کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں اس حالت میں آئے کہ آپ ﷺ کے اردگرد صحابہ کرامؓ موجود تھے،توصحابہ کرام نے فرمایا: کہ یہ ابوسفیان اور عائذ بن عمرو ہیں(جو قریش کے باعزت سردار ہیں)اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام(میں داخل ہونے والے)ان سے زیادہ باعزت ہیں،اوراسلام عزت وشرف میں بلندوبرتر ہے اوراسلام پر کوئی چیز بلندوبرترنہیں)۔

اس کوصاحب شریفیہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

" وَالْقِيَاسُ أَنْ يَرِثَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامِ:اَلْإِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى، وَمِنَ الْعُلُوِّ أَنْ يَرِثَ الْمُسْلِمُ مِنَ الْكَافِرِ وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ مِنْهُ، وَإِلَيْهِ ذَهَبَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ وَالْحَسَنُ الْبَصَرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِيَّةُ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ وَمَسْرُوْقٌ"(شريفيه/١٤)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان وارث بن جائے آپ کے قول: اسلام بلند ہوتا ہے اور اس کے اوپر کسی کی بلندی نہیں ہوتی اور بلندی میں سے یہی ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بن جائے اور کافر مسلمان کا وارث نہ بنے، اور یہی حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت امام حسن بصریؒ اور محمد بن حنفیہؒ، امام باقر محمد بن علی بن حسینؒ اور امام مسروقؒ کا مذہب ہے)۔

اس کو امام نوویؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

" وَذَهَبَ طَائِفَةٌ إِلٰى تَوْرِيْثِ الْمُسْلِمِ مِنَ الْكَافِرِ وَهُوَ مَذْهَبُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ وَمُعَاوِيَةَ وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ وَمَسْرُوْقٍ وَغَيْرِهِمْ، وَاحْتَجُّوا بِحَدِيْثِ "اَلإِسْلَامُ يَعْلُو وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ" (نووي على المسلم ۲/ ۳۳)۔

(اور ایک جماعت کا مذہب ہے کہ کافر کی میراث کا مسلمان وارث بنے گا اور وہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت معاویہؓ، حضرت امام سعید بن مسیبؒ، امام مسروق وغیرہ کا مذہب ہے اور وہ لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: کہ اسلام بلند و برتر ہے اور اس پر کسی کو برتری حاصل نہیں)۔

اس کو فتاوی تاتارخانیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

" لَا خِلَافَ أَنَّ الْكَافِرَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمِيْنَ بِحَالٍ، وَكَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ لَا يَرِثُ الْكَافِرَ فِيْ قَوْلِ أَكْثَرِ الصَّحَابَةِؓ وَهُوَ مَذْهَبُ الْفُقَهَاءِ وَرُوِيَ عَنْ مُعَاذٍ وَمُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُمَا قَالَا: يَرِثُ الْوَارِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ" (الفتاوى التاتارخانیة ۲۰/ ۳۹۵، رقم: ۳۳۵۳۴)۔

(اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کافر مسلمانوں کا کسی بھی حال میں وارث نہیں بن سکتا اور ایسا ہی اکثر صحابہ کرامؓ کے قول کے مطابق مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں بن سکتا اور یہی فقہاء کرام کا مذہب ہے اور حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں نے فرمایا کہ مسلمان وارث کافر کا وارث بن سکتا ہے)۔

اور یہ حضرات حسب ذیل روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں، مصنف ابن ابی شیبہ میں ان دونوں صحابہ کرام کی کئی روایات ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

۵- " عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ الدَّيْلِي قَالَ: كَانَ مُعَاذٌ بِالْيَمَنِ فَارْتَفَعُوا فِيْ يَهُوْدِيٍّ مَاتَ وَتَرَكَ أَخَاهُ مُسْلِمًا فَقَالَ مُعَاذٌ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ الإِسْلَامَ يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ فَوَرَّثَهُ" (مصنف ابن أبي شيبة ۱۶/ ۳۳۴، رقم: ۳۲۱۰۱، سنن بیہقي ۹/ ۳۳۷، رقم: ۱۲۷۲۳)۔

(حضرت ابوالاسود دیلی فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ یمن میں تھے، لوگوں نے ایک یہودی کا معاملہ ان کے پاس پیش فرمایا، جو یہودی مر گیا تھا اور اس نے ایک مسلمان بھائی کو چھوڑا تھا، تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا کہ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے رسول اکرم ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اسلام زیادہ اور اضافہ ہو کر آگے بڑھتا ہے اور اس میں کمی نہیں ہوتی ہے، پھر حضرت معاذؓ نے مسلمان بھائی کو اس یہودی کا وارث بنادیا)۔

حضرت عبداللہ بن معقلؓ فرماتے ہیں: حضور ﷺ کے اصحاب کے فیصلہ کے بعد حضرت معاویہؓ کے فیصلہ سے بہترین اور خوبصورت فیصلہ ہم نے دوسرا کوئی نہیں دیکھا، انہوں نے مسلمان کو اہلِ کتاب کا وارث بنا کر فرمایا کہ ہم ان کے وارث ہوتے ہیں اور وہ ہمارے وارث نہیں ہوسکتے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

۲۔ "عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَعْقَلٍ قَالَ: مَا رَأَيْتُ قَضَاءً بَعْدَ قَضَاءِ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنُ مِنْ قَضَاءٍ قَضَى بِهِ مُعَاوِيَةُ فِي أَهْلِ الْكِتَابِ، قَالَ: نَرِثُهُمْ وَلَا يَرِثُوْنَنَا" (مصنف ابن أبي شيبة ۱۶/ ۳۳۴، رقم: ۳۲۱۰۲)۔

(حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے فیصلہ کے بعد کوئی بھی فیصلہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے زیادہ خوبصورت فیصلہ نہیں دیکھا، انہوں نے اہل کتاب کے بارے میں فیصلہ کر کے فرمایا: کہ ہم ان کے وارث ہوتے ہیں اور وہ ہمارے وارث نہیں ہوسکتے)۔

الحاصل: اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ فریقِ اول کے نزدیک جس طرح غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، اسی طرح مسلمان بھی غیر مسلم کا وارث نہیں بن سکتا، یہی امت میں تواتر کے ساتھ مشہور ہے اور فریقِ ثانی کے نزدیک کافر تو مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، مگر مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے اور جانبین کے دلائل بھی سامنے آچکے ہیں اب اس تناظر میں علماء وقت کو غور کرنا ہے کہ ہندوستان جیسے غیر اسلامی ممالک میں فریقِ ثانی کی رائے پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر فریقِ ثانی کی رائے پر ان ممالک میں پیش آمدہ مسائل اور مشکلات میں دینی مصلحت کے پیش نظر عمل کیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہوگا اور نو مسلموں کی پریشانیاں اس سے ختم ہوسکتی ہیں۔

وارث کے لئے دیگر ورثاء کی مرضی سے وصیت:

کسی شرعی وارث کے حق میں دیگر ورثاء کی مرضی اور اجازت کے بغیر وصیت کرنا شرعاً معتبر نہیں، ہاں البتہ اگر اس وارث کی کسی مجبوری یا زیادہ خدمت کی وجہ سے مورث کی خواہش ہے کہ اس کو کچھ زیادہ مل جائے اور مورث زندگی میں ہبہ کر کے قبضہ بھی نہیں دینا چاہتا ہے؛ بلکہ یہ چاہتا ہے کہ موت تک اپنی ملکیت سے خارج نہ ہو اور مرنے کے بعد موصی لہ کو حاصل بھی ہوجائے اور مورث دیگر ورثاء سے رابطہ قائم کر کے سب کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کردے اور دیگر تمام ورثاء نے مورث کے سامنے اس کی زندگی میں بخوشی تحریری رضامندی ظاہر کردی اور سب نے بخوشی اجازت دیدی، تو کیا مورث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی موت کے بعد اسی اجازت اور رضامندی سے وصیت نافذ ہو جائے گی؟ یا مورث کی موت کے بعد دوبارہ اجازت لازم اور ضروری ہوگی؟ تو اس بارے میں جمہور فقہاء کا اتفاق اس بات پر ہے کہ موت سے قبل زندگی میں جو اجازت دی گئی تھی، اس کا اعتبار نہیں؛ بلکہ موت کے بعد کی اجازت کا اعتبار ہوتا ہے اور دیگر ورثاء کو پورا اختیار ہے کہ چاہے مورث کی اجازت کو نافذ کردیں یا زندگی کی اجازت کو مسترد کردیں؛ لہٰذا زندگی کی اجازت کا اعتبار ہی نہیں بلکہ وہ اجازت کالعدم ہے اور موت کے بعد کی اجازت معتبر ہوتی ہے۔ یہ حکم حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ان الفاظ سے وارد ہوا ہے:

۱ – "عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَاتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِوَارِثٍ، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرَثَةُ" (السنن الکبریٰ للبیہقي ۹/۳۵۶، رقم: ۱۲۷۹۷-۱۲۷۹۸، دارقطني ۴/۸۶، رقم: ۴۲۵۱)۔

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی بھی وارث کے لئے وصیت صحیح نہیں ہوتی ہے، مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس پر رضامندی ظاہر کردیں)۔

اور حضرت عمرو بن خارجہؓ کی روایت میں کچھ فرق کے ساتھ یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

۲ – "عَنْ عَمْرِو بْنِ خَارِجَةٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يُجِيْزَ الْوَرَثَةُ" (سنن للبیہقی ۹/۳۵۸، رقم: ۱۲۸۰۳، دارقطني ۴/۸۶، رقم: ۴۲۵۲)۔

(حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی وارث کے حق میں وصیت درست نہیں ہے، مگر یہ کہ دیگر ورثاء بخوشی اس کی اجازت دے دیں)۔

موت کے بعد کی اجازت پر فقہاء کی وضاحت:

حضرات فقہاء بھی اس کو خوب وضاحت سے نقل فرماتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ فتح القدیر میں صاف الفاظ سے نقل فرماتے ہیں: زندگی کی اجازت درحقیقت اجازت ہی نہیں ہے؛ بلکہ موت کے بعد ہی کی اجازت درحقیقت اجازت ہے۔ ان کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

"إِنَّ إِجَازَتَهُمْ فِيْ حَالِ حَيَاةِ الْمَوْتِ سَاقِطَةٌ؛ لِأَنَّ إِجَازَتَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ أَصْلًا" (فتح القدیر ۱۰/۴۴۸)۔

(بے شک ان کی اجازت مورث کی زندگی کی حالت میں ساقط الاعتبار ہے؛ اس لئے کہ اس وقت ان کی اجازت سرے سے معتبر ہی نہیں ہے)۔

اور صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ زندگی کی اجازت بے محل ہے؛ اس لئے کہ زندگی میں ورثاء کو اس مال میں کسی قسم کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حق حاصل نہیں ہے اور جس چیز میں کوئی حق نہیں ہے اس میں کسی کو اجازت دینے اور نہ دینے کا کوئی حق نہیں ہوتا اور ورثاء کو مورث کی موت کے بعد ہی حق حاصل ہوتا ہے؛ لہٰذا زندگی کی اجازت کالعدم ہوگی، اگر چہ اس پر تحریری دستخط بھی ہو گئے ہوں اور مورث کی موت کے بعد ہی کی اجازت صحیح ہوسکتی ہے، اس وجہ سے مورث کی موت کے بعد دیگر ورثاء کو پورا اختیار ہے کہ چاہے موت کے بعد اجازت دے دیں اور چاہے نہ دیں، اگر اجازت دیں گے تو اس وارث کے حق میں وصیت نافذ ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

" وَلاَ مُعْتَبَرَ بِإِجَازَتِهِمْ فِيْ حَالِ حَيَاتِهِ؛ لِأَنَّهَا قَبْلَ ثُبُوْتِ الْحَقِّ إِذَا الْحَقُّ يَثْبُتُ عِنْدَ الْمَوْتِ، فَكَانَ لَهُمْ أَنْ يَرُدُّوْهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ بِخِلاَفِ مَابَعْدَ الْمَوْتِ؛ لِأَنَّهُ بَعْدَ ثُبُوْتِ الْحَقِّ فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَرْجِعُوا عَنْهُ الخ" (ہدایہ رشیدیہ ۴/ ۶۳۹)۔

(اور اس کی زندگی کی حالت میں ان کی اجازت معتبر نہیں؛ اس لئے کہ یہ اجازت ثبوتِ حق سے قبل ہے؛ کیوں کہ حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے؛ لہٰذا ان کو مورث کی وفات کے بعد اجازت کو مسترد کر دینے کا حق حاصل ہے، بخلاف مابعد الموت کے، اس لئے کہ موت کے بعد کی اجازت حق کے ثابت ہونے کے بعد ہوتی ہے؛ لہٰذا موت کے بعد کی اجازت کے بعد رجوع کرنا ان کے لئے جائز نہیں)۔

صاحبِ بدائع جمہور علماء کی رائے نقل فرمانے کے ساتھ علامہ ابن ابی لیلیٰ کا قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک زندگی کی اجازت معتبر نہیں اور موت کے بعد کی اجازت ہی معتبر ہوتی ہے، مگر علامہ ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ زندگی کی اجازت بھی معتبر ہوتی ہے۔ ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

۵-" ثُمَّ وَقْتُ الإِجَازَةِ هُوَ مَا بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِى، وَلا تُعْتَبَرُ الإِجَازَةُ حَالَ حَيَاتِهِ حَتّٰى أَنَّهُمْ لَوْ أَجَازُوْا فِيْ حَيَاتِهِ لَهُمْ اَنْ يَرْجِعُوا عَنْ ذٰلِكَ بَعْدَ مَوْتِهِ، وَهٰذَا قَوْلُ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ، وَقَالَ ابْنُ أَبِي لَيْلىٰ: تَجُوْزُ إِجَازَتُهُمْ بَعْدَ مَوْتِهِ وَحَالَ حَيَاتِهِ، فَإِذَا أَجَازُوْا فِيْ حَيَاتِهِ فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَرْجِعُوا بَعْدَ مَوْتِهِ، وَلَا خِلَافَ فِيْ أَنَّهُمْ إِذَا أَجَازُوْا بَعْدَ مَوْتِهِ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَرْجِعُوا بَعْدَ ذٰلِكَ الخ" (بدائع زکریا ۶/ ۴۸۳)۔

(پھر اجازت کا وقت موصی کی موت کے بعد ہے اور اس کی زندگی میں اجازت معتبر نہیں حتی کہ اگر زندگی میں اجازت دی ہے، تو ان کو مورث کی موت کے بعد رجوع کرنے کا حق ہوگا اور یہ جمہور علماء رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اور علامہ ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ زندگی اور بعد موت دونوں حالتوں کی اجازت جائز ہے؛ لہٰذا جب زندگی میں اجازت دے دیں، تو موت کے بعد ان کو رجوع کرنے کا حق نہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب موت کے بعد اجازت دے دیں، تو بعد میں ان کو رجوع کا حق حاصل نہیں)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمہور کا قول راجح اور مفتیٰ بہ ہے اور ابن ابی لیلیٰؒ اور ''اعلاء السنن (بیروت ۱۸/ ۳۲۹) میں ابن ابی لیلیٰؒ کے ساتھ حسن بصریؒ، عطاءؒ، حمادؒ، اوزاعیؒ وغیرہ کو ذکر فرمایا ہے، مگر ان کا قول مرجوح ہے؛ لہٰذا زندگی کی اجازت معتبر نہ ہوگی اور موت کے بعد کی اجازت معتبر ہو سکتی ہے۔

وارث کے حق میں وصیت کے عدم جواز کی حکمت:

شریعت اسلامی نے قانون بنا دیا ہے کہ وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوگی اور اجنبی افراد کے حق میں نافذ ہو جائے گی، اس کے پیچھے کیا حکمت اور کیا راز ہے؟ اسلام نے ہر ایک کا حق اعتدال میں رکھا ہے۔ ''لاضرر ولاضرار'' نہ تم خود نقصان کا شکار بنو اور نہ ہی تم سے کسی کو نقصان پہنچے، چنانچہ وارث کے حق میں وصیت نافذ نہ ہونے اور اجنبی کے حق میں نافذ ہونے کی دو حکمتیں یہاں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) پہلی حکمت حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کا حق متعین کر دیا ہے، چنانچہ ہر وارث کا حق قرآن مقدس سورۂ ''نساء'' میں واضح کر کے بیان فرما دیا ہے، ان کو وہی متعین حق ملا کرے گا؛ لہٰذا اگر کسی ایک کے حق میں وصیت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس متعین حق میں ترمیم کرنا ہے، جس سے اس وارث کے حق میں اضافہ ہوگا اور دوسرے وارث کے حق میں کمی لازم آجائے گی جسکی وجہ سے اعتدال سے ہٹ جانا لازم آتا ہے اور اجنبی کے لئے کوئی حق اللہ تعالیٰ نے متعین نہیں فرمایا؛ اس لئے اس کے حق میں وصیت کی اجازت دی گئی، مگر اس میں موصی کو اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ تہائی سے زائد کی اجازت نہیں، جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث میں اس کی وضاحت ہے، جو اپنی جگہ پیش کی جائے گی۔ حکمت کی حدیث ملاحظہ فرمائیے:

۱-''عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ''(ترمذی ۲/ ۳۲، ابوداؤد ۲/ ۳۹۶)۔

(حضرت ابوامامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے سال حضور ﷺ سے اپنے خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر حقدار کا حق متعین کر دیا ہے؛ لہٰذا کسی بھی وارث کے حق میں وصیت درست نہیں)۔

۲-دوسری حکمت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک وارث کا حق متعین کر کے مقرر کر دیا ہے تو ہر وارث کو متروکہ مال میں سے اپنا اپنا حق مکمل وصول کرنے کا حق ہے؛ لیکن جب کسی وارث کے حق میں وصیت کی جائے گی تو اس کو اپنے مقررہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

حق سے زیادہ مل جائے گا اور دوسرے ورثاء کو متعین اور مقررہ حق پورا نہیں ملے گا؛ بلکہ ان کے حق میں کچھ حصہ اس وارث کے حصہ میں پہنچ جائے گا جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے اور ایسی صورت میں دیگر ورثاء کا حق مارا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے ان کی دل شکنی اور ان کے ساتھ قطع رحمی لازم آجاتی ہے، جس سے ان کو سخت ایذا اور تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہے، اس سے بچنے کے لئے شریعت نے وارث کے حق میں وصیت کی اجازت نہیں دی، تاکہ اعتدال باقی رہے۔ اس کو صاحبِ ہدایہ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

" لِأَنَّهُ يَتَأَذَّى الْبَعْضُ بِإِيْثَارِ الْبَعْضِ، فَفِي تَجْوِيزِهِ قَطِيعَةُ الرَّحِمِ"(ہدایہ رشیدیہ ۴/۶۴۱)۔

(اس لئے کہ بیشک بعض ورثاء کو ترجیح دینے سے دوسرے بعض کو ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے، پس اس کو جائز قرار دینے میں قطع رحمی لازم آتی ہے)۔

بعض نے اجازت دی اور بعض نے نہیں دی:

اگر مورِث موصی کے انتقال کے بعد دیگر ورثاء میں سے بعض نے موصی کی وصیت کے مطابق اجازت دے دی اور بعض نے اجازت نہیں دی، تو ایسی صورت میں حکم شرعی یہ ہے کہ جن ورثاء نے اجازت نہیں دی ہے، ان کو متروکہ مال میں سے جو شرعی حق ملنا تھا وہی مکمل مل جائے گا اور جن ورثاء نے اجازت دی ہے ان کو جو میراث میں سے شرعی حق ملنا تھا اس میں سے حق کے تناسب کے حساب سے کم کر کے وصیت نافذ ہوجائے گی۔ اس کو صاحبِ ہدایہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

" وَلِأَنَّ الْاِمْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ فَتَجُوْزُ بِإِجَازَتِهِمْ، وَلَوْ أَجَازَ بَعْضٌ وَرَدَّ بَعْضٌ تَجُوْزُ عَلَى الْمُجِيزِ بِقَدْرِ حِصَّتِهِ لِوَلَايَتِهِ عَلَيْهِ، وَبَطَلَ فِيْ حَقِّ الرَّادِّ" (ہدایہ رشیدیہ ۴/۶۴۱)۔

(اور بیشک وصیت پر رکاوٹ پیدا کرنا ان کے اپنے حق کی وجہ سے ہے؛ لہٰذا ان کی اجازت سے جائز اور جاری ہوجائے گی اور اگر بعض ورثاء نے اجازت دے دی اور بعض نے مسترد کر کے روک لگا دی ہے، تو جس نے اجازت دی اسکے حصہ کے تناسب سے کمی کر کے وصیت نافذ ہوجائے گی اور جس نے رد کر کے اجازت نہیں دی اس کے حق میں وصیت باطل ہوجائیگی)۔

بیوہ کے لئے شوہر کی وصیت:

یہ مسئلہ بھی آج کے دور میں زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ جب آدمی لاولد ہو اور اس کے پاس کچھ سرمایہ ہو تو قریب یا دور کے رشتہ داروں کی نگاہ اس کے سرمایہ پر ہوتی ہے اور اس کے وفات کے بعد ہر طرف سے حقدار نکل آتے ہیں اور اس کی بیوہ بے سہارا ہوجاتی ہے، اب اس تناظر میں شوہر اپنی زندگی میں پیش قدمی کر کے بیوی کے حق میں کچھ انتظام کردے، اسکے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لئے سب سے بہتر شکل یہی ہے کہ بیوی کو حسب مناسب سرمایہ کا معقول حصہ ہبہ کر کے قبضہ دے دے؛ لیکن اگر ہبہ کی شکل اختیار کرنا نہیں چاہتا ہے؛ اس لئے کہ آج کے زمانہ میں ہبہ کی رجسٹری کے لئے بھی تقریباً بیع نامہ کی رجسٹری کے برابر اسٹامپ فیس لازم ہے، اس خرچہ سے بچنا چاہتا ہے یا یہ چاہتا ہے کہ زندگی میں مالِ متروکہ اس کے قبضہ اور اختیار سے باہر نہ نکل جائے؛ اس لئے وہ یہی مناسب سمجھتا ہے کہ بیوی کے نام سرمایہ کا کچھ حصہ وصیت کر دے، تو ایسے حالات میں اگر شوہر کا کوئی دوسرا وارث نہیں ہے، تو جتنے سرمایہ اور مال کی وصیت کریگا اتنے میں وصیت نافذ ہو جائے گی اور بیوی کو شوہر کی وفات کے بعد وصیت کی وجہ سے متروکہ مال سے وہ مقدار مل جائے گی اور اس کے بعد مابقیہ کی چوتھائی بھی میراث کیوجہ سے مل جائے گی؛ کیوں کہ اولاد کے نہ ہونے کی صورت میں بیوی کا حق میراث میں چوتھائی حصہ ہے؛ لہٰذا بیوہ کو دو طرح کے مال مل جائیں گے: (۱) وصیت سے (۲) میراث سے۔ اور اگر شوہر کا دوسرا وارث بھی ہو تو شوہر کی وفات کے بعد وارث کی اجازت کے بغیر بیوہ کے حق میں وصیت نافذ نہ ہوگی، ہاں البتہ اگر بیوہ کا حق میراث کے کل مال کا چوتھائی حصہ ہے، اسی کے لئے وصیت نامہ بنا کر رجسٹری کر کے قانونی شکل دیدی ہے، تو اس کے نفاذ میں وارث کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ مسئلہ حضرات فقہاء کی اس طرح کی عبارات سے مستفاد ہوتا ہے۔ تاتارخانیۃ میں ہے:

" اِمْرَأَةٌ هَلَكَتْ وَتَرَكَتْ زَوْجًا وَلَا وَارِثَ لَهَا غَيْرُهُ (قوله) فَإِنْ كَانَتْ أَوْصَتْ لِلزَّوْجِ بِنِصْفِ الْمَالِ، فَالْمَالُ كُلُّهُ لِلزَّوْجِ النِّصْفُ بِحُكْمِ الإِرْثِ، وَالنِّصْفُ بِحُكْمِ الْوَصِيَّةِ، وَكَذٰلِكَ لَوْ تَرَكَتْ عَبْدَيْنِ قِيمَتُهُمَا سَوَاءٌ أَوْصَتْ لِزَوْجِهَا بِأَحَدِ الْعَبْدَيْنِ بِعَيْنِهِ فَهُمَا جَمِيعًا لِلزَّوْجِ أَحَدُهُمَا بِحُكْمِ الإِرْثِ وَالآخَرُ بِحُكْمِ الْوَصِيَّةِ"(تاتارخانیۃ ۲/ ۱۶۲، رقم: ۳۲۸۸۸)۔

(ایک عورت کی موت ہوگئی اور شوہر کو وارث چھوڑا اور اس کے علاوہ کوئی وارث نہیں، پس اگر اس نے شوہر کے لئے نصف مال کی وصیت کی ہے تو کل ترکہ شوہر کو مل جائے گا، نصف حصہ میراث کی وجہ سے اور دوسرا نصف وصیت کی وجہ سے۔ اور اسی طرح اگر عورت نے دو غلام چھوڑیں دونوں کی قیمت برابر ہے اور دونوں میں سے متعین ایک کی وصیت شوہر کے لئے کر دی ہے، تو دونوں شوہر کو ملجائیں گے، ایک میراث کی وجہ سے دوسرا وصیت کی وجہ سے) اور اسی طرح کی عبارت مبسوط سرخسی میں بھی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

" قَالَ فِي الزِّيَادَاتِ: فِي اِمْرَأَةٍ لَا وَارِثَ لَهَا إِلَّا زَوْجُهَا فَأَوْصَتْ لَهُ بِنِصْفِ مَالِهَا، فَإِنَّهُ يَأْخُذُ النِّصْفَ بِالْمِيرَاثِ ثُمَّ النِّصْفَ الْبَاقِي بِالْوَصِيَّةِ"(مبسوط ۲۹/ ۲)۔

(زیادات میں اس عورت کے بارے میں کہا ہے، جس کا شوہر کے علاوہ کوئی وارث نہیں ہے، پس اس نے شوہر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لئے اپنے نصف مال کی وصیت کردی، تو شوہر نصف مال میراث کی وجہ سے لے لیگا، پھر باقی نصف وصیت کی وجہ سے حاصل کرلے گا)۔

اور درمختار میں ہے کہ زوجین کے علاوہ جب کوئی وارث نہ ہو اور میاں بیوی دونوں میں سے ایک نے دوسرے کے لئے وصیت کردی ہے، تو وصیت درست ہو جاتی ہے۔ اس کو علامہ حصکفیؒ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

"حَتّٰى لَوْ أَوْصٰى لِزَوْجَتِهِ أَوْهِيَ لَهُ وَلَمْ يَكُنْ ثَمَّةَ وَارِثٌ آخَرُ تَصِحُّ الْوَصِيَّةُ" (درمختار مع الشامی ۱۰/ ۳۴۷)۔

(حتی کہ اگر شوہر نے اپنی زوجہ کے لئے یا بیوی نے شوہر کے لئے وصیت کردی ہے اور وہاں دوسرا وارث نہیں ہے، تو بلاشبہ وصیت صحیح اور درست ہو جاتی ہے)۔

وارث اور اجنبی کے حق میں ایک ساتھ وصیت:

یہ مسئلہ واضح ہو چکا ہے کہ وارث کے حق میں دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر وصیت نافذ نہیں ہوتی ہے اور اجنبی غیر وارث کے حق میں ثلث مال میں وصیت نافذ ہو جاتی ہے اگر ثلثِ مال سے زائد کی وصیت کرے گا تب بھی صرف ثلث ہی کے دائرہ میں وصیت نافذ ہوتی ہے، اب اگر مالک نے اپنے ورثاء و اجنبی شخص دونوں کو ایک ساتھ وصیت کردی ہے، تو بعض حضرات نے فرمایا کہ پورا ثلث مال اجنبی کو مل جائے گا اور وارث کے حق میں وصیت باطل ہو جائے گی۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں: وارث محل وصیت ہی نہیں ہے (بدائع زکریا دیوبند ۶/ ۴۴۴) تو ان کا یہ قول درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ وارث کے حق میں وصیت باطل ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سرے سے وصیت کا وجود ہی نہیں ہوتا اور وہ محلِ وصیت ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ دیگر ورثاء کی اجازت پر وصیت موقوف رہتی ہے اور جب دیگر ورثاء اجازت دیں گے تو اس کے حق میں بھی نافذ ہو جاتی ہے، تو ایسی صورت میں پورا ثلثِ مال اجنبی کو کیسے مل سکتا ہے؟ اور وارث کو محلِ وصیت سے خارج کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اور جمہور امت کا قول یہ ہے کہ: اگر مالک نے اجنبی اور وارث دونوں کے حق میں وصیت کردی ہے اور موصی کی موت کے بعد دیگر ورثاء نے وارث کے حق میں نفاذ وصیت کی اجازت دے دیں تو ثلثِ مال وصیت کی وجہ سے اجنبی اور وارث کے درمیان نصف نصف کے حساب سے تقسیم ہو جائے گا، یعنی اجنبی اور وارث دونوں کو کل مال میں سے چھٹا چھٹا حصہ مل جائے گا اور اگر موصی کی موت کے بعد دیگر ورثاء اجازت نہ دیں تو وارث کے حصہ میں وصیت باطل ہو جائے گی اور اجنبی کے حصہ میں نافذ ہو جائے گی اور اجنبی کو ثلث مال کا نصف حصہ یعنی کل مال کا چھٹا حصہ مل جائے گا۔ اس کو صاحب بدائع نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱-" وَلَوْ أَوْصٰى بِثُلُثِ مَالِهِ لِبَعْضِ وَرَثَتِهِ وَلِأَجْنَبِيٍّ، فَإِنْ أَجَازَ بَقِيَّةُ الْوَرَثَةِ جَازَتِ الْوَصِيَّةُ لَهُمَا جَمِيْعًا، وَكَانَ الثُّلُثُ بَيْنَ الْأَجْنَبِيِّ وَبَيْنَ الْوَارِثِ نِصْفَيْنِ، وَإِنْ رَدُّوا جَازَتْ فِيْ حِصَّةِ الْأَجْنَبِيِّ وَبَطَلَتْ فِيْ حِصَّةِ الْوَارِثِ. وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: يُصْرَفُ الثُّلُثُ كُلُّهُ إِلَى الْأَجْنَبِيِّ؛ لِأَنَّ الْوَارِثَ لَيْسَ بِمَحَلِّ الْوَصِيَّةِ الخ"(بدائع زکریا ۶/ ۴۳۴،مبسوط سرخسی ۲۷/ ۱۷۵)۔

(اور اگر اپنے ثلثِ مال کی بعض ورثاء اور اجنبی کے لئے وصیت کردی تو اگر بقیہ ورثاء نے موصی کی موت کے بعد اجازت دے دی ہے،تو وصیت وارث اور اجنبی دونوں کے حق میں نافذ ہوجائے گی اور ثلثِ مال وارث اور اجنبی دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوجائے گا اور اگر دیگر ورثاء (موتِ موصی کے بعد) مسترد کردیں تو اجنبی کے حصہ میں وصیت نافذ ہوجائے گی اور وارث کے حصہ میں باطل ہوجائے گی اور بعض لوگوں نے کہا کہ ثلثِ مال کل کا کل اجنبی کو مل جائے گا؛اس لئے کہ وارث محلِ وصیت نہیں ہے)۔

اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا کہ کلِ ثلث اجنبی کو مل جائے گا اور وارث کو محلِ وصیت سے خارج کردیا ہے، یہ قول صحیح نہیں ہے، جب کہ مذکورہ عبارات سے واضح ہوچکا ہے۔

ایک تہائی سے زائد کی وصیت:

ہر شخص کو شریعت نے اس بات کا اختیار دے رکھا ہے کہ وہ اپنے مالِ متروکہ میں سے ایک تہائی کسی کو دینے کے لئے وصیت کردے، چاہے کسی مسجد یا مدرسہ یا دیگر کارِ خیر میں یا کسی انسان کو دینے کی وصیت کردے،تو اس کو تہائی کے دائرہ میں اختیار ہے اور تہائی سے زائد میں اس کو شریعت نے اجازت نہیں دی اور تہائی سے زائد میں نفاذِ وصیت کا مدار اس کے ورثاء کی اجازت پر ہے،اب اس پس منظر میں اگر مالکِ مال نے ورثاء سے اجازت لے کر تہائی سے زائد میں وصیت کردی ہے،تو اس کی موت کے بعد یہ وصیت نافذ ہوگی یا نہیں؟ تو اس بارے میں موصی لہ دو طرح کے ہوسکتے ہیں:

(۱) موصی لہ جس کے لئے وصیت کی جارہی ہے وہ مالک مال (موصی) کا وارث ہو،تو ایسی صورت میں وصیت کی مقدار تہائی کے دائرہ میں ہو یا تہائی سے زائد، دونوں صورتوں میں موصی کی موت کے بعد دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر وصیت نافذ نہیں ہوگی، اگر اجازت دے دیں تو تہائی میں اور تہائی سے زائد دونوں میں نافذ ہوجائے گی۔ اور اگر دیگر ورثاء مورث موصی کی موت کے بعد اجازت نہ دے تو وصیت نہ تہائی میں نافذ ہوگی اور نہ ہی زائد میں؛ بلکہ پوری وصیت باطل ہوجائے گی اور اگر زندگی میں دیگر ورثاء سے تحریری اجازت بھی لے لی ہے،تو اس کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" إِذَا تَرَكَ الرَّجُلُ ابْنَيْنِ فَأَوْصَى لِأَحَدِهِمَا بِنِصْفِ مَالِهِ،فَأَجَازَ ذٰلِكَ لَهُ أَخُوهُ أَخَذَ نِصْفَ الْمَالِ بِالْوَصِيَّةِ وَالْبَاقِي بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ بِمَازَادَ عَلَى الثُّلُثِ وَالْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ إِنَّمَا تَمْتَنِعُ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ، فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يُجِيزَ الْوَرَثَةُ فَإِذَا وُجِدَتِ الإِجَازَةُ فَقَدْ زَالَ الْمَانِعُ فَيَأْخُذُ الْمُوْصٰى لَهُ نِصْفَ الْمَالِ بِطَرِيْقِ الْوَصِيَّةِ، وَيَبْقَى مَالُهُ النِّصْفُ الْبَاقِي فَيَكُوْنُ بَيْنَ الإِثْنَيْنِ نِصْفَيْنِ بِالْمِيْرَاثِ" (مبسوط السرخسی ۲۹/ ۲)۔

(جب مورث آدمی نے اپنے دولڑکوں کو چھوڑا پس دونوں میں سے ایک کیلئے اپنے نصف مال کی وصیت کردی، پھر (موت) کے بعد اس کے بھائی نے اس کے لئے وصیت جائز رکھا ہے،تو وہ وصیت کی وجہ سے مال کا نصف حصہ لے لے گا اور باقی دوسرا نصف دونوں بھائیوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوجائیگا؛ کیوں کہ یہ وصیت ثلث مال پر زائد ہے اور وارث کے حق میں دیگر ورثاء کے حق کی وجہ سے وصیت ممنوع ہوتی ہے، اسلئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وارث کیلئے وصیت نہیں ،مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کو جائز رکھیں، پس جب اجازت پائی گئی تو یقیناً مانع اور رکاوٹ زائل ہوگی؛ لہٰذا موصی لہ وصیت کی وجہ سے نصف مال لے لیگا اور رہ گیا مال کا باقی نصف تو یہ نصف دونوں کے درمیان میراث کی وجہ سے نصف نصف تقسیم ہوجائے گا)۔

۲- ایسا موصی لہ جو موصی کا وارث نہ ہو؛ بلکہ اجنبی غیر وارث ہو،تو اس کے حق میں تہائی سے زائد کی وصیت کردی ہے،تو ایسی صورت میں ورثاء کی اجازت کے بغیر تہائی کے دائرہ میں وصیت نافذ ہوجائے گی؛ اس لئے کہ شریعت نے مورث موصی کو تہائی میں پورا اختیار دے رکھا ہے، البتہ تہائی سے جو کچھ زائد ہے اس میں وصیت نافذ ہونے کے لئے ورثاء کی اجازت لازم اور شرط ہے۔اور اگر مُورِث (موصی) نے زندگی میں ورثاء سے تحریری طور پر بھی اجازت لے لی ہے،تو اس کا بھی اعتبار نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ زندگی میں مالِ متروکہ میں ورثاء کا کوئی حق ثابت نہیں ہوتا اور حق کے ثبوت سے قبل اس میں اجازت کا تصرف بھی ثابت نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا زندگی کی اجازت سرے سے کالعدم ہے اور موت کے بعد مستقل اجازت لازم ہوگی۔اس کو صاحب ہدایہ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

۲-" وَلَا تَجُوْزُ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ إِلَّا أَنْ يُجِيْزَهَا الْوَرَثَةُ بَعْدَ مَوْتِهِ وَهُمْ كِبَارٌ، لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ، وَهُمْ سَقَطُوْهُ وَلَا مُعْتَبَرَةَ بِإِجَازَتِهِمْ فِي حَالِ حَيَاتِهِ لِأَنَّهَا قَبْلَ ثُبُوْتِ الْحَقِّ إِذَا الْحَقُّ يَثْبُتُ عِنْدَ الْمَوْتِ فَكَانَ لَهُمْ أَنْ يَرُدُّوْهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ" (ہدایہ رشیدیہ ۴/ ۶۳۹)۔

(اور ثلثِ مال سے زائد وصیت جائز نہیں ،مگر یہ کہ موصی کی موت کے بعد ورثاء اس کی اجازت دے، اس حالت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں کہ سارے ورثاء بڑے ہوں؛ کیوں کہ ممانعت انہیں کے حق کی وجہ سے ہے۔ اور انہوں نے اپنے حق کو چھوڑ دیا اور موصی مورث کی حالِ حیات میں ان ورثاء کی اجازت معتبر نہیں؛ اس لئے کہ یہ اجازت ثبوت حق سے پہلے ہے؛ کیوں کہ حق موت کے بعد ثابت ہوتا ہے؛ لہٰذا ان ورثاء کے لئے اس موصی کی وفات کے بعد اجازت کو مسترد کرنے کا حق حاصل ہے)۔

ضروری وضاحت:

ورثاء کی اجازت معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اجازت دینے والے سارے ورثاء عاقل بالغ ہوں اور کوئی بھی وارث نابالغ نہ ہو؛ لہٰذا اگر کوئی نابالغ ہو تو اس کے حصہ میں وصیت کی وجہ سے کمی نہیں آئیگی، اس کو اپنا مکمل شرعی حق مل جائے گا، جیسا کہ "هم كبار" کے الفاظ سے واضح ہو چکا ہے۔

مقالہ کا خلاصہ:

۱- اگر زندگی میں اولاد کے درمیان سرمایہ تقسیم کرنا ہے، تو اس کی تفصیل مضمون کے شروع میں دلائل کے ساتھ پیش کی جا چکی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ساری نرینہ اولاد باپ کے حق میں برابر ہیں، کوئی نافرمان نہیں تو سب کے درمیان مساوات باپ پر لازم ہے اور اگر کوئی نافرمان ہے تو اس کو نہ دے کر محروم کر دیا جائے اور فرماں بردار اور باادب کو دے دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اسی طرح اگر کوئی علم دین میں لگا ہوا ہے اور اس کے پاس معاشی ذرائع نہیں ہے، یا کوئی معذور اور مجبور ہے اس کو دوسروں سے زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲- زندگی میں تقسیم کر کے مالک بنانے میں مذکر و مؤنث کے درمیان مساوات کا مسئلہ اختلافی ہے۔

حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے قولِ مشہور کے مطابق لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر دینا مستحب ہے اور اس کے خلاف لڑکوں کو لڑکیوں سے زیادہ دینا مکروہ ہے۔

حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ اور حنابلہ کے نزدیک اولی اور افضل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضابطہ کے مطابق تقسیم میراث کے اصول کی رعایت کرتے ہوئے ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر دینا چاہئے۔ دونوں فریق کے دلائل تفصیلی طور پر مضمون میں پیش کئے جا چکے ہیں۔

۳- زندگی میں تقسیم کر کے مالک نہ بنایا جائے؛ بلکہ زندگی میں ملکیت اپنی رہے گی اور موت کے بعد ورثاء کو شرعی حق بلا کسی اختلاف اور نزاع کے پورا پورا مل جائے، اس کے لئے زندگی ہی میں انتظام کر دیا جائے۔

چنانچہ تقسیمِ میراث کے اصول کے مطابق زندگی میں تقسیم کر کے ہر متوقع وارث کا حصہ متعین کر دیا جائے اور اس بات کی وصیت کر دی جائے کہ موت کے بعد اسی تقسیم نامہ کے مطابق ہر وارث اپنے حصے پر قبضہ کر لے، تو اس طرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تقسیم نامہ تیار کر کے وصیت کر دینا بلا کراہت جائز اور درست ہے، تا کہ موت کے بعد کسی وارث کی حق تلفی کی نوبت نہ آ سکے، اس کے بھی تفصیلی دلائل مضمون میں مذکور ہیں۔

۴۔ مسلمان غیر مسلم کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک مسلمان بھی اسی طرح غیر مسلم کا وارث نہیں بن سکتا ہے کہ جس طرح غیر مسلم مسلمان کا نہیں بن سکتا، مگر حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت امام حسن بصریؒ، امام سعید بن میسبؒ، امام محمد بن الحنفیہؒ، حضرت محمد بن علی بن حسینؒ (امام باقر) وغیرہ کے نزدیک مسلمان غیر مسلم کا وارث بن سکتا ہے؛ لہٰذا ہندوستانی نومسلموں کی مشکلات کے تناظر میں مصلحت اور مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ فریقِ ثانی کی رائے پر عمل کی گنجائش کے بارے میں غور کیا جائے، اگر اس قول پر علماء کا اتفاق ہو جائے تو بہتر معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ کسی وارث کے لئے دیگر ورثاء کی مرضی کے بغیر وصیت درست نہیں، نیز دیگر ورثاء کی اجازت اور مرضی کا اعتبار بھی موت کے بعد ہی کا ہے اور موت سے قبل کی اجازت معتبر نہیں، اسی طرح موت کے بعد اگر کسی نے اجازت دی ہے، تو اس کے حصہ میں وصیت کا اعتبار ہوگا اور جس نے اجازت نہیں دی اس کے حصہ میں وصیت کا اثر نہیں پڑے گا۔

۶ - دیگر ورثاء کی عدم موجودگی میں بیوہ کے حق میں وصیت درست ہے۔

۷ - وارث اور اجنبی کے حق میں ایک ساتھ وصیت کر دی ہے، تو وارث کے حق میں جو وصیت ہے وہ موت کے بعد دیگر ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گی اور اجنبی کے حق میں ثلثِ مال کے نصف یعنی سدس میں ورثاء کی اجازت کے بغیر وصیت نافذ ہو جائے گی۔

۸ - ایک تہائی سے زائد کی وصیت کے نفاذ کا مدار ورثاء کی اجازت پر ہے؛ لہٰذا اگر وارث کے حق میں تہائی سے زائد وصیت کی گئی ہے تو دیگر ورثاء کی اجازت موتِ مورث کے بعد لازم ہے، ورنہ نافذ نہ ہوگی۔

اور اگر اجنبی کے حق میں تہائی سے زائد وصیت کی گئی ہے، تو تہائی کے اندر اندر وصیت نافذ ہو جائے گی، اس میں ورثاء کی اجازت شرط نہیں ہے، ہاں البتہ تہائی سے زائد میں وصیت کا نفاذ ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق چند اہم مسائل

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی ☆

مختصر تمہید:

اللہ تعالی نے ہر وارث کا حصہ انصاف اور حکمت کے ساتھ متعین فرمادیا ہے، لہذا مورث کی جائداد اور اس کے مال کی شریعت کے مطابق تقسیم ضروری ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: "تلک حدود الله، ومن يطع الله ورسوله يدخله جنت تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها وذلک الفوز العظيم، ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده، يدخله نارا خالدا فيها، وله عذاب مهين" (نساء: ۱۳-۱۴) (یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہیں گے، اللہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہی بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں گے، اور اس کے مقررہ حدود سے تجاوز کریں گے، ان کو ایسی آگ میں داخل کرے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے)۔

اور حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة" (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۷۰۳، اور اس کی سند میں کچھ کلام ہے) (جو اپنے وارث کی میراث سے راہ فرار اختیار کرے گا، اللہ تعالی قیامت کے دن جنت کی میراث سے اسے محروم فرمادے گا)۔

اس مختصر تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ہیں:

۱- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، اور خدشہ ہے کہ وہاں میراث کی تقسیم صحیح شرعی اصول کے مطابق نہیں ہوسکے گی، وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھا دینا کہ ان کی وفات کے بعد

☆ جامعہ اسلامیہ، شانتاپورم، پٹی کاڈ، مالاپورم، کیرالا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں، واجب ہے، چنانچہ ایسی ہی صورتحال کے لئے ارشاد باری تعالی ہے:"كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خير الوصية للوالدين والأقربين بالمعروف حقا على المتقين فمن بدله بعد ما سمعه، فإنما إثمه على الذين يبدلونه، إن الله سميع عليم، فمن خاف من موص جنفا أو إثما فأصلح بينهم فلا إثم عليه، إن الله غفور رحيم"(بقرہ:۱۸۰-۱۸۲)(جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ پہنچے، اور وہ کچھ مال چھوڑ رہا ہو، تو تم پر فرض کیا گیا ہے والدین اور قرابت مندوں کے لئے دستور کے مطابق وصیت کرنا، اللہ تعالی سے ڈرنے والوں پر یہ حق ہے، پھر جو اس وصیت کو سننے کے بعد بدل ڈالیں تو اس کا گناہ ان بدل ڈالنے والوں ہی پر ہے، بے شک اللہ سننے والا اور علم رکھنے والا ہے، سو جس کو کسی وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی بے جا جانب داری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو، اور وہ آپس میں صلح کرا دے، تو اس میں کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے)۔

اس آیت میں والدین اور اقرباء کے لئے جس وصیت کا حکم دیا گیا ہے، اس کی تفصیل آیت میراث میں اللہ تعالی نے بیان کر دی ہے، لہذا ہر اس جگہ جہاں شرعی میراث قانون پر عمل نہ ہونے کا گمان غالب ہو، وہاں وصیت کرنا واجب ہوگا، اور آیت منسوخ نہیں ہے، خود نبی کریم ﷺ نے بھی قابل وصیت چیز کی موجودگی کی حالت میں وصیت کو واجب قرار دیا ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"ما حق امرئ مسلم، له شيء يوصي فيه يبيت ليلتين، إلا ووصيته مكتوبة عنده" (بخاری شریف، کتاب الوصایا، باب نمبر ۱، حدیث نمبر ۲۷۳۸)(جس مسلمان شخص کے پاس قابل وصیت چیز ہو، اسے حق نہیں کہ دو راتیں بھی گزارے، مگر اس حالت میں کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہو)، لہذا جہاں شرعی تقسیم جاری نہ ہونے کا خطرہ ہو، اس مقام پر وصیت کرنا واجب ہوگا۔

۲- اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا شرعا معتبر ہے، اور حدیث:"لا وصية لوارث" کے خلاف اور معارض نہیں ہے، تفصیل اس طرح ہے کہ یہ حدیث حجۃ الوداع کے موقع کی ہے، اور حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے، اور اس کی روایت ابن ماجہ (حدیث نمبر ۲۷۱۴) نے کی ہے، اور اس کی سند صحیح ہے، چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے نیچے تھا، اور اونٹنی کا لعاب مجھ پر بہہ رہا تھا، اس حالت میں میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:"إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، ألا لا وصية لوارث" (اللہ تعالی نے ہر مستحق کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے، یاد رکھو، وارث کے لئے وصیت نہیں) سو اس حدیث کے سیاق سے بالکل واضح ہے کہ وصیت کی ممانعت کسی وارث کو ضرر پہنچانے یا حق سے زیادہ دینے کی صورت میں ہے، جو اللہ تعالی کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز ہے، نیز یہ حدیث حضرت ابو امامہ، خارجہ بن عمرو، عمرو بن خارجہ، ابن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، علی بن ابی طالب، جابر بن عبداللہ،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے (دیکھئے: نصب الرایۃ للزیلعی ۴/ ۴۰۳-۴۰۵، التلخیص الحبیر ۳/ ۱۰۶-۱۰۷)، اور حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ "لا وصية لوارث إلا أن يشاء الورثة" (سنن دارقطنی، حدیث نمبر ۴۱۵۰، ۴۱۵۴، ۴۱۵۵، ۴۲۹۵، ۴۲۹۷، السنن الکبری للبیہقی حدیث نمبر ۱۲۵۳۵، مسند الشامیین للطبرانی حدیث نمبر ۲۴۱۰، المراسیل لأبي داؤد حدیث نمبر ۳۴۹، اور اس کی سند پر انقطاع کا کلام ہے) (وارث کے لئے وصیت درست نہیں مگر یہ کہ ورثہ چاہیں)۔

چنانچہ اس حدیث سے پتہ چلا کہ ورثہ کی اجازت سے کسی وارث کے لئے زائد مال کی وصیت ہو سکتی ہے، تو معلوم ہوا کہ وصیت کی ممانعت ورثہ کے حق کو مارنے کی صورت میں ہے، لہذا جس وصیت کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو، وہ ممانعت میں داخل نہیں ہے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے وصیت کی "فاقسموه على كتاب الله عزوجل" (مؤطا مالک، روایۃ محمد، حدیث نمبر ۸۰۸) (مال کو اللہ عزوجل کے فرض کردہ قانون کے مطابق تقسیم کرلو)، اور علامہ بہوتی حنبلیؒ تحریر کرتے ہیں: "وإن وصى لكل وارث بمعين بقدر إرثه جاز؛ لأن حق الوارث في القدر لا في العين" (الروض المربع شرح زاد المستقنع، کتاب الوصایا، ص ۴۶۹) (اور اگر ہر وارث کے لئے اس کی میراث کے بقدر متعین شی کی وصیت کرے، تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ وارث کا حق مقدار کے اندر ہے نہ کہ متعین شی کے اندر)، اور علامہ ابن ضویان، ابراہیم ابن محمد بن سالم حنبلی تحریر کرتے ہیں: "يباح للإنسان أن يقسم ماله بين ورثته في حال حياته على فرائض الله عزوجل، لعدم الجور فيها" (منار السبیل في شرح الدلیل ۲/ ۲۹، طبع ۷، المکتب الاسلامی ۱۴۰۹) (انسان کے لئے مباح ہے کہ اپنے مال کو اپنی زندگی میں اپنے ورثہ کے درمیان اللہ عزوجل کے فرض کردہ قانون کے مطابق تقسیم کردے، کیونکہ اس کے اندر کوئی ظلم نہیں)۔

۳- جس وصیت کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو، وہ "لا وصية لوارث" میں داخل نہیں ہے، امام سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں: "قد بينا أن الوصية للوارث لا تجوز بدون إجازة الورثة" (المبسوط، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ للوارث ۲۷/ ۱۷۵) (ہم یہ بیان کرچکے ہیں کہ وارث کے لئے ورثہ کی اجازت کے بغیر وصیت جائز نہیں)، اور ابن رشد (جد)، ابوالولید محمد بن احمد مالکی رقم طراز ہیں: "وأما الوصية للوارث فلا تجوز إلا أن يجيزها الورثة، إلى أن قال: والصحيح ما ذهب إليه مالكؒ لأن المنع إنما تعلق بحق الورثة، كالزائد على ثلث المال، فإذا أجازوه، جاز، كالرضى بالعيب" (المقدمات الممہدات، کتاب الوصایا، فصل الوصیۃ للوارث ۳/ ۱۱۴ طبع دار الغرب الاسلامی ۱۹۸۸ء)۔

(بہر حال وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، مگر یہ کہ ورثہ اجازت دے دیں، آگے تحریر کرتے ہیں: اور صحیح امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ ورثہ کی اجازت سے وصیت درست ہے، اس لئے کہ ممانعت کا تعلق ورثہ کے حق کی وجہ سے ہے، جس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح کہ تہائی مال سے زائد کی وصیت کی ممانعت ورثہ کے حق کی وجہ سے ہے، پھر اگر ورثہ اجازت دے دیں تو جائز ہے، جیسے عیب دار کو لینے پر رضامند ہونے سے واپس کرنے کا حق ساقط ہو جاتا ہے)۔

اور رملی شمس الدین محمد شافعی لکھتے ہیں: "ولوارث في الأظهر، إن أجاز باقي الورثة المطلقين التصرف، وقلنا بالأصح: إن إجازتهم تنفيذ لا ابتداء عطية" (نہایۃ المحتاج إلى شرح المنہاج، کتاب الوصایا والودیعۃ ۶/ ۴۳، بیروت دار الفکر ۱۹۸۴ء)۔

(اور صحیح تر قول کے مطابق وارث کے لئے وصیت جائز ہے، اگر کامل تصرف رکھنے والے باقی ورثہ اجازت دے دیں، اور صحیح تر قول کے مطابق ان کی اجازت وصیت کی تنفیذ ہے نہ کہ نئے سرے سے عطیہ دینا)۔

اور ابن قدامہ مقدسی حنبلی تحریر کرتے ہیں: "فإن فعل صحت في ظاهر المذهب، ووقفت على إجازة الورثة، لما روى ابن عباس أن النبي ﷺ قال: لا يجوز لوارث وصية، إلا أن يشاء الورثة فيدل على أنهم إذا شاؤوا كانت وصية جائزة" (الکافی، کتاب الوصایا، باب من تصح وصیتہ ۲/ ۲۶۸، طبع اول بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۴ء)۔

(پھر اگر وارث کے لئے وصیت کر دے، تو مذہب کے راجح قول کے مطابق وصیت صحیح ہوگی، اور ورثہ کی اجازت پر موقوف رہے گی، اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، مگر یہ کہ ورثہ چاہیں، تو اس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر ورثہ چاہیں تو یہ جائز وصیت ہوگی)۔

ان تمام فقہی نقول سے پتہ چلتا ہے کہ وارث کے لئے ممانعت اس وصیت کی ہے، جس کے ذریعہ دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو، لہٰذا جس وصیت کے ذریعہ تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو، وہ ممانعت کے دائرہ میں داخل نہیں ہے۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کی شکلیں درج ذیل ہیں:

الف- منظم جدوجہد کے ذریعہ حکومت وقت کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ مسلمانوں کے درمیان میراث کی تقسیم کو عام قانون سے مستثنی کر کے شرعی قانون کے تحت قرار دے۔

ب- ہر مسلم آبادی میں ایک پنچایت قائم کی جائے جو علماء اور دانشوروں پر مشتمل ہو، اور وہ ہر مرنے والے مسلمان کے متروکہ مال کی تقسیم اسلام کے قانون میراث کے مطابق کرے۔

ج- مسلم آبادیوں کو مختلف حلقوں میں تقسیم کیا جائے اور ہر حلقہ کی کمیٹی بنائی جائے جو علماء اور دانشوروں پر مشتمل ہو، اور وہ مرنے والے مسلم کے ترکہ کو شریعت کے مقرر کردہ حدود کے مطابق تقسیم کرے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح سماجی دباؤ کے تحت کوئی شریعت کے قانون سے منحرف ہونے کی کوشش نہ کر سکے گا۔

۵- جمہور فقہاء کی تو یہی رائے ہے کہ اختلاف دین میراث سے مانع ہے، اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے، جو حضرت اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا یرث المسلم الکافر، ولا الکافر المسلم" (بخاری شریف حدیث نمبر ۶۷۶۴، مسلم شریف حدیث نمبر ۱۶۱۴) (مسلمان کافر کا وارث نہ ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا)، نیز انہوں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، جو عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا یتوارث أهل ملتین شتی" (سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۲۹۱۱، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۷۳۱، مسند احمد حدیث نمبر ۶۶۶۴، ۶۸۴۴، اور اس کی سند صحیح ہے) (دو مختلف مذہب والے باہم وارث نہ ہوں گے)۔

ان حضرات کی عقلی دلیل یہ ہے کہ میراث کا دارومدار ولایت ونصرت پر ہے، جو مسلمان اور کافر کے درمیان اختلاف مذہب کی وجہ سے منقطع ہے، ابن قدامہ مقدسی حنبلی تحریر فرماتے ہیں:

"أجمع أهل العلم على أن الكافر لا يرث المسلم: وقال جمهور الصحابة والفقهاء: لا يرث المسلم الكافر، ويروى هذا عن أبي بكر، وعمر، وعثمان، وعلي، وأسامة ابن زيد، وجابر بن عبد الله رضي الله عنهم وبه قال عمرو بن عثمان، وعروة، والزهري، وعطاء، وطاووس، والحسن، و عمر بن عبد العزيز، وعمرو بن دينار، والثوري، وأبوحنيفة، وأصحابه، ومالک، والشافعي، وعامة الفقهاء، وعليه العمل" (ابن قدامہ، المغنی، کتاب الفرائض، مسألۃ: لا یرث مسلم الکافر ۶/۳۶۷)۔

(اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا، اور جمہور صحابہ کا اور فقہاء کا قول ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہ ہوگا، یہی بات حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، اسامہ ابن زید اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور یہی عمرو بن عثمان، عروہ، زہری، عطاء، طاؤس، حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، عمرو بن دینار، ثوری، ابوحنیفہ اور ان کے متبعین مالک، شافعی اور عام فقہاء کا قول ہے، اور اسی پر عمل ہے)۔

اور امام سرخسیؒ رقمطراز ہیں: "والكلام من حيث الاستدلال أن الله تعالى قال: والذين كفروا بعضهم أولياء بعض" (انفال: ۷۳)، هذا بيان نفي الولاية من الكفار والمسلمين، فإن كان المراد به الإرث، فهو إشارة إلى أنه لا يرث المسلم الكافر، وإن كان المراد به مطلق الولاية، فقد بينا أن في الإرث معنى الولاية لأنه يخلف المورث في ماله ملكا ويدا وتصرفا، ومع اختلاف الدين، لا تثبت الولاية لأحدهما على الآخر، ألا ترى أنه لا تبقى الولاية بين من هاجر و بين من لم يهاجر، حتى كانت الهجرة فريضة،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقال: والذين آمنوا ولم يهاجروا، مالكم من ولايتهم من شئي حتى يهاجروا"(انفال:۷۲)"فدل ذلک على نفي الولاية بين الكفار والمسلمين بطريق الأولى، وهو الكلام من حيث المعنى، فإن الإرث نوع ولاية، فالسبب الخاص كما لا يوجب الولاية للكافر على المسلم، لا يثبت للمسلم على الكافر يعني ولاية التزويج بسبب القرابة، وولاية التصرف في المال، وبه فارق التوريث بالسبب العام، فإن الولاية بالسبب العام تثبت للمسلم على الكافر كولاية الشهادة والسلطنة، ولا تثبت للكافر على المسلم بحال، بكذلک التوريث"(المبسوط،کتاب الفرائض باب مواریث أہل الکفر ۳۰/۳۰)۔

(اور دلیل قائم کرنے کے لحاظ سے گفتگو اس طرح ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''اور جنہوں نے کفر کیا، وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی وحامی ومددگار ہیں''، چنانچہ یہ کفار اور مسلمانوں کے درمیان ولایت کی نفی کا بیان ہے، سو اگر اس سے مراد میراث ہے، تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہ ہوگا، اور اگر اس سے مطلق ولایت مراد ہے، تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ وراثت میں ولایت کا مفہوم پایا جاتا ہے، اس لئے کہ وارث مورث کا جانشیں اس کے مال میں ملکیت، قبضہ اور تصرف کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور دین کے اختلاف کے ساتھ ایک کے لئے دوسرے پر ولایت ثابت نہیں ہوتی ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ ولایت مہاجر اور غیر مہاجر کے درمیان باقی نہیں رہتی ہے، یہاں تک کہ ہجرت فرض تھی، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: ''اور جو ایمان تو لائے، لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی، تمہارا ان سے کوئی رشتہ ولایت نہیں، تا آنکہ وہ ہجرت کریں'' تو یہ بدرجہ اولی کفار اور مسلمانوں کے درمیان ولایت کی نفی پر دلالت کرتا ہے، اور عقلی اعتبار سے بھی یہی گفتگو ہے، کیونکہ وراثت ایک قسم کی ولایت ہے، چنانچہ سبب خاص جس طرح کافر کے لئے مسلمان پر ولایت کو ثابت نہیں کرتا ہے، اسی طرح مسلمان کے لئے کافر پر ثابت نہیں کرتا ہے، یعنی قرابت کے سبب شادی بیاہ کرانے اور مال میں تصرف کرنے کی ولایت اختلاف دین کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی ہے، اور اس فرق کی بنا پر سبب خاص کی وجہ سے وراثت سبب عام کی وجہ سے وراثت سے جدا و الگ ہے، کیونکہ سبب عام کی بنا پر ولایت مسلمانوں کے لئے کافر پر ثابت ہوتی ہے، جیسے گواہی اور حکمرانی کی ولایت ہے، اور کافر کے لئے کسی حالت میں مسلمان پر ثابت نہیں ہوتی ہے، چنانچہ وراثت کا بھی یہی حال ہے)۔

۲- جبکہ حضرت عمر، معاذ اور معاویہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا، اور کافر کو مسلمان کا وارث نہیں قرار دیا، اور یہی محمد بن الحنفیہ، علی بن الحسین، سعید بن المسیب، مسروق، عبداللہ بن معقل، شعبی، نخعی، یحیی بن یعمر اور اسحاق سے منقول ہے (دیکھئے: المغنی ۶/۳۶۷، المبسوط ۳۰/۳۰) اور علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم کا بھی میلان اسی رائے کی طرف ہے (دیکھئے: احکام اہل الذمہ، لابن القیم ۲/۸۵۳، ۸۵۵ طبع اول الدمام رمادی للنشر تحقیق یوسف وشاکر ۱۹۹۷ء)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس موقف کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "الإسلام يزيد ولا ينقص" (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۲۹۱۲، مسند الطيالسي حدیث نمبر ۵۶۸، اور اس کی سند پر انقطاع کا کلام ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے ابو الأسود الدیلی کا سماع حضرت معاذ سے ممکن قرار دیا ہے، دیکھئے: فتح الباری ۱۲/ ۵۰، بیروت، دار المعرفۃ، ۷۹ ۱۳ ایسے ہی حاکم نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے، اور ذہبی نے موافقت کی ہے)۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والے کے لئے بھلائی میں اضافہ کا ذریعہ ہوتا ہے، محروم کرنے یا کم دلانے کا ذریعہ نہیں بنتا ہے، کیونکہ وہ سارے مذاہب سے بلند ہے، اور اپنے پیروکاروں کو بلندی کی طرف لے جاتا ہے، نقص اور کمی کی طرف نہیں لے جاتا ہے، اور اسی پہلو کے پیش نظر حضرت معاذ اور یحیی بن یعمر نے مسلمان کو اس کے یہودی بھائی کا وارث قرار دیا۔

۲-حضرت عائذ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الإسلام يعلو ولا يعلى" (مسند الرویانی حدیث نمبر ۷۸۳، سنن دارقطنی حدیث نمبر ۳۶۲۰، اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے) (اسلام بلند ہوتا ہے، کوئی دوسرا مذہب اس پر بلند نہیں ہوسکتا ہے) وجہ استدلال یہ ہے کہ اسلام دلیل وحجت کے اعتبار سے تمام ادیان پر بلند ہے، لہذا وہ اپنے ماننے والے کو ہر اعتبار سے بلندی کی طرف لے جائے گا، اور نقص ومحرومی کا سبب نہ ہوگا۔

۳-اگر مفاسد کا خطرہ نہ ہو تو پاک دامن کتابیات سے مسلمان نکاح کرسکتا ہے، اسی طرح وہ غیر مسلم کا وارث بھی ہوسکتا ہے (دیکھئے: المغنی ۶/ ۳۶۷، المبسوط ۳۰/ ۳۰)۔

۴-حدیث کی تاویل:

حدیث: "لا يرث المسلم الكافر" میں کافر سے مراد حربی کافر ہے جو عملاً مسلمانوں کے ساتھ حالت جنگ میں ہو، تو ایسی حالت میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان تعلقات منقطع ہونے کی وجہ سے مسلمان حربی کافر کا وارث نہ ہوگا۔

۵- میراث سے محرومی کا خطرہ اسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے، جبکہ اسلام لوگوں کو اللہ تعالی سے جوڑنے کا ذریعہ ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کو انسانیت کی اس قدر فکر تھی کہ قرآن کریم بار بار آپ ﷺ کو تسلی دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: "فلعلک باخع نفسک علی آثارهم، إن لم يؤمنوا بهذا الحديث أسفا" (کہف:۶) (تو شاید آپ ان کے پیچھے اپنے تئیں غم سے ہلاک کر کے رہیں گے، اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں)۔

۶- مورث غیر مسلم ہو، اور اس کا مسلمان رشتہ دار ہو، تو قانون اسے ترکہ میں حق دلاتا ہے، اگر وہ نہ لے، تو اسلام دشمن ہاتھوں میں جانے کا خطرہ ہے، ممکن ہے کہ اس مال کا استعمال اسلام سے روکنے اور مسیحیت وغیرہ کو پھیلانے میں ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷- غیر مسلم مورث کی متروکہ ثروت سے حاصل حصہ سے مسلمان وارث اپنی ضروریات کے بقدر لے کر وہ باقی دولت اسلام اور مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرسکتا ہے، اور خیر کی راہ میں خرچ کرسکتا ہے۔

۸- اللہ تعالی نے قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر مال کو "خیر" سے تعبیر کیا ہے، لہذا اس کا استعمال خیر میں ہونا چاہئے، اگر مسلمان رشتہ دار اسے نہ لیں گے، تو غیر مسلم قرابت دار اس کا استعمال معصیت اور حرام کاموں میں کریں گے۔

ان دلائل کی روشنی میں جمہور کی رائے سے عدول کی گنجائش ہے۔

۶- ورثہ کے لئے وصیت کا صحیح نہ ہونا اس صورت میں ہے، جبکہ کسی وارث کو نقصان پہنچانا مقصد ہو، ان کے حق میں مطلق وصیت کرنے کی ممانعت نہیں ہے، لہذا ورثہ کے درمیان انصاف قائم رکھنے کی خاطر مورث کا اپنی زندگی میں حق میراث کے تناسب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی اولاد کے درمیان حصے مقرر کردینا، تاکہ اس کی موت کے بعد شرعی حدود کے دائرہ میں تقسیم ہو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ شریعت پر عمل کرانا ہے، اس کے قانون میراث سے فرار نہیں ہے، اسی لئے ورثہ کی اجازت سے وارث کے لئے وصیت ہوسکتی ہے، جیسا کہ "ہندیہ" میں ہے: "**ولا تجوز الوصية للوارث عندنا إلا أن يجيزها الورثة**" (عالمگیری، کتاب الوصایا، الباب الأول ۶/۹۰، طبع دوم دار الفکر ۱۳۱۰ھ) (ہمارے نزدیک وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، مگر یہ کہ ورثہ اس کی اجازت دے دیں) اور علامہ کاسانی تحریر کرتے ہیں: "**ولو أوصى لبعض ورثته، فأجاز الباقون، جازت الوصية لأن امتناع الجواز كان لحقهم، لما يلحقهم من الأذى والوحشة بإيثار البعض، ولا يوجد ذلك عند الإجازة**" (البدائع، کتاب الوصایا، الشروط الراجعۃ إلی الموصی لہ ۷/۳۳۸) (اور اگر اپنے بعض ورثہ کے لئے وصیت کرے، اور باقی ورثہ اجازت دے دیں تو وصیت جائز ہے، اس لئے کہ جائز نہ ہونا ان کے حق کی وجہ سے ہے، اس سبب سے کہ انہیں بعض کو ترجیح دینے کی وجہ سے اذیت اور وحشت لاحق ہوگی، اور اجازت کے وقت یہ وجہ مفقود ہے)۔

البتہ چونکہ یہ زندگی میں ہبہ نہیں ہے، بلکہ موت کے بعد مورث کے منشا کے مطابق ترکہ کی تقسیم کی چاہت کی وصیت ہے، لہذا اگر شرعی حدود سے انحراف کرکے وصیت کی گئی ہے، تو ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

۷- وصیت اس وقت نافذ ہوگی، جب ورثہ مورث کی موت کے بعد اپنی رضامندی کا اظہار کریں، علامہ مرغینانی رقم طراز ہیں: "**إلا أن يجيزها الورثة بعد موته، وهم كبار، ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته**" (بدایۃ المبتدی، کتاب الوصایا، ص ۲۵۸ مطبعہ محمد علی صبیح قاہرہ) (مگر یہ کہ ورثہ اس کی اجازت مورث کی موت کے بعد دے دیں، بشرطیکہ وہ بالغ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوں، اور مورث کی زندگی کی حالت میں ان کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں) اور علامہ حدادی عبادی زبیدی حنفی تحریر فرماتے ہیں:"يعنى بعد موته، وهم أصحاء بالغون"(الجوهرة النيرة، كتاب الوصايا، الوصية للوارث ۲/ ۲۸۷، طبع المطبعة الخيرية ۱۳۲۲ھ)(یعنی مورث کی موت کے بعد ورثہ اس کی اجازت دے دیں، جبکہ وہ بالغ ہوں اور مرض الموت میں نہ ہوں) اور علامہ میدانی حنفی لکھتے ہیں:"بعد موته وهم كبار"(اللباب فی شرح الکتاب، کتاب الوصایا، ۴/ ۱۶۸، بیروت المکتبۃ العلمیہ)(مگر یہ کہ ورثہ مورث کی موت کے بعد اجازت دے دیں، بشرطیکہ وہ بالغ ہوں)۔

اور" ہندیہ" میں ہے:"ولا تعتبر إجازتهم في حياة الموصي، حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك كذا في فتاوى قاضي خان"(عالمگیری، کتاب الوصایا، الباب الأول ۶/ ۹۰)(اور وصیت کرنے والے مورث کی حیات میں ان کی اجازت کا اعتبار نہیں، حتی کہ وہ اس کے بعد رجوع کر سکتے ہیں، ایسے ہی فتاوی قاضی خاں میں ہے)۔

شافعیہ کا بھی یہی مسلک ہے، چنانچہ بکری بن محمد دمیاطی شافعی تحریر فرماتے ہیں:"وإنما تعتبر الإجازة، أي أو الرد بعد موت الموصي"(اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین، باب في الوصية، ۳/ ۲۴۰ طبع دار الفکر ۱۹۹۷ء)(اجازت یا رد کرنے کا اعتبار وصیت کرنے والے مورث کی موت کے بعد ہوگا)۔

حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے، چنانچہ" زاد المستقنع" اور" الروض المربع" میں ہے"ويعتبر القبول بعد الموت لأنه وقت ثبوت حقه"(الروض المربع شرح زاد المستقنع للبہوتی الحنبلی کتاب الوصایا ص ۴۶۹ مؤسسۃ الرسالۃ)(اور موت کے بعد قبول کرنے کا اعتبار ہے، اس لئے کہ اس کے حق کے ثبوت کا یہی وقت ہے)۔

اور علامہ شنقیطی تحریر کرتے ہیں:"إذا أخذ رضا الورثة في حياته، فإنه يكون هذا مسقطا للإثم من ناحية تخصيص بعض الورثة لكن الوصية أصلا لا تنفذ ولا تعتبر كما سيأتي، إلا بالموت وعلى هذا فإنه لابد أن يكون قبول الورثة وإجازتهم بعد موت المورث الذي وصى"(شرح زاد المستقنع ۶/ ۲۶۳)(اگر زندگی میں ورثہ کی رضامندی حاصل کر لی، تو یہ بعض ورثہ کو خاص کرنے کے گناہ کو ساقط کر دے گا، لیکن وصیت اصلا موت سے ہی نافذ اور معتبر ہوگی (جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے)، لہذا ورثہ کا قبول کرنا اور اجازت دینا وصیت کرنے والے مورث کی موت کے بعد لازم ہے)۔

۸- دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں اپنی بیوہ کے لئے کی گئی وصیت معتبر ہے، علامہ حصکفی رقم طراز ہیں:"حتى لو أوصى لزوجته أو هي له، ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية"(الدر المختار، کتاب الوصایا ۶/ ۶۵۶)(یہاں تک کہ اگر اپنی بیوی کے لئے وصیت کرے، یا بیوی شوہر کے لئے وصیت کرے، اور دوسرا کوئی وارث نہ ہو، تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصیت صحیح ہے)۔

اور یہی حنابلہ کا مسلک ہے، چنانچہ رحیبانی حنبلی تحریر کرتے ہیں: "**ولو وصى أحدهما أي أحد الزوجين للآخر بكل ماله، ولا وارث له غيره، فله أي الموصى له كله، أي: كل المال، فيأخذه جميعه إرثا ووصية، على الصحيح من المذهب، لأنه لا يرد عليهما**" (مطالب أولی النہی، کتاب الوصایا ۴/۴۴۸، المکتب الاسلامی ۱۹۹۴ء) (اور اگر میاں بیوی میں سے ایک نے دوسرے کے لئے پورے مال کی وصیت کی، تو وصیت کردہ شخص کو پورا مال ملے گا، یعنی وہ شخص مذہب کے صحیح قول کے مطابق میراث اور وصیت کی حیثیت سے پورا مال لے گا، اس لئے کہ میاں بیوی پر بچا ہوا مال لوٹایا نہیں جاتا ہے)۔

اور چونکہ بیت المال کا صحیح انتظام اس وقت موجود نہیں ہے، لہذا شافعیہ کے نزدیک بھی یہ وصیت درست ہوگی۔

۹- وصیت کرنے والے کی زندگی میں ورثہ کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لہذا موت کے بعد اجازت درکار ہے، سو اگر ورثاء وصیت کرنے والے کی زندگی میں وارث یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت پر راضی تھے، لیکن اس کے مرنے کے بعد اسے رد کر دیا، تو رد کرنا صحیح ہے، اور وصیت باطل ہو جائے گی، یہی حنفیہ اور دیگر جمہور فقہاء کا مسلک ہے، کیونکہ رشتہ داروں کا استحقاق موت کے وقت ثابت ہوگا، لہذا حق ثابت ہونے سے پہلے اسے ساقط کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے، چنانچہ علامہ مرغینانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"**ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته؛ لأنها قبل ثبوت الحق، إذا لحق يثبت عند الموت، فكان لهم أن يردوه بعد وفاته، بخلاف ما بعد الموت لأنه بعد ثبوت الحق، فليس لهم أن يرجعوا عنه**" (ہدایہ مع البنایۃ، کتاب الوصایا، ۱۳/۳۹۳ طبع اول بیروت، دار الکتب العلمیہ ۲۰۰۰ء)۔

(وصیت کرنے والے کی زندگی کی حالت میں ورثہ کی اجازت کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اجازت حق ثابت ہونے سے پہلے ہے، کیونکہ حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے، لہذا ان کو حق حاصل ہے کہ وفات کے بعد اسے رد کر دیں، برخلاف موت کے بعد کی حالت کے کہ یہ اجازت حق کے ثبوت کے بعد ہے، لہذا ان کو رجوع کرنے کا حق نہیں ہے)۔

اور شافعیہ کا بھی یہی مسلک ہے، جیسا کہ علامہ بجیرمی سلیمان بن محمد شافعی تحریر کرتے ہیں: "**وبردهم وإجازتهم بعده لعدم تحقق استحقاقهم قبل موته**" (حاشیہ بجیرمی کتاب الوصیۃ ۳/۲۷۰، الحلبی ۱۹۵۰ء) (موت کے بعد ورثہ کے رد کرنے اور اجازت دینے کا اعتبار ہے، اس لئے کہ اس کی موت سے پہلے ان کا استحقاق ثابت نہیں)۔

اور حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ رقم طراز ہیں: "**ولا تصح إجازتهم وردهم إلا**

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعد موت الموصي، وما قبل ذلک فلا عبرة به"(المقنع مع المبدع، کتاب الوصایا ۵/۵۳۹، طبع بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۹۹۷ء)۔

(وصیت کرنے والے کی موت کے بعد ہی ان کی اجازت اوران کا رد کرنا صحیح ہوگا، اوراس سے پہلے کی اجازت اوررد کا اعتبار نہیں ہے)۔

اورابن مفلح حنبلی تحریر کرتے ہیں:"فدل علی أن الحق لم یملکوہ، فلم یصح منھم ما ذکر کالمرأة تسقط مھرھاقبل النکاح"(المبدع فی شرح المقنع ۵/۵۳۹)(تو اس سے پتہ چلا کہ ورثہ حق کے مالک نہیں ہوئے، تو ان کی ذکر کردہ اجازت ان کی طرف سے صحیح نہیں ہوئی، جیسے عورت نکاح سے پہلے ہی اپنا مہر ساقط کردے)۔

خلاصہ بحث:

۱-جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھا دینا جس سے تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں، واجب ہے، اگر وصیت نامہ کے بغیر شرعی تقسیم ناممکن ہو۔

۲-اس طرح کا وصیت نامہ حدیث "لا وصیة لوارث" کے خلاف نہیں ہے۔

۳-حدیث نبوی "لا وصیة لوارث" کا مقصد صرف وہ وصیت ہے، جس کے ذریعہ کسی وارث کا حق مارنا، یا کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو۔

۴-منظم جدوجہد کے ذریعہ حکومت پر دباؤ ڈال کر مسلمانوں کے لئے شرعی تقسیم کا قانون پاس کرانا چاہئے، بصورت دیگر علماء اوردانشوران کی کمیٹی بنانی چاہئے جو شرعی ضابطہ کے مطابق مال کی تقسیم کردے۔

۵-دعوت اسلامی کی مصلحت کے پیش نظر جمہور فقہاء کی رائے سے عدول کی گنجائش ہے۔

۶-جس وصیت کا مقصد شرعی تقسیم ہو اور کسی وارث کو نقصان پہنچانا نہ ہو، وہ معتبر ہے۔

۷-ورثاء کی رضامندی مورث کی موت کے بعد معتبر ہوگی۔

۸-کسی دوسرے وارث کی عدم موجودگی میں اپنی بیوہ کے لئے پورے مال کی کی گئی وصیت معتبر ہے۔

۹-مورث کے مرنے کے بعد ورثاء کی رضامندی ضروری ہے، تب ہی تہائی سے زائد میں وصیت نافذ ہوگی۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث اور وصیت کے چند مسائل-شرعی نقطہ نظر سے

مفتی راشد حسین ندوی ☆

۱-زندگی ہی میں مورث کا وراثت کے مطابق وصیت لکھنے کا حکم:

وارث کے لئے وصیت کرنا شرعا باطل ہے، حدیث میں اس کی صراحت ہے، لیکن واضح رہے کہ والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا پہلے واجب تھا، قرآن میں ہے:"کتب علیکم إذا حضر أحدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة للوالدین والأقربین بالمعروف حقا علی المتقین"(بقرہ:۱۸۰)(فرض کردیا گیا تم پر جب حاضر ہو تم میں موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ، یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر)۔

پھر یہ حکم منسوخ کردیا گیا، اس بارے میں کئی اقوال ہیں کہ اس کا ناسخ کیا ہے، لیکن زیادہ راجح یہ ہے کہ اس حکم کی ناسخ آیت میراث "یوصیکم الله" ہے، اس لئے کہ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہورہی ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:"وقال بعض العلماء: نسختها آیة المواریث"، وفي الحدیث ما یدل علیه، فانه علیه الصلاة والسلام قال: "ان الله تبارک و تعالی اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث"(ابوداؤد کتاب البیوع باب فی تضمین العاریۃ ۳۵۶۵، ترمذی فی الوصایا باب ماجاء لاوصیۃ لوارث ۲۱۲۱)۔

(بعض علماء کا قول ہے کہ اس کو آیت میراث نے منسوخ کیا ہے اور حدیث میں اس پر دلالت موجود ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے، لہذا کسی بھی وارث کے لئے وصیت صحیح نہیں ہے (بدائع الصنائع ۶/۴۲۶)۔

اسی لئے فقہاء نے صحت وصیت کی شرائط میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ موصی کی موت کے وقت موصی لہ اس کا وارث نہ بن رہا ہو، ورنہ وصیت صحیح نہیں ہوگی، "ومنها أن لا یکون وارث الموصی وقت موت الموصی، فإن کان لا

☆ مدرسہ ضیاء العلوم میدانپور، تکیہ کلاں، رائے بریلی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تصح الوصية"(بدائع ۶/ ۴۳۳، شامی ۵/ ۶۰ ۴، ہدایہ مع تکملہ فتح القدیر ۹/ ۳۵۱، ۳۵۴)۔

معلوم ہوا کہ وارث کے حق میں وصیت نا جائز ہونے کی وجہ ہی یہ ہے کہ اس کو جتنا حق ملنا تھا سب مل چکا" قوله: كل ذى حق حقه، أى كل حقه فقد أشار عليه السلام إلى أن الميراث الذي أعطى الوارث كل فيدل على ارتفاع الوصية وتحول حقه من الوصية إلى الميراث"(بدائع ۶/ ۴۲۴)(ہر صاحب حق کو اس کا حق یعنی پورا حق دے دیا ہے، حضور علیہ السلام کا اشارہ اس طرف ہے کہ جو میراث وارث کو دی گئی ہے وہ کل حق ہے، لہذا یہ وصیت کے باطل ہونے اور اس کے حق کے وصیت سے میراث کی طرف منتقل ہو جانے کی دلیل ہے)۔

لہذا اگر کسی وارث کے حق میں وصیت اس لئے کی جارہی ہے کہ اسے شریعت کے حکم کے مطابق میراث مل جائے تو ایسا کرنا جائز ہوگا، اس لئے کہ یہ شریعت کی منشاء کے مطابق ہے، حضرت تھانوی فرماتے ہیں:

"اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر مورث اپنے ترکہ میں اس طرح وصیت کر جائے کہ فلاں وارث کو فلاں چیز دی جائے اور فلاں وارث کو فلاں چیز، بشرطیکہ وہ انداز سے اس کو حصہ شرعی کے کم نہ ہو تو جائز ہے، اور اگر کم ہو تو نا جائز ہے کہ وصیت لوارث ہے جو کہ نا جائز ہے، اور بطریق مذکور تعیین کر دینا یہ تقسیم ہے اور اس کی ولایت مورث کو دی گئی ہے، اور یہی وجہ تطبیق ہے دونوں قولوں میں جو کہ روایت مذکورہ میں ہیں" (امداد الفتاوی ۴/ ۳۳۷)۔

روایت مذکورہ سے حضرت تھانویؒ کی مراد "ردالمحتار" کی یہ عبارت ہے:

"قال القهستاني: واعلم ان الناطفي ذكر عن بعض اشياخه: ان المريض اذا عين لواحد من الورثة شيئا كالدار على أن لا يكون له في سائر التركة حق يجوز، وقيل: هذا إذا رضى ذلك الوارث به بعد موته فحينئذ يكون تعيين الميت كتعيين باقي الورثة معه كما في الجواهر اه قلت: وحكى القولين في جامع الفصولين فقال: قيل: جاز وبه أفتى بعضهم وقيل: لا"(شامی ۵/ ۴۶۴، کتاب الوصایا مکتبہ نیض القرآن)۔

(قہستانی کہتے ہیں: جان لو کہ ناطفی نے اپنے بعض شیوخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مریض ورثاء میں سے کسی کے لئے جب کوئی چیز جیسے گھر اس شرط پر متعین کرے کہ بقیہ ترکہ میں اس کا کوئی حق نہیں ہوگا تو یہ جائز ہوگا، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ جواز اس وقت ہے جب اس کی موت کے بعد وہ وارث اس سے راضی ہو تو اس وقت میت کا اس کے لئے متعین کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ باقی ورثاء متعین کرتے، جواہر میں اسی طرح ہے اھ، میں کہتا ہوں کہ جامع الفصولین میں دونوں قول نقل کر کے فرمایا: ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے، بعض فقہاء کا فتوی اسی پر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نا جائز ہے)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وارث کے لئے وصیت ناجائز ہونے کی حکمت یہ ہے کہ ایک کے لئے وصیت کی جائے تو دوسرے کو اذیت اور تکلیف ہوگی، یہی وجہ ہے کہ باقی ورثہ کی اجازت سے کسی وارث کے لئے وصیت جائز ہوتی ہے، حدیث میں اس کی صراحت آئی ہے فرمایا: "لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة" (دارقطنی ۴/ ۹۸، ۱۵۲، بیہقی ۶/ ۲۶۳) (کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے الا یہ کہ ورثاء اس کی اجازت دے دیں) فقہاء اس حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولو أوصى لبعض ورثته فأجاز الباقون جازت الوصية، لأن امتناع الجواز كان لحقهم لما يلحقهم من الاذى والوحشة بايثار البعض ولا يوجد ذلك عند الاجازة" (بدائع الصنائع ۶/ ۳۳۴ وشرح العنایۃ علی ہامش نتائج الافکار ۹/ ۳۵۴) (اگر بعض وارثوں کے لئے وصیت کی اور باقی نے اجازت دے دی تو وصیت جائز ہوگی، اس لئے کہ عدم جواز ان کے حق کے سبب تھا کہ بعض کو ترجیح دینے سے ان کو اذیت اور وحشت ہوگی اور اجازت کے وقت یہ چیزیں نہیں پائی جا رہی ہے)۔

اور جب شرعی حصوں اور سہام کے مطابق وصیت کی جائے تو یہ مانع نہیں رہے گا، لہذا عام حالات میں ایسا کرنا مباح ہوگا۔

لیکن اگر صورتحال ایسی ہو کہ اس طرح وصیت کئے بغیر اصحاب حقوق کو ان کا حق نہیں مل سکے گا، صرف وصیت ہی کی صورت ان کو حق دلانے کے لئے متعین ہو تو وصیت کرنا واجب ہوگا، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- میراث کے احکام قرآن مجید میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، اس تفصیل کے مطابق تقسیم کو فرض قرار دیا گیا ہے، ان کو حدود اللہ قرار دے کر ان پر عمل کو جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ اور عمل نہ کرنے کو جہنم کی آگ میں داخل ہو جانے کا سبب قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے:

"للرجال نصيب مما ترك الوالدان والأقربون، وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والأقربون مما قل منه أو كثر نصيبا مفروضا" (سورۂ نساء: ۷)۔

(مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے تھوڑا ہو یا بہت ہو حصہ مقرر کیا ہوا ہے)۔

پھر اس اجمال کی تفصیل آیت میراث "**يوصيكم الله الخ**" (سورۂ نساء: ۱۱، ۱۲) میں کرنے کے بعد ارشاد ہے: "**تلك حدود الله**" (سورۂ نساء: ۱۳، ۱۴) (یہ حدیں باندھی ہوئی اللہ کی ہیں، اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور رسول کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کو داخل کرے گا جنتوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، ہمیشہ رہیں گے ان میں، اور یہی ہے بڑی مراد ملنی، اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کی رسول کے اور نکل جاوے اس کی حدوں سے، ڈالے گا اس کو آگ میں، ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے)۔

۲- حدیث شریف میں فرمایا گیا: "ألحقوا الفرائض باهلها فما بقي فهو لاولى رجل ذكر" (مسلم فرائض باب الحقوا الفرائض باہلہا ۱۶۱۴، بخاری فرائض باب میراث الوالد من ابیہ وامہ ۶۷۳۲) (اصحاب فرائض کو ان کا حق دو اور جو بچ جائے اور اقرب مرد کا حق ہے)۔

"الحقوا" اور "یوصیکم" میں مخاطب مومنین کے واسطہ سے حکومت اسلامیہ ہے، اس طرح یہ حکم مورث کی موت کے بعد دوسرے مومنین کو دیا گیا ہے، لیکن اگر اس حکم کی تعمیل مورث کے کسی عمل پر موقوف ہوجائے تو یہ عمل یقینی طور پر اس پر لازم ہونا چاہئے، اس لئے کہ مومنین میں وہ بھی شامل ہے بلکہ بعض مفسرین نے تو مخاطب اسی کو قرار دیا ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: "والخطاب قيل للمومنين......وقيل الخطاب لذوي الاولاد على معنى يوصيكم في توريثهم إذامتم" (روح المعانی ۴/۲۱۶)۔

۳- بعض حضرات کے نزدیک "كتب عليكم إذا حضر احدكم الموت" میں وصیت کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا وجوب غیر وارث والدین اور رشتہ داروں کے حق میں باقی ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"فقال بعضهم: الوصية بقيت واجبة للوالدين والأقربين غير الوارثين بسبب الكفر والرق" (بدائع ۶/۴۲۴) (بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کفر اور غلامی کے سبب غیر وارث والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کا وجوب باقی ہے)۔

لہذا وصیت کا یہ وجوب اصحاب حقوق کو ان کا حق دلانے کے لئے بدرجہ اولی ہونا چاہئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس انداز میں وصیت کرنا عام حالات میں مباح ہوگا، اور اگر اس شرعی حکم کی بجا آوری وصیت کرنے ہی پر موقوف ہوجائے تو وصیت کرنا واجب ہوگا۔

سوال نمبر ۲- وصیت حدیث کے خلاف نہیں ہے:

اوپر سوال نمبر (۱) کے تحت تفصیل سے آچکا ہے کہ حدیث: "لا وصية لوارث" میں وارث کے حق میں وصیت کی ممانعت ایک کو دوسرے پر ترجیح دے کر اذیت دینے، اور شرعاً جو حق مقرر کیا گیا ہے اس پر اضافہ کرنے کے سبب ہے، اور اس وصیت میں تو حق دار کو اس کا حق دینے کی کوشش کی جارہی ہے، لہذا اس کو معتبر مانا جائے گا، دلائل گذر چکے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال نمبر ۳- یہ وصیت ممانعت کے دائرہ میں نہیں آئے گی، دلائل اوپر گذر چکے ہیں۔

سوال نمبر ۴- قانون میراث جاری کرانے کی شکلیں:

اگر مورث مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق وصیت کرے، اور حکومت اس کو معتبر قرار دے، تو شاید اسلامی قانون میراث جاری کرانے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہوگا، میرے خیال سے دو طریقے اور بھی ہوسکتے ہیں، لیکن عملاً ان کا نفاذ مذکورہ طریقہ کے مقابلہ میں دشوار ہے۔

۱- ورثاء کی ذہن سازی کی جائے کہ ملکی قانون کے باوجود وہ اپنے طور پر شریعت کی روشنی میں تقسیم کیا کریں، اور ہر ایک کے حصہ علاحدہ کر کے سب کو قبضہ دلا دیا کریں، اس طرح سرکاری اندراج تو ملکی قانون کے مطابق ہوگا، لیکن ہر وارث اپنے حصہ کا مکمل طور پر مالک ہوگا، اور اس میں ہر طرح کے تصرف کا مجاز ہوگا، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے خاندان میں بھی یہی طریقہ رائج ہے، میرے علم کے مطابق اس خاندان کے تمام افراد اس پر سختی سے عامل ہیں، ظاہری طور سے جو دیندار نہیں سمجھے جاتے وہ بھی اس کے خلاف کرنے کا تصور نہیں کرتے، اس لئے کہ خاندان کے عرف کے خلاف کرنا ان کے لئے دشوار ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو وہ شخص اس میں کبھی بھی رخنہ نہیں ڈالتا جس کے نام سے سرکاری اندراج ہوتا ہے، اگر شرعی اعتبار سے اس پر قابض اور مالک فروخت کرنا چاہتا ہے تو وہ فوراً سرکاری کارروائی میں تعاون کردیتا ہے، اس طرح شرعی تقسیم میں ان کو کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

اس طرح تقسیم کرنا ہے تو بہت آسان، لیکن جب تک لوگوں کی ذہن سازی نہ ہو، اس کا عام عرف نہ بنایا جائے اس پر عمل مشکل ہوگا، ورثاء میں سے کوئی تقسیم کے وقت یا بعد میں رکاوٹ ڈال دے تو دقت پیدا ہوگی، اس لئے کہ سرکاری اندراج تو کچھ اور ہی ہوگا، لیکن جو لوگ ملکی قانون کا بہانہ لے کر تقسیم شرعی سے گریز کرتے ہیں ان کے لئے شریعت کے مطابق تقسیم کرنے کا یہ ماڈل موجود ہے، اس پر عمل سے آخر کون سی رکاوٹ ہے؟

۲- دوسرا طریقہ عملی طور سے اس سے بھی زیادہ مشکل ہے، وہ یہ کہ جیسے بہت سے مسائل طلاق، نکاح وغیرہ میں پرسنل لا موجود ہے اور ان مسائل میں عدالت اور حکومت مسلمانوں کے مسائل کا تصفیہ اسلامی فقہ کے مطابق انجام دیتی ہے، اسی طرح وراثت کے بارے میں مسلمان شریعت اسلامیہ کے نفاذ کا مطالبہ کریں، ہندوستان جیسے ممالک میں ملکی قانون چونکہ خواتین کو زمین جائداد میں حق نہیں دلاتا، شرعی قانون میں خواتین کے بھی مقررہ حصے ہیں، اور دنیا میں فی الحال خواتین کو اوپر اٹھانے کی عام فضا ہے، لہذا اس مطالبہ پر رائے عامہ میڈیا اور گورنمنٹ کی تائید کی امید ہے، لیکن واضح رہے کہ جن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غیراسلامی ممالک میں عورت اور مرد کو برابر حصہ دلایا جاتا ہے، وہاں موجودہ فضاء میں اس طرح کا مطالبہ قبول کیا جانا ممکن ہوگا، وہاں تو میرے خیال سے وصیت کا نظام ہی کارآمد ہوگا۔

سوال نمبر ۵-مسلمانوں کی غیر مسلم سے وراثت:

اس کی وضاحت سوالنامہ میں ہی کر دی گئی ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان تقریبا متفقہ طور پر وراثت جائز نہیں ہے، چند حضرات کو چھوڑ کر بقیہ امت اس پر متفق ہے اور یہ حکم صریح احادیث سے ثابت ہے۔

"عن أسامة بن زيد أن النبي ﷺ قال: لا يرث المسلم الكافر، ولا يرث الكافر، ولا يرث الكافر المسلم" (مسلم فرائض باب لا یرث المسلم الکافر ۱۴۰۴، والبخاری فرائض باب لا یرث المسلم الکافر ۶۷۶۴) (حضرت اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا، اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا)۔

چنانچہ وراثت سے متعلق اسلامی کتب خانہ کی سب سے اولین بہترین کتاب سراجی اور اس کی شرح شریفیہ میں ہے:"والثالث : اختلاف الدينين، فلا يرث الكافر من مسلم اجماعا ولا المسلم من الكافر على قول علي وزيد و عامة الصحابة واليه ذهب أصحابنا والشافعي.....والقياس أن يرث.....واليه ذهب معاذ بن جبل و معاوية بن ابي سفيان والحسن و محمد بن الحنفية و محمد بن علي بن الحسين ومسروق الخ"(شریفیہ ۱۴) (موانع ارث میں تیسری چیز اختلاف دین ہے، چنانچہ کافر کسی مسلمان کا بالاجماع وارث نہیں ہوگا، اور نہ ہی حضرت علی، حضرت زید بن ثابت اور جمہور صحابہ کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث ہوگا، ہمارے اصحاب اور امام شافعی بھی اسی طرف گئے ہیں......اور قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ وارث ہو...... چنانچہ حضرت معاذ ابن جبل، حضرت معاویہ ابن ابی سفیان، حضرت حسن بصری، محمد ابن الحنفیہ اور محمد ابن علی ابن حسین، مسروق اسی طرح طرف گئے ہیں)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی اسی سے ملتی جلتی بات نقل کی ہے "عليه عمل الامة الخ"(تکملہ فتح الملہم ۸/ ۱۳، فرائض باب لا یرث المسلم الکافر)۔

اس حکم کی حکمت بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:"أقول إنما شرع ذلك ليكون ذلك قطعا إلى طريق المواساة بينهما، فان اختلاط المسلم بالكافر يفسد عليه دينه"(حجۃ اللہ ۲/ ۳۲۳، فرائض، لا توارث عند اختلاف الدین) (میں کہوں گا کہ اس کی مشروعیت اس لئے ہے تاکہ یہ دونوں کے درمیان مواسات کو ختم کر دے، اس لئے کہ مسلمان کا کافر سے میل جول اس کے دین میں بگاڑ پیدا کر دے گا)۔

اور محمد علی صابونی فرماتے ہیں:"لان الارث أساسه التناصر والتعاون وهذا منتف بين المسلم و غير

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

المسلم" (المواریث فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۲۶) (اس لئے کہ وراثت کی بنیاد باہمی مدد اور تعاون پر ہے، اور یہ چیز مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان مفقود ہے)۔

لہذا ان دلائل کے پیش نظر اس مسلک کے صحیح، راجح اور قابل اعتماد ہونے پر تو کلام کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان جلیل القدر حضرات کے اختلاف کی وجہ سے مسئلہ اجماعی نہیں رہا بلکہ مجتہد فیہ ہو گیا، اور مجتہد فیہ مسائل میں ضرورت پڑنے پر مرجوح مسئلہ کو اختیار کرنے کی مثالیں موجود ہیں، لہذا اسوالنامہ میں جن وقتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے پیش نظر مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ دار کی وراثت حاصل کر سکتا ہے، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اگر دوسرے ورثاء راضی ہیں تب تو اس کو ہبہ قرار دیا جا سکتا ہے اور مسلمان کے لئے غیر مسلم سے ہبہ لینا جائز ہے "**وأهل الذمة في حكم الهبة بمنزلة المسلمين، لانهم التزموا احكام الاسلام فيما يرجع إلى المعاملات إلا انه لا تجوز المعاوضة بالخمر عن الهبة فيما بين المسلم والذمي**" (ہندیہ ۴/۴۰۵، شامی ۴/۵۷۶)۔

۲- اگر دوسرے ورثاء راضی نہیں ہیں تو اس کو ہبہ نہیں قرار دیا جا سکتا، لیکن جب ملکی قانون اس کی وراثت اس کے غیر مسلم رشتہ داروں کو دلاتی ہے اور بالاجماع خلاف شریعت ہونے کے باوجود وہ دینے پر مجبور ہوتا ہے تو کیوں نہ اسے بھی ملکی قانون کے ذریعہ اس کے حاصل کرنے کی اجازت دیجائے، خاص طور سے اس لئے بھی کہ اس طرح کا حق اس سے بھی جبرا حاصل کیا جا سکتا ہے، لہذا بدرجہ اولی اس کو یہ حق وصول کرنے کا حق ہونا چاہئے، اس لئے کہ حدیث میں ہے: "**الاسلام يعلو ولا يعلى عليه**" (الطبرانی فی الاوسط والبیہقی فی دلائل النبوہ حاشیہ شریفیہ ص ۱۴)۔

۳- حضرت معاذ وغیرہ کا مسلک اگر چہ احادیث صحیحہ کی موجودگی کے سبب مرجوح ہے، لیکن حالات کے پیش نظر ضرورتا اس کی روشنی میں بھی اس کے جواز کا قول اختیار کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

سوال نمبر ۶ - زندگی ہی میں حصے مقرر کرنے کا حکم:

سوال نمبر ۱ کے تحت اس کا جواب بھی آ چکا ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں: "**قال القهستاني: واعلم أن الناطفي ذكر عن بعض اشياخه: أن المريض اذا عين لواحد من الورثة شيئا كالدار على أن لا يكون له في سائر التركة حق يجوز، وقيل: هذا اذا رضي ذلك الوارث به بعد موته فحينئذ يكون تعيين الميت كتعيين باقي الورثة معه كما في الجواهر اه قلت: وحكى القولين في جامع الفصولين فقال: قيل: جاز، وبه أفتى بعضهم وقيل: لا**" (شامی ۵/۶۶۴ کتاب الوصایا طبع مکتبۃ فیض القرآن) (قہستانی کہتے ہیں: جان لو کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناطفی نے اپنے بعض شیوخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ: مریض، ورثاء میں سے کسی کے لئے جب کوئی چیز جیسے گھر اس شرط پر متعین کرے کہ بقیہ ترکہ میں اس کا کوئی حق نہیں ہوگا تو یہ جائز ہوگا، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ جواز اس وقت ہے جب اس کی موت کے بعد وہ وارث اس سے راضی ہو، تو اس وقت میت کا اس کے لئے متعین کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ باقی ورثاء اس کے لئے متعین کرتے، جواہر میں اسی طرح ہے اھ میں کہتا ہوں کہ جامع الفصولین میں دونوں قول نقل کر کے فرمایا: ایک قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے، بعض فقہاء کا فتویٰ اسی پر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نا جائز ہے)۔

حضرت تھانویؒ اسی عبارت کی روشنی میں فرماتے ہیں:

''اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر مورث اپنے ترکہ میں اس طرح وصیت کر جاوے کہ فلاں وارث کو فلاں چیز دی جائے، اور فلاں وارث کو فلاں چیز بشرطیکہ وہ انداز سے اس کے حصہ شرعی کے کم نہ ہو تو جائز ہے، اور اگر کم ہو تو نا جائز ہے کہ وصیت مواریث میں ہے جو کہ نا جائز ہے، اور بطریق مذکور تعیین کر دینا یہ تقسیم ہے، اور اس کی ولایت مورث کو دی گئی ہے، اور یہی وجہ تطبیق ہے دونوں اقوال میں جو کہ روایت مذکورہ میں ہیں (امداد الفتاوی ۴/ ۷ ۳۴۳)۔

خلاصہ یہ کہ اس طرح تقسیم اگر شرعی احکام کے مطابق کی جائے تو جائز اور معتبر ہوگی، ورثاء پر لازم ہوگا کہ اس کو تسلیم کریں، لیکن اگر شریعت کے احکام ملحوظ نہیں رکھے گئے تو اس کا جواز مورث کی موت کے بعد ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

سوال نمبر ۷ - مورث کی موت کے بعد ورثاء کی رضامندی ضروری ہے:

اوپر گذر چکا ہے کہ وارث کے لئے اصلاً وصیت معتبر نہیں ہے، باطل ہے، لیکن باقی ورثاء اگر اس وصیت سے راضی ہوں تو وصیت معتبر ہوگی، اس لئے کہ بعض روایات میں یہ اضافہ بھی منقول ہے:

''لا وصية لوارث، إلا أن يجيزها الورثة'' (دارقطنی ۴/ ۹۸، ۱۵۲، البیہقی ۶/ ۲۶۳) (وارث کے لئے وصیت معتبر نہیں ہے الا یہ کہ ورثاء اس کی اجازت دیں)۔

ورثاء کے راضی ہونے کا مطلب فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ مورث کی موت کے بعد راضی ہوں، لہٰذا اگر ورثاء مورث کی زندگی میں راضی تھے، اور سب نے خوشی خوشی وصیت نامہ پر دستخط بھی کر دیئے، لیکن مورث کی موت کے بعد وہ اپنی بات سے پھر گئے تو یہ وصیت معتبر نہیں ہوگی۔

''ولا تعتبر إجازتهم حال حياته أصلا بل بعد وفاته (قوله: ولا تعتبر أى لانها قبل ثبوت الحق لهم، لأن ثبوته عند الموت فكان لهم أن يردوه بعد وفاته...... وفي البزازية: تعتبر الاجازة بعد الموت لاقبله'' (شامی ۵/ ۶۶۰ کتاب الوصایا طبع مکتبہ فیض القرآن)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جصاص رازی احکام القرآن میں فرماتے ہیں:"فقد اختلف الفقهاء فيمن أوصى بأكثر من الثلث فأجازه الورثة في حياته أو اوصى لبعض ورثته فأجازه الباقون في حياته فقال ابو حنيفة وابويوسف و محمد وزفر والحسن بن زياد والحسن بن صالح وعبد الله بن الحسن والشافعي: لا يجوز ذلك حتى يجيزوها بعد الموت، وقال ابن ابي ليلي وعثمان البتي: ليس لهم ان يرجعوا فيه بعد الموت وهي جائزة عليهم"(احکام القرآن ۲/ ۹۸،۹۹)۔

سوال نمبر ۸- ورثاء کی غیر موجودگی میں بیوی کے لئے وصیت جائز ہے:

وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے، لیکن فقہاء نے اس سے کچھ صورتوں کو مستثنی کیا ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ شوہر کے ورثاء میں بیوی کے علاوہ کوئی اور نہ ہو تو وہ اپنی بیوی کے لئے وصیت کرسکتا ہے، اسی طرح بیوی کے ورثاء میں شوہر کے علاوہ کوئی اور نہ ہو تو وہ اس کے لئے وصیت کرسکتی ہے، یہ وصیت شرعاً معتبر ہوگی، اگرچہ اصل کے اعتبار سے یہ وصیت معتبر نہ ہونا چاہئے۔ الدر المختار میں ہے:

"أولم يكن له وارث سواه كما في الخانية، أي سوى الموصى له القاتل او الوارث حتى لو أوصى لزوجته اوهي له ولم يكن ثم وارث آخر تصح الوصية"(الدر المختار ۵/ ۴۶۴)۔

اس کے معتبر ہونے کی وجہ بھی بالکل صاف ہے، وہ یہ کہ وارث کے لئے وصیت باطل ہونے کا سبب یہ ہے کہ دوسرے ورثاء بد دل نہ ہوں، اور انہیں اذیت اور تکلیف نہ ہو، لہذا جب کوئی وارث موجود ہی نہیں تو یہ وصیت کی جاسکتی ہے، زوجین کا ذکر مثال میں اس لئے ہے کہ بقیہ ورثاء کو "رد" کے طور پر مل جاتا ہے، زوجین پر رد نہیں ہوتا، لہذا وصیت کردی جائے تو انہیں بیت المال پر ترجیح دی جائے گی، بلکہ بعض حضرات کے قول کے مطابق موجودہ دور میں جبکہ بیت المال بھی نہیں ہے، اگر زوجین کے نہ ورثاء ہوں نہ ذوو الارحام ہوں تو وصیت کے بغیر بھی ایک کا ترکہ دوسرے کو مل جائے گا، سراجی کے حاشیہ میں ہے:"وفي الاشباه والنظائر: يرد على الزوجين بناء على انه ليس في زماننا بيت المال...... وعليه المتاخرون منا...... والحق ان الرد عليهما وضع موضع بيت المال"(ص ۱۲ مکتبۃ الاتحاد دیوبند)۔

سوال نمبر ۹- ورثاء کی رضامندی مورث کی موت کے بعد ضروری ہے:

اگر ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی تو مورث کی موت کے بعد ورثاء کی رضامندی ضروری ہے، صرف مورث کی زندگی میں ان کا راضی ہونا کافی نہیں ہے (دلائل ۷ میں گذر چکے ہیں)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلاصہ بحث:

۱-عام حالات میں اس طرح کی وصیت مباح ہے،لیکن اگر وصیت کے بغیر ورثاء کوحق نہ ملنے کا یقین ہو،اورشرعی تقسیم وصیت کرنے ہی پر موقوف ہوتو یہ وصیت واجب ہوگی۔

۲-یہ وصیت "لا وصية لوارث" کے خلاف اور معارض نہیں ہے،لہذا معتبر ہوگی۔

۳-یہ وصیت ممانعت کے دائرہ میں نہیں آئے گی۔

۴-ایک مزید شکل یہ ممکن ہے کہ سرکاری اندراج کچھ بھی ہو،ورثاء شریعت کے مطابق تقسیم کریں،دوسری شکل یہ ہے کہ حکومت پر دباؤ ڈال کر شرعی وراثت کے نفاذ کو قانونی شکل دینے کی کوشش کی جائے۔

۵-مسلمان اس قانون سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اس کے لئے کوشش بھی کر سکتے ہیں،اگر دوسرے ورثاء راضی ہوں تو اس کو ہبہ سمجھ کر اور اگر راضی نہیں ہیں تو حالات زمانہ کے پیش نظر حضرت معاذ وغیرہ کے قول کو اختیار کر کے یا اسے ایک سرکاری سہولت تسلیم کر کے۔

۶-اگر یہ وصیت شرعی ضابطوں کے مطابق ہر ایک کو جائز حق دلانے کے لئے ہے تو معتبر ہوگی،ورنہ مورث کی موت کے بعد ورثاء کی رضامندی پر موقوف ہوگی۔

۷-اس وصیت کو اسی وقت معتبر مانا جائے گا جب ورثاء مورث کی موت کے بعد بھی اس پر راضی ہوں۔

۸-ورثاء کی غیر موجودگی میں یہ وصیت معتبر ہوگی۔

۹-اگر مورث کی موت کے بعد بھی ورثاء راضی ہوں تو معتبر ہوگی ورنہ نہیں۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت-خصوصی حالات کے تناظر میں

مولانا نورالحق رحمانی ☆

احکام میراث قانون شریعت کا ایک اہم حصہ ہیں، جن کے نفاذ کا اللہ تعالی نے مسلمانوں کو مکلّف بنایا ہے، سماج میں عدل وانصاف، معاشی ہمواری کے قیام اور دولت وثروت کے عدم ارتکاز کا مدار اس پر ہے کہ قانون میراث کو صحیح طور پر نافذ کیا جائے، ورنہ مال چند ہاتھوں میں گھر کر رہ جائے گا اور حقدار وورثین اس سے شریعت کے منشاء کے مطابق مستفید نہ ہوسکیں گے، اس لئے قرآن کریم میں بڑی تاکید کے ساتھ احکام میراث کو مکمل طور پر نافذ کرنے کا اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے اور اس پر کامیابی، رضائے الٰہی اور اخروی فوز وفلاح کا وعدہ کیا ہے اور اس کے برخلاف ان سے گریز، پہلوتہی اور شرعی حدود سے تجاوز کرنے پر ناکامی، ذلت ورسوائی، جہنم اور دائمی عذاب کی وعید وارد ہے، چنانچہ آیت میراث کے ذیل میں فرمایا گیا:

"تلک حدود الله ومن يطع الله ورسوله يدخله جنات تجرى من تحتها الأنهار خالدين فيها وذلک الفوز العظيم، ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله نارا خالدا فيها وله عذاب مهين" (نساء: ۱۳-۱۴)۔

اس لئے مسلمانوں کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد سے بلند ہوکر اتباع شریعت کے جذبہ سے اسلام کے احکام میراث کو برضا ورغبت اپنے اوپر جاری کریں، جو لوگ مادی منفعت اور ذاتی مفاد کی خاطر اسلامی قانون میراث سے گریز کریں وہ صحیح معنوں میں مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں، بلکہ ایسے لوگ عملی نفاق میں مبتلا ہیں، جس کا انجام دنیا و آخرت میں ذلت ورسوائی ہے، ایسے لوگ اللہ کے حکم کو توڑنے اور ورثین کو ان کے واجبی حق سے محروم کرنے کے مجرم ہیں۔

۱- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمان بھی اپنی بساط کی حد تک اسلام کے احکام میراث کو جاری کرنے کے مکلّف ہیں، اب اگر ایسے کسی غیر مسلم ملک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرنے کا تنہا راستہ

☆ استاذ المعہد العالی امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ رہ جاتا ہے کہ دنیا سے رخصت ہونے والا شخص اپنے وارثین کے درمیان ترکہ کی شرعی تقسیم کے لئے وصیت کا سہارا لے اور وصیت نامہ تیار کر کے اسلامی قانون وراثت کی مکمل پیروی کرتے ہوئے ہر وارث کے لئے اس مقدار کی وصیت کر جائے جو اس کا حق بنتا ہے تو مورث کے لئے وفات سے قبل ایسا کرنا واجب ہوگا، اسلام میں اصل اعتبار نیت اور مقاصد کا ہے، مشہور حدیث ہے: ''إنما الأعمال بالنیات'' (صحیح بخاری ار ۲، مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)۔

اور فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: ''الأمور بمقاصدھا'' (الأشباہ والنظائر لابن نجیم ر ۵۳)، لہذا ظاہری لحاظ سے گرچہ اسے وصیت کا نام دیا گیا ہے، لیکن حقیقت کے لحاظ سے یہ میراث کی تقسیم ہے، اسلام کے احکام میراث کو نافذ کرنے کے لئے وصیت نامہ کو محض حیلہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، لہذا اگر اس طرح کی تحریر اور قانونی وصیت نامہ تیار کرنے کے بعد یہ بات یقینی ہو کہ تمام وارثین کو ان کا حق شرعی مل جائے گا تو نفاذ شریعت کے جذبے سے ایسا کرنا مورث کے لئے لازم ہوگا، اسے ممنوع تو کہا ہی نہیں جاسکتا اور صرف جائز بھی نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ جواز میں فعل اور ترک دونوں پہلو برابر ہوتا ہے اور اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں بھی کوئی حرج نہیں ہوگا، اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ ایسا وصیت نامہ تیار نہ کرنے کی صورت میں شریعت کا نظام میراث متاثر ہوگا اور وارثین کے حقوق ضائع ہوں گے، جو ظلم ہے، لہذا رفع ظلم ونزاع اور تنفیذ شریعت کی نیت سے ایسا کرنا مورث پر واجب اور لازم ہوگا۔

۲- حدیث نبوی: ''لا وصیۃ لوارث'' کا مقصد مورث کو ظلم سے روکنا ہے تاکہ وہ کسی وارث کو اس کے متعین حق سے زیادہ دے کر دیگر وارثین کی حق تلفی نہ کرے، اور یہاں پر وصیت کا لفظ محض حیلہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، اور شرعا وہ حیلہ ممنوع ہے جس کا مقصد احکام شریعت سے گریز اور فرائض و واجبات اور شرعی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرنا ہو، لہذا شریعت کے مقصد کو بروئے کار لانے کے ارادے سے اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا انشاء اللہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہوگا، بلکہ وہ اس پر اجر وثواب کا مستحق ہوگا، اس لئے کہ اس وصیت سے اس کا مقصد میراث اور ترکہ سے متعلق احکام شریعت کو جاری کرنا ہے اور شریعت میں اصل اعتبار مقاصد ہی کا ہے۔

۳- جی ہاں، حدیث نبوی ﷺ ''لا وصیۃ لوارث'' کا مورد و مقصد صرف وہ وصیت ہے جس سے وارثین کو نقصان پہنچایا جائے یا جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال دلایا جائے، چنانچہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں یہ اضافہ بھی ہے: ''إلا أن یجیزھا الورثۃ''، اس کا مطلب یہ ہے کہ وارث کے حق میں وصیت کی ممانعت یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی ترکہ سے زیادہ کی وصیت کی ممانعت وارثین کے حق کی بنا پر ہے کہ اس کی وجہ سے انہیں نقصان پہنچے گا، اسی بنا پر اگر وہ ایسی کسی وصیت پر راضی ہوجائیں اور اسے جائز قرار دیں تو ایسی صورت میں وہ وصیت نافذ ہوگی، اور ممانعت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے دائرے میں نہیں آئے گی، کیونکہ ممانعت جن کے حق کی بنا پر بھی وہ خود اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہیں، لہذا اب ممانعت نہیں رہے گی، شارح بخاری، علامہ بدرالدین عینیؒ تحریر فرماتے ہیں:

”وقال المنذری: إنما تبطل الوصیة للوارث فی قول أکثر أهل العلم من أجل حقوق سائر الورثة، فإذا أجازوها جازت کما إذا أجازوا الزیادة علی الثلث“ (عمدۃ القاری شرح البخاری ۲۱/۱۰)۔

(منذری کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کے قول کی بنیاد پر وارث کے حق میں وصیت کا بطلان تمام وارثین کے حق کی بنا پر ہے، لہذا اگر وہ اسے جائز قرار دیں تو جائز ہے جیسا کہ اگر وہ تہائی سے زیادہ کی وصیت کو جائز قرار دیں تو جائز ہے)۔

یہ حدیث تو خیر بہت مشہور ہے بلکہ حد تواتر کو پہنچتی ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام کے مجمع میں یہ بات ایک دائمی اصول اور قاعدہ کلیہ کے طور پر ارشاد فرمائی تھی اور امت سے اسے تلقی بالقبول کی حیثیت حاصل ہے اور تمام فقہاء کرام نے اسے ایک مسلمہ اصول کی حیثیت سے استعمال کیا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ خود قرآن کریم میں اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ موجود ہے، چنانچہ آیات میراث کے ذیل میں مختلف وارثین کے حصوں کے بیان کرنے کے بعد سورہ نساء کی دو آیات میں چار دفعہ اس اصول کی وضاحت کی گئی ہے کہ ان وارثین کو یہ حصے مورث کے دین کی ادائیگی اور اس کی وصیت جاری کرنے کے بعد دیئے جائیں گے، چوتھی دفعہ کلالہ کے وارثین (بھائیوں اور بہنوں) کے حصوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا: ”من بعد وصیة یوصی بها أو دین ، غیر مضار وصیة من الله“ (نساء: ۱۲)۔

یعنی اس وصیت اور اس دین کا اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ اس سے وارثین و مستحقین ترکہ کو ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو، چنانچہ علامہ شوکانی ”فتح القدیر“ میں اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

”(......غیر مضار) بالدین أو الوصیة لورثته بوجه من وجوه الضرار، کأن یقر بدین لیس علیه أو یوصی بوصیة لا مقصد له فیها إلا إلا ضرار بالورثة أو یوصی لوارث مطلقا أو لغیره بزیادة علی الثلث ولم تجزه الورثة“ (زبدۃ التفسیر ملخص من فتح القدیر للشوکانی آیت ۱۲، ص ۷۹)۔

(غیر مضار یعنی مورث دین اور وصیت سے اپنے وارثین کو ضرر نہ پہنچائے خواہ ضرر کی جو بھی صورت ہو مثلاً وہ کسی ایسے دین کا اقرار کرے جو اس پر نہ ہو یا ایسی وصیت کرے جس کا مقصد وارثین کو ضرر پہنچانے کے سوا کچھ اور نہ ہو یا کسی وارث کو وصیت کرے یا کسی غیر وارث کو تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے اور ورثاء اسے جائز قرار نہ دیں)۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح علامہ ابوبکر جصاص رازی اپنی مشہور تفسیر احکام القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: "فإنما تنفذ الوصية إذا وقعت عادلة، غير جائرة وقد بين الله تعالى ذلك في الآية التي تليها" (احکام القرآن ۱/ ۲۰۲ سورہ نساء، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

یعنی مورث کی وصیت اس وقت جاری کی جائے گی جبکہ وہ عدل وانصاف پر مبنی ہو، ظلم وجور وارثین کو ضرر پہنچانے کے ارادے سے نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ جب مورث نے اللہ تعالیٰ ہی کی تقسیم کو نافذ کرنے کے ارادے سے وصیت نامہ تیار کیا اور ہر صاحب حق کو اس کا واجبی حق پہنچا دیا ہے تو اس سے زیادہ منصفانہ اور عادلانہ تقسیم اور کیا ہو سکتی ہے، اس لئے اسے معتبر ہونا چاہئے۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کی سب سے بہتر اور فطری صورت تو یہ ہے کہ خود مورث اپنے اہل وعیال اور متعلقین وورثین کو دین کی تعلیم دیں اور انہیں دیندار اور متقی و پرہیزگار بنانے کی کوشش کریں تا کہ وہ از خود شریعت کے فیصلے پر راضی ہوں اور اس سے سرمو انحراف گوارہ نہ کریں، اور خواہ کوئی وضعی یا ملکی قانون انہیں کے حق سے زیادہ دینا چاہے مگر وہ اسے اپنے لئے بالکل حرام اور دین وایمان کے تقاضوں کے خلاف سمجھیں اور شریعت کے حدود سے تجاوز کرنے کو کفر وارتداد کے مترادف تصور کریں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بہت سے جمہوری ممالک مثلاً ہندوستان وغیرہ میں عائلی قوانین کو شہری اور مدنی قوانین کے دائرہ سے الگ رکھا گیا ہے، مدنی قوانین کا نفاذ تو تمام شہریوں پر برابر برابر ہوتا ہے، ان میں مختلف اہل مذاہب کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی جاتی، لیکن عائلی قوانین میں اگر کسی مقدمہ کے دونوں فریق کسی ایک مذہب سے تعلق رکھتے ہوں تو ان پر ان کے پرسنل لا کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے، اس لئے ایسے تمام غیر مسلم ممالک جہاں وضعی اور غیر اسلامی قوانین نافذ ہیں وہاں کے مسلمان اس بات کی کوشش کریں کہ عائلی قوانین میں وہاں کی حکومت ان کے پرسنل لا کو آئینی طور پر ہندوستان کی طرح تسلیم کریں، اور ان مسائل میں ان کے مقدمات کے فیصلے ان کی شریعت کے مطابق ہوں، یا حکومت مسلمانوں کو اس بات کی اجازت دے دے کہ وہ اپنی عائلی مسائل کے فیصلے کے لئے الگ سے اپنی کوئی مجلس یا دار القضاء قائم کرلیں، بظاہر یہ کام اتنا آسان نظر نہیں آتا، لیکن کوشش کی جائے تو کامیابی ممکن ہے، اور اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو الگ سے اپنی کوئی ایسی تنظیم یا علماء کی کونسل قائم کرلیں جو وہاں کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلام کے قانون میراث کو عملی طور پر جاری کرنے کی شکلوں اور صورتوں پر غور کر کے کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کریں جس کی رو سے حکومت سے ٹکراؤ کے بغیر اپنے قانون میراث کو نافذ کرنا ممکن ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵- مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وراثت جاری ہونے کا مسئلہ:

دو قرابت داروں یا زوجین کے درمیان وراثت جاری ہونے کے لئے اتحاد دین شرط ہے اور دین کا اختلاف وراثت سے مانع ہے، چنانچہ علم الفرائض کی مشہور کتاب ''السراجی فی المیراث'' میں چار چیزوں کو مانع ارث قرار دیا گیا ہے، جن میں سے ایک اختلاف دین بھی ہے:''المانع من الإرث أربعة: الرق وافرا كان أوناقصا، والقتل الذی يتعلق به وجوب القصاص أو الكفارة واختلاف الدينين واختلاف الدارين''(سراجی ۷-۸)۔

(وراثت سے مانع چار چیزیں ہیں: غلامی، خواہ وہ کامل ہو یا ناقص، ۲- وہ قتل جس سے قصاص یا کفارہ متعلق ہوتا ہے، ۳- دین کا اختلاف، ۴- دار کا اختلاف)۔

اور اس اصول کی بنیاد متعدد صحیح احادیث پر ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں صحیح بخاری کی حدیث ہے:

''عن أسامة بن زيدؓ أن رسول الله ﷺ قال: لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم'' (صحیح بخاری حدیث نمبر ۶۷۶۴، باب لا یرث المسلم الکافر، نیل الأوطار ۶/۳)۔

اسی طرح ابوداؤد شریف کی روایت ہے:''لا يتوارث أهل ملتين شتى'' (سنن ابی داؤد ۲/۴۰۳، کتاب الفرائض مکتبہ اشرفیہ)۔

اسی طرح سنن دارمی کی روایت ہے:''عن الشعبی أن رسول الله و أبا بكر و عمر قالوا: لا يتوارث أهل دينين''(سنن الدارمی ۲/۴۶۵)(شعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اور حضرت ابوبکر و عمرؓ نے فرمایا کہ دو دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے)۔

اسی بنا پر فقہاء کا اس بات پر تقریبا اتفاق ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے، جیسا کہ سوال نامہ میں بھی مذکور ہے۔

لیکن اس مسئلہ میں بعض دیگر صحابہ و تابعین کا قول یہ ہے کہ کافر تو مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، لیکن مسلمان کافر کا وارث ہوگا۔

''وذهب معاذ و معاوية والحسن وابن الحنفية و محمد بن على بن الحسين و مسروق رضى الله عنهم إلى أن المسلم يرث من الكافر ولا يرث منه لحديث: الاسلام يعلو ولا يعلى عليه '' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/۷۷۱۹ مطبوعہ دار الفکر)۔

(حضرت معاذؓ، حضرت معاویہؓ، حسن، ابن الحنفیہ، محمد بن علی بن الحسین اور مسروق رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلمان تو کافر کا وارث ہوگا، لیکن کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا، اس حدیث کی بنا پر کہ اسلام بلند رہے گا وہ مغلوب نہ ہوگا)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"ذهب الجمهور إلى الاخذ بما دل عليه عموم الحديث اسامة يعني المذكور في هذا الباب إلا ما جاء عن معاذ قال: يرث المسلم من الكافر من غير عكس واحتج بأنه سمع رسول الله ﷺ يقول: الإسلام يزيد ولا ينقص وهو حديث أخرجه ابوداؤد و صححه الحاكم" (فتح الباری ۱۲/۵۸، باب ۲۶/لا یرث المسلم الکافر)......"وأخرج أحمد بن منيع بسند قوي عن معاذ أنه كان يورث المسلم من الكافر بغير عكس، وأخرج مسدد عنه أن اخوين اختصما اليه مسلم ويهودي مات أبوهما يهوديا فحاز ابنه اليهودي ماله، فنازعه المسلم فورث معاذ المسلم، وأخرج ابن أبي شيبة من طريق عبد الله بن معقل قال: ما رأيت قضاء أحسن من قضاء قضي به معاوية، نرث أهل الكتاب ولا يرثونا، كما يحل النكاح فيهم ولا يحل لهم، وبه قال مسروق، وسعيد بن المسيب وابراهيم النخعي واسحاق" (حوالہ سابق)۔

اس عبارت میں حافظ ابن حجرؒ نے پہلے تو جمہور کا مذہب نقل فرمایا ہے کہ اس باب میں جو حضرت اسامہ بن زیدؓ کی حدیث نقل کی گئی اس کے عموم پر عمل کرتے ہوئے جمہور یہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے، پھر اس کے بعد حضرت معاذ بن جبل کا قول اور فیصلہ نقل فرمایا ہے کہ مسلمان تو کافر کا وارث ہوگا، لیکن اس کے برعکس کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا اور اس کی دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اسلام زیادہ دیتا ہے کم نہیں کرتا، یہ ابوداؤد کی حدیث ہے جسے حاکم نے صحیح قرار دیا ہے، پھر ان کا ایک دوسرا فیصلہ نقل کیا ہے کہ دو بھائیوں نے ان کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا جن میں ایک مسلمان اور دوسرا یہودی تھا اور باپ بھی یہودی تھا، باپ کے انتقال کے بعد یہودی بھائی نے باپ کے پورے مال کو سمیٹ لیا، مسلمان بھائی نے اس سے مزاحمت کی اور معاملہ حضرت معاذؓ کی عدالت میں پیش کیا تو حضرت معاذ نے مسلمان بھائی کو وارث بنایا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب حضرت معاذؓ یمن کے گورنر تھے۔

پھر ایک دوسری روایت ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ عبداللہ بن معقل فرماتے ہیں کہ میں نے اس فیصلے سے زیادہ بہتر فیصلہ نہیں دیکھا جو حضرت معاویہ نے فرمایا کہ ہم لوگ اہل کتاب کے وارث ہوں گے، لیکن وہ ہمارے وارث نہیں ہوں گے، جیسا کہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ہمارے لئے حلال ہے، لیکن ہماری عورتیں ان کے لئے حلال نہیں، اور حضرت معاذ اور حضرت معاویہ کے علاوہ مسروق، سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی اور اسحاق بھی اسی کے قائل ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن علامہ ابن حجرؒ نے اس دوسرے قول کی (جو حضرت معاذ وغیرہ سے مروی ہے) تردید کی ہے کہ یہ ایک ایسی نص کے مقابلے میں قیاس ہے جس کی مراد بالکل صریح اور واضح ہے اور نص کے ہوتے ہوئے کسی قیاس کا اعتبار نہیں ہے، اور جن دو حدیثوں سے اس دوسری رائے والوں نے استدلال کیا ہے (یعنی "الاسلام یزید ولا ینقص" اور" الاسلام یعلو ولا یعلی") وہ اس مراد میں صریح نہیں ہے بلکہ وہ اس پر محمول ہے کہ اسلام دوسرے ادیان پر فضیلت رکھتا ہے اور اس کا وراثت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ایک دوسرا قیاس بھی اس رائے کے معارض ہے اور وہ یہ ہے کہ وراثت کا تعلق ولایت سے ہے اور مسلم اور کافر کے درمیان ولایت نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: "یہود و نصاری کو اپنا دوست نہ بناؤ، ان میں سے بعض بعض کے دوست ہیں"، لہذا مسلم اور کافر کے درمیان ولایت نہ ہونے کی وجہ سے وراثت جاری نہیں ہوسکتی، اور اس رائے والوں نے اس کو نکاح کے مسئلے پر قیاس کیا تھا کہ جس طرح مسلمان اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے، لیکن اہل کتاب کے لئے مسلمان عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے، اسی طرح مسلمان اہل کتاب کا وارث ہوگا لیکن اہل کتاب مسلمان کے وارث نہیں ہوسکتے، اس کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ ذمی، حربی عورت سے نکاح کرسکتا ہے، لیکن وہ اس کا وارث نہیں ہوگا (حوالہ سابق)۔

اس لئے ان واضح اور صریح احادیث کی روشنی میں اور جمہور کے راجح اور مفتی بہ قول کی بنیاد پر دریافت کئے گئے مسئلہ میں کافر مورث کے ترکہ میں مسلمان رشتہ دار کا حق نہیں بنتا، اس لئے ایک مسلمان کے لئے عزیمت کی راہ تو یہی ہے کہ وہ غیر مسلم مورث کے ترکہ کا طالب نہ ہو، ہاں اگر غیر مسلم برادران و متعلقین اپنی طرف سے وہ حصہ پیش کریں تو ان کی طرف سے ہبہ اور عطیہ سمجھ کر لے سکتا ہے، کسی ملک کے قانون کی رو سے اگر کسی مسلمان کی میراث میں اس کے کسی کافر رشتہ دار کو حصہ ملتا ہے تو یہ ایک قانونی مجبوری ہے جس کے سامنے مسلم وارثین بے بس ہیں اور وہ اس کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے، لیکن اسے دوسرے مسئلہ کے لئے نظیر اور وجہ جواز قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ غلط نظیر سے استدلال کرنا ہی غلط ہے۔

البتہ سوال نامہ میں دعوتی نقطۂ نظر سے جس ضرورت کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے بالکلیہ چشم پوشی بھی نہیں کی جاسکتی، لہذا اس اہم ضرورت کی بنیاد پر حضرت معاذ اور حضرت معاویہؓ وغیرہ کے قول اور فیصلے کو رخصت کے طور پر اختیار کرنے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ یہ فیصلہ بھی صحابہ کرام سے منقول ہے اور اسلام کی ابتدائی صدی میں بعض مسلم شہروں اور علاقوں میں یہ معمول بہ رہا ہے، اور بعض صحابہ کرام کے علاوہ مشہور تابعین سعید بن المسیب، مسروق، ابراہیم نخعی، اور اسحاق وغیرہ بھی اس کے قائل ہیں، پھر نو مسلموں کی تالیف قلب شرعاً مطلوب ہے، ایسی ضرورت کی بنیاد پر بعض مرجوح اور غیر مفتی بہ قول کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور صحابہ کرام، تابعین اور علماء سلف کے اختلاف کی ایک بڑی حکمت اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ ضرورت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقت ان میں سے کسی قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب علماء سلف ہی کا علمی ورثہ اور ترکہ ہے جس سے بوقت ضرورت فائدہ اٹھانا چاہئے۔

۶- مورث کی زندگی میں میراث کی تقسیم کا مسئلہ:

شریعت کی نظر میں اصل اعتبار مقاصد کا ہے: "**الأمور بمقاصدها**" (الأشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/۵۳) پھر شریعت کی رو سے کسی وارث کے لئے وصیت کی ممانعت اس لئے ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے قانون میراث کے ذریعہ تمام وارثین تک ان کا حق پہنچا دیا ہے، تو اب وصیت کے ذریعہ کسی کے حصہ کو بڑھانا ظلم اور قانون الٰہی کی خلاف ورزی ہے، اور حکم شرعی کے مقابلہ میں اپنی مرضی کا قانون جاری کرنا ہے جو شریعت سے انحراف اور بغاوت کے مترادف ہے، لیکن اگر کوئی مورث یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثین کے درمیان میراث کی تقسیم میں اختلاف رونما ہو سکتا ہے، اس لئے اگر وہ آئندہ کے فتنہ کے سد باب کے لئے اسلام کے قانون میراث کو بنیاد بنا کر تمام وارثین کا حصہ حسب سہام شرعی متعین کر دے اور اپنے مرنے کے بعد اسے جاری کرنے کی وصیت کر جائے تو یہ چیز شریعت کے منشا کے مطابق ہے، اس لئے کہ یہاں کسی ایک وارث کے لئے وصیت نہیں ہے بلکہ تمام ورثاء کے لئے ہے، اور یہ صرف ظاہری لحاظ سے وصیت ہے اور مقصد کے لحاظ سے اسلامی نظام قانون کی تطبیق وتنفیذ ہے جو کسی طرح بھی ممنوع وصیت کے دائرے میں نہیں آتی، اس لئے کہ اس میں وارثین کو ضرر پہنچانا مقصود نہیں ہے بلکہ ضرر اور فتنہ وفساد سے بچانا اور تمام مستحقین و وارثین کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنا ہے جو قانون الٰہی کے نفاذ ہی سے ممکن ہے۔

یہاں پر ایک مسئلہ کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے جو مسئلہ میراث سے جڑا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے مفتیان کرام بالعموم یہ فتوی دیتے ہیں کہ میراث اور ترکہ وہ ہے جو میت اپنے پیچھے چھوڑ جائے اور جس کی تقسیم ان حقوق کی ادائیگی کے بعد ہو جو وراثت پر مقدم ہیں (یعنی میت کی تجہیز وتکفین، ادائے دین اور اجرائے وصیت) اور والدین اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو جو کچھ دیں (خواہ وہ میراث کی تقسیم کی نیت ہی سے کیوں نہ ہو) وہ عطیہ اور ہبہ ہے، اور عطیہ میں حدیث کی رو سے عدل ومساوات ضروری ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "**اتقوا الله واعدلوا بين أولادكم**" (اخرجہ البخاری ومسلم والموطا عن نعمان بن بشیر) (اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو)، اور دوسری حدیث ہے: "**سووا بين أولادكم في العطية**" (رواہ البیہقی باسناد حسن، والطبرانی فی الأوسط عن ابن عباسؓ) (اپنی اولاد کے درمیان عطیہ میں مساوات برتو)۔

ان دونوں احادیث کی بنیاد پر اگر والدین اپنی اولاد کو کچھ دیں یا مال وجائداد ہی کی تقسیم کریں تو تمام اولاد کو برابر برابر دینا ضروری ہے، یعنی بیٹی کو بھی بیٹے کے برابر دینا ہوگا، ان کے درمیان کمی بیشی کرنا صحیح نہیں ہے اور "**للذكر مثل حظ**

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الانثیین" (نساء:۱۱) یعنی لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دینے کا قرآنی اصول صرف ترکہ کے لئے ہے، عطیہ کے لئے نہیں ہے، ہماری فقہ و فتاوی کی کتابوں میں راجح اور مفتی بہ قول یہ ذکر کیا گیا ہے جو امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، لیکن اسی کے ساتھ عطیہ میں کمی وبیشی کرنے کی گنجائش بھی ذکر کی گئی ہے، بشرطیکہ اس کا مقصد کسی کو ضرر پہنچانا نہ ہو، چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

"وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصده فسوى بينهم يعطي البنت كالابن عند الثاني وعليه الفتوى......أي على قول أبي يوسف من أن التنصيف بين الذكر والأنثى أفضل من التثليث الذي هو قول محمد" (حاشیہ رد المحتار علی الدر ۸/ ۱۳۷)۔

(فتاوی خانیہ میں یہ ہے کہ محبت میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ یہ قلب کا عمل ہے، اسی طرح عطایا میں بھی اگر اس کا مقصد کسی کو ضرر پہنچانا نہ ہو اور اگر ضرر کا قصد ہو تو پھر سب کو برابر دے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لڑکی کو لڑکے کی طرح دے گا اور اسی پر فتوی ہے، یعنی اس پر کہ لڑکے اور لڑکوں کو برابر برابر دینا تثلیث (یعنی لڑکے کو دو حصہ اور لڑکی کو ایک حصہ دینے) سے افضل ہے جو کہ امام محمد کا قول ہے)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: "جمہور فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اولاد کے درمیان عطیہ میں برابری کا معاملہ کرنا مستحب ہے اور صحت کی حالت میں ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دینا مکروہ ہے، اور جو برابری مستحب ہے اس سے کیا مراد ہے، اس سلسلے میں بھی اختلاف ہے، حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور مالکیہ اور شافعیہ یعنی جمہور یہ فرماتے ہیں کہ باپ کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے اولاد کے درمیان خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں عطیہ میں برابری کا سلوک کرے اور لڑکے ہی کی طرح لڑکی کو بھی دے" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۴۰۱۲)۔

اور اس مسئلے میں دوسرا قول جو دلائل اور قانون میراث کی حکمت و مصلحت کے لحاظ سے زیادہ راجح نظر آتا ہے وہ حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام محمد کا قول ہے، اور موجودہ حالات میں وہی قابل ترجیح ہے:

"وقال الحنابلة و محمد بن الحنفية: للأب أن يقسم بين أولاده على حسب قسمة الله تعالى في الميراث، فيجعل للذكر مثل حظ الأنثيين، لأن الله تعالى قسم بينهم كذلك، وأولى ما اقتدى به: هو قسمة الله، ولأن العطية في الحياة أحد حالي العطية فيجعل للذكر محل حظ الأنثيين كحالة الموت، والميراث المترتب عليه، يدل لهذا أن العطية استعجال لما يكون بعد الموت فينبغي أن تكون على حسبه" (حوالہ سابق المغنی ۵/ ۶۰۴ وما بعدہا، القوانین الفقہیہ/ ۳۶۷)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس عبارت میں دوسرے قول کے دلائل ذکر کئے گئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ باپ کو چاہئے کہ وہ اپنے زندگی میں بھی اپنی اولاد کے درمیان مال کی تقسیم اس طرح کرے جیسا کہ اللہ تعالی نے میراث کی تقسیم فرمائی ہے، لہذا لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دے، اس لئے کہ اللہ تعالی کی تقسیم یہی ہے اور اسی کی تقسیم زیادہ قابل پیروی ہے اور اس لئے بھی کہ زندگی میں عطیہ کرنا عطیہ کی دو حالتوں میں سے ایک ہے، اس لئے جس طرح موت کی حالت میں اور اس کے بعد میراث کی تقسیم میں لڑکے کو دوہرا اور لڑکی کو اکہرا حصہ دیا جاتا ہے، اسی طرح زندگی میں بھی دے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ زندگی میں عطیہ دینا اس عطیہ کو قبل از وقت دینا ہے جو موت کے بعد ملنے والا ہے، لہذا زندگی کے عطیہ کو بھی موت کے بعد والے عطیہ کی طرح ہونا چاہئے۔

جو علماء کرام پہلے نقطہ نظر کو راجح قرار دیتے ہیں اور زندگی کے ہر عطیہ کو عطیہ قرار دے کر لڑکے اور لڑکی کے درمیان مساوات برتنے کی رائے پر اصرار کرتے ہیں، وہ اس حقیقت کو فراموش کر جاتے ہیں کہ جو حضرات عطیہ میں برابری کے قائل ہیں وہ بھی اسے صرف مستحب اور مندوب قرار دیتے ہیں، واجب نہیں کہتے اور اس سلسلے میں احادیث میں جو امر وارد ہیں اسے وہ ندب پر محمول کرتے ہیں:

"اما عن حكم التسوية في العطية، فقال جمهور العلماء: لا تجب التسوية بل ندب، فإن فضل بعض الورثة صح و كره، وحملوا الأمر بالتسوية في الأحاديث على الندب"(حوالہ سابق)۔

بلکہ حنابلہ تو میراث کی تقسیم کو ہی برابری اور عدل وانصاف پر محمول کرتے ہیں، کہ اللہ کی تقسیم سے زیادہ مساوات اور عدل سے قریب دوسری کونسی تقسیم ہوسکتی ہے؟

"واختلفوا هؤلاء في كيفية التسوية......وقال الحنابلة: بل التسوية أن يجعل للذكر مثل حظ الأنثيين على حسب التوريث، وروى عن أحمد: أنه يجوز التفاضل إن كان له سبب، كأن يحتاج الولد لزمانته المرضية أو لعمى، أو لقضاء دينه أو كثرة عائلته، أو للاشتغال بالعلم أو نحو ذلك"(سابقہ حوالہ)۔

یعنی امام احمدؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ عطیہ میں اگر ایک کو دوسرے سے زیادہ دینے کی کوئی معقول وجہ ہو، مثلاً کوئی مریض اور معذور ہے یا اندھا ہے یا مقروض ہے، یا کوئی کثیر العیال ہے یا علم اور دین کی خدمت میں مصروف رہنے کی وجہ سے کسب معاش کے لئے فارغ نہیں ہے تو پھر ایسے ضرورت مند کو بڑھا کر دینا بلا کراہت درست ہے۔

پس ثابت ہوا کہ زندگی میں اولاد کے درمیان داد و دہش میں کمی بیشی کرنا ممنوع نہیں، بلا ضرورت ایسا کرنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناپسندیدہ ہے اور اگر ضرورت متقاضی ہو تو بلا کراہت درست ہے، بلکہ جو حضرات زندگی میں عطیہ کے اندر بھی وراثت والی تقسیم کو یعنی لڑکے کو دو حصہ اور لڑکی کو ایک حصہ دینے کو ہی عدل و مساوات قرار دیتے ہیں، اور اگر اس کے خلاف کیا جائے یعنی لڑکے کو لڑکی کے برابر دیا جائے تو پھر شریعت کا وہ مقصد فوت ہوگا جس کی بنیاد پر اسے دوگنا حصہ دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں لڑکوں کو نقصان پہنچانا ہوگا، اس لئے کہ مورث کے مرنے کے بعد ترکہ کی تقسیم ہوتی تو ہر لڑکے کو لڑکی کے مقابلے میں دوہرا حصہ ملتا اور زندگی میں والد نے تقسیم کر دیا تو انہیں ان کے ترکہ کا آدھا حصہ ملا۔

۷- وارث کے حق میں وصیت پر اگر دیگر ورثاء راضی ہوں تو یہ رضامندی کب معتبر ہوگی؟

اگر کوئی شخص اپنی کسی اولاد کی خدمت یا اس کی مجبوری مثلاً اس کے معذور ہونے یا قرض کے بوجھ میں دب جانے یا کثیر العیال ہونے کی وجہ سے یا علمی و دینی اور دعوتی کاموں میں اس کے غیر معمولی اشتغال و انہماک کی وجہ سے اسے دوسری اولاد کے مقابلہ زیادہ دینا چاہے تو شرعی طور پر اس کے لئے وجہ جواز ہے، کسی کو زیادہ دینے کی ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ اس کے لئے کوئی معقول شرعی وجہ نہ ہو، لہٰذا دیگر وارثین کی اجازت کے بغیر بھی مورث ایسا کر سکتا ہے، جامعہ ازہر مصر کی فتوی کمیٹی (لجنۃ الفتوی بالأزہر) نے اس کی صراحت کی ہے، فقہ و فتاوی کی دیگر کتابوں میں ایسی ضرورت کی بنیاد پر کسی وارث کو زیادہ دینے کو بلا کراہت جائز کہا گیا ہے، فتوی کمیٹی جامعہ ازہر کا فیصلہ ملاحظہ ہو:

"يجوز تفضيل بعض الأولاد على بعض لمبرر شرعي، ومن المبررات الشرعية: العاهات المانعة من التكسب، كالزمانة والعمى المانع والشلل، وكذلك العجز عن التكسب والاشتغال بالعلم الديني" (الفقہ الاسلامی وادلتہ بحوالہ مجلۃ الأزہر، العدد الثالث السنۃ الرابع)۔

یعنی کسی شرعی وجہ کی بنیاد پر ایک اولاد کو دوسری اولاد پر فضیلت دینا (یعنی عطیہ میں) جائز ہے، اور شرعی وجہ جواز میں سے درج ذیل امور ہیں: ایسے امراض و آفات کا شکار ہونا جو کمائی سے مانع ہو، مثلاً معذور ہونا، اندھا پن جو کمائی سے مانع ہو، مفلوج ہونا، اسی طرح کمانے سے عاجز ہونا اور دینی علم میں اشتغال وغیرہ۔

سوالنامہ میں جس صورت کا حکم دریافت کیا گیا ہے اس کی نوعیت مذکورہ بالا صورت سے قدرے مختلف ہے اور وہ یہ ہے کہ اس صورت میں مورث موہوب لہ کے لئے ہبہ نامہ نہیں بناتا، تاکہ وہ شی اس کے اختیار سے باہر نہ چلی جائے، بلکہ وہ تمام ورثاء کی رضامندی سے اس کے حق میں وصیت نامہ بنا دیتا ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد شخص مذکور کو وصیت کے مطابق وہ چیز مل جائے، تو اس سلسلے میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ دیگر وارثین نے جو مورث کی زندگی میں وصیت پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے آیا وہی رضامندی کافی اور معتبر ہوگی اور انہیں اپنے سابق قول سے رجوع کرنے کا حق ہوگا یا مورث کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرنے کے بعد ان کی رضامندی کا اعتبار کیا جائے گا اور نئے سرے سے ان کی اجازت لینی ہوگی؟ اور انہیں اپنی پہلی اجازت سے رجوع کرنے کا بھی اختیار ہوگا؟ تو اس سلسلے میں دونوں اقوال ہیں، ایک جماعت جس میں امام اوزاعی، فقیہ ابن ابی لیلی، عطاء، حسن، زہری اور ربیعہ ہیں ان کے نزدیک وارثین کو مورث کے مرنے کے بعد اپنی پہلی اجازت سے رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہے، پہلی ہی اجازت معتبر اور کافی ہے، لیکن اس کے برخلاف جمہور فقہاء، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور ابوثور کا قول یہ ہے کہ مورث کے مرنے کے بعد ان کی رضامندی کا اعتبار کیا جائے گا، لہذا انہیں اپنے پہلے قول سے رجوع کرنے کا حق ہے، دلیل کے اعتبار سے یہی دوسرا قول راجح ہے، امام ابوبکر جصاص رازی آیت وصیت کے ذیل میں اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے، الا یہ کہ وارثین اسے جائز قرار دیں: چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

"ویدل أیضا علی أن إجازة الورثة هي محمولة علی أن اجازتهم معتبرة بعد الموت؛ لأنهم فی حال حیاته لیسوا بورثة، وإنما تحصل لهم هذه السمة بعد موت المورث، فمتی أجازوا لیس لوارث فإجازته باطلة" (أحکام القرآن للجصاص ۱/۲۰۵، بقرہ: ۱۸۰)۔

(یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وارثین کی اجازت اس بات پر محمول ہے کہ ان کی اجازت مورث کی موت کے بعد معتبر ہوگی، اس لئے کہ وہ اس کی زندگی میں وارث ہی نہیں ہیں، وارث ہونے کی خصوصیت ان کے لئے مورث کی موت کے بعد حاصل ہوگی، اس لئے زندگی میں ان کے وارث نہ ہونے کی وجہ سے ان کی اجازت کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ یہ اجازت باطل ہوگی)۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی وارث کے حق میں دیگر وارثین نے مورث کی زندگی میں جس وصیت کو جائز قرار دیا ہے اس اجازت کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ وہ مورث کی زندگی میں وارث ہی نہیں ہیں، لہذا اس کے مرنے کے بعد دیگر وارثین دوبارہ اس وصیت کو جائز قرار دیں تو اس اجازت کا اعتبار ہوگا۔

۸- مورث کی اپنی بیوی کے لئے وصیت:

لاولد مرد اگر اپنے مرنے کے بعد اپنی بیوہ کا حق محفوظ کرنے کے لئے کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں اس کے لئے وصیت کر جائے تو یہ وصیت شرعاً نافذ ہوگی، اس لئے کہ وارث کے حق میں وصیت کی ممانعت دوسرے وارثین کے حق کی بنیاد پر ہے، اسی بنا پر اگر وہ اس وصیت کو نافذ قرار دیں تو وصیت نافذ ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے: "إلا أن یجیزها الورثة" اور اس صورت میں جبکہ دوسرے وارثین موجود ہی نہیں ہیں تو ممانعت کی علت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی نہیں پائی گئی، اس لئے اس وصیت کو جائز ہونا چاہئے۔

"وقال المنذری: انما تبطل الوصیة للوارث فی قول أکثر أهل العلم من أجل حقوق سائر الورثة، فإذا أجازوها جازت، کما إذا اجازوا الزیادة علی الثلث" (عمدۃ القاری شرح البخاری للعینی ۱۰ / ۲۱)۔

(منذری فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کے قول کی رو سے وارث کے لئے وصیت تمام وارثین کے حق کی وجہ سے باطل ہوتی ہے، اس لئے اگر وہ اسے جائز قرار دیں تو پھر وہ وصیت جائز ہو جاتی ہے، جیسا کہ ایک تہائی ترکہ سے زیادہ کی وصیت کرنے کی ممانعت بھی تمام وارثین کے حق کی وجہ سے ہے، لیکن اگر وہ سب اس تہائی سے زائد کی وصیت کو بھی جائز قرار دیں تو جائز ہو جاتی ہے، گو انہوں نے خود اپنا خسارہ برداشت کر لیا)۔

اور اگر مسئلے کی یہی صورت ہو، لیکن مورث کے بعض دیگر وارث اہلیہ کے علاوہ موجود ہوں اور وہ اہلیہ کے حق کی حفاظت کے لئے اور اس کے لئے اطمینان بخش زندگی کی ضمانت کے لئے الگ سے کچھ وصیت کرے تو یہ وصیت جمہور کے قول کی بنیاد پر اس وقت نافذ ہوگی جب دیگر وارثین مورث کے مرنے کے بعد اسے نافذ قرار دیں، اور اگر مورث کو اس کا خطرہ ہو کہ دیگر وارثین مزاحمت کریں گے تو بطور عطیہ کے وہ اپنی زندگی میں دے سکتا ہے، یا اگر مہر ادا نہیں کیا ہے تو مہر کے نام پر دے سکتا ہے، صحت کی حالت میں شوہر بیوی کے مہر میں اضافہ کر سکتا ہے، یعنی مہر مسمی سے زیادہ کچھ شرائط کے ساتھ اسے دے سکتا ہے۔

۹- کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کا حکم:

وصیت کی یہ صورت وارثین کی اجازت سے جائز ہوگی، اور جمہور فقہاء کے نزدیک مورث کی زندگی میں اگر وارثین اس پر رضامند ہو گئے ہوں تو اس رضامندی کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ مورث کے مرنے کے بعد ان کی رضامندی معتبر ہوگی، اس لئے کہ حقیقت میں وہ مورث کی موت سے قبل وارث نہیں ہیں، اس کے مرنے کے بعد ہی وارث ہوں گے، اس لئے وارث بننے سے پہلے کی اجازت معتبر نہیں ہوگی، بلکہ انہیں اس سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے، ہاں غیر وارث کے حق میں ایک تہائی کی وصیت بہر حال نافذ ہوگی، دلائل اوپر گذر چکے۔

"ولما کان الموصی له إنما تقع الوصیة له بعد الموت، فکذلک الإجازة حکمها أن یکون فی حال وقوع الوصیة وأن لا تعمل الإجازة قبل وقوعها وأیضا لما کان للمیت إبطال الوصیة فی حال الحیاة مع کونه مالکا، فالورثة أحری بجواز الرجوع عما أجازوه" (احکام القرآن للجصاص ۱ / ۲۰۶، آیت وصیت البقرہ / ۸۰)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور چونکہ موصی لہ کے لئے وصیت موصی کی موت کے بعد واقع ہوتی ہے تو اسی طرح اجازت کا حکم یہ ہے کہ وصیت کے واقع ہونے کی حالت میں معتبر ہوگی، اور مورث کی موت سے قبل اجازت اپنا عمل نہیں کرے گی، نیز چونکہ میت اپنی زندگی میں وصیت کو باطل کر سکتا ہے باوجودیکہ وہ مالک ہے، اس لئے وارثین بدرجہ اولی اپنی اجازت سے رجوع کر سکتے ہیں)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

میراث کا ثبوت،نصوص قطعیہ سے ہے، نیز اسکے مستحقین اوران کے حصص بھی نصوص قطعیہ سے ہی ثابت ہیں ،اور فقہاء نے اس کی بھی صراحت کیا ہے کہ اگر کوئی وارث اپنا حصہ چھوڑ دے،تو اس سے اس کا حق باطل نہیں ہوتا، "ولو قال الوارث: ترکت حقي لم يبطل حقه" (الاشباہ والنظائر) (اگر وارث یہ کہے کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا،تو اس کا حق باطل نہیں ہوا)۔

اس لئے میت کے کسی وارث کو اس کے حق سے محروم کرنا، یا اس کے حصہ سے کم دینا جائز نہیں، بلکہ ظلم وزیادتی ہے اور اللہ تعالی کی ناراضگی اور عذاب کا باعث ہے،عموماً معاشرہ میں یہ رائج ہے کہ بہن، بیٹیاں تقسیم وراثت کے مواقع پر یہ دیتی ہیں کہ "میں نہیں لونگی،سب بھائی آپس میں بانٹ لیں" ان کے اس کہنے سے ان کا حق ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ عموماً ان کا یہ کہنا اس خوف سے ہوتا ہے کہ اپنا حق لے لینے کے بعد میکہ سے ان کا ربط منقطع ہو جائیگا،اور معاشرہ میں اسے معیوب سمجھا جائیگا کہ فلاں عورت نے میکہ سے اپنا حق لے لیا،لہذا ان کا اپنے حصہ کو ترک کرنا بخوشی ورضامندی سے نہیں ہوتا۔اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:"يايهاالذين آمنوا لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل" (النساء ۲۹) (اے ایمان والو! اپنے اموال کو اپنے درمیان باطل طریقہ سے مت کھاؤ)۔اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:" ألا ! لا تظلموا،ألا!لا يحل مال امرئ الا بطيب نفس منه" (مشکاۃ المصابیح ص ۲۵۵) (سنو! ظلم مت کرو،سنو! کسی کا بھی مال اس کی دلی رضا وخوشی کے بغیر حلال نہیں ہوتا)۔

اس لئے مسلمان،مسلم ممالک میں آباد ہوں یا غیر مسلم ممالک میں،ان میں اولاً اس مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے کہ کسی بھی وفات پانے والے شخص کا سارا مال،نقد ہو یا اسباب وسامان کی جنس سے،منقولہ ہو یا غیر منقولہ سب اس کا ترکہ ہوتا ہے،جس میں اس کے تمام ورثہ کا حق ہوتا ہے،وارث خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔نیز یہ شعور واحساس بیدار کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ دنیا نا

☆ استاذ جامعہ عربیہ تعلیم الدین،مئو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پائیدار ہے، حساب کا دن یوم آخرت برحق ہے، اور اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے، ورثہ کو ان کا حق نہ دینا اللہ کی نافرمانی ہے، اللہ تعالیٰ نے آیت میراث کے بعد یہ بھی فرمایا ہے:"ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ ناراً خالداًفیھا ولہ عذاب مھین"(النساء، ۱۴) (اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے، اور اس کے حدود سے تجاوز کرتا ہے، تو اللہ اس کو آگ میں داخل کریگا، جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا، اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہے)۔

ثانیاً جہاں یہ اندیشہ ہو کہ ورثہ یا کسی کی تعدی وظلم سے کوئی وارث اپنے حق وراثت سے محروم کردیا جائیگا، یا اسے اس کا پورا حق نہیں دیا جائیگا، تو ورثہ کے حقوق کے تحفظ کے لئے کوئی مناسب اقدام کیا جانا بھی ضروری ہے، خواہ مورث کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

۱- اس لئے ایسے ممالک میں جہاں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں کہ جس کا سہارا لے کر مظلوم وارث اپنا حق حاصل کرسکے، اور مورث کو اس کا اندیشہ ہو کہ اس کے ورثہ آپس میں انصاف کیساتھ ترکہ کی تقسیم نہیں کریں گے، اور بعض کا حق مارا جائے گا، تو اس کے لئے جائز ہوگا کہ ورثہ کے لئے ان کے حقوق جو بطریق وراثت ان کو حاصل ہونے والے ہیں، اس کی وصیت تحریر کردے، یا اس مضمون کی وصیت تحریر کردے، کہ میری وفات کے بعد میرے ترکہ کی تقسیم اسلامی شریعت کے مطابق کی جائے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:"لا ضرر ولا ضرار" (سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۳۴۰، ۲۳۴۱)(نہ نقصان میں رہنا ہے، نہ نقصان پہونچانا ہے)، اور اسی حدیث سے یہ قاعدہ فقہیہ اخذ کیا گیا ہے " الضرر یزال"(الاشباہ والنظائر القاعدۃ الخامسۃ)(ضرر کو دور کیا جائے گا)۔

۲- اس طرح کا وصیت نامہ جاری کرنا، حدیث نبوی"لا وصیۃ لوارث " (وارث کے لئے وصیت نہیں ہے)، کے خلاف نہیں ہوگا، کیونکہ اس طرح کی وصیت میں ان ہی حقوق کا تذکرہ ہوگا جو اس کی وفات کے بعد شرعی طور پر اس کے ورثہ کو ملنے والے ہونگے، لہذا اگر ورثہ اپنے درمیان ترکہ کی تقسیم شریعت کے مطابق کریں گے، تو زیادہ سے زیادہ وصیت نامہ کالعدم ہوگا، اور اگر شریعت کے مطابق ترکہ کی تقسیم نہیں کریں گے، تو یہ وصیت نامہ ملکی قانون کے مطابق ان کے درمیان شرعی تقسیم کو نافذ کرائے گا، اور اس طرح وہ متوفی، اپنی وصیت کے ذریعہ شرعی حکم کو نافذ کرانے میں معاون ہوگا، اور تعاون علی البر والتقوی کے اجر کا مستحق ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان"(المائدہ ۲) (نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کی مدد مت کرو)۔ فقہ حنبلی کی کتاب "المغنی" میں ابن قدامہ مقدسی علیہ الرحمۃ نے اس کی صراحت کیا ہے کہ اگر کسی نے اپنے ورثہ کے حصہ کے مطابق اپنے معین مال میں ان میں سے ہر ایک کے لئے وصیت کی تو احتمال ہے کہ وصیت صحیح ہو،" وان وصی لکل وارث بمعین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

من ماله بقدر نصيبه،كرجل خلّف ابناً وبنتاً،وعبدا قيمته مائة،وجارية قيمتها خمسون،فوصى لابنه بعبده،ولابنته بأمته،احتمل أن تصح الوصية،لأن حق الوارث في القدر لا في العين" (۳۹۷/۸)۔

۳۔ حدیث نبوی:"لا وصية لوارث" کوامام بخاری رحمہ اللہ نے بطور ترجمۃ الباب کے ذکر کیا ہے، نیز اس حدیث کی تخریج امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:" عن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول في خطبته عام حجة الوداع : ان الله قد اعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث " (د،حدیث ۲۸۷۰،ت، ۲۱۲۰)، ابوداؤد کی روایت میں "في خطبته عام حجة الوداع "کا ذکر نہیں ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:" ان الله قسم لكل وارث نصيبه من الميراث،فلا يجوز لوارث وصية "(ابن ماجہ حدیث ۲۷۱۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس باب کے تحت تحریر فرمایا ہے:" والمراد بعدم صحةوصية الوارث،عدم اللزوم،لأن الأكثر على أنهاموقوفة على اجازة الورثة"(۳۷۲/۵)(وارث کی وصیت کے صحیح نہ ہونے سے مراد، اس کا لازم نہ ہونا ہے، کیونکہ اکثر علماء اس قول پر ہیں کہ وہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے)، نیز اسی باب میں آگے لکھتے ہیں:"واحتجوا من جهة المعنى بأن المنع انما كان في الأصل لحق الورثة ، فاذا أجازوه لم يمتنع" (۳۷۳/۵) (اور من جہۃ المعنی علماء نے یہ دلیل قائم کیا ہے کہ (وارث کے لئے وصیت کی) ممانعت اصلاً ورثہ کے حق کی وجہ سے ہے، لہذا جب وہ اجازت دیدیں گے تو وصیت ممنوع نہیں ہوگی)۔

مضمون حدیث کے سیاق اور اس کے تحت علماء کے اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وارثوں کے سہام مفروضہ کے نزول سے پہلے صاحب مال کو والدین اور اقرباء کے لئے وصیت کرنے کا جو حکم، آیت کریمہ "كتب عليكم اذاحضر أحدكم الموت ان ترك خيراً الوصية للوالدين والأقربين بالمعروف حقاً على المتقين"(البقرۃ ۱۸۰) کے ذریعہ کیا گیا تھا، سورہ نساء کی آیت میں حصص کی تعیین کے بعد اس حکم میں تخفیف کردی گئی، اور حدیث مذکورہ "لا وصية لوارث" کے ذریعہ اس کی وضاحت کردی گئی کہ ورثہ کے لئے وصیت کرنے میں چونکہ عدم انصاف اور ظلم و جور کا احتمال ہے، اس لئے اللہ تعالی نے ورثہ کے حصے مقرر کردیئے ہیں، اب مورث کو کسی وارث کیلئے الگ سے ایسی وصیت کرنا جائز نہیں جس سے کسی دوسرے وارث کی حق تلفی ہو، البتہ ایسی وصیت جس کے ذریعہ ورثہ کو ان کا حصہ شرعی دلانا مقصود ہو، کسی وارث کو حصہ شرعی سے زائد دینا، یا کسی وارث کا حق ضائع کرنا مقصود نہ ہو، وہ وصیت اس ممانعت کے دائرہ میں نہیں آئے گی، کیونکہ یہ ممانعت حق شرع نہیں بلکہ حق ورثہ کے سبب ہے، اسی لئے کسی وارث کے حق میں وصیت بقیہ ورثہ کی اجازت سے نافذ ہوسکتی ہے، جیسا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ بعض روایت میں "لا تجوز الوصیة لوارث الا أن یشاء الورثة" (سنن الدارقطنی ۴/۹۷) کی صراحت بھی مذکور ہے، اس کی وضاحت فقہ کی کتابوں میں بھی ملتی ہے، چنانچہ متن ھدایہ میں مذکور ہے: "ولا تجوز لوارثه الا أن یجیزها الورثة" اسکے تحت صاحب ھدایہ لکھتے ہیں: "ولأن الامتناع لحقهم فتجوز باجازتهم"۔ (۴/ ۲۴۱) اور علامہ کاسانی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے: "لأن امتناع الجواز کان لحقهم لما یلحقهم من الأذی والوحشة بایثار البعض ولا یوجد ذلک عند الاجازة" (بدائع الصنائع ،۶/ ۳۳۴)۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کی اولین شکل تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں دینی شعور کو بیدار کیا جائے، شرعی احکام کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے، دنیا کی ناپائیداری اور آخرت کے خوف کا احساس پیدا کیا جائے، اخوت و بھائی چارگی اور صلہ رحمی کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ اجتماعی طور پر حکومتوں سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ مسلمانوں کے باہمی معاملات میں مسلمانوں کے شرعی قوانین کے مطابق ہی فیصلے کریں۔

تیسری شکل یہ ہے کہ مسلمان، غیر مسلم ممالک میں اپنی شرعی پنچایتیں قائم کریں، اور اپنے معاملات انھیں پنچایتوں کے ذریعہ ہی حل کرائیں، اور غیر مسلم عدالتوں میں اپنے معاملات لیجانے سے پرہیز کریں۔

۵- جمہور صحابہ اور فقہاء کرام کا قول یہ ہے کہ جیسے کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا، ویسے ہی مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوگا، اور اس قول کا مستدل وہ حدیث صریح، صحیح ہے جس کو بخاری و مسلم نے بھی صحیحین میں ان الفاظ میں روایت کیا ہے: "عن أسامة بن زید رضی الله عنهما أن النبی ﷺ قال: لا یرث المسلم الکافر، ولا الکافر المسلم" (صحیح البخاری مع الفتح ۱۲/ ۵۰ حدیث ۶۷۶۴، صحیح مسلم مع شرح النووی ۱۱/ ۵۱) (مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا، اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا)، اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ذهب الجمهور الی الأخذ بما دل علیه عموم حدیث أسامة" (فتح الباری ،۱۲/ ۵۰) اور علامہ عبد الرؤف المناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "نفی تضمن معنی النهی وهو ابلغ" (فیض القدیر ،۶/ ۴۴۹)۔ یعنی جملہ تو منفیہ ہے لیکن نہی کے معنی میں ہے، اور یہی زیادہ بلیغ ہے۔ ابن قدامہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "أجمع أهل العلم علی أن الکافر لا یرث المسلم، وقال جمهور الصحابة والفقهاء: لا یرث المسلم الکافر" (المغنی ۹/ ۱۵۴) (اہل علم کا اجماع ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا، اور جمہور صحابہ اور فقہاء نے کہا ہے کہ مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوگا)، فقہاء احناف کی کتابوں میں بھی یہی مذکور ہے کہ نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا، اور نہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البتہ صحابہ کرام میں سے سیدنا معاذ بن جبل اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ کافر تو مسلمان کا وارث نہیں ہوگا، لیکن مسلمان کافر کا وارث ہوگا (فتح الباری ۱۲/ ۵۰)، اور ابن قدامہ نے ان کے ساتھ صحابہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر کیا ہے، اور تابعین وفقہاء میں سعید بن المسیب، مسروق، شعبی اور نخعی وغیرہم کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن اسکے بعد لکھا ہے: "وليس بموثوق به عنهم،فان أحمد قال:ليس بين الناس اختلاف في أن المسلم لا يرث الكافر" (المغنی ۹/ ۱۵۴) (اور یہ قول ان لوگوں سے منقول ہونا مستند نہیں ہے، اس لئے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ لوگوں کے درمیان اس میں اختلاف نہیں ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا)، فتح الباری میں عبداللہ بن معقل کا قول نقل کیا ہے کہ :"ما رأيت قضاء احسن من قضاء قضى به معاوية نرث أهل الكتاب ولايرثونا كما يحل النكاح فيهم ولا يحل لهم، وبه قال مسروق وسعيد بن المسيب وابراهيم النخعي واسحق". (۱۲/ ۵۰) (میں نے اس سے بہتر کوئی فیصلہ نہیں دیکھا جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہونگے اور وہ ہمارے وارث نہیں ہونگے، جیسا کہ ہمارا ان میں نکاح کرنا حلال ہے، اور ان کے لئے حلال نہیں ہے، اور یہی قول کیا ہے مسروق، سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی اور اسحاق نے)۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طرف جو قول منسوب ہے وہ روایت ابوداؤد میں اس طرح منقول ہے:"عن عبد الله بن بريدة، أن أخوين اختصما الى يحي بن يعمر يهودي و مسلم فورّث المسلم منهما،وقال حدثني أبو الأسود،أن رجلاً حدثه أن معاذاً حدثه قال :سمعت رسول الله ﷺ يقول:" الاسلام يزيد و لا ينقص" فورث مسلما" (عبداللہ بن بریدہ سے مروی ہے کہ دو بھائی ایک یہودی اور ایک مسلمان اپنا معاملہ لیکر یحیٰ بن یعمر کے پاس آئے اور انھوں نے ان میں سے مسلمان کو وارث قرار دیا، اور کہا کہ مجھ سے ابوالاسود نے بیان کیا کہ ایک آدمی نے مجھ سے بیان کیا کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اسلام زیادہ ہوتا ہے اور کم نہیں ہوتا، اور انھوں نے مسلمان کو وارث قرار دیا)، دوسری روایت اس طرح ہے: "عن يحي بن يعمر ، عن أبي الأسود الدولي أن معاذاً أتى بميراث يهودي وارثه مسلم،بمعناه عن النبي ﷺ" (سنن أبي داؤد، کتاب الفرائض حدیث ۲۹۱۲، ۲۹۱۳) (معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک یہودی کی میراث لائی گئی، جس کا وارث ایک مسلمان تھا)، اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو، کیونکہ اسلام لانے سے پہلے وہ اپنے کافر مورث کے ترکہ کا مستحق تھا، اب اسلام لانے کے بعد اسکو وراثت سے محروم کیا جائے، تو اسلام اس کے حق میں نقص کا سبب ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس حدیث کی سند میں ابوالاسود اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے درمیان رجل مجہول کی وجہ سے اس حدیث کو منقطع اور نا قابل استدلال قرار دیا گیا ہے، چنانچہ معالم السنن میں خطابی علیہ الرحمۃ نے "فيه رجل مجهول ،اور في سماع أبي الأسود من معاذ بن جبل نظر" (مختصر السنن مع معالم السنن، ۱۸۱/۴) کا قول کیا ہے۔ اور حافظ نے فتح الباری میں "وتعقب بالانقطاع بين أبي الأسود و معاذ ولكن سماعه منه ممكن" (۵۰/۲۱) کا ذکر کیا ہے۔ نیز جمہور کی طرف سے مذکورہ حدیث "الاسلام يزيد ولا ينقص" میں متعدد احتمالات کی وجہ سے اور مسلم اور غیر مسلم کے مابین عدم ولایت کی وجہ سے بھی مذکورہ مسئلہ میں اس حدیث سے استدلال درست نہیں مانا گیا ہے، اس لئے مسئلہ تو یہی ہے کہ شرعی طور پر مسلمان کے ترکہ میں نہ اس کے کافر وارث کا حق ہوتا ہے، اور نہ کافر کے ترکہ میں اسکے مسلمان وارث کا حق ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث مذکور "لايرث المسلم الكافر ، ولا الكافر المسلم "کی نص سے ظاہر ہے۔

لیکن اس صورت میں جبکہ کسی غیر مسلم ملک میں غیر اسلامی قانون کے تحت مسلمان مورث کے ترکہ سے اسکے کافر وارث کو حصہ دیا جاتا ہو، اور اسی طرح کافر کے ترکہ سے اسکے مسلمان وارث کو حصہ دیا جارہا ہو، اور اس قانون کی خلاف ورزی بھی نہیں کی جاسکتی، تو مسلمان وارث کا اس قانون سے فائدہ اٹھانا بدرجہ اولی درست اور جائز ہوگا، اس لئے کہ صحابہ و تابعین کی ایک جماعت اس کی قائل بھی ہے، کہ مسلمان، کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔

اور اس لئے کہ حدیث مذکور نہی کے لئے ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ، کافر کے ترکہ سے مسلمان کو حصہ نہ دیا جائے، اور نہ مسلمان کے ترکہ سے کافر کو حصہ دیا جائے، اس لئے کہ دونوں کے درمیان ولایت و مناصرت مفقود ہے، لیکن اگر کسی صورت سے مسلمان وارث کو کافر کے ترکہ سے حصہ ملے تو مسلمان کے لئے اس کا لینا ممنوع اور ناجائز ہوگا، اس کی صراحت نہیں ملتی اور نہ حدیث کا یہ منشاء معلوم ہوتا ہے، کیونکہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ مسلمان کافر کے لئے اور کافر مسلمان کے لئے وصیت کرسکتا ہے، "ويجوز أن يوصى المسلم للكافر، والكافر للمسلم، فالأول لقوله تعالى : لاينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ..الأية، والثاني لأنهم بعقد الذمة ساووا المسلمين في المعاملات، ولهذا جاز التبرع من الجانبين في حالة الحيوة فكذا بعد الممات" (الهدايۃ ۶۴۱/۴) (جائز ہے کہ مسلمان کافر کے لئے وصیت کرے، اور کافر مسلمان کے لئے، اول اللہ تعالی کے فرمان کی وجہ سے کہ: اللہ تعالی تم کو منع نہیں کرتے ان لوگوں سے جنھوں نے تم سے دین میں قتال نہیں کیا، اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان و انصاف کرو، اور دوسرا جزئیہ اس لئے کہ وہ لوگ عقد ذمہ کی وجہ سے معاملات میں مسلمانوں کے لئے برابر ہو گئے، اسی لئے حالت حیات میں جانبین سے تبرع کرنا جائز ہے، تو ایسے ہی موت کے بعد بھی)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لہذا جب مسلمان اور کافر کا ایک دوسرے کے لئے وصیت کرنا جائز ہے، اور اس وصیت کے مطابق ایک دوسرے کے مال سے انتفاع جائز ہے، تو اگر کسی ملکی قانون کے مطابق مسلمان کو کافر سے وراثۃً مال ملتا ہے، تو اس مال کا لینا مسلمان کے لئے جائز ہوگا اور اس انتفاع میں کوئی قباحت نہیں ہوگی۔

۶- جہاں غیر شرعی قانون کی پابندی کی مجبوری نہ ہو، وہاں اپنے شرعی حکم کے مطابق ہی عمل ہوگا، اس لئے اگر مورث اپنی حیات میں ہی حقوق میراث کے مطابق اپنے ورثہ کے درمیان حصے مقرر کر کے اسکی وصیت تحریر کر دیتا ہے، تاکہ اس کی موت کے بعد اسی کے مطابق ترکہ کی تقسیم ہو، اور اس نے اپنی زندگی میں اسے ورثہ کو ہبہ نہیں کیا، تو اس وصیت کا اعتبار اسی صورت میں ہوگا جبکہ ورثہ شریعت کے مطابق تقسیم پر باہم راضی نہ ہوں اور ترکہ کی تقسیم کے لئے کسی عدالت اور پنچایت کا سہارا لیں، ورنہ یہ وصیت نامہ کالعدم ہوگا، خواہ مورث کی موت کے وقت باحیات وہی ورثہ ہوں جن کے لئے وصیت کی گئی ہے، یا ورثہ میں کم وبیش ہوئی ہو تو اس کا لحاظ بھی لازم ہوگا، البتہ مورث کی موت کے بعد ورثہ کی رضا اور اجازت کا قاعدہ یہاں بھی جاری ہوگا۔

۷- وصیت اس اعتبار سے کہ اس کے ذریعہ غیر کو مالک بنایا جاتا ہے، ہبہ کے مشابہ ہے، اور اس اعتبار سے کہ موصیٰ لہ کی ملکیت وصیت کرنے والے کی موت کے بعد ہی ثابت ہوتی ہے، یہ میراث کے مشابہ ہے، اسی لئے صحت وصیت کے لئے موصی کی طرف سے ایجاب اور موصیٰ لہ کی طرف سے قبول یعنی عدم رد، ضروری ہے: "ركن الوصية الايجاب من الموصي، وعدم الرد من الموصىٰ له، وهو أن يقع اليأس عن رده" (ردالمحتار، ۱۰/۳۳۹) (وصیت کا رکن وصیت کرنے والے کی طرف سے ایجاب، اور جس کے لئے وصیت کی گئی ہے اس کی طرف سے عدم رد ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس کے انکار کی امید نہ ہو)۔

اور وصیت اگر اجنبی کے لئے ثلث مال سے زیادہ کی ہو، یا وصیت کسی وارث کے لئے ہو، تو اس کے معتبر ہونے کے لئے، دیگر ورثہ کی رضا اور اجازت ضروری ہے، اور دیگر ورثہ کی یہ رضامندی، مورث کی موت کے بعد ہوگی، تب معتبر ہوگی، مورث کی زندگی میں ورثہ کی رضامندی کا اعتبار نہیں کیا جاتا، کیونکہ مورث کی حیات میں اس کے مال میں ورثہ کا حق ہی ثابت نہیں ہے، پھر انکی رضا اور عدم رضا کا کیا سوال؟ نیز اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ وارث وہی قرار پائیں گے جو مورث کی وفات کے وقت وارث بن رہے ہوں، درمختار میں مذکور ہے: "الا أن تجيز ورثته بعد موته ولا تعتبر اجازتهم حال حياته أصلاً بل بعدوفاته وهم كبار، يعني يعتبر كونه وارثاً أو غير وارث وقت الموت لا وقت الوصية" (الدرالمختار ۱۰/۳۴۰) (مگر یہ کہ اس کی موت کے بعد اس کے ورثہ اجازت دیدیں، اور ان کی اجازت اس کی زندگی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں بالکل ہی معتبر نہیں ہوگی، بلکہ اس کی وفات کے بعد اس حال میں کہ وہ بڑے یعنی صاحب تصرف ہوں، اور ان کا وارث ہونا یا نہ ہونا موت کے وقت معتبر ہوگا نہ کہ وصیت کے وقت)۔

لہذ اگر اپنی زندگی میں ہبہ تام نہیں کیا تو وصیت کرتے وقت یا مورث کی وفات سے قبل ورثاء کی اجازت اور رضامندی کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۸- بیوی وارث ہے اور اس کا حصہ مقرر ہے، ایسی صورت میں جبکہ سوائے بیوی کے کوئی دوسرا وارث موجود نہ ہو، اس کے حصہ مفروضہ سے زائد کی وصیت اس کے لئے "لا وصية لوارث" کی نہی میں داخل ہے، مگر یہ ممانعت چونکہ حق ورثہ کی وجہ سے ہے، اور یہاں کوئی دوسرا وارث موجود نہیں ہے جس کی حق تلفی ہو، اس لئے مذکورہ صورت میں بیوی کے حق میں وصیت معتبر ہوگی، رد المحتار میں اسکی صراحت ہے:"(وكونه غير وارث) أي ان كان ثمة وارث أخر والا تصح، كما لو أوصى احد الزوجين للأخر ولا وارث غيره" (رد المحتار، ۱۰/ ۳۴۷)(اور وصیت کے لئے شرط ہے جس کے لئے وصیت کی جائے اس کا غیر وارث ہونا، یعنی اگر کوئی دوسرا وارث بھی ہو تب، ورنہ وارث کے لئے وصیت کرنا صحیح ہوگا، جیسا کہ زوجین میں سے کسی ایک نے دوسرے کے لئے وصیت کیا اور اس کے علاوہ کوئی وارث نہ ہو)۔

نیز فتاوی بزازیہ میں ہے: "المرأةأوصت بنصف مالها للزوج ولم تدع وارثاً الكل له، النصف بالارث والنصف بالوصية" (الفتاوی البزازیہ علی ہامش الفتاوی الھندیہ ۶/ ۴۳۹)(عورت نے اپنے نصف مال کی وصیت اپنے شوہر کے لئے کیا، اور کوئی دوسرا وارث نہیں چھوڑا، تو سارا مال شوہر کا ہوگا، نصف وراثت سے اور نصف وصیت سے)۔

۹- وصیت کرنے والے کی زندگی میں ورثاء کی رضامندی کا اعتبار نہیں، خواہ اجنبی کے لئے ثلث مال سے زائد کی وصیت ہو، یا کسی وارث کے لئے وصیت ہو، ہدایہ میں ہے :"إلا أن يجيزها الورثةبعد موته وهم كبار، لأن الامتناع لحقهم و هم أسقطوه، ولا معتبر باجازتهم في حال حياته، لأنها قبل ثبوت الحق، اذ الحق يثبت عند الموت، فكان لهم أن يردوه بعد وفاته بخلاف ما بعد الموت، لأنه بعد ثبوت الحق فليس لهم أن يرجعوا عنه "(۴/ ۶۳۹)(مگر یہ کہ اس کی موت کے بعد ورثاء اس حال میں کہ وہ بڑے ہوں اس وصیت کی اجازت دیدیں، اس لئے کہ ممانعت ان کے حق کی وجہ سے ہے، اور انھوں نے اپنے حق کو ساقط کیا ہے، اور اس کی زندگی میں ان کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ ان کا حق ثابت ہونے سے پہلے ہے، اس لئے کہ حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے، اس لئے ان کو حق ہوگا کہ اس کی وفات کے بعد اس کو رد کردیں، برخلاف موت کے بعد (رضامندی کے) اس لئے کہ یہ ثبوت حق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بعد ہے، لہذا ان کو اس سے رجوع کرنا جائز نہ ہوگا)۔

وصیت کسی وارث کے لئے ہو یا کسی اجنبی کے لئے ثلث مال سے زائد کی، دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگی، اور وصیت کرنے والے کی زندگی میں ورثاء کی اجازت اور رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں، اسی لئے اگر وصیت کرنے والے کی موت کے بعد وہ اپنی سابقہ رضامندی سے رجوع کرلیں تو ان کا رجوع کرنا صحیح ہوگا، اور وصیت کالعدم ہو جائے گی، اور اگر وصیت کرنے والے کی موت کے بعد ورثاء نے اجازت دی اور اس وصیت سے اپنی رضامندی ظاہر کی تو اس کی وصیت کسی وارث کے لئے یا ثلث مال سے زائد کی کسی اجنبی کے لئے نافذ العمل ہوگی اور ورثاء کو رجوع کا حق نہیں ہوگا۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق چند اہم مسائل واحکام

مولانا عبدالرشید کانپوری ☆

وصیت کی دو قسمیں ہیں ایک اصطلاحی: "وهي تمليك مضاف إلى ما بعد الموت" (شامی زکریا ۱۰/ ۳۳۴) یعنی وہ وصیت جو اپنے مال میں ہوتی ہے اور مرنے والا اپنے مال میں وصیت کر جاتا ہے کہ فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا دیا جائے، اس وصیت کا حکم معروف ہے کہ وہ وارث کے لئے نہیں ہوتی اور ثلث سے زائد نہیں ہوتی الا یہ کہ مکلّف ورثہ راضی ہوں، اور اسی وصیت کے لئے حدیث میں "لا وصية لوارث" کے الفاظ منقول ہیں۔

دوسری وصیت لغوی: "التوصية: ارشاد غيرك إلى ما فيه خير وصلاح له من قول أو فعل في الدين أو الدنيا" (التفسیر المنیر ۱/ ۳۱۷) یعنی وصیت بمعنی تاکیدی حکم "ووصى بها ابراهيم" اور "ووصينا الانسان بوالديه حسنا" کی قبیل سے، کہ مرنے والا اپنے ورثہ یا غیر ورثہ کو کوئی نصیحت دینی یا دنیوی کر جائے۔

سوال نمبر (۱) اسی قبیل سے ہے، دراصل موصی اس وصیت کے ذریعہ کسی شرعی قانون کی تبدیلی نہیں چاہتا بلکہ وہ شرعی قانون کی تنفیذ چاہتا ہے جس کو اللہ تعالی نے "يوصيكم الله في أولادكم" میں ارشاد فرمایا ہے، اب جب وہ جانتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد ترکہ کی تقسیم صحیح نہیں ہوگی اور ملکی قانون کا سہارا لے کر بعض ورثہ کو محروم کر دیا جائے گا یا کم دیا جائے گا تو "الأمر بالمعروف" اور "وتعاونوا على البر والتقوى" کے پیش نظر یہ وصیت واجب ہونا چاہئے، بلکہ اگر آیت "كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت الخ" کے عموم اور لغوی معنی کو دیکھا جائے تو پھر اس آیت کو منسوخ ماننے کی حاجت نہ ہوگی اور یہ آیت، آیت میراث کی تفسیر بن جائے گی۔

"حكى الرازي في تفسيره الكبير عن أبي سلم الأصفهاني أن هذه الآية غير منسوخة، وانما هي مفسرة بآية المواريث، والمعنى: كتب عليكم ما أوصى الله به من توريث الوالدين والاقربين في قوله: يوصيكم الله في أولادكم" (نساء: ۴/ ۱۱، التفسیر المنیر ۲/ ۱۲۲) (امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں ابوسلم اصفہانی سے

☆ مدرسہ جامع العلوم، جامع مسجد پٹکا پور، کانپور۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نقل کیا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ آیت میراث کی تفسیر ہے اور اس آیت کا مطلب دراصل "یوصیکم اللہ" کے ذریعہ والدین اور اقربا کے لئے جو حکم میراث ہے اس کو پختہ کرنا ہے)۔

اصل میں وصیت درجہ بدرجہ مباح، مستحب اور واجب کا درجہ لے لیتی ہے، اگر کسی کو یہ معلوم ہے کہ میرے مرنے کے بعد اسلامی قانون میراث جاری نہیں ہوگا تو اس پر ایسی وصیت جس سے قانون شریعت پر عمل ہو سکے لازم ہوگی، حدیث شریف میں ہے نوحہ کرنے کی وجہ سے مردہ کو عذاب ہوتا ہے، "عن المغيرة بن شعبة قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من نيح فإنه يعذب بما نيح عليه يوم القيامة" (مشکوۃ ص ۱۵۱، حدیث نمبر ۱۷۴۰) (جس میت کے لئے نوحہ کیا جاتا ہے اسے قیامت کے دن نوحہ کئے جانے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: "إن الميت ليعذب ببعض بكاء أهله عليه" (مشکوۃ ص ۱۵۱، حدیث ۱۷۴۲) (میت کو اپنے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے)۔

یہاں شبہ ہوتا ہے کہ نوحہ کرنے کی وجہ سے میت کو عذاب کیوں دیا جاتا ہے اس کے جواب میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اور یہی اس وقت بیان کرنا ہے: "اختلفوا في تعذيب الميت ببكاء أهله عليه فقيل إذا اوصى الميت ذلك" (مرقاۃ ۴/۲۲۴) (گھر والوں کے نوحہ کرنے کی وجہ سے میت کو عذاب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جبکہ میت خود نوحہ کرنے کی وصیت کر گیا ہو)۔

بعض کہتے ہیں کہ جب وہ نوحہ سے راضی ہو جبکہ بعض کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب اسے معلوم تھا کہ میرے مرنے کے بعد نوحہ کیا جائے گا اس کے باوجود نوحہ نہ کرنے کی وصیت نہ کر گیا ہو۔

اس حدیث سے استدلال فقط اتنا ہی ہے کہ اگر میت کی کسی وصیت سے شریعت کے قانون میراث کی بالادستی قائم رہے اور اس پر عمل ہو سکے تو ایسی صورت میں اسے وصیت کر جانا لازم ہوگا اور وصیت نہ کرنے پر اس کی عند اللہ گرفت ہو سکتی ہے۔

بعض حضرات اسی آیت وصیت سے محروم پوتے کے لئے وصیت کو واجب قرار دیتے ہیں، "فاذا لم يوص الجد والجدة لهؤلا الحفدة بمثل نصيب أصلهم تجب لهم الوصية بإيجاب الله تعالى...... لقوله تعالى: "كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خيرا الوصية" (البقرہ ۲/۱۸۰، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/۷۵۶۳) (پس جب دادا اور دادی ان پوتوں کے لئے ان کے اصل حصص کے مطابق وصیت نہ کریں تو ان پر واجب ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح کے لوگوں کے لئے وصیت کرنا، فرمان باری تعالیٰ "كتب عليكم اذا حضر" کی وجہ سے)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گویا یہ حضرات ان لوگوں کے حق میں اس آیت کو معمول بہا مانتے ہیں جو اگر چہ ضابطوں میں وارث نہیں ہوتے لیکن محروم متصور ہوتے ہیں، اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شرعی وارث تو بن رہا ہے لیکن مورث کے مرنے کے بعد اس کا حق مرجائے گا اور وصیت کے ذریعہ اس کا حق دلایا جاسکتا ہو تو مورث کے لئے واجب ہے کہ اس کے حق کی وصیت کرجائے، یہ وصیت "لا وصية لوارث" کے قبیل سے نہیں ہوگی، اور آیت "كتب عليكم إذا حضر" اپنے اصطلاحی معنی میں منسوخ ہوگی نہ کہ مذکورہ معنی میں، اور آیت کی منسوخیت کا اختلاف، اختلاف لفظی کے قبیل سے ہوگا، اس لئے مورث کا اپنے ورثہ کے لئے حقوق شرعیہ کی وصیت کرجانا احتیاطاً واجب ہونا چاہئے، خصوصاً جب اسے بعض ورثہ کی محرومی یا حق شرعی سے کم ملنے کا خوف ہو۔

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا کہ اگر بعض ورثہ کی محرومی کا یقین ہو اور وصیت سے اس کا حق دلایا جانا متیقن ہو تو احتیاطاً یہ وصیت واجب ہونا چاہئے۔

ہم اختصار کے ساتھ ائمہ اربعہ کی رائے نقل کرتے ہیں کہ وہ کب وصیت کو واجب قرار دیتے ہیں:

"الحنفية قالوا: لينقسم حكم الوصية بالنسبة للموصى إلى أربعة أقسام: ۱-الوجوب ، ۲-الندب، ۳-الإباحة، ۴-الكراهة-فأما الوصية الواجبة فهي ما ترتب عليها إيصال الحقوق لأربابها برد الودائع والديون، لأنه إن لم يوصى بها ومات تضيع على أربابها فيأثم بذلك" (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ۳/ ۲۶۰)۔

"الشافعيه قالوا: الوصية واجبة......حتى لا تضيع حقوق الناس"۔

"الحنابلة قالوا: الواجبة وهي ما يترتب على عدمها ضياع حق الله أو العباد فتفترض الوصية"۔

"المالكية قالوا: الواجبة......كي لا تضيع حقوق الناس" (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ۳/-۲۶۰)۔

حنفیہ کے یہاں موصی کی نسبت سے وصیت کا حکم چار قسموں پر مشتمل ہے جبکہ بقیہ ائمہ کے یہاں پانچ قسموں پر مشتمل ہے، اور پہلی قسم بالاتفاق وجوب کی ہے یہاں پر وصیت سے مراد تو وہ وصیت ہے جو موصی، کے ذمہ ہوتی ہے مثلاً ودیعت اور قرض (کہ موصی کے وصیت نہ کرنے سے صاحب حق کا حق ضائع ہورہا ہو جیسا کہ فقہاء کی عبارت "لا تضيع حقوق الناس" سے واضح ہے اور ایسے موقع پر باتفاق وصیت واجب ہے)، لیکن زیر بحث مسئلہ بھی اسی ضمن میں داخل ہوجائے گا وہ اس طرح کہ موصی کے ذمہ اگر چہ فی الوقت کسی کا حق نہیں ہے، لیکن وہ اپنی اس وصیت کے ذریعہ مستقبل میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقوق دلاسکتا ہے اور حقوق کے ضائع ہونے سے روک سکتا ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ صورت مسئولہ میں وصیت کے واجب یا لازم ہونے کا قول اختیار کیا جائے، حدیث شریف میں ہے: "من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة" (مشکوۃ ۱/۲۶۶) (جو شخص اپنے وارث کی میراث کاٹے گا اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دے گا)۔

اس حدیث کا مفہوم تو یہ ہے کہ اگر کوئی بالقصد اپنے وارث کو محروم کرے گا تو اسے یہ سزا ملے گی، لیکن اگر کسی کو یہ پتہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد بعض ورثہ کو قانون کا سہارا لے کر محروم کر دیا جائے گا اور وصیت کے ذریعہ اس کا تدارک کر سکتا ہو، پھر بھی نہ کرے تو ڈر ہے کہ کہیں ضمنی طور پر وہ اس حدیث "من قطع ميراث وارثه" کی وعید کا مستحق نہ ہو جائے، کیونکہ وہ وصیت نہ کر کے منجملہ سبب بن رہا ہے قطع میراث کا۔

الحاصل صورت مسئولہ میں وصیت نامہ لکھا دینا احتیاطاً واجب ہونا چاہئے۔

۲، ۳- ورثہ کے حق کو محفوظ کرنے کے لئے وصیت لکھنا حدیث "لا وصية لوارث" کے معارض نہیں۔

"لا وصية لوارث" پوری حدیث اس طرح ہے: "لا وصية لوارث إلا أن يشاء الورثة" (مشکوۃ ۱/۲۶۵)۔

مذکورہ حدیث میں "إلا أن يشاء الورثة" کی قید سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زیر بحث اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ حدیث "لا وصية لوارث" کے خلاف نہیں، کیونکہ اس وصیت کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی دلانا ہے نہ کہ کسی وارث کو زائد دلانا یا محروم کرنا، اور ممنوع وہ وصیت ہے جس میں ورثہ کے حق کی پامالی ہو، اگر نفس وصیت ہی حدیث "لا وصية لوارث" کے خلاف ہوتی تو دیگر ورثہ کی اجازت کے بعد بھی وہ نافذ اور درست نہ ہوتی حالانکہ ایسی وصیت جس میں ورثہ اجازت دے دیں باتفاق نافذ ہوتی ہے۔

"فإن أجاز بقية الورثة الوصية لوارثها نفذت الوصية" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ص ۷۵ ۴۲۷) (اگر موصی نے وارث کے حق میں وصیت کر دی اور بقیہ ورثہ نے اجازت دے دی تو وصیت نافذ ہو جائے گی)۔

لہٰذا اس طرح کی وصیت حدیث کے معارض نہیں، حدیث کے خلاف صرف وہ وصیت کہلائے گی جس میں حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو۔

۴- غیر اسلامی ممالک میں اسلام کے قانون میراث کی ترویج کی شکلیں:

غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے میں خاصی دشواریاں ہیں حتی کہ جہاں مسلم پرسنل لا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موجود ہے وہاں بھی زحمتیں ہیں، مثلاً ہندوستان ہی کو لے لیجئے، ہندوستانی قانون میں عورتوں کو بعض غیر منقولہ جائداد میں ترکہ نہیں دیا جاتا، اگر عدالتوں میں فتوی پیش کر دیا جائے کہ ہمارا "مسلم پرسنل لا" یہ کہتا ہے تو قانون کی بعض دفعات کا حوالہ دے کر اسے رد کر دیا جاتا ہے، اس لئے مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں مجتمع ہو کر حکومتوں پر دباؤ بنائیں کہ وہ مسلمانوں کے ایسے مسائل قانون شرع کے اعتبار سے فیصل کریں، اس کے لئے اسلامی قانون کی بالادستی، ترکے کی تقسیم میں خاندان کے ہر فرد خصوصاً صنف نازک کی بھرپور رعایت کو الکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ اجاگر کیا جائے تاکہ اس کی خوبیوں سے ہر فرد آشنا ہو جائے، اس سے حکومتوں سے اپنی بات منوانے میں مزید مدد ملے گی، دنیا میں لوگوں کو زنا کی اسلامی سزائیں وحشیانہ معلوم ہوتی تھیں لیکن اب ایسی سزاؤں کے حق میں آوازیں بلند ہونے لگی ہیں، کچھ ممالک تو ایسے ہیں جہاں میراث عورتوں کو مردوں کے مساوی دیا جاتا ہے اور کہیں بالکل نہیں دیا جاتا، اس لئے جہاں جیسے تقاضے ہوں، عمل میں لائے جائیں، اگر کہیں مسلمانوں کا سیاسی دباؤ یا ووٹ کا دباؤ ہو تو مسلم تنظیمیں برسر اقتدار حکومتوں سے مل کر اپنے مطالبات منوانے کی کوشش کریں خواہ اس کی ابتداء صوبائی پیمانہ پر ہی ہو، ہندوستان کی حد تک یہاں غیر مسلم عورتوں کی بہت سی تنظیمیں ہیں، عورتوں کی میراث کے تعلق سے ان تک اپنی بات پہنچا کر ان کو اپنا ہم نوا بنایا جا سکتا ہے۔

۵-اختلاف دین کی بنیاد پر ترکہ کا حکم:

مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلم، غیر مسلم کا اور غیر مسلم، مسلم کا وارث نہیں ہوگا، لیکن جب کہیں پر قانون کے ذریعہ مسلمان کے مال سے اس کے غیر مسلم رشتہ دار کو متروکہ دلایا جاتا ہو تو تبادلہ کے پیش نظر مصلحت اسی میں ہے کہ مسلم وارث بھی اپنے غیر مسلم رشتہ دار سے ترکہ لے، چنانچہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ اگر مسلمان بغرض تجارت دارالحرب جائیں یا ان کے علاقوں سے گذریں اور وہ مسلمانوں سے ٹیکس وصول کریں تو اگر کوئی حربی مسلم ملک میں آتا ہے یا گذرتا ہے تو اس سے بھی بدلہ کے طور پر اسی قدر ٹیکس وصول کیا جائے گا۔

مذکورہ صورت حال میں کسی مسلمان کا غیر مسلم رشتہ دار سے ترکہ لینا یہ حکم شرعی کی تبدیلی نہیں ہوگی بلکہ مصلحت و حکمت کا تقاضہ ہوگا، اور ویسے بھی شریعت کا منشاء یہ ہے کہ اختلاف دین کی وجہ سے ایک دوسرے کے ترکہ میں استحقاق نہیں ہوگا، بغیر استحقاق کے کسی مسلمان کو غیر مسلم سے ترکہ مل جائے خواہ وہ خود برضا ورغبت اسے دے دیں یا ان سے ان کی رضامندی سے حاصل کر لے، یہ بالکل الگ نوعیت کا مسئلہ ہے، شریعت سے متصادم نہیں، تو مستحق ہونا الگ مسئلہ ہے، اور مال کامل جانا یا حاصل کر لینا الگ، مثلاً دو بھائیوں میں اگر اختلاف دین ہو تو شریعت مالی حقوق متعین نہیں کرتی، لیکن بغیر حقوق کے اگر ایک دوسرے کو کچھ دے لیں تو اس کی گنجائش ہوتی ہے، اسی تناظر میں یہ بات کہ اگرچہ مسلم اپنے غیر مسلم رشتہ دار کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترکہ کا شرعی مستحق نہیں ہے، لیکن اگر خود ان کی طرف سے برضا ورغبت اسے مل رہا ہے خصوصا جبکہ مسلمانوں سے جبرا دلایا جارہا ہے تو لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے،"ولن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلا"۔

اس سلسلے میں شامی (مطبع زکریا ص ۵۰۵ تا ۵۰۶) کے حاشیہ میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے، طرفین سے ڈھیر سارے دلائل دیئے گئے ہیں، اور ایک دوسرے کی پیش کردہ قرآن وحدیث کے دلائل میں تاویلیں کی گئی ہیں، ہم طوالت سے بچتے ہوئے اس پوری بحث، جانبین کے دلائل، نقد اور قیل وقال سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اتنا عرض کریں گے کہ شامی میں مذکور پوری بحث جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا، اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جب مسلمان کافر کا، اور کافر مسلمان کا وارث بنے، یا مسلمان تو کافر کا وارث ہو لیکن کافر مسلمان کا وارث نہ ہو، جبکہ زیر بحث مسئلہ کا اس سے سرے سے کوئی تعلق ہے ہی نہیں، کیونکہ یہاں تو مسلمان سے ترکہ جبرا وقانونا دلایا ہی جارہا ہے، بات بس اس کے تدارک کی ہے، لہذا بقصد تدارک صرف ان علاقوں اور ملکوں میں جہاں پر مسلمانوں سے ان کے غیر مسلم رشتہ داروں کو ترکہ دلایا جارہا ہو وہاں پر مسلمانوں کو بھی ترکہ دلایا جائے، اس کی گنجائش ہونی چاہئے، "الاسلام يعلوولا يعلى"، "الاسلام يزيد ولا ينقص"، "نرثهم ولا يرثونا"۔

اگر موجودہ نزاکتوں کے پیش نظر بعض فقہاء وصحابہ اور تابعین کی رائے اختیار کرلی جائے تو پھر اس کے جواز کی گنجائش ہونی چاہئے اور پھر احادیث میں تاویل کی ضرورت باقی نہیں رہے گی، علامہ وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

"وذهب معاذ و معاوية والحسن وسعيد ابن المسيب وابن الحنفية و محمد بن علي بن الحسين و مسروق رضي الله تعالى عنهم إلى أن المسلم يرث الكافر ولا يرث منه، لحديث "الإسلام يعلو ولا يعلى" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/۷۷۱۹)۔

(حضرت معاذ، حضرت معاویہ، حضرت حسن، ابن حنفیہ، محمد بن علی الحسین، مسروق کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا نہ کہ برعکس، حدیث "الإسلام يعلو ولا يعلى" کی وجہ سے)، نیز حدیث شریف "اسلام" زیادہ کرتا ہے کمی نہیں، ہم ان کے وارث ہوں گے، وہ ہمارے نہیں، کی وجہ سے۔

۶- ورثہ کے حقوق محفوظ کرنے کے لئے زندگی میں وصیت معتبر ہے:

یہ وصیت بھی دراصل لغوی وصیت بمعنی تاکیدی حکم "إرشاد غيرك إلى ما فيه خير وصلاح له من قول أو فعل في الدين أو الدنيا" (التفسیر المنیر ۱/۷۱۳) اور "الدين النصيحة" کی قبیل سے ہے، موصی قانون شریعت کی مخالفت نہیں کررہا ہوتا ہے بلکہ قانون شریعت کے نفاذ میں معین ومددگار بن رہا ہوتا ہے، اس لئے اس قسم کی وصیت نہ صرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائز بلکہ بہتر ہونا چاہئے۔

عموماً تقسیم ترکہ میں نزاع ہو ہی جاتا ہے، خصوصاً صنف نازک کے حق میں، اس لئے اگر وہ اس نیت سے کہ ورثہ میں سر پھٹول نہ ہو، حسب حصص ورثہ وصیت کر جائے تو یہ وصیت معتبر ہوگی، آخر یہ بھی تو "الأمر بالمعروف" اور "وتعاونوا علی البر والتقوی" میں ہی شامل ہے اور اس کی اہمیت کا کون منکر ہے؟ وہبہ زحیلی فرماتے ہیں: "إن کون الأمر بالمعروف والنهي عن المنکر واجب علی کل فرد من أفراد الأمة بحسب" (التفسیر المنیر بتغیر یسیر ۴/ ۳۴) (أمر بالمعروف اور نہی عن المنکر اپنی اپنی حیثیت کے اعتبار سے امت کے ہر فرد پر واجب ہے)، حدیث میں بھی اس کی تاکید آئی ہے: "قال رسول الله ﷺ: ما حق امرء مسلم له شئ یوصي فیه یبیت لیلتین إلا وصیة مکتوبة عنده" (متفق علیہ مشکوۃ ۱/ ۲۶۵) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس مسلمان کے مال یا آپسی تعلقات کے معاملہ میں کوئی بات وصیت کے قابل ہو تو اسے چاہئے کہ دو راتیں بھی وصیت لکھے بغیر نہ گذارے)۔ باقی اس سلسلے میں دلائل ہم سوال نمبر (۱) کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں۔

۷- مورث کی زندگی میں دیگر ورثہ کی رضامندی معتبر نہیں:

وصیت کہتے ہیں: "هی تملیک مضاف إلی ما بعد الموت" (شامی زکریا ص ۳۳۴) کو، اس لئے مورث کی زندگی میں دیگر ورثہ کی اجازت کا کچھ اعتبار نہ ہوگا، جیسے خود مورث جو کہ خود مختار ہے اس کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، وہ اپنی موت سے پہلے پہلے جب چاہے وصیت سے رجوع کر سکتا ہے، اور وجہ یہ ہے کہ دیگر ورثہ کا مورث کے مال پر ابھی کوئی حق ہی متعلق نہیں ہوا اور جب ابھی کوئی حق متعلق نہیں ہوا تو ان کی اجازت کا اعتبار بھی نہ ہوگا، اور دستخط بمنزلہ اجازت کے ہے، پس جب صریح اجازت کا کوئی اعتبار نہیں تو دستخطی اجازت بھی کالعدم ہوگی، ہاں جب مورث کے مرنے کے بعد وہ اجازت دیں تو یہ ان کی طرف سے ہبہ ہو جائے گا۔ "فإذا أسقط الوارث حقهم، کان ذلک جائزا صحیحا وکان کالهبة من عندهم" (التفسیر المنیر ۲/ ۱۲۳) دراصل شئ موصی بہ، موصی کی ملکیت سے قبل الموت نکلتی ہی نہیں، اسی لئے موصی لہ کا بھی قبول یا رد موصی کی حیات میں غیر معتبر ہوتا ہے، "وإن قبلها الموصی له في حال الحیاة أوردها، بطلت" (الفقہ الاسلامی ۱۰/ ۷۴۴۶) (اگر موصی لہ نے موصی کی حیات میں قبول کیا یا رد کر دیا تو یہ باطل ہے)۔

"إن الوصیة تلزم لقبولها من الموصی له بعد وفات الموصي وهو رأی الحنفیة" (الفقہ الاسلامی ۱۰/ ۷۴۴۶) (موصی کی وفات کے بعد موصی لہ کے قبول سے وصیت لازم ہو جاتی ہے اور یہ حنفیہ کی رائے ہے)۔

"أمارد الموصی له الوصیة کلها أو بعضها قبل الموت فهو باطل" (الفقہ الاسلامی ص ۷۴۴۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(بہر حال موصی کی موت سے پہلے موصی لہ کا کل یا بعض وصیت کا رد کرنا باطل ہے)۔

یہی حال دیگر ورثہ کی رضامندی کا ہے کہ مورث کی موت کے بعد ہی ان کی رضامندی معتبر ہوگی، حیات میں نہیں۔

"أما القبول فهو شرط لتنفيذ الوصية بعد الموت، ولا بد أن يكون القبول بعد الموت، فإذا حصل القبول قبل الموت فإنه لا يفيد" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/ ۲۵۵) (تنفیذ وصیت کے لئے قبول کرنا، بعد الموت شرط ہے اور لازم ہے کہ قبول بعد الموت ہو، قبل الموت قبول مفید نہ ہوگا)۔

"ولا تعتبر اجازتهم حال حياته أصلا بل بعد وفاته(ولا تعتبر الخ)ای لأنها قبل ثبوت الحق لهم، لأن ثبوته عند الموت......بخلاف الإجازة بعد الموت لأنه بعد ثبوت الحق" (شامی زکریا ۱۰/ ۳۴۰) (موصی کی حیات میں اجازت معتبر نہیں، بلکہ اجازت اس کے مرنے کے بعد معتبر ہوگی، کیونکہ ابھی تو ورثہ کا حق ہی متعلق نہیں ہوا، ان کا حق تو موصی کے موت پر متعلق ہوگا......بخلاف اس اجازت کے جو موت کے بعد ہو، کیوں کہ یہ اجازت حق وابستہ ہونے کے بعد ہوگی)۔

رہا یہ مسئلہ کہ پھر کسی ایک اولاد کی خدمت کا صلہ یا مجبوری دیکھتے ہوئے دیگر ورثاء سے زیادہ کیسے ملے تو اس کے لئے ہبہ کا دروازہ کھلا ہے، مورث اپنی زندگی میں ہبہ کرسکتا ہے اور مذکورہ مصلحت کے پیش نظر کسی ایک وارث کو ترجیح دینے میں وہ عنداللہ ماخوذ بھی نہ ہوگا۔

"يكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة إلا لزيادة فضل له في الدين" (البحر الرائق ۸/ ۲۸۸)۔

"لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين" (طحطاوی علی الدر ۳/ ۲۹۹، بحوالہ احسن الفتاوی ۷/ ۲۵۷)۔

۸- دیگر ورثہ کے نہ ہونے کے وقت بیوہ کو وصیت کرسکتے ہیں:

بیوہ کے علاوہ دیگر ورثہ کے موجود نہ ہونے کی صورت میں بیوی کے لئے وصیت کرسکتا ہے، ویسے ان ملکوں میں جہاں اسلامی بیت المال کا نظم نہیں ہے، اس کو وصیت کرنے کی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ بیوہ کا اپنا حق لینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ اسی کا ہوگا، اگرچہ بیوی پر رد نہیں ہوگا۔

"حتى لو أوصى لزوجته أو هي له ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية" (الدر المختار مع الشامی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زکریا ۱۰ / ۳۴۷) (اگر شوہر نے بیوی کے لئے یا بیوی نے شوہر کے لئے وصیت کی اور کوئی دوسرا وارث موجود نہیں ہے تو یہ وصیت درست ہوگی)۔

"فلو أوصت لزوجها بالنصف كان له الكل" (حوالہ بالا) (اگر شوہر کے لئے نصف مال کی وصیت کی تو اس کو پورا مال مل جائے گا)، نصف تحریر کی وجہ سے اور نصف وصیت کی وجہ سے۔

اسی پر عورت کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر شوہر نے وصیت کی تو بیوی کے حق میں وہ وصیت معتبر ہوگی۔

"وإنما قيدوا بالزوجين لأن غيرهما لا يحتاج إلى الوصية لأنه يرث الكل برد أو رحم" (الدر المختار مع الشامی زکریا ۱۰ / ۳۴۷) (فقہاء نے زوجین کی قید اس لئے لگائی ہے کہ ان کے علاوہ دیگر رشتہ دار رد، یا قرابت کے ذریعہ کل مال کے وارث ہوسکتے ہیں)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: "يرد عليهما في زماننا" (شامی زکریا ۱۰ / ۵۰۰) (کہ ہمارے زمانے میں زوجین پر رد ہوگا)۔

۹- بعد الموت مخالفت نہ ہونے کی صورت میں زندگی میں دی گئی اجازت کافی ہوگی، خواہ ثلث سے زائد کی وصیت ہو:

وارث یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زائد کی وصیت معتبر ہے بشرطیکہ دیگر ورثا اجازت دیں، لیکن جیسا کہ سوال ۷ کے جواب میں عرض کیا گیا کہ مورث کی زندگی میں دوسرے ورثہ کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں، رضامندی وہی معتبر ہوگی جو مورث کے مرنے کے بعد ہو۔

"ولا تعتبر إجازتهم حال حياته أصلا بل بعد وفاته (ولا تعتبر الخ) أي لأنها قبل ثبوت الحق لهم، لأن ثبوته عند الموت فكان لهم أن تردوه بعد وفاته، بخلاف الإجازة بعد الموت لأنه بعد ثبوت الحق، هذا في الوصية" (شامی زکریا ۱۰ / ۳۴۰) (موصی کی حیات میں ورثہ کی اجازت کا کچھ بھی اعتبار نہ ہوگا، اجازت تو بعد الموت ہی معتبر ہے، اور یہ اجازت معتبر نہ ہونا اس لئے ہے کہ ابھی تو ورثہ کا حق ہی ثابت نہیں ہوا کیونکہ حق تو مرنے کے بعد ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اگر ورثہ حیات سے ہیں، اجازت دے چکے ہیں تو مورث کے مرنے کے بعد وہ اس کو رد کرسکتے ہیں بخلاف اس اجازت کے جو مرنے کے بعد ہو، کیونکہ یہ اجازت حق ثابت ہونے کے بعد ہے اور یہ وصیت کا حکم ہے)۔

نیز اگر دیگر ورثہ مورث کے مرنے کے بعد زندگی میں دی گئی اجازت کو رد نہیں کرتے تو سابقہ اجازت کافی ہوگی۔

"الثاني: أن تكون الإجازة بعد موت الموصي فلا عبرة بإجازة الورثة حال حياة الموصي فلو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

أجازوها حال حياته ثم ردوها بعد وفاته، صح الرد وبطلت الوصية، سواء أكانت الوصية للوارث ام لأجنبى، بمازاد على ثلث التركة، وهذا رأى الحنفية والشافعية والحنابلة، وكذلک قال المالكية" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/ ۷۷ ۴۷)۔

(دوم یہ کہ اجازت موصی کے مرنے کے بعد ہو، اگر موصی زندہ ہوتو ورثہ کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، تاہم اگر موصی کی زندگی میں ورثہ نے اجازت دے دی پھر موصی کی وفات کے بعد وصیت رد کردی تو رد صحیح ہوگا، اور وصیت ہی باطل ہوجائے گی، برابر ہے کہ وصیت وارث کے حق میں ہو یا اجنبی کے حق میں ہو، اور وصیت تہائی سے زائد ہو، یہی حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ کی رائے ہے اور یہی مالکیہ کہتے ہیں)۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر زندگی میں دی گئی اجازت کو بعد الموت رد نہ کریں تو حیات میں دی ہوئی اجازت کافی ہوگی۔

ایک تہائی سے زائد وصیت خواہ وارث کے لئے یا غیر وارث کے لئے ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے "لا تنفذ الوصية فيما زاد عن الثلث إلا بإجازة الورثة" (الدر المختار ۵/ ۶۴ ۴، بحوالہ الفقہ الاسلامی ۱۰/ ۷۵۴۳)۔

اس سلسلے میں دو آراء اور ہیں: ۱- وارث کے لئے وصیت مطلقا درست ہے، خواہ دیگر ورثہ اجازت دیں یا نہ دیں، ۲- بالکل بھی جائز نہیں خواہ وارث اجازت دیں یا نہ دیں، اول کے قائل فرقہ زیدیہ، فرقہ امامیہ اور اسماعیلیہ ہیں، دوسری رائے کے قائل امام مزنی اور اہل ظواہر ہیں۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق چند احکام

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ☆

وصیت کے سلسلے میں قرآن کریم کی کئی آیتوں اور متعدد حدیثوں سے جو ہدایت ملتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے:
ابتداء میں وصیت اپنے اقرباء اور رشتہ داروں خاص طور پر والدین کے لئے فرض تھی، سورہ بقرہ کی آیت میں صراحت کے ساتھ ہے:

"**كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خيراً الوصية، للوالدين والأقربين بالمعروف حقا على المتقين**"(بقرہ:۱۸۰)(تمہارے اوپر فرض ہے جب موت قریب آجائے اگر مال ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے معروف طریقے پر وصیت کرنا، یہ متقیوں پر حق ہے)۔

لیکن بعد میں دیگر وارثوں کے ساتھ والدین کے حکم میں تھوڑی تبدیلی کی گئی اور یہ اختیار مرنے والے کے بجائے شریعت نے از خود ان کے حوالہ کردی، یعنی اب ان کا حق میت کے مال سے وابستہ تو ہے لیکن میت کے کہنے پر منحصر نہیں بلکہ شریعت کا قانون میراث ان کو دلاتا ہے، لہذا کسی بھی وارث کے لئے وصیت کا سابقہ حکم منسوخ کردیا گیا، بعض حضرات ناسخ آیت میراث کو ہی قرار دیتے ہیں جبکہ ایک بڑی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ حدیث "**لا وصية لوارث**" ناسخ ہے، نیز اس حدیث میں ناسخ ہونے کی صلاحیت بھی ہے۔

ابوبکر جصاص (احمد الرازی: متوفی ۳۷۰ھ) اس حدیث کو خبر مستفیض قرار دیتے ہیں، احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

"**فورد نقل ذلک مستفيضا كاستفاضة وجوب الاقتصار بالوصية على الثلث دون مازاد**"(احکام القرآن ۲/۱۴۲، سورۂ نساء، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)(چنانچہ اس کی روایت مستفیض اور مشہور ہو کر مروی ہوئی ہے، اسی طرح جیسا کہ ثلث کی وصیت پر اکتفاء کرنا واجب ہے نہ کہ زائد کی مستفیض ہے)۔

☆ استاذ حدیث مدرسہ حسینیہ کاکیم کلم کیرالا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ شامی لکھتے ہیں: "قال الترمذی: حسن، وھذا الحدیث مشهور، تلقته الأمة بالقبول و نسخ الکتاب جائز بمثله" (شامی ۵/۴۵۹ کتاب الوصیۃ مطبوعہ رشیدیہ پاکستان)۔

(امام ترمذی نے حسن کہا ہے، نیز یہ حدیث مشہور ہے، تلقی بالقبول حاصل ہے، ایسی حدیث سے کتاب اللہ کا نسخ جائز ہے)۔

بعض مصنفین جنہوں نے اجماعی مسائل کو جمع کیا ہے، ان میں ساتویں صدی ہجری کے نامور فقیہ حافظ علی بن قطان فاسی (متوفی: ۶۲۸ھ) ہیں، انہوں نے اس مسئلہ کو اجماعی مسئلہ قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

"أجمع کل من یحفظ عنه من أهل العلم من أهل المدینة و أهل مکة و الکوفة و الشام و مصر و سائر العلماء من أصحاب الحدیث وأهل الرأي علی أن لا وصیة لوارث إلا أن یجیز ذلک الورثة" (الاقناع ۳/۱۳۸۴ مسئلہ: ۲۵۵۳)۔

(اہل مدینہ، اہل مکہ، اہل کوفہ، اہل شام و مصر اور جملہ محدثین وفقہاء کا اتفاق ہے کہ وصیت وارث کے لئے نہیں ہے، الا یہ کہ ورثہ اس کی اجازت دے دیں)۔

احادیث رسول اور فقہاء کے مباحث پر نظر ڈالنے سے جو بات زیادہ قرین صواب معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ وارث کے لئے وصیت منسوخ ہوگئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو میراث سے حصہ ملنا متعین ہوگیا، اگر ان کے لئے وصیت بھی جائز ہو تو دوسرے ورثہ کی حق تلفی ہوگی، وارث وارث ہونے کی حیثیت سے حق وراثت میں برابر ہے، خواہ مقدار میراث میں فرق ہو، اور ثلث مال کی اجازت شریعت نے میت کو خصوصی حق کے طور پر دی ہے تا کہ اپنے کئے پر پشیمان ہونے کی صورت میں ان فروگزاشت کا تدارک کر سکے جو زندگی کی عمر گراں مایہ میں سرزد ہو چکی ہیں اور اب اس کی تلافی کی کوئی شکل بجائے وصیت کے نہیں رہی ہے۔

لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ دوسروں کی حق تلفی ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر ورثہ متفق ہو کر وارث کے لئے کی ہوئی وصیت کو نافذ کر دیتے ہیں، تو حدیث وفقہ دونوں ہی اجازت دیتے ہیں، دارقطنی اور دوسرے محدثین نے "لا وصیة لوارث" کے ساتھ "إلا أن یشاء الورثة" اور "إلا أن یجیز الورثة" کا اضافہ بھی نقل کیا ہے (دارقطنی ۴/۸۶، ۴۲۵۲)۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

"قال المنذري: إنما یبطل الوصیة للوارث في قول أکثر أهل العلم من أجل حقوق سائر الورثة فإذا أجازوها جازت کما إذا أجازوا الزیادة علی الثلث" (عمدۃ القاری ۷/۳۹۶ جزء ۱۴، کتاب الوصایا، باب لا وصیۃ لوارث)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(منذری فرماتے ہیں: وارث کے لئے وصیت اکثر اہل علم کے قول میں بقیہ ورثہ کے حقوق کی وجہ سے باطل ہے، پس اگر وہ لوگ اجازت دے دیں تو جائز ہو جائے گی، جس طرح تمام ورثہ ثلث سے زائد کی اجازت دے دیں)۔

لیکن وہ صورت جس میں کسی وارث کا حق سرے سے تلف نہ ہو بلکہ وصیت کا مقصد ہی ہر ایک کو بقدر حصص دلانا ہو، اس کے جائز ہونے میں کلام نہیں ہوگا، انشاء اللہ، اس لئے کہ "لا وصية لوارث" جمہور کے نزدیک معلول بعلت ہے، اگر علت ممانعت مفقود ہو تو جواز ہونا چاہئے (محمد بن احمد قرطبی متوفی ۵۹۵ھ) بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

"تردد هذا الخلاف راجع إلى تردد المفهوم عن قوله ﷺ: لا وصية لوارث، هل هو معقول المعنى أم ليس بمعقول" (بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۵۰ مطبوعہ عثمان اکیڈمی دیوبند) (یہ اختلاف جمہور اور اہل ظاہر کے مابین وارث کے لئے ورثہ کی اجازت سے وصیت کے جواز میں اختلاف، حدیث: "لا وصية لوارث" کے مفہوم میں تردد کی وجہ سے ناشی ہے کہ وہ معقول المعنی ہے یا نہیں، جمہور کے نزدیک معقول المعنی ہے، اس لئے جائز ہے، اصحاب ظواہر کے نزدیک قیاسی نہیں بلکہ تعبدی ہے، اس لئے جائز نہیں)۔

وارث کے لئے وصیت صحیح نہ ہونے کا مطلب حافظ ابن حجر بیان کرتے ہیں:

"والمراد بعدم صحة الوصية عدم اللزوم لأن الأكثر على أنها موقوفة على إجازة الورثة" (فتح الباری ۵/ ۳۸۶، لا وصیۃ لوارث) (وارث کے لئے وصیت کی عدم صحت کا مطلب ہے عدم لزوم، اس لئے کہ اکثر حضرات کی رائے ہے کہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے)۔

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ تمام ورثہ کے لئے بقدر حصص وصیت جائز ہے، اس کو استخلاف والے مسئلہ پر بھی قیاس کیا جا سکتا ہے، کسی بھی خلیفہ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اپنے بعد کے لئے ولی عہد کا تعین کرے بلکہ یہ تو اس کے مرنے کے بعد اصحاب حل وعقد کی ذمہ داری ہے، باہمی مشورہ سے ایک خلیفہ مقرر کریں گے، لیکن ملک اور قوم کی مصلحت کے لئے اگر وہ خود کسی کی تعیین کرتا ہے اور ارباب حل وعقد اس کے مرنے کے بعد نافذ بھی کر دیتے ہیں تو جائز ہو جاتا ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ خلیفہ کی یہ وصیت تجویز کے درجے میں ہے یا حکم کے درجے میں، جمہور کی رائے میں تجویز و مشورہ کے درجے میں ہے، جس کو ارباب حل وعقد بعد میں نافذ کریں گے، البتہ بعض حضرات جیسے علامہ ماوردی، حضرت شاہ ولی اللہ، اور ابن خلدون کی رائے ہے کہ یہ امر ہے جو واجب العمل ہے (حضرت امیر معاویہ اور تاریخی حقائق، مفتی تقی عثمانی رص ۱۰۷، بحوالہ الاحکام السلطانیہ، ازالۃ الخفا، مقدمہ ابن خلدون)۔

۲، ۳- ہر وارث کے لئے بقدر حصہ وصیت "لا وصية لوارث" کے معارض نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیث کا مورد و مقصد:

حدیث "لا وصية لوارث" کا مقصد ایسا لگتا ہے کہ دوسرے ورثہ کو حق تلفی سے بچانا ہے جبکہ مذکورہ صورت میں ہر وارث کو اس کا حصہ شرعی پہنچانا ہے، نیز ہر حصہ دار کو حصہ پہنچانے کی یہی شکل متعین ہے پھر حدیث میں "لوارث" نکرہ ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ دوسرے ورثہ کو چھوڑ کر بعض وارث کے لئے وصیت کی جائے تو ممنوع ہے، بعض طرق میں "إلا أن يشاء الورثة" بھی وارد ہے، جس کی بنیاد پر فقہاء نے اس صورت کو مستثنیٰ کیا ہے جس میں دیگر ورثہ کی اجازت ہو، صاحب ہدایہ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لا تجوز لوارثه لقوله عليه الصلاة والسلام: إن الله أعطى كل ذى حق حقه ألا لا وصية لوارث، لأنه يتأذى البعض بإيثار البعض ففى تجويزه قطعية الرحم" (ہدایہ علی البنایہ ۱۳/۳۹۷، مطبوعہ نعیمیہ دیوبند ۱۴۲۷ھ)۔

(اپنے وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے، حضور علیہ السلام کے ارشاد: "إن الله أعطى كل ذي حق حقه ألا لا وصية لوارث" کی وجہ سے، نیز بعض کو ترجیح دینے سے دوسرے کو تکلیف ہوگی، لہذا اس کو نافذ کرنے میں قطعیۃ الرحم ہے)۔

اسی طرح ایک جگہ فرماتے ہیں: "كذا إن كانت الوصية للوارث واجازة البقية فحكمه ماذكرنا" (ہدایہ علی البنایہ ۱۳/۳۹۴، مکتبہ نعیمیہ ۱۴۲۷ھ) (اسی طرح اگر وارث کے لئے وصیت ہو اور باقی ورثہ اجازت دے دیں تو اس کا حکم وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا)۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہ صورت مراد ہے جس میں بعض ورثہ کے لئے وصیت ہو، ورنہ تو "بقية الورثه" یا "إلا أن يجيز الورثة" کا مفہوم واضح نہیں رہے گا، لہذا تمام ورثہ کے لئے وصیت اس سے مستثنیٰ سمجھی جائے گی۔

لیکن چونکہ نفاذ وصیت کے لئے اجنبی ہونا بھی شرط ہے اور وہ بھی اسی حدیث "لا وصية لوارث" سے ہی ماخوذ ہے، اس لئے تمام ورثہ کی رضا اگر ہوگی تو ہی یہ وصیت نافذ العمل ہوگی، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ کام تو ورثہ کا تھا جب تک ورثہ اپنے کام میں کسی کو نائب نہ بنائے، نیابت نہیں کرسکتا ہے، گویا یہ فضولی کے معاملہ کا سا ہوا جس میں اجازت پر معاملہ موقوف رہتا ہے۔

۴- غیر مسلم ممالک میں قانون میراث جاری کرنے کی متفق علیہ شکل:

ایک شکل جو تمام ہی فقہاء کے یہاں متفق علیہ معلوم ہوتی ہے اس کو نافذ کیا جائے تو معاملہ بہت حد تک آسان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو جائے گا، اور وہ یہ ہے کہ مورث مرنے سے قبل حصص شرعیہ کے تناسب سے اشیاء کی وصیت کر دے، کسی کو فلیٹ تو کسی کے لئے جائداد، اور کسی کے لئے دکان وغیرہ ذلک، لیکن حصہ شرعی کی مقدار کو ملحوظ رکھے تو ان شاء اللہ جائز ہوگا، اس میں بعض حضرات کے نزدیک ورثہ کی اجازت کی بھی حاجت نہیں ہے، ضرورت کے وقت ان بعض حضرات کے قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے، نیز اس صورت میں ہبہ کی وجہ سے جو پریشانی وخدشہ ہے اس سے بھی نجات مل جائے گی، اس صورت کا تذکرہ اکثر مکتب فکر میں موجود ہے:

شیخ محمد خطیب شربینی مشہور شافعی فقیہ ہیں، وہ اس صورت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الوصية لكل وارث بقدر حصته شائعا لغو، والوصية لكل وارث بعين هي قدر حصته كأن أوصى لأحد ابنيه بعبد قيمته ألف، وللآخر بدار قيمته ألف، وهما ما يملكه صحيحة، ولكن تفتقر إلى الإجازة في الأصح، والثاني لا يفتقر إليها، لأن حقوقهم في قيمة التركة لا في عينها إذ لو باعها المريض بثمن مثلها صح وإن لم يرضوا بذلك" (مغنی المحتاج ۳/۴۴، مطبوعہ مکتبہ مصطفی بابی حلبی مصر)۔

(ہر وارث کے لئے بقدر حصہ نصف ربع کے حساب سے وصیت لغو ہے، اور ہر وارث کے لئے ایسے عین کی وصیت کرنا جو کہ اس کے حصہ کے بقدر ہو صحیح ہے، مثلاً ایک بیٹے کو غلام کی وصیت کرے جس کی قیمت ایک ہزار ہو، دوسرے کے لئے گھر کی وصیت کرے جس کی قیمت بھی ایک ہزار ہو، لیکن اجازت کی حاجت ہے اصح قول میں، دوسرا قول یہ ہے کہ اجازت کی حاجت نہیں، اس لئے کہ ان کے حقوق ترکہ کی قیمت میں ہے نہ کہ عین میں، اس لئے اگر مریض اس کو ثمن مثل سے بیع کر دے تو صحیح ہے، اگر چہ وہ اس پر راضی نہ ہو)۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب میں شامی کی ایک عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر مورث اپنے ترکہ میں اس طرح وصیت کر جاوے کہ فلاں وارث کو فلاں چیز دی جائے اور فلاں وارث کو فلاں چیز دی جائے بشرطیکہ وہ انداز سے اس کے حصہ شرعی سے کم نہ ہو تو جائز ہے، اور اگر کم ہو تو ناجائز ہے کہ وصیت لوارث ہے جو کہ ناجائز ہے اور بطریق مذکور تعیین کر دینا یہ تقسیم ہے اور اس کی ولایت مورث کو دی گئی ہے (امداد الفتاوی جدید مبوب ۷/۳۴۳، کتاب الوصایا مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند)۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں وصیت میں انشاء اللہ مضائقہ نہیں ہوگا، اور ضرورت کے وقت اجازت ورثہ کی حاجت نہیں رہے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵-اختلاف دین مانع ارث ہے:

یہ بھی جمہور امت کا اتفاقی مسئلہ ہے کہ اختلاف دین مسلمانوں کے حق میں مانع ارث ہے نہ تو کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے اور نہ ہی کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث ہوسکتا ہے، بعض صحابہ اور تابعین مسلمان کو کافر کا وارث بناتے ہیں، مگر علماء امت کے نزدیک یہ مسلک مرجوح ہے، شیخ فرید الدین عالم لکھتے ہیں:

"ثم لا خلاف أن الكافر لا يرث المسلمين بحال، وكذلك المسلم لا يرث الكافر في قول أكثر الصحابة وهو مذهب الفقهاء، وروي عن معاذ و معاوية انهما قالا: يرث الوارث المسلم الكافر" (تاتارخانیہ ۲۰/۳۹۵، مسئلہ: ۳۳۵۳۴، کتاب الفرائض باب توریث أہل الکفر)۔

(پھر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کافر مسلمانوں کا کسی بھی صورت میں وارث نہیں ہوگا، اسی طرح مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا، یہی اکثر صحابہ کا قول ہے، اور فقہاء کا مذہب ہے، حضرت معاذ، حضرت معاویہ سے مروی ہے کہ فرمایا: مسلم وارث کافر کا وارث ہوگا)۔

حافظ علی بن قطان فاسی (متوفی ۶۲۸ھ) اجماعی مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الكافر لا يرث المسلم باجماع وجمهور التابعين بالحجاز والعراق على أن لا يرث المسلم الكافر كما لا يرث الكافر المسلم وهوقول جمهور العلماء" (الاقناع ۳/۱۴۵۲ مسئلہ: ۲۷۳۲)۔

(کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا اجماع سے، حجاز و عراق کے جمہور تابعین کا مسلک ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا، جیسا کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا ہے اور یہ جمہور علماء کا قول ہے)۔

یہی رائے یحیی بن یعمر، ابراہیم اور اسحاق بن راہویہ کی ہے (المحلی بالآثار لابن حزم الاندلسی مطبوعہ، دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

بدایۃ المجتہد میں "حدیث مسند" سے مراد الاسلام يزيد ولا ينقص ہے، اسی طرح قصاص غیر مساوی سے اس حدیث کی طرف اشارہ ملتا ہے جس میں "لا يقتل المسلم بكافر" (مسلمان کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا) مسلمان کا قصاص تو کافر سے لیا جائے گا، جبکہ کافر حربی کا قصاص نہیں لیا جائے گا، یہ تو متفق علیہ ہے، لیکن ذمی کا قصاص ہوگا یا نہیں، یہ مختلف فیہ ہے، امام مالک کا مسلک ہے کہ اگر لٹا کر قتل کیا ہے تو ذمی کا قصاص ہوگا ورنہ نہیں، غالباً ابن رشد نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاویہ کی دلیل یا تو قیاس ہے یا پھر الاسلام يزيد ولا ينقص اور الاسلام يعلو و لا يعلى عليه جیسی حدیث ہے جس میں احتمالات کی گنجائش ہے، پھر مسئلہ باب میں صریح بھی نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسا لگتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو وہ حدیث نہیں پہنچی، اگر پہنچی ہے تو ان حضرات نے اس وجہ سے کسی مسلمان کو وارث نہیں بنایا کہ وہ مسلمان ہے، بلکہ دونوں ہی حضرات بیت المال کے متولی تھے، ایک یمن کے حاکم ہیں تو دوسرے شام کے امیر ہیں، ان کے سامنے ایسا قضیہ آیا کہ کافر کا انتقال ہوا، اس کا کوئی وارث نہیں ہے، لامحالہ ایسی صورت میں مال بیت المال میں جمع ہوگا، بیت المال میں ہر ایک کا حق ہے، ان بزرگوں نے مسلمان رشتہ دار کو ترجیح دے کر مال ان کے حوالہ کر دیا ہو، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور آیا اور انہوں نے دیکھا کہ اب لوگ مسلمان کو بطور تالیف نہیں بلکہ بطور توریث دینے لگے تو انہوں نے معاملہ پہلے ہی کی طرح کر دیا کہ کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوسکتا (اعلاء السنن ۱۸۳۳۲۸×۳۲۹، کتاب الفرائض، بحوالہ احکام القرآن للجصاص، مطبوعہ کراچی پاکستان)۔

اسی طرح قیاس کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں نص نہ ہو، یہاں تو متفق علیہ نص **"لا یرث الکافر المسلم ولا یرث المسلم الکافر"** موجود ہے، لہذا سارے قیاس اس کے مقابلہ میں متروک ہوں گے، بلکہ ان قیاسوں میں بھی معارضہ ممکن ہے۔

جہاں تک معاملہ ترغیب اور دعوتی پہلو کا ہے تو نص کے مقابلہ میں اس کی اہمیت نہیں ہے، اگر اس پہلو کی بنا پر ایک اجماعی مسئلہ کو بدل دیا جائے تو اسلام کا کوئی مسئلہ صحیح وسلامت نہیں رہ پائے گا، بلکہ ایسے وقت اگر اس ہونے والے مسلمان کو اپنے دعوے کے مطابق مال نہیں ملا تو نعوذ باللہ پھر کافر ہو جائے گا جو اس سے زیادہ بڑی سزا کا مستحق بنا دے گا، پھر کوئی ضروری نہیں کہ اسلام لانے کے بعد اسلامی قانون میراث کے مطابق اس کو مال بھی مل جائے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ عصبہ ہو، جو غیر اسلامی قانون میں تو مال کا مستحق ہو، لیکن اسلامی قانون کے لحاظ سے بچا ہوا مال پانے کا حقدار رہتا ہے، صورت مسئولہ میں مال بچا نہیں تو کیا غیر مسلم قانون کا پالن کر کے اس کو میراث کا حقدار قرار دیا جائے گا، ہرگز نہیں۔

اس لئے ناچیز کی رائے تو یہی ہے کہ جس طرح کافر، کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، اسی طرح مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا، جزاء بالمثل ایسے مقام پر ہوتی ہے جہاں نص نہ ہو۔

ہاں ایسے مسلمان کو کسی کافر رشتہ دار کا مال مل جاتا ہے ظاہر ہے ملکی قانون دلوائے گا یا اس کے غیر مسلم ورثہ دیں گے، تو لے لینے میں حرج بھی نہیں، اس لئے نہیں کہ یہ مورث کا وارث ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ ورثہ نے اپنے حصہ سے اس کو بھی دے دیا ہے، یہ غیر کا مال اس کی رضا سے لینا ہوا ہے، اس لئے لینا جائز ہوگا۔

۶- سابقہ تفصیل میں یہ بات آ چکی ہے کہ ایک مورث کا اپنے جملہ ورثہ کے لئے بقدر حصص مال کی تقسیم کر دینا جبکہ مقصود ہر ایک کو حصہ شرعی پہنچانا ہو تو حرج نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷-ورثہ کی اجازت کا اعتبار مورث کے مرنے کے بعد ہے:

اس مسئلہ میں معمولی اختلاف ہے، جمہور کی رائے یہی ہے کہ تنفیذ و تنسیخ کا اختیار اس وقت حاصل ہوگا جبکہ ورثہ کا مال ہو جائے، اور ورثہ کا مال مورث کے انتقال کے بعد ہوگا، اس لئے زندگی میں تنفیذ کا بھی اعتبار نہیں، امام مالکؒ فرماتے ہیں:

اگر ورثہ مورث سے الگ رہتے ہوں تو ان کو اجازت کے بعد حق رجوع نہیں ہوگا، ہاں جو ورثہ مورث کے ساتھ ہی ہوں ان کی اجازت مورث کے مرنے کے بعد معتبر ہوگی۔

"قد اختلف الفقهاء فيمن أوصى بأكثر من الثلث فأجازه الورثة في حياته أو أوصى لبعض ورثته فأجازه الباقون في حياته فقال أبوحنيفة وأبويوسف، و محمد وزفر والحسن بن زياد، والحسن بن صالح و عبيد الله بن الحسن والشافعي لا يجوز ذلك حتى يجيزوها بعد الموت"۔

"قال ابن ابى ليلى و عثمان البتي: ليس لهم أن يرجعوا فيه بعد الموت وهي جائزة عليهم، وقال ابن القاسم عن مالك: إذا استأذنهم فكل وارث بائن عن الميت مثل الولد الذي قد بان عن أبيه، والأخ وابن العم الذين ليسوا في عياله فإنه ليس لهم أن يرجعوا، فأما امرأته وبناته التي لم يبن وكل من في عياله وإن كان قد احتلم فلهم أن يرجعوا، وكذلك العم وابن العم ومن خاف منهم أنه إن لم يجز لحقه ضرر منه في قطع النفقة إن صح فلهم أن يرجعوا، وقول الليث في هذا كقول مالك" (احکام القرآن لأبی بکر الجصاص متوفی ۳۷۰ھ: ۲/ ۱۴۲ سورہ نساء، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۱ھ)۔

(فقہاء کا اختلاف ہے: اگر کوئی ثلث سے زائد کی وصیت کرے، ورثہ زندگی میں اجازت دے دیں، یا بعض ورثہ کے لئے وصیت کرے باقی ورثہ بھی اجازت مورث کی حیات میں دے دیں، تو امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد، زفر، حسن بن زیاد، حسن بن صالح، عبید اللہ بن الحسن اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ وصیت اس وقت تک نافذ نہیں ہوگی جب تک کہ مرنے کے بعد اجازت نہ ہو۔

ابن ابی لیلی اور عثمان بتی کہتے ہیں: ان کے لئے موت کے بعد رجوع کا حق نہیں ہے بلکہ یہ ان پر نافذ ہو جائے گی۔

ابن القاسم کی روایت امام مالک سے ہے: جب مورث نے سب سے اجازت لے لی تو ہر وہ وارث جو میت سے الگ رہتا تھا، مثلاً وہ لڑکا جو کہ باپ سے الگ ہو گیا، بھائی، چچازاد بھائی جو کہ اس کی کفالت میں نہیں ہے تو ان کے لئے رجوع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائز نہیں، البتہ اس کی بیوی اور وہ بیٹیاں جو ابھی تک ان کے ساتھ ہیں اور ہر وہ شخص جو اس کی کفالت میں ہے خواہ بالغ ہی ہو تو ان کے لئے رجوع کا حق ہے، اسی طرح چچا اور چچازاد بھائی نیز جو شخص کہ خوف کرے اگر اجازت نہیں دے گا تو باب نفقہ میں ضرر ہوگا اگر وہ تندرست ہو جائے تو ان کو رجوع کا حق ہے، لیث کا قول بھی امام مالک کے قول کی طرح ہے)۔

تاتارخانیہ میں ہے: "إن كانت الوصية للوارث وأجازت البقية إن أجازوا بعد الموت ليس لهم أن يرجعوا عنها وإن أجازوا في حال الحياة فلهم أن يرجعوا بعد الموت" (تاتارخانیہ ۱۹/۳۸۷ مسئلہ: ۳۱۸۸۰، باب مایجوز من الوصایا، مطبوعہ زکریا دیوبند) (اگر وصیت وارث کے لئے ہو اور باقی ورثہ نے مورث کے بعد اجازت دی تو ان کے لئے رجوع کا حق نہیں ہے، اگر حالت حیات میں اجازت دی ہے تو رجوع کر سکتے ہیں)۔

۸- وارث کی عدم موجودگی میں اپنی بیوی کے لئے کل مال کی وصیت:

زوجین اصحاب رد میں سے نہیں ہیں بلکہ کوئی اور وارث نہ ہونے کی صورت میں مال، احد الزوجین کو دینے کے بعد بیت المال میں جمع ہوگا، یہی متقدمین فقہاء کی رائے ہے، مگر متاخرین فقہاء نے فتوی دیا کہ بیت المال کا نظام اب ناپید ہو چکا ہے، اس لئے اس دور میں زوجین پر مال لوٹا دیا جائے۔

"ويفتى بالرد على الزوجين في زماننا لفساد بيت المال......قال في المستصفى: والفتوى اليوم بالرد على الزوجين وهو قول المتأخرين من علمائنا......أفتى كثير من المشائخ بالرد عليهما إذا لم يكن من الأقارب سواهما" (ردالمحتار ۵۱/۵۵۶، کتاب الفرائض، مطبوعہ رشیدیہ پاکستان)۔

(ہمارے زمانے میں بیت المال کا نظام فاسد ہو چکا ہے، اس لئے زوجین پر رد کا فتوی ہوگا...... مستصفی میں ہے: آج کے زمانے میں زوجین پر رد کا فتوی ہوگا، یہی ہمارے متاخرین علماء کا قول ہے، بہت سے مشائخ نے ان کے علاوہ وارث نہ ہونے کی صورت میں ان پر رد کا فتوی دیا ہے)۔

حضرت تھانویؒ نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے:

"رد علی الزوجین ذوی الارحام" پر مقدم نہیں ہے، بلکہ بیت المال کے درجے میں ہے جو سب مستحقین سے مؤخر ہے (امداد الفتاوی جدید مبوب: ۴/۵۶۳ کتاب الفرائض، مطبوعہ زکریا بک ڈپو دیوبند)۔

دوسری طرف احناف کے نزدیک خاص طور پر وارث کے لئے وصیت اس وقت ممنوع ہے جبکہ دوسرے ورثہ ہوں، علامہ شامی لکھتے ہیں: "كونه غير وارث أي إن كان ثمة وارث أخر والاتصح كما لو أوصى أحد الزوجين للآخر ولا وارث غيره" (ردالمحتار ۵/۵۹۴ مطبوعہ رشیدیہ پاکستان)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(وصیت کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وارث نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ کوئی اور وارث ہو، ورنہ وصیت صحیح ہے جیسا کہ اگر زوجین میں سے کوئی دوسرے کے لئے وصیت کرے، کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو صحیح ہے)۔

علامہ قرطبی امام ابوحنیفہ کا مسلک نقل کرتے ہیں:

"ذهب الجمهور من العلماء إلى أنه لا يجوز لأحد أن يوصي بأكثر من الثلث إلا أبا حنيفة وأصحابه فإنهم قالوا: إن لم يترك الموصى ورثة جاز له أن يوصى بماله كله، وقالوا إن الاقتصار على الثلث في الوصية إنما كان من أجل أن يدع ورثته أغنياء......ومن لا وارث له فليس ممن عنى بالحديث" (أحکام القرآن لابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی متوفی ۶۷۱ھ: ۳/ ۱۷۳ سورہ بقرہ: ۱۸۰، دار الفکر)۔

(جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ ثلث سے زیادہ کی وصیت کرے، مگر امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب فرماتے ہیں کہ اگر موصی نے ورثہ نہیں چھوڑا ہے تو جائز ہے کہ کل مال کی وصیت کرے، وہ فرماتے ہیں: ثلث پر اکتفاء ورثہ کی وجہ سے ہے کہ وہ غنی رہیں، جس کے پاس وارث نہیں ہے تو وہ حدیث میں مراد ہی نہیں ہے)۔

اس لئے بیوی کے لئے ورثہ کے نہ ہونے کی صورت میں وصیت نامہ بنا دینا جائز ہے، اور وہ نافذ ہو جائے گا۔

۹-ثلث سے زائد کی وصیت اور ورثہ کی رضامندی:

رضامندی کا اعتبار زندگی کے بعد ہے، موصی کی زندگی میں اس کا اعتبار نہیں، اس لئے ثلث سے زائد کی وصیت کسی کے لئے اس وقت نافذ ہوگی جبکہ ورثہ موصی کے مرنے کے بعد نافذ کر دیں، بدون اس کے موقوف رہے گی "لا تعتبر إجازتهم حال حياته اصلا بل بعد وفاته" (الدر المختار ۵/ ۶۰۴، مطبوعہ رشیدیہ پاکستان) (ورثہ کی اجازت حیات میں بالکل معتبر نہیں ہے، بلکہ وفات کے بعد معتبر ہے)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث اور وصیت سے متعلق بعض احکام

مولانا ارشد علی رحمانی ☆

۱- وارث کے حق میں وصیت احادیث مبارکہ کی روشنی میں صحیح نہیں ہے، حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"ان الله قد أعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث" (باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث: سنن ابی داؤد ۲/ ۳۹۶، کذا فی النسائی، باب ابطال الوصیۃ للوارث: ۲/ ۱۱۳، کذا فی الجامع الترمذی، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث ۲/ ۳۲، ابن ماجہ، باب لا وصیۃ لوارث ص ۱۹۴، سنن دارمی ۲/ ۵۱۰، مجمع الزوائد ۴/ ۲۷۷، نصب الرایہ ۴/ ۴۰۴)۔

چنانچہ حضرات فقہاء بھی اس بات کے قائل ہیں کہ وارث کے لئے وصیت مطلقا درست نہیں ہے، البتہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مرفوعا ایک حدیث مروی ہے: "عن عكرمة عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ: لا يجوز الوصية لوارث الا أن يشاء الورثة" (سنن الکبری للبیہقی ۶/ ۴۴۶)، اس حدیث میں یہ وضاحت ہے کہ وارث کے لئے وصیت اس وقت جائز ہے جبکہ دوسرے تمام ورثہ رضامند ہوں اور اسی بنیاد پر حضرات فقہاء نے بھی یہ لکھا ہے کہ اگر وارثین مورث کی وصیت پر رضامند ہوں تو اس صورت میں وصیت للوارث درست ہوگی، صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: "ولا لوارثه وقاتله مباشرة لا تسببا كما مر الا باجازة ورثته لقوله عليه السلام لا وصية لوارث الا أن يجيزه الورثة" (الدر علی الرد ۱۰/ ۳۴۶)، اور صاحب بدائع علامہ کاسائیؒ نے تو بڑی وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کو لکھا ہے، اپنی بے نظیر تحریر بدائع میں علامہ رقم طراز ہیں: وارث کے حق میں وصیت دیگر ورثاء کی اجازت سے درست ہے، پھر اس کی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وارث کے لئے وصیت اس لئے ممنوع ہے تاکہ ورثاء کا جو حق مورث کے ذمہ ہے اس میں انہیں کوئی نقصان اور ضرر نہ ہو، اس طور پر کہ مورث بعض کو کم اور بعض کو زیادہ دے دے، لیکن جب تمام ورثاء نے اجازت دے دی تو اب یہ اندیشہ ختم ہو گیا اور جب اندیشہ ختم ہو گیا تو اب جواز میں کوئی کلام نہیں۔

"ولو أوصى لبعض ورثته فأجاز الباقون جازت الوصية، لأن امتناع الجواز كان لحقهم من

☆ جودھپور، راجستھان۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الأذی والوحشة بایثار البعض ولا یوجد ذلک عند الاجازة" (بدائع الصنائع ۶/ ۳۳۴)۔

صاحب الفقہ الحنفی وادلتہ بھی فرماتے ہیں کہ وارثین کی اجازت کے بعد وصیت للوارث جائز ہے، البتہ انہوں نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ وارثین کی اجازت کا مورث کی موت کے بعد تک ہونا ضروری ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وارثین صحیح العقل اور بالغ ہوں اور یہ بات تقریباً تمام فقہاء کے مطمح نظر ہے۔

"ولا تصح الوصیة لوارث الا أن یجیزها الورثة بعد موته وهم أصحاء بالغون" (الفقہ الحنفی وادلتہ ص ۲۵۵)، علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں: "بخلاف الوارث فانه من أهلها ولهذا تصح باجازة الورثة" (البحر الرائق ۸/ ۴۲۲)، عالمگیری میں ہے: "ولا تجوز الوصیة للوارث عندنا الا أن یجیزها الورثة" (۶/ ۹۰)، بزازیہ میں ہے: "وباکثر من الثلث أولوارث لا الاباجازة الورثة" (بزازیہ علی الہندیہ ۶/ ۴۳۳)۔

صاحب ہدایہ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ورثاء کی اجازت موت کے بعد ہونی چاہئے اور تقریباً یہی بات محدث عبدالرزاق نے بھی لکھی ہے: "عبد الرزاق عن سفیان قال: اذا أوصی المیت لوارث فطیب ذلک الورثة فی حیاته فهم بالخیار اذا مات ان شاء رجعوا لأنهم اجازوا المالم یقع لهم ولم یملکوه إنما ملکوه بعد الموت فاذا اجازوا بعد موته فهو جائز ولیس لهم أن یردوه قبض أولم یقبض" (مصنف عبدالرزاق ۹/ ۸۷، تنقیح الفتاوی الحامدیہ ۲/ ۳۱۵، الاشباہ والنظائر ص ۱۳۳، احکام القرآن للجصاص ۲/ ۱۲۴، معارف القرآن ۲/ ۳۳۰، انوار البیان ۲/ ۲۵۷، ۲۵۸)۔

الغرض اتنی بات تو محدثین مفسرین اور فقہاء کی عبارتوں سے واضح ہوتی ہے کہ ورثاء کی اجازت اور رضامندی سے مورث وارث کے حق میں وصیت کرسکتا ہے، نیز جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے وہاں ورثاء کی رضامندی سے اس طرح کا وصیت نامہ لکھنا جائز ہے۔

۲- حدیث: "لا وصیة لوارث" کی دلالت ظاہرہ سے تو ایسا ہی لگتا ہے کہ اگر اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھا جائے تو وہ غیر معتبر اور غیر شرعی قرار پائے، چنانچہ مفتی یوسف صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "زندگی میں مورث کے لکھے ہوئے وصیت نامہ کی حیثیت محض ایک مصالحتی تجویز کی ہوگی، اب اگر تمام ورثاء بخوشی اس پر راضی ہوجائیں تو ٹھیک ورنہ جائداد شریعت کے مطابق تقسیم ہوگی" (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/ ۳۹۶)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وصیت نامہ کی حیثیت شرعی نہیں ہوگی، البتہ حضرات فقہاء نے مذکورہ حدیث میں ممانعت کے باوجود یہ مسئلہ واضح طور پر لکھا ہے کہ اگر ورثاء بالغ ہوں اور سب کے سب مورث کو اس وصیت کی اجازت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رضامندی کے ساتھ دے دیں تو یہ وصیت یعنی وصیت للوارث درست ہو جائے گی، اور حضرات فقہاء نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ حدیث پاک میں جو ممانعت آئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت نے ورثاء کے حقوق متعین کر دیئے ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ مورث تقسیم خداوندی کے خلاف ایسی وصیت کر دے کہ ہر وارث کو اس کا حق نہ مل سکے، لہٰذا جب تمام ورثاء رضامند ہو جائیں اور مورث کو اجازت دے دیں اور پھر اس اجازت پر قائم بھی رہیں تو ممانعت کی جو وجہ ایذا و ضرر تھی وہ ختم ہو گئی۔

چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں: "لأن امتناع الجواز كان لحقهم لما يلحقهم من الاذى والوحشة بايثار البعض ولا يوجد ذلك عند الاجازة"، نیز اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسا اس لئے بھی ہے کہ چونکہ بعض احادیث میں اس کی وضاحت ہے: "وفي بعض الروايات عنه عليه الصلوة والسلام أنه قال: لا وصية لوارث الا أن يجيزها الورثة" (بدائع الصنائع ۶/ ۳۳۴) یہ حدیث سنن الکبری للبیہقی (۶/ ۲۶۴)، اور دارقطنی (۴/ ۵۵) میں مذکور ہے، مذکورہ حدیث اور حضرات فقہاء کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث پاک میں جو ممانعت ہے وہ مطلقاً نہیں ہے بلکہ وارثین کو ضرر و ایذاء سے بچانے کے لئے ہے، لہٰذا جب یہ وجہ ممانعت نہیں پائی جائے گی تو وصیت درست ہوگی اور شرعاً معتبر بھی۔

ان مباحث کی روشنی میں میری رائے یہ ہے کہ اگر وصیت نامہ تمام ورثاء کی اجازت و رضامندی سے لکھا جائے اور ورثاء مورث کی موت کے بعد بھی اس پر راضی ہوں تو یہ حدیث "لا وصية لوارث" کی وجہ سے غیر معتبر اور غیر شرعی قرار نہیں پائے گا۔

۳- اوپر کے دونوں سوالوں کے جواب میں جو تفصیل ذکر کی گئی ہے، اس سے اتنی بات تو واضح ہو گئی کہ وارث کے حق میں وہ وصیت درست نہیں ہے جس سے کسی وارث کو ضرر و ایذاء پہنچانا مقصود ہو، لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ وصیت درست ہے، جیسا کہ بیہقی اور دارقطنی کی دوسری حدیث کی عبارت: "الا أن يجيزها الورثة" اور حضرات فقہاء کی وضاحت سے ظاہر ہے (الفقہ الحنفی وادلتہ ۲/ ۲۵۵، بدائع ۶/ ۳۳۴) اور ظاہر ہے کہ جب وجہ ممانعت ختم ہوتے ہی وصیت درست ہے تو حدیث نبوی ﷺ کا مورد و مقصد صرف وہی وصیت ہوگی جس سے ایذاء وارث مقصود ہو وہ نہیں ہوگی جو ورثہ کو اس کا پورا حصہ دلانے کے لئے کی گئی ہو، ہاں اس بات کی رعایت ضرور کی جائے گی کہ ورثہ اس وصیت کی رضامندی سے اجازت دیں، لہٰذا جب ورثہ رضامندی کے ساتھ اس وصیت کی اجازت دے دیں گے تو احقر کی رائے کے مطابق یہ وصیت اس حدیث کی ممانعت کے زمرے میں نہیں آئے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرنے کے لئے سب سے بہتر شکل یہ ہے کہ مورث اپنی زندگی ہی میں بطور ہبہ ورثہ کے درمیان اپنی جائداد تقسیم کردے، اور زندگی میں تقسیم میراث کی صحیح صورت جو حضرات فقہاء نے لکھی ہے تقسیم کرتے ہوئے اس کا پورا خیال رکھے۔

۵- جمہور محدثین وفقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے، اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان کتب احادیث میں مختلف الفاظ میں مختلف طرق کے ساتھ منقول ہے۔

ایک تو مشہور حدیث ہے: "عن اسامة بن زيد ان النبي ﷺ قال: لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم" (صحیح بخاری ۲/۱۰۰۱، سنن ابی داؤد ۲/ ۴۰۳، جامع ترمذی ۲/ ۳۱، سنن ابن ماجہ ۱۹۶، موطا امام محمد ۳۲۰، موطا امام مالک ۳۳۱، دارقطنی ۴/ ۳۸، بیہقی ۶/ ۲۵۷، سنن دارمی ۲/ ۴۶۶، کنز العمال ۱۱/ ۸، مظاہر حق ۳/ ۹۵، کتاب الام ۴/ ۴۲، المغنی ۷/ ۱۶۶)۔

دوسری حدیث ہے: "عن عبد الله بن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لا يتوارث أهل ملتين شيئ" (سنن ابی داؤد ۲/ ۴۰۳، ابن ماجہ ۱۹۶، بیہقی ۶/ ۳۵۷، دارقطنی ۴/ ۳۸، سنن دارمی ۲/ ۴۶۶، مجمع الزوائد ۴/ ۲۶۲)۔

ایک روایت میں ہے: "عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ لا ترث ملة ملة" (مجمع الزوائد ۴/ ۲۹۱)۔

اور ایک روایت میں ہے: "عن أنسؓ قال: ورث ابا طالب عقيل و طالب ولم يرثه عليؓ" (مؤطا امام مالک/ ۳۱۱، مجمع الزوائد ۴/ ۲۹۲)۔

ان احادیث کی بنیاد پر جمہور صحابہ اور جمہور فقہاء ومحدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان وکافر میں سے کوئی کسی کا وارث نہیں ہوسکتا اور یہی معمول بہ ہے، جیسا کہ کتب فقہ کی صریح عبارتوں اور کتب احادیث کے حاشیہ پر لکھی عبارتوں سے واضح ہے (حاشیہ مسلم ۲/ ۳۳، حاشیہ ابن ماجہ/ ۱۹۶، عالمگیری ۶/ ۴۵۴، سراجی/ ۷)۔

البتہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں جمہور صحابہ وفقہاء کا مذہب تو یہی ہے کہ مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوسکتا، حدیث صریح "لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم" کی وجہ سے، لیکن حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت حسنؒ، حضرت محمد بن حنفیہؒ، حضرت محمد بن علی بن حسنؒ، حضرت مسروقؒ، حضرت سعید بن المسیبؒ، عبد اللہ بن معقلؒ، حضرت شعبیؒ، حضرت نخعیؒ، حضرت یحیی بن یعمرؒ، حضرت اسحاقؒ اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا، ان حضرات کی دلیلیں اس طرح ہیں: "حدثنا عبد الله بن بريدة ان اخوين اختصما الى يحيى بن يعمر يهودى و مسلم فورث المسلم منها وقال: حدثني ابو الاسود ان رجلا حدثه أن معاذا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قال:سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: الاسلام یزید ولا ینقص فورث المسلم" (سنن ابی داؤد ۲/ ۴۰۳)اور ابوداؤد ہی میں دوسری روایت اس طرح ہے:"عن ابی الاسود أن معاذؓ اتی بمیراث یھودی وارثہ مسلم"(ابوداؤد ۲/ ۴۰۴)اس کے علاوہ یہ حضرات "الاسلام یعلو ولا یعلی" (حاشیہ مؤطا امام محمدؒ/ ۳۲۰) سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

ان حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسلام کفر پر غالب ہوگا اور مسلمان کافر پر غالب ہوں گے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کو کافر کا وارث قرار دیا جائے، اسی طرح یہ حضرات ایک قضیہ سے بھی استدلال فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں خلیفہ وقت مسلمانوں کو یہودی اور نصرانی کا وارث قرار دیتے تھے اور یہود ونصاری کو مسلمانوں کو وارث نہیں بناتے تھے اور یہ طریقہ وراثت اہل شام میں اس وقت تک جاری رہا جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنایا گیا، جب ان کا زمانہ آیا تو انہوں نے اس طریقہ تقسیم وراثت کو ختم فرمادیا اور پرانے طریقہ کو نافذ فرمایا کہ جس طرح کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، اسی طرح مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوسکتا، اب یہ حضرات حضرت امیر معاویہؓ کے اس قضیہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔

جمہور فقہاء کی جانب سے ان حضرات کی دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ پہلی حدیث "الاسلام یزید ولا ینقص" سے مراد یہ ہے کہ اسلام مشرکین کے اسلام لانے سے بڑھتا ہے، لہذا جب یہ حدیث محتمل ہوگئی تو قاعدہ یہ ہے کہ محتمل حدیث سے حجت قائم نہیں کی جاسکتی، لہذا اس حدیث سے حجت کرنا درست نہیں۔

دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ میراث اس حدیث کے عموم میں داخل نہیں ہے، حدیث کی مراد یہ ہے کہ اسلام اپنے دلائل اور قہر وغلبہ کی وجہ سے بلند ہوتا ہے، حضرات جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ صریح حدیث کے ہوتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کرنا بھی درست نہیں ہوسکتا (حاشیہ موطا امام محمد/ ۳۲۰، حاشیہ ابوداؤد ۲/ ۴۰۴، حاشیہ ابن ماجہ/ ۱۹۶)۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ جمہور صحابہ وتابعین کے برخلاف حضرت معاویہ اور معاذ بن جبلؓ اور سعید بن المسیبؒ وغیرہ کا جو قول مسلمان کے کافر کا وارث ہونے کا ہے وہ اس لئے درست نہیں ہے چونکہ انہوں نے اپنا متدل حدیث پاک "الاسلام یعلو ولایعلی" کو بنایا ہے جبکہ اس میں میراث کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے، پھر اس سے حجت کرکے نص صریح کو چھوڑنا کیسے درست ہوگا، دوسری بات وہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا ان کے پاس یہ حدیث صریح پہنچی ہی نہیں۔

"أجمع المسلمون علی أن الکافر لا یرث المسلم وأما المسلم فلا یرث الکافر أیضا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عندجماهير العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم، وذهب طائفة الى توريث المسلم من الكافر وهو مذهب معاذ ابن جبلؓ و معاويةؓ وسعيد ابن المسيبؒ و مسروقؒ وغيرهم......واحتجوا بحديث الاسلام يعلو ولا يعلى عليه، وحجة الجمهور هذا الحديث الصريح ولا حجة في حديث الاسلام يعلو ولا يعلى عليه، لأن المراد فضل الاسلام على غيره ولم يتعرض فيه الميراث فكيف يترک به نص حديث لا يرث المسلم الكافر ولعل هذه الطائفة لم يبلغها هذا الحديث'' (حاشیہ مسلم ۲/ ۳۳)۔

بہر حال مذکورہ بالا مباحث سے اتنی بات تو واضح ہوگئی کہ امت کا اجماع اور معمول بہا قول یہی ہے کہ نہ کافر مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے اور نہ مسلمان کافر کا، البتہ یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ بعض صحابہ، بعض تابعین اور بعض فقہاء اس کے بھی قائل ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا، اگر چہ یہ قول مرجوح اور غیر معمول بہا ہے، لیکن حضرت امیر معاویہؓ کا اپنے زمانہ خلافت میں مسلمان کو یہودی ونصرانی کا وارث بنانا اور پھر اس کے بعد سے حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے زمانہ تک اہل شام کا اس پر عمل کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کا یہ عمل ضرور بالضرور کسی نہ کسی مصلحت کی بنیاد پر ہوگا ورنہ تو کسی صحابہ سے محض نفس پرستی کی بناء پر کسی نص صریح کے خلاف عمل کرنا ممکن نہیں ہے، چنانچہ نبی کے ادنی صحابی کے بارے میں بھی مومن کو یہ یقین ہے کہ وہ کوئی شرعی کام محض نفس پرستی کی بنیاد پر نہیں کرسکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ حدیث پاک ''الاسلام يزيد ولا ينقص'' اگر چہ محتمل ہونے کی وجہ سے ساقط الحجۃ ہے، لیکن بہر حال احتمال تو ہے ہی اور جب احتمال ہے تو پھر ایسے حالات میں جبکہ حکومت غیر اسلامی ہو اور مسلمان کی میراث سے جبراً غیر مسلم کو وراثت دلائی جارہی ہو کیا حدیث محتمل کی روشنی میں جبکہ بعض صحابہ وتابعین اور فقہاء کا اس پر عمل بھی ہو اس کو مانتے ہوئے مسلمان کو غیر مسلم کا وارث نہیں بنایا جاسکتا، اور اگر وارث نہ بھی بنایا جائے تو اگر حکومت غیر مسلمہ اسے غیر مسلم کی وراثت سے حصہ دلا رہی ہو قبول کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، جبکہ شریعت اسلامی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی چیزیں جو شرعاً ممنوع تھیں کسی خاص ضرورت ومصلحت کی بنیاد پر اس کی ممانعت کو وقتی طور پر ختم کردیا گیا، مثلاً اشہر حرم میں جنگ کی ممانعت ضرورت شرعی کی بنیاد پر ختم کردی گئی اور کفار ومشرکین کی بے جا زیادتی کی بنیاد پر قرآن کریم کی آیت نازل ہوگئی ''الشهر الحرام بالشهر الحرام والحرمات قصاص فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم......''، اسی طرح بیت اللہ میں جدال کی اجازت چند لمحات کے لئے دی گئی تھی، اس کے علاوہ ضرورت شرعی ومجبوری کی بنیاد پر بہت ساری ممنوعات کے ارتکاب کی شرعاً اجازت ''الضرورات تبيح المحظورات، الضرر يزال، المشقة تجلب التيسير'' جیسے اصول کی بنیاد پر دی جاتی ہے، مثلاً جان کے خطرہ کی صورت میں کلمہ کفر زبانی کہنے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اجازت، مردار کا گوشت کھانے کی اجازت وغیرہ، تو پھر یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے کہ حکومت مسلمان کے متروکہ جائداد سے غیر مسلم کو میراث دلاتی ہے تو اگر یہ صورت جبر کی ہو کہ مسلمان کو اپنے ترکہ سے غیر مسلم کو دینا ہی پڑتا ہو تو جس علاقہ اور جس شہر میں ایسے حالات ہوں احقر کی رائے یہ ہے کہ وہاں مجبوری سمجھتے ہوئے اور مسلمانوں کو ضرر سے بچانے کی غرض سے اس کی گنجائش ہونی چاہئے اور وہاں کے مسلمانوں کو اس کی اجازت دینی چاہئے کہ اگر ان کے ترکہ سے غیر مسلم کو حق وراثت دلایا جاتا ہو تو وہ بھی غیر مسلم کے ترکہ سے ملنے والے حق کو قبول کر سکتے ہیں۔

۶- زندگی میں ہبہ کرنے کی صورت میں حضرات فقہاء نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اگر کوئی اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو اپنی جائداد ہبہ کرنا چاہے تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ تمام ورثہ کے درمیان برابری کا معاملہ کرے، البتہ اگر تقسیم میراث کی بنیاد پر لڑکے کو دو حصہ اور لڑکی کو ایک حصہ دے تو ایسا کرنا بھی جائز ہے، حضرات فقہاء نے اس امر کی بھی وضاحت کی ہے کہ اگر بعض اولاد کو کسی خاص مصلحت کی بنیاد پر کچھ زیادہ دے دے تو ایسا کرنا بھی جائز ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

”عن النعمان بن بشیرؓ......قال رسول الله ﷺ: فاتقوا الله واعدلوا بین أولادکم......“(مشکوۃ:۲۶۱)”وفی الخلاصة: المختار التسویة بین الذکر والأنثی فی الهبة“(البحر الرائق ۷/ ۴۹۰)، ”ولو وهب رجل لأولاده فی الصحة وأراد تفضیل البعض علی البعض......عن أبی حنیفة رحمه الله تعالی: لا بأس به اذا کان التفضیل لزیادة فضل له فی الدین......وعن ابی یوسف رحمه الله تعالی أنه لا بأس به اذا لم یقصد به الاضرار، وان قصد به الاضرار، سوی بینهم“ (فتاوی عالمگیری ۴/ ۳۹۱، خلاصۃ الفتاوی ۴/ ۴۰۰، بدائع الصنائع ۵/ ۱۸۲)۔

بہر حال اگر چہ سوال کا مقصود ہبہ سے متعلق نہیں ہے لیکن چونکہ تذکرہ ہے اس لئے میں نے بہت مختصر روشنی ڈالنے کی جرأت کی ہے، اب رہی بات سوال کے اصل مقصود کہ زندگی میں لکھے جانے والے وصیت نامہ کی مورث نے اپنی زندگی میں حصہ میراث کے مطابق وصیت نامہ تیار کر دیا اور اس کا مقصد بھی اچھا تھا کہ ورثہ کے مابین جھگڑا نہ ہو تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اوپر کے سوالوں کے جواب میں یہ بات پوری تفصیل کے ساتھ بحوالہ کتب احادیث فقہ آ چکی ہے کہ وصیت للوارث درست نہیں ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:” ان الله قد أعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث“(سنن ابوداؤد ۲/ ۳۹۶، سنن نسائی ۲/ ۱۱۳، سنن ترمذی ۲/ ۲۳۳، سنن ابن ماجہ/ ۱۹۴، سنن دارمی ۲/ ۵۱۰، نصب الرایہ ۴/ ۴۰۳)۔

لیکن تقریباً تمام فقہاء کے نزدیک اگر تمام ورثہ بالغ ہوں اور رضامندی کے ساتھ وصیت کی اجازت دیتے ہوں تو

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پھر یہ وصیت جائز ودرست ہے،"عن عکرمة عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ: لا یجوز الوصیة للوارث الا أن یشاء الورثة"(سنن بیہقی ۶/۲۶۳، معارف القرآن ۴۴۰/۱، انوار البیان ۲۵۷/۲، احکام القرآن للجصاص ۱۲۴/۲)۔

۷- استثنائی صورت میں ورثہ کی رضامندی کا اعتبار مورث کی موت کے بعد معتبر ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اگر ورثہ مورث کی موت کے بعد مورث کے لکھے ہوئے وصیت نامہ پر رضامند نہ ہوں بلکہ اس پر اعتراض کریں اور تقسیم میراث کی بنیاد پر تقسیم کرنا چاہیں تو انہیں یہ حق حاصل ہوگا اور ترکہ وصیت نامہ کے بجائے قانون میراث کے مطابق تقسیم ہوگا، صاحب احسن الفتاوی لکھتے ہیں: "اگر سب وارث عاقل وبالغ ہوں اور مورث کی وفات کے بعد سب راضی بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں، مورث کی وفات سے پہلے رضا کا اعتبار نہیں"(۳۹۶/۹)، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: "اور دوسرے ورثہ کی اجازت وہ معتبر ہے جو بعد موت موصی کے ہو، اور وقت وصیت کی اجازت معتبر نہیں"(امداد الفتاوی)، کچھ اسی طرح فتاوی رحیمیہ (۵۱۵/۱۰) میں بھی ہے۔

مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی کہ ورثہ کی وہ رضامندی معتبر ہوگی جو مورث کی موت کے بعد ہوگی، اور ظاہر ہے کہ ورثہ کا حق مورث کے مال میں اس کی موت کے بعد ہی ہوتا ہے اور جب موت سے پہلے حق ہی نہیں ہوتا تو پھر اس وقت کے رضا یا عدم رضا کا کیا اعتبار ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنے کسی اولاد کے لئے اس کی خدمت کی بنیاد پر یا اس کی کسی مجبوری یا معذوری کی بنیاد پر اس کے حق میں تمام ورثہ کی رضامندی سے وصیت نامہ بنا دیا تو یہ وصیت نامہ اس وقت نافذ ہوگا جب کہ ورثہ مورث کی موت کے بعد بھی اس وصیت نامہ پر راضی ہوں، لہذا اگر ورثہ مورث کی موت کے بعد وصیت نامہ پر رضامند نہ ہوں اور اس کو نافذ نہ کرنا چاہیں تو یہ وصیت نافذ نہیں ہوگی، اور سہام مقدرہ کے مطابق مورث کا پورا ترکہ تقسیم ہوگا۔

۸- اگر بیوی کے علاوہ کوئی وارث نہیں ہے صرف بیوی ہی ہے، اور ایسی صورت میں بیوی کے لئے وصیت کی گئی ہے تو اگر چہ بیوی بھی وارث ہے، لیکن اس صورت میں "لا وصیة لوارث" کی وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، اور موصی کی وصیت موصی لہ کے حق میں معتبر ہوگی، اور موصی کی موت کے بعد نافذ بھی ہوگی، حضرات فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: "حتی لو أوصی لزوجته أوهی ولم یکن ثمة وارث آخر تصح الوصیة"(الدر المختار علی رد المحتار ۳۴۷/۱۰)، مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے: شوہر نے بیوی کے لئے وصیت کی درانحالیکہ شوہر کے دوسرے ورثہ بھی ہیں تو یہ وصیت دوسرے ورثہ کی رضا کے بغیر نافذ نہیں ہوگی،......واضح رہے کہ اگر موصی لہ موصی کا تنہا وارث ہو تو اس کے حق میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی گئی وصیت بلا تامل نافذ ہوگی (مجموعہ قوانین اسلامی ۲۵۱/۱)، حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: اور اگر صرف بیوی ہو تو تین چوتھائی کی وصیت درست ہے (۵۹/۵)، بہر حال میرے نزدیک اگر ورثہ میں صرف بیوی ہو اور پھر بیوی کے لئے وصیت کی جائے تو یہ وصیت بالکل درست ہوگی، اور موصی کی موت کے بعد نافذ بھی ہوگی۔

۹- ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت خواہ وارث کے لئے ہو یا غیر وارث کے لئے بغیر ورثہ کی اجازت کے درست نہیں ہوگی، لہٰذا اگر مورث نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی اور ورثہ نے اس کی اجازت بوقت وصیت دے دی اور مورث کی موت کے بعد بھی اس پر رضامند رہے تب تو یہ وصیت معتبر ہوگی اور وصیت کے مطابق نافذ بھی ہوگی، لیکن اگر ورثہ نے بوقت وصیت تو اجازت دے دی اور بعد میں اس سے انکار کر گئے تو ورثہ کا انکار کرنا شرعاً درست ہوگا اور ایک تہائی سے زیادہ میں کی گئی وصیت نافذ نہیں ہوگی، چونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ورثہ کی اس اجازت و رضامندی کا اعتبار ہوگا جو مورث کی موت کے بعد ہو، مورث کی موت سے پہلے کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، کتب فقہ و فتاویٰ میں اس کی پوری وضاحت ہے کہ اجازت مابعد الموت معتبر ہے ماقبل الموت معتبر نہیں ہے، چنانچہ حضرت تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ''اور دوسرے ورثہ کی اجازت وہ معتبر ہے جو بعد موت موصی کے ہو، اور وقت وصیت کی اجازت معتبر نہیں'' (امداد الفتاوی ۳۳۳/۴، فتاوی محمودیہ ۲۰۱/۲۰، احسن الفتاوی ۳۹۶/۹، فتاوی امارت شرعیہ ۳۱۷/۱، مجموعہ قوانین اسلامی ۲۵۱/۱) ''ولا تعتبر اجازة الورثة فی حال حیاة الموصی حتی کان لهم أن یرجعوا بعد موت الموصی'' (مجمع الأنہر ۲۶۴/۲)۔

بہر حال میری رائے یہی ہے کہ وصیت تہائی سے زیادہ میں اسی وقت معتبر ہوگی جبکہ ورثہ مورث کی موت کے بعد بھی اس وصیت پر رضامند ہوں۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق چند اہم مسائل

مفتی ابصار احمد ندوی ☆

۱ — جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے اور وہاں کے مسلمان اسلامی قانون میراث کو جاری نہیں کرتے ہیں تو وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھ دینا جس سے ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص مل جائیں، واجب ہے۔

کیونکہ اللہ تعالی نے ہر ذی حق کا حق مقرر کر دیا ہے، اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر وارث کو اس کا حق ملے، اس میں کسی طرح کی خیانت نہ ہو، لیکن صورت مسئولہ میں چونکہ حق دار کو اپنا حق نہیں مل رہا ہے، لہذا ایسی صورت میں وصیت واجب ہو جائے گی، چنانچہ اصول فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ "مالایتم الواجب إلا به فهو واجب" (الأشباہ والنظائر، للامام تاج الدین السبکی ۹۰/۲) (جس واجب کا اتمام دوسرے فعل سے متعلق ہو تو وہ بھی واجب ہو جاتا ہے)، قاضی ابو یعلی اپنی کتاب "العدۃ فی أصول الفقہ" میں لکھتے ہیں:

"إذا أمر الله تعالى عبده بفعل من الأفعال وأوجبه عليه، وكان المأمور لا يتوصل إلى فعله إلا بفعل غيره، وجب عليه كل فعل لا يتوصل إلى فعل الواجب إلا به" (العدۃ فی أصول الفقہ ۴۱۹/۲) (جب اللہ تعالی اپنے بندہ کو کسی فعل کو وجوبی طور پر کرنے کا حکم دیتا ہے، اور وہ بندہ اس مامور بہ فعل کو انجام نہیں دے سکتا ہے مگر دوسرے فعل کے ذریعہ سے، تو ایسی صورت میں اس پر اس فعل کو انجام دینا واجب ہے جس کے ذریعہ مامور بہ فعل کو انجام دے سکے)۔

اب جبکہ دنیا سے رخصت ہونے والا شخص (مورث) یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی موت کے بعد وراثت شرعی قانون کے مطابق تقسیم نہیں کی جائے گی تو وصیت کرنا لازم ہے، جیسے کہ کسی کے ذمہ فرائض وواجبات زکوۃ، حج وغیرہ کی قضا ہو، تو اس پر وصیت واجب ہے، چنانچہ شامی میں ہے:

"الوصية بما عليه من الفرائض والواجبات كالحج والزكاة والكفارات واجبة" (ردالمحتار، کتاب

☆ لیکچرر اسلامیہ یونیورسٹی، کیرالا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الوصایا ۲۸/۳، ۴۴۳)(یعنی کسی کے ذمہ فرائض وواجبات جیسے حج، زکوۃ اور کفارہ وغیرہ کی قضا ہوتو اس پر وصیت واجب ہے)۔
لہذا اگر وصیت کے وجوب کے بعد وصیت کا موقع بھی حاصل ہو، پھر بھی وصیت کے بغیر انتقال کر جائے تو اس کا گناہ ہوگا (فتاوی دار العلوم، دیوبند فتوی نمبر: ۹۸۸۹)۔

''فتاوی الشبکۃ الاسلامیہ'' میں اس طرح کا ایک فتوی مذکور ہے:''وإذا كان الأب المذكور لا يستطيع أن يحفظ لابنه حقه هذا إلا بالوصية له بالمال، فالواجب أن يوصي له به، لأن القاعدة: أن مالا يتم الواجب إلا به فهو واجب ، والأصل أن الوصية للوارث باطلة ولكن الموضوع هذا لا يعتبر وصية، وإنما تحايل على أن يصل الحق إلى صاحبه.

وإذا قلنا بوجوب الإيصاء المذكور، فإن الأب إذا علم أن الحق لا يصل إلا به وفرط في الإيصاء فإنه يأثم، لأن ترك الواجب لا يجوز إلا للعاجز عنه'' (فتاوی الشبکۃ الاسلامیہ ۱۲/ ۶۱۹۲)۔

(جب باپ کو اس کی استطاعت نہ ہو کہ وہ اپنے بیٹے کے حق کی حفاظت کر سکے مگر مال (میراث) کی وصیت کے ذریعہ سے، تو اس پر واجب ہے کہ اس کے لئے اس کی وصیت کرے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس واجب کا اتمام کسی دوسرے فعل سے متعلق ہو، تو وہ بھی واجب ہوجاتا ہے، اصل تو یہی ہے کہ وارث کے لئے وصیت باطل ہے، لیکن یہاں اس کا اعتبار وصیت میں نہیں ہوگا، بلکہ یہ ایک حیلہ ہے تاکہ حقدار کو حق ملے۔

لہذا اس وصیت کے وجوب کے بعد اگر باپ کو یہ معلوم ہو کہ (اس کے بیٹے کو) صرف وصیت ہی کی صورت میں حق مل سکتا ہے، اور اس کے بعد بھی وہ وصیت کرنے میں کوتاہی کرے، تو وہ گنہگار ہوگا، کیونکہ واجب کا ترک کرنا جائز نہیں ہے، مگر ایسے شخص کے لئے جو اس کو انجام دینے سے قاصر ہو)۔

''فتاوی اللجنۃ الدائمۃ'' میں مذکور ہے:

''الوصية الواجبة، كالوصية ببيان ما عليه وماله من حقوق، كدين أو قرض أو قيام ببيوع، أو أمانات مودعة عنه، أو ببيان حقوق له في ذمم الناس، فالوصية في هذه الحالة واجبة، لحفظ أمواله وبراءة ذمته، ولئلا يحصل نزاع بين ورثته بعد موته وبين أصحاب تلك الحقوق، لقول النبي ﷺ، ''ما حق امرئ مسلم له شئ يوصي فيه يبيت ليلتين إلا ووصيته مكتوبة عنده'' (اخرجہ البخاری ومسلم، وہذا لفظ البخاری ۱۸۶/۳، فتاوی اللجنۃ الدائمۃ، باب حکم الشرع في الوصية الجزء ۱۶، ص/ ۲۶۴)۔

(وصیت واجبہ جیسے کہ ان چیزوں کے بیان میں وصیت جو اس کے ذمہ واجب ہوں اور جو حقوق اس کے ہوں، مثلا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

دین یا قرض یا خرید وفروخت کی انجام دہی، یا وہ امانتیں جو اس کے پاس رکھی گئی ہوں، یا ان حقوق کے بیان میں (وصیت) جو اس کے لئے لوگوں پر واجب ہوں، لہٰذا ان حالتوں میں وصیت واجب ہے تا کہ اس کے مال کی حفاظت ہو سکے اور وہ اپنے واجبات سے بریٔ الذمہ ہو جائے، نیز اس کی موت کے بعد اس کے وارثین اور دیگر مذکورہ اہل حقوق کے درمیان کسی طرح کا نزاع نہ ہو، نبی کریم ﷺ کے اس قول کی وجہ سے ''کسی بھی مسلمان شخص کو جس کے پاس قابل وصیت چیز ہو، یہ حق نہیں کہ وہ دوراتیں بھی گذارے مگر اس حال میں کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہو) (اس حدیث کی تخریج امام بخاری وامام مسلم نے کی ہے، یہ الفاظ امام بخاری کے ہیں)۔

الغرض جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھا دینا جس سے ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں، واجب ہے۔

۲-رسول اللہ ﷺ کی حدیث: ''إن الله أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث'' (رواہ الترمذی، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث، رقم الحدیث ۲۲۶۶، ابن ماجہ، باب لا وصیۃ لوارث، رقم الحدیث ۲۷۱۴، قال الشیخ الألبانی صحیح)۔

یعنی اللہ تعالی نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا وارث کے لئے وصیت جائز نہیں کہ مفہوم پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا مقصد ہی وارثین کو ان کا حق دلانا ہے، لہٰذا اگر بغیر وصیت کے ان کا حق مل سکتا ہے تو بلاشبہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے، لیکن اگر شرعی حق ہی مارا جائے، اور بغیر وصیت کے ان کا حق ہی نہ ملے، تو حدیث پر عمل کے لئے لازم ہے کہ وصیت کی جائے، اور یہ وصیت بھی اصلاً ان کا حق دلانے کا وسیلہ اور حیلہ ہے، جیسا کہ میں نے پہلے سوال کے جواب میں عرض کیا۔

بہر کیف (صورت مسئولہ) میں اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا جس سے وارثین کو پورا پورا شرعی حق ملے، حدیث: ''لا وصية لوارث'' کے خلاف نہیں، بلکہ یہ حدیث کے مفہوم کو عملی جامہ پہنانا ہے، جیسا کہ فقہ حنبلی کے مشہور عالم علامہ منصور بہوتیؒ لکھتے ہیں:

''وان وصى لكل وارث بمعين بقدر إرثه جاز، لأن حق الوارث في القدر لا في العين'' (الروض المربع شرح زاد المستقنع، کتاب الوصایا، الجزء الأول، ص ۳۰۳) (یعنی اگر ہر وارث کے لئے اس کی میراث کے بہ قدر متعین شی کی وصیت کرے تو یہ جائز ہے، کیونکہ وارث کا حق مقدار میں ہے، نہ کہ متعین شی میں)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

''وان وصى لكل وارث بمعين من ماله بقدر نصيبه، كرجل خلف ابنا وبنتا وعبدا قيمته مائة

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وجارية قيمتها خمسون، فوصى لابنه بعبده ولا بنته بأمته احتمل أن تصح الوصية، لأن حق الوارث في القدر لا في العين" (المغنی ۶/۴۴۹)(اگر ہر وارث کے لئے اس کی میراث کے بہ قدر اپنے مال میں متعین شی کی وصیت کرے، جیسے ایک شخص نے ایک لڑکا، ایک لڑکی، ایک غلام جس کی قیمت سو درہم، ایک باندی جس کی قیمت پچاس درہم ہے، ان کو چھوڑا اور اپنے بیٹے کے لئے غلام کی، بیٹی کے لئے باندی کی وصیت کی تو اس کا احتمال ہے کہ یہ وصیت صحیح ہو، کیونکہ وارث کا حق مقدار میں ہے، نہ کہ متعین شی میں)۔

۳- حدیث نبوی "لا وصية لوارث" کا مورد و مقصد ہی صرف وہ وصیت ہے، جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو، یا کسی کو بذریعہ وصیت وراثت سے محروم کرنا ہو، یہ دونوں صورتیں ممنوع اور ناجائز ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة" (سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، حدیث نمبر ۲۷۰۳)(جو اپنے وارث کی میراث سے راہ فرار اختیار کرے گا، اللہ تعالی قیامت کے دن جنت کی میراث سے اس کو محروم کر دے گا)۔

اور شریعت میں ایسی وصیت لائق اعتبار بھی نہیں۔

کسی وارث کے لئے زائد از حق وصیت کی صورت میں اس کا نفاذ بھی دیگر وارثین کی اجازت پر موقوف ہے، اگر وہ اجازت دیں تو جائز ہے ورنہ نہیں، چنانچہ دارقطنی میں حدیث مرفوع ہے: "لا وصية لوارث إلا أن يجيز الورثة" (سنن الدارقطنی، باب الفرائض والسنن وغیر ذلک، حدیث نمبر ۴۱۹۸)(یعنی وصیت کسی بھی وارث کے لئے جائز نہیں ہے مگر یہ کہ دیگر وارثین اجازت دیں)، اس پر اہل علم کا اجماع ہے، صاحب تحفۃ الاحوذی لکھتے ہیں:

"قال العيني في العمدة: قال المنذري: إنما يبطل الوصية للوارث في قول أكثر أهل العلم من أجل حقوق سائر الورثة، فإن أجازوها جازت، كما إذا أجازوا الزيادة على الثلث" (تحفۃ الأحوذي، باب ما جاء لا وصية لوارث ۵/۴۰۲)۔

(علامہ عینیؒ نے عمدہ میں لکھا ہے کہ امام منذری کا یہ کہنا ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک وارث کے لئے وصیت باطل ہے، تمام وارثین کے حقوق کی وجہ سے، اگر وہ راضی ہوں تو جائز ہے جیسا کہ ثلث سے زائد وصیت کی صورت میں)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

"ولا وصية لوارث إلا أن يجيز الورثة ذلك، وجملة ذلك أن الإنسان إذا أوصى لوارثه بوصية فلم يجزها سائر الورثة لم تصح بغير خلاف بين العلماء ......وإن أجازها جازت في قول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الجمهور من العلماء"(المغنی ۶/۴۴۹)۔

(کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے مگر یہ کہ دوسرے وارثین راضی ہوں، اس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے (کسی) وارث کے لئے وصیت کرے اور دیگر سارے وارثین اس سے راضی نہ ہوں، تو ایسی وصیت درست نہیں ہے، اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے، اور اگر دیگر سارے وارثین راضی ہوں، تو جمہور علماء کے قول کے مطابق ایسی وصیت جائز ہے)۔

بہر کیف ایسی وصیت جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو، حدیث نبوی "لا وصية لوارث" کی ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی ہے (مزید دلیلیں دوسرے سوال کے جواب میں گذر چکی ہیں)۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کی مزید شکلیں:

الف- پہلی صورت تو یہ ہے کہ ہم میراث اور اس کی شرعی تقسیم کی اہمیت کو ائمہ اور علماء کے ذریعہ عوام میں اجاگر کریں اور اس سلسلہ میں کیا کیا بشارتیں و وعیدیں ہیں، وہ انہیں بتائیں۔

ب- ہر مسلم آبادی میں علماء و دانشوران پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو اسلامک فقہ اکیڈمی کے ماتحت ہو، اس کمیٹی کا مقصد و عمل ہی وراثت، طلاق اور اس طرح کے دیگر عائلی مسائل کو حل کرنا ہو۔

ج- جہاں دار القضاء موجود ہیں، وہاں کے عوام کو بیدار کیا جائے کہ وہ اپنے مقدمات شرعی عدالت میں دائر کریں۔

د- اگر کسی شخص کو یہ محسوس ہو کہ وہ مرض الموت میں ہے تو بہتر یہ ہے کہ کسی عالم کی موجودگی میں چند لوگوں کو گواہ بنا کر اجمالی وصیت نامہ لکھوا دے، مثلاً میرے تمام وارثین میری وراثت کو شرعی بنیادوں پر فلاں مفتی یا عالم کی رہنمائی میں تقسیم کرلیں گے، اگر وہ ایسا نہ کریں تو عند اللہ ماخوذ ہوں گے، وغیرہ۔

ھ- خاص کر ہندوستان جیسے ملک میں اسلامک فقہ اکیڈمی اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی ایک اہمیت ہے، اس سلسلہ میں وہ اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں، اس طرح پر کہ ہم حکومت وقت سے مطالبہ کریں بلکہ اس کو مجبور کریں کہ اگر ہمارے مقدمات ان کی عدالت میں جائیں، اس کے لئے ہر کورٹ میں ایک مسلم عالم قاضی کی بحالی کی سفارش کی جائے۔

۵- بلا شبہ امت میں یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ کوئی کافر کسی مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا، اس پر امت کا اجماع ہے۔

لیکن صورت مسئولہ یعنی مسلم غیر مسلم کا وارث ہوگا یا نہیں؟ (خاص کر ہندوستان جیسے غیر مسلم ممالک میں جہاں مسلم مورث کے ترکہ میں سے غیر مسلم وارث کو قانوناً حق دلایا جاتا ہے، کیا مسلمان بھی بہ صورت وارث غیر مسلم کے ترکہ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے قبول کر سکتے ہیں، یا اس کے لئے کوشش کر سکتے ہیں، دعوتی نقطہ نظر سے بھی اس کی خاص اہمیت ہے)۔

مسلم غیر مسلم کا وارث ہوگا یا نہیں، اس مسئلہ میں فقہاء اور علمائے امت کے دو طبقے ہیں:

۱- پہلا طبقہ ان لوگوں کا ہے، جن کے نزدیک مسلم غیر مسلم کا وارث ہوگا، اس کے قائلین میں حضرت معاذ ابن جبلؓ، حضرت معاویہؓ، سعید بن المسیب، مسروق، شعبی، ابراہیم نخعی، یحیی بن یعمر، اسحاق اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہ ہیں (المغنی ۱۶۶/۷، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/ ۳۹۰)، دور حاضر کے علماء میں علامہ یوسف القرضاوی کا بھی رجحان اسی طرف ہے۔

ان کی دلیل درج ذیل احادیث ہیں:

۱-"عن عبد الله بن بريدة أن أخوين اختصما إلى يحيى بن يعمر يهودي و مسلم فورث المسلم منهما، وقال: حدثني أبو الأسود أن رجلا حدثة أن معاذا قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: "الإسلام يزيد ولا ينقص "فورث المسلم" (سنن ابی داؤد، باب ہل یرث المسلم الکافر ۲ رقم الحدیث ۲۹۱۲)۔

(حضرت عبداللہ ابن بریدہ سے مروی ہے کہ دو بھائیوں میں، جن میں سے ایک مسلم دوسرا یہودی تھا، دونوں میں جھگڑا ہوا، وہ دونوں یحیی بن یعمر کے پاس گئے، انہوں نے مسلم کو وارث بنایا، اور یہ کہا کہ ابوالاسود نے مجھے اور ان کو ایک شخص نے بتایا کہ حضرت معاذؓ نے یہ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "اسلام بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں"، لہذا انہوں نے بھی مسلم کو وارث بنایا)۔

اسی روایت کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے، اس کو بھی ہم یہاں درج کرتے ہیں:

"عن عبد الله بن بريدة عن يحيى بن يعمر عن أبي الأسود قال: أتي معاذ بيهودي وارثه مسلم فقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: أو قال: قال رسول الله ﷺ: الإسلام يزيد ولا ينقص فورثه" (مسند احمد ۵، رقم الحدیث ۲۲۰۵۷، ۲۲۴۰۷)۔

(حضرت عبداللہ بن بریدۃ یحیی بن یعمر سے اور وہ ابوالاسود سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس ایک یہودی کو لایا گیا، جس کا وارث مسلم تھا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اسلام بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں، پھر انہوں نے (حضرت معاذؓ) مسلمان شخص کو وارث قرار دیا)۔

۲-"عن عبد الله بن معقل قال: ما رأيت قضاء بعد قضاء أصحاب رسول الله ﷺ أحسن من قضاء قضى به معاوية في اهل الكتاب، قال: نرثهم ولا يرثوننا، كما يحل لنا النكاح فيهم، ولا يحل لهم النكاح فينا" (مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کان یورث المسلم الکافر ۱۱/ ۳۷۴، حدیث نمبر ۳۲۱۰۲)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(عبداللہ بن معقل سے روایت ہے کہ میں نے اصحاب رسول ﷺ کے فیصلہ کے بعد کوئی ایسا فیصلہ نہیں دیکھا جو حضرت معاویہؓ کے اس فیصلہ سے بہتر ہو، جو انہوں نے اہل کتاب کے تعلق سے کیا تھا، اور وہ یہ کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوں گے، اور وہ ہمارے وارث نہیں ہو سکتے، جیسا کہ ہمارے لئے ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے، اور ان کے لئے ہماری عورتوں سے نکاح جائز نہیں)۔

۲- دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جن کے نزدیک مسلم غیر مسلم کا وارث نہیں ہوگا، اس کے قائلین میں تقریبا جمہور صحابہ، خاص طور سے خلفائے اربعہ، اسامہ بن زید، جابر بن عبداللہ، فقہاء ومحدثین میں حضرت عروۃ، زہری، عطا، طاؤس، حسن، عمر بن عبدالعزیز، عمرو بن دینار، امام ثوری، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل وغیرہ رحمہم اللہ ہیں، بلکہ تقریبا اس پر اجماع صحابہ وفقہاء ہے (المغنی ۷/۱۶۶، الآفۃ القدیمۃ والشبہۃ الأثیمۃ ۱/۵۲)۔

ان کی دلیل میں درج ذیل قرآنی آیات واحادیث ہیں:

"والذين كفروا بعضهم أولياء بعض" (کافر ایک دوسرے کے ولی ہیں)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وراثت میں ایک دوسرے کے ولی ہیں (تفسیر ابن عباس ۱/۱۹۶)۔

۲- دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس کو اصحاب صحاح نیز امام مالک وامام احمد بن حنبل نے درج کی ہے:

"عن أسامة بن زيد رضي الله عنهما. أن النبي ﷺ قال: لا يرث المسلم الكافر، ولا الكافر المسلم" (رواہ البخاری، باب لا یرث المسلم الکافر، رقم الحدیث ۶۴ ۶۷، وفی المسلم، رقم الحدیث ۴۲۲۵) (حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور نہ کافر مسلمان کا)۔

۳-"عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله ﷺ: لا يتوارث أهل ملتين شتى" (رواہ ابوداؤد، باب ہل یرث المسلم الکافر، رقم الحدیث ۲۹۱۱) (حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو مختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے)۔

مذکورہ بالا دونوں طبقوں کے دلائل پر اگر علمی وتحقیقی بنیادوں اور اقوال علمائے سلف کی روشنی میں غور کیا جائے، تو درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں، اور مسئلہ بالکل منقح ہو کر سامنے آتا ہے۔

۱- پہلے طبقہ کی پہلی حدیث کی سند میں مبہم ومجہول شخص ہیں، اور اس میں علت انقطاع ہے جس کی وجہ سے اس حدیث میں ضعف ہے، اور اسے دلیل بنانا درست نہیں ہے، چنانچہ علامہ البانیؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، نیز یہ حدیث مجمل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ رقم طراز ہیں:

"وعلى أن حديثهم مجمل وحديثنا مفسر وحديثهم لم يتفق على صحته وحديثنا متفق عليه فتعين تقديمه" (المغنی ۱۶۶/۷) (ہماری دلیل راجح ہے، اس بنیاد پر کہ ان کی حدیث مجمل ہے اور ہماری حدیث مفسر ہے، نیز ان کی حدیث کی صحت پر اتفاق نہیں ہے، اور ہماری حدیث متفق علیہ ہے، لہذا اس کی تقدیم متعین ہے)۔

شارح سنن ابی داؤد عبدالمحسن عباد رقم طراز ہیں:

"مسلمان کافر کا وارث ہوگا یا نہیں، اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ کافر مسلم کا وارث نہیں ہوگا، لیکن مسلم کافر کا وارث ہوگا، جبکہ بعض کا یہ کہنا ہے کہ مسلم اور کافر کے درمیان باہم وراثت تقسیم نہیں کی جائے گی، لہذا مسلم کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلم کا، جمہور علماء بین المسلمین والکفار عدم توارث کے قائل ہیں، رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی وجہ سے جو عام ہے اور جس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے، یعنی حضرت اسامہ بن زید کی حدیث "مسلم کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلم کا"، دوسرے قول کے قائلین (یعنی مسلم کافر کا وارث ہوگا) کتابیات سے نکاح کے جواز پر قیاس کرتے ہوئے استدلال کرتے ہیں، اور وہ یہ کہ ہمارے لئے ان سے نکاح جائز ہے، لیکن ان کے لئے ہماری عورتوں سے نکاح جائز نہیں، لہذا ٹھیک اسی طرح ہم ان کے وارث ہوں گے اور وہ ہمارے وارث نہیں ہو سکتے، اسی طرح حدیث میں ہے: "الإسلام يعلو ولا يعلى عليه" اسلام کو دوسرے مذاہب پر فوقیت حاصل ہے اور اس پر کسی دوسرے کو فوقیت نہیں، اسی طرح دوسری حدیث "الإسلام يزيد ولا ينقص" اسلام بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ بین المسلمین والکفار توارث نہیں، متفق علیہ اور صحیح حدیث کی وجہ سے، جہاں تک قائلین توارث کے استدلال کی بات ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس کا نص کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں، اس لئے کہ نص صریح ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا، لہذا جائز نہیں ہے کہ کتابیات سے نکاح کے جواز پر قیاس کر کے یہ کہا جائے کہ وراثت بھی جائز ہے، یہاں قیاس فاسد ہے، اس لئے کہ یہ نص کے مخالف ہے، جہاں تک حدیث "الإسلام يعلو ولا يعلى عليه" عام ہے، اور منع کرنے والی حدیث خاص ہے، پھر اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ غلبہ اور فوقیت اسلام کو حاصل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کردے، اگر چہ یہ مشرکین کو ناگوار ہو) (توبہ:۳۳)، نیز "الإسلام يزيد ولا ينقص" کا مطلب یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کی وجہ سے بڑھتا رہے گا، اور ارتداد کی وجہ سے گھٹے گا نہیں، اسی طرح فتوحات اور جہاد کی وجہ سے بہ اعتبار رقبہ بڑھے گا، لہذا یہ بھی زیادتی اور غلو ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "افلا يرون انا نأتي الأرض ننقصها من

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

أطرافها أنهم الغالبون" (الأنبیاء۴۴)، یعنی مسلمان کفار کے علاقوں پر دھیرے دھیرے قابض اور مستولی ہو رہے ہیں، کفار کے ممالک کم ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کے بڑھ رہے ہیں، اور غلبہ اسلام اور مسلمانوں کو ہی حاصل ہو رہا ہے، اسی لئے پوچھا گیا کہ "أنهم الغالبون" (کیا وہ غالب ہیں) قرآن کی اس آیت کی یہ سب سے بہتر تفسیر ہے۔

لہذا صحیح بات یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا، جیسا کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا ہے (شرح سنن ابی داؤد، لعبداللہ المحسن العباد ۱/۶۰)۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ "حدیث اسلام سے مراد اسلام کی فضیلت دوسرے مذاہب پر ہے اور اس میں میراث سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے، لہذا نص صریح کو نہیں چھوڑا جائے گا" (عون المعبود ۸/۸۶)۔

"الآفة القديمة والشبهة الأثيمة" کے مؤلف رقم طراز ہیں:

"اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا، یہ مسئلہ اجماعی ہے، لیکن اختلاف اس میں ہے کہ کیا مسلم کافر کا وارث ہوگا؟ ایک قول یہ ہے کہ مسلم کافر کا وارث ہوگا...... دوسرا قول یہ ہے کہ مسلم کافر کا وارث نہیں ہوگا، علماء کی اکثریت یہی کہتی ہے، بلکہ اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مسلم کافر کا وارث نہیں ہوگا، اسی پر عمل ہے، اور یہی قول صحیح ویقینی ہے، اس کے علاوہ کہنا جائز نہیں ہے، صحیح نص کی وجہ سے، جیسا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کافر مسلم کا اور مسلم کافر کا وارث نہیں ہوگا (متفق علیہ)، نیز امام ابوداؤد نے عمرو بن شعیب کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "دو مختلف مذاہب کے لوگ آپس میں وارث نہیں ہوں گے)۔

جہاں تک فریق اول کا یہ قول کہ مسلم کافر کا وارث ہوگا، کتابیات سے نکاح کے جواز پر قیاس کر کے، تو یہ کس قدر فاسد قیاس ہے، اس لئے کہ یہ نص کے بالکل مخالف ہے، اور یہ طے شدہ امر ہے کہ ہر وہ قیاس جو نص کے مخالف ہو، وہ باطل ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں، رہی حدیث "الإسلام يعلو ولا يعلى عليه" تو اس کا مطلب اسلام کی سارے ادیان پر فضیلت ہے، اس میں وراثت کی کوئی بحث ہی نہیں ہے، لہذا اس کی وجہ سے نص صریح کو نہیں چھوڑا جائے گا، نیز ہماری حدیث عدم توارث میں قطعی الدلالۃ ہے اور ان کی حدیث محتمل الدلالۃ ہے، لہذا یقیناً قطعی الدلالۃ کو فوقیت حاصل ہے اور صحیح بات مسلم کا کافر کا وارث نہ ہونا ہی ہے جیسا کہ کافر مسلم کا وارث نہیں ہوتا" (الآفة القديمة والشبهة الأثيمة ۱/۵۲)۔

سوالنامہ میں ایک شبہ یا سوال یہ اٹھایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہوجائے کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے صاحب ثروت والد یا والدہ کے ترکہ سے بالکل محروم ہو جائے گا، تو مادیت کے غلبہ کی وجہ سے یہ بات اس کے قبول اسلام میں رکاوٹ بن سکتی ہے، یا بعض دفعہ اسے سخت معاشی تنگی سے گذرنا پڑتا ہے، اگر یہ تنگی اس کے پائے استقامت میں تزلزل پیدا نہ کرے، تب بھی اس کے جیسے بہت سے لوگ جو کسی درجہ میں اسلام کی طرف راغب ہوتے ہیں، اس کی معاشی بدحالی کو دیکھ کر اپنے قدم روک سکتے ہیں، خاص کر ہندوستان میں اس طرح کے واقعات سے وہ لوگ گذرتے رہتے ہیں جو دعوت دین کی طرف متوجہ ہیں۔

یہ شبہ یا سوال غیر معقول اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہے، کیونکہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ موت وحیات کا مالک اللہ تعالی ہے، اور ظاہر ہے اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ جو اسلام قبول کرنا چاہتا ہے وہ اپنے کافر صاحب ثروت والدین میں سے کسی کا وارث بنے، کیا خدا کی ذات سے یہ بعید ہے کہ وہ مورث کی حیثیت اختیار کرے یعنی پہلے اس کی موت ہو جائے، لہذا ایک غیر متعین بات کی وجہ سے اسلام سے دوری یا قبول اسلام میں رکاوٹ کی بات غیر معقول سی معلوم ہوتی ہے، اگر چہ یہ حقیقت ہے کہ اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، یعنی کافر والدین میں سے کسی کا انتقال پہلے ہو جاتا ہے لیکن پہلے ہی سے خود کو وارث فرض کر لینا اور اسی بھروسہ پر رہنا نامناسب ہے۔

نیز اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کافر والدین میں سے کسی کی موت بیٹے کے اسلام قبول کرنے کے مثلاً پانچ سال بعد ہوتی ہے، ظاہر ہے اس پانچ سال کی مدت میں اس نے اپنے اسباب معیشت کا سامان کیا ہوگا، والدین کی کسی مدد کے بغیر زندگی گذاری ہوگی، ممکن ہے کہ خوش حالی یا بدحالی کسی ایک صورت سے دوچار ہوا ہوگا، اگر خوش حالی کی حالت میں یہ مدت گذاری ہے تو پھر کوئی بات نہیں، لیکن اگر معاشی تنگی سے گذرنا پڑا ہے، تو جس کیفیت وحالت میں یہ مدت اس نے گذاری ہے، کیا آئندہ اس کیفیت کے ساتھ اپنی زندگی نہیں گذار سکتا؟

پھر بہ حیثیت مسلم ہمارے اوپر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ ہم ایسے نومسلم بھائی کی معاشی تنگی کو دور کرنے میں مدد کریں، ان کے معاش کا بہتر سے بہتر انتظام کریں، ان کی معاشی بدحالی کو خوش حالی سے بدلیں تاکہ دوسرے اسلام کی ان خوبیوں کو دیکھ کر اسلام کی طرف راغب ہوں۔

۶- ایسی وصیت جس کے ذریعہ کسی وارث کو نقصان پہنچانا مقصود ہو، وہ شرعاً ناجائز اور ناقابل اعتبار ہے، لیکن ایسی وصیت جس کے ذریعہ ورثین کے درمیان انصاف قائم رکھنا مقصود ہو، حدیث کے مفہوم کو عملی جامہ پہنانا ہے، جیسا کہ ہم پہلے سوال کے جواب میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں، مگر ایسی صورت میں (یعنی مورث اپنی زندگی ہی میں اولاد کے درمیان حصے مقرر کر دیتا ہے) اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس وصیت کے بعد مزید مال آئے اور پھر مورث کا انتقال ہو، تو اس وقت کل مال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں وراثت شرعی طور پر تقسیم کی جائے گی۔

۷- اگر دوسرے ورثا راضی ہیں، تو وارث کے حق میں وصیت معتبر ہے، لیکن یہ رضامندی موت کے بعد معتبر ہوگی، بشرطیکہ دوسرے ورثاء عاقل و بالغ ہوں، چنانچہ ''الوصیۃ علی مذہب الإمام أبی حنیفۃ النعمان'' میں مذکور ہے: ''لا وصية لوارث إلا إذا أجاز باقي الورثة الوصية بعد موت الموصي، وهم أي باقي الورثة متبرعين، والمعتبر في كون الشخص أم لا وقت موت الموصي، لا وقت صدر الوصية أثناء حياة الموصي'' (الوصیۃ علی مذہب الامام ابی حنیفۃ النعمان ۱/۶)۔

(وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ دوسرے ورثاء وصیت کرنے والے (مورث) کی موت کے بعد اس وصیت سے راضی ہوں، نیز دوسرے ورثا کا عاقل و بالغ اور ان کی رضا کارانہ رضامندی ضروری ہے، نیز یہ وصیت کرنے والے کی موت کے وقت ہونا چاہئے نہ کہ اس وقت جب وصیت کرنیوالا زندہ ہو اور وصیت لکھی جاری ہو)۔

مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر کے مؤلف رقم طراز ہیں:

''ويشترط أن يكون المجيز من أهل التبرع بأن يكون عاقلا بالغا، وإن أجاز البعض دون البعض يجوز على المجيز بقدر حصته دون غيره لولايته على نفسه فقط، ولا تعتبر إجازة الورثة في حال حياة الموصي حتى كان لهم أن يرفعوا بعد موت الموصي'' (مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر، باب أركان الوصیۃ ۹/۱۶۹)۔

(وصیت کے لئے شرط یہ ہے کہ رضامند (وارث) اہل تبرع میں سے ہو یعنی عاقل و بالغ ہوں، ان کے حصہ کے بقدر وصیت نافذ ہوگی، کیونکہ ان کو صرف اپنے اوپر ولایت حاصل ہے، ورثاء کی اجازت و رضامندی کا اعتبار وصیت کرنے والے (مورث) کی زندگی میں نہیں ہوگا، (بلکہ موت کے بعد)، یہاں تک کہ دوسرے ورثاء کو یہ حق ہے کہ وصیت کرنے والے کی موت کے بعد وہ اس وصیت سے رجوع کرلیں، اور رضامند نہ ہوں)۔

۸- کسی دوسرے وارث کی عدم موجودگی کی صورت میں شوہر اپنی بیوی کے لئے وصیت کرجائے، تو وہ وصیت جائز ہوگی، کیونکہ وصیت میں اصل اعتبار دوسرے وارث کے حق کا ہے، اور یہاں پر کوئی دوسرا وارث موجود ہی نہیں ہے، لہذا یہ جائز ہے، چنانچہ ''الوصیۃ علی مذہب الامام ابی حنیفۃ النعمان'' میں مذکور ہے: ''للزوج أن يوصي لزوجته، وللزوجة أن يوصي لزوجها، إن لم يكن لأي منهما وارث آخر، فإن كان لأي منهما وارث آخر توقف نفاذ الوصية الصادرة عن أي منهما على إجازة ذلك الوارث'' (الوصیۃ علی مذہب الإمام أبی حنیفۃ النعمان ۱/۶)۔

(شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لئے وصیت کرجائے، اور بیوی کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شوہر کے لئے وصیت کرے، شرط یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کا (وصیت کرنے والے کا) وارث نہ ہو، اگر وارث ہے تو وصیت کا نفاذ اس وارث کی اجازت پر موقوف ہوگا)۔

۹- اگر کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کردی، تو اس وصیت کا اعتبار مورث کے موت کے بعد، دیگر ورثاء کی رضامندی کی صورت میں ہوگا، زندگی میں ورثاء کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں ہے، چنانچہ علامہ علاء الدین سمرقندیؒ لکھتے ہیں:

"ومنها (من شرائط صحة الوصية)التقدير بثلث التركة حتى انها لا تصح فيما زاد على الثلث، إلا أن يجيز الورثة، وإجازتهم وردهم يصح بعد الموت، أما قبل الموت فلا يصح لما قلنا إن الملك بالوصية يثبت بعد الموت" (تحفة الفقہاء ۳/۲۰۷)۔

(وصیت صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ثلث ترکہ کا اندازہ کر کے وصیت کی جائے، یہاں تک کہ ثلث سے زائد مقدار کی وصیت درست نہیں، مگر ورثاء کی رضامندی کی صورت میں، ان کی رضامندی اور عدم رضامندی کا اعتبار موت کے بعد ہوگا، موت سے پہلے درست نہیں، جیسا کہ میں نے کہا کہ وصیت کے ذریعہ سے ملکیت موت کے بعد ثابت ہوتی ہے)۔

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"لا تجوز الوصية بأكثر من الثلث إلا أن تجيز ورثة الميت بعد موته، ......وكذلك لو أوصى لوارثه وإن قل لم يجز إلا أن يجيز اصحابه بعد موت الموصي" (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۱۸/۱۳۸)۔

(ثلث سے زائد کی وصیت درست نہیں، مگر یہ کہ میت کے ورثاء اس کی موت کے بعد راضی ہوں، اسی طرح کسی وارث کے لئے وصیت کرے اور اگر چہ وہ ثلث سے کم ہو وہ بھی جائز نہیں، مگر یہ کہ دوسرے ورثاء وصیت کرنے والے کی موت کے بعد راضی ہوں)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث اور وصیت کے احکام

مولانا محمد اقبال ٹنکاروی ☆

الوصية اخت الميراث لوگوں میں مشہور ہے، وصیت میں آدمی غیر کے لئے تبرعاً مال کو مابعد الموت کی طرف منسوب کرتا ہے اور میراث میں بھی مرنے کے بعد مال تقسیم ہوتا ہے، گویا وصیت و میراث انسان کے مرنے کے بعد چھوڑے ہوئے مال سے تعلق رکھتے ہیں، بالفاظ دیگر "وصیت" انسان کا غیر کے حق میں کسی چیز کی وصیت کرنا ہے، جب کہ "میراث" اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے وصیت ہے، "يوصيكم الله في اولادكم للذكر مثل حظ الانثيين" (النساء:۱۱)۔

وصیت و میراث کے احکام موت کے بعد جاری ہوتے ہیں، اور ان دونوں کے نتیجہ میں چیزیں انسان کو بلاعوض مل جاتی ہیں، لیکن کچھ احکام میں وصیت و میراث دونوں مختلف ہیں، جیسے وصیت اختیاری ہے، آدمی کرنا چاہے تو کرے، اور وصیت کرنے کے بعد رجوع کرنا چاہے تو بھی اختیار ہے، جب کہ میراث اجباری ہے، قرآن و حدیث میں مقرر کردہ حصوں کے مطابق وارث ملکیت کا حقدار ہوگا۔

میراث کے مستحقین محدود ہیں اور وصیت میں آدمی جسے چاہتا ہے اس کے لئے کسی چیز کی وصیت کرسکتا ہے، قریب وبعید کی اس میں حد بندی نہیں ہے، اور وصیت میراث سے مقدم ہے، پہلے عمل وصیت پر ہوگا۔

۱، ۲، ۳- چونکہ آج کل کچھ ممالک کے قوانین ایسے ہیں، جو اسلامی احکام سے متصادم ہے، اور وہاں لوگ ملکی قوانین کے مطابق تقسیم کرتے ہیں یا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور بعض ملکوں میں یہ صورت حال ہے کہ بعض قوانین میں مسلمانوں کو اپنے مسائل میں اپنے احکام کے مطابق عمل کرنے کا اختیار ہے؛ لیکن کچھ ورثہ مال پر قابض ہوجاتے ہیں اور دوسروں کو محروم کردیتے ہیں، اور کبھی مورث بھی حین حیات اپنے ورثہ کی عادتوں سے واقف ہوجاتا ہے، تو اندازہ کرلیتا ہے کہ وہ میرے مرنے کے بعد دیگر ورثہ پر ظلم کرے گا، یہ ورثہ وصیت نہ کرنے کی صورت میں ملکی قانون میراث کا سہارا لے کر اسلامی

☆ مہتمم دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قانون سے تلاعب کریں گے، اور اسے کھلونا بنائیں گے، اور میراث کے معتدل نظام کو تتر بتر کریں گے، اس لئے جن ممالک میں اسلامی احکام کے مطابق عمل کرنے کا اختیار نہ ہو؛ البتہ وصیت پر عمل کرنے کی اجازت ہو یا انسان کو معلوم ہے کہ میرے ورثہ میں فلاں وارث ظلم وزیادتی کرے گا اور بعضوں کا حق نہ دے گا تو ایسی صورت میں (تمام ورثہ کو موت کے بعد ملنے والے حصوں کے مطابق) وصیت نامہ لکھوانا واجب ہونا چاہئے۔

چنانچہ قرآن کریم میں حصص شرعیہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: "**تلک حدود الله ، ومن يطع الله ورسوله يدخله جنت تجری من تحتها الانهار خالدين فيها، وذلک الفوز العظيم، ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده......**" (النساء:۱۰۰)۔

آیت کریمہ میں اس کو حدود اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور مورث کو ملکی قوانین یا کسی وارث کے اخلاق وعادات سے یہ اندازہ ہے کہ میری موت کے بعد میراث اصول شرعیہ کے مطابق تقسیم نہ ہوگی، تو یہ آدمی ان وارثوں کو حصص شرعیہ کے مطابق وصیت نامہ لکھ دے تا کہ "حدود اللہ" کی حفاظت ہو جائے اور اس کے وارثین اس حدود سے تجاوز کرنے والوں میں شمار نہ ہو۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وصیت نہ کرنے کی صورت میں مال موروث ملکی قانون کے مطابق تقسیم ہوگا یا ظالم وارث قبضہ کرے گا تو دیگر ورثہ کو ان کے مقررہ حصص نہ ملنے کی وجہ سے ضرر ونقصان ہوگا، اور شریعت مطہرہ میں ضرر کو حتی المقدور اور حتی الوسع کم یا ختم کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ معروف فقہی قاعدہ ہے: "**الضرر يزال، الضرر يدفع بقدر الامكان**" (قواعد الفقہ: قاعدہ نمبر ۱۶۸، ۱۶۹، ص: ۸۸، ط: دار الکتاب دیوبند)۔

پھر وصیت جو ممنوع ہے اس کی علت بھی "اضرار للورثة" ہے، جس وصیت میں ورثہ کو ضرر ونقصان پہنچتا ہے، ایسی وصیت کرنے سے منع فرمایا۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: "**غير مضار" اى يوصى بها غير مضار ،اى غير مدخل الضرر على الورثة، اى لا ينبغي ان يوصى بدين ليس عليه ليضر بالورثة ولايقر بدَين، فالاضرار راجع الى الوصية والدين ، لان المنع لحقوقهم لا لحق الله تعالى**" (الجامع لاحکام القرآن: سورۂ نساء، رقم الآیۃ: ۱۲، ص: ۱۷، ج: ۳، ط: دار الفکر بیروت، لبنان)۔

حافظ ابن کثیر "غیر مضار" کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: "**اى لتكون وصيته على العدل لاعلى الإضرار والجور والحيف بأن يحرم بعض الورثة اوينقصه اويزيده على ما قدر الله له من الفريضة فمن سعى في ذلک كان كمن ضاد الله في حكمته وقسمته، ولهذا قال ابن ابي حاتم ...عن ابن عباس عن النبي**

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم قال: الاضرار في الوصية من الكبائر" (تفسیر القرآن الکریم: سورۃ النساء، رقم الآیۃ: ۱۲، ص: ۶۰۱، ج: ۱، ط: دارالاشاعت دیوبند)۔

لہذا جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے اور وصیت نہ کرنے کی صورت میں ملکی قانون کے مطابق ہی تقسیم ہوتا ہے، تو اس طرح کا وصیت نامہ لکھنا واجب ہونا چاہئے؛ تاکہ اس کے ورثہ ضرر سے محفوظ ہو جائیں۔ اور ایسا وصیت نامہ لکھنا" لاوصية لوارث" کے مخالف نہ ہوگا؛ کیونکہ مقصد ورثہ کو ضرر پہنچانا نہیں ہے؛ بلکہ ان کو اسلام کے قانون میراث کے مطابق پہنچانا ہے، اس لئے کہ اس ممانعت میں وہ وصیت داخل ہوگی؛ جس میں کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعۂ وصیت دلانا ہو۔

۴- اس کے لئے اکثر ملکوں کا دستور دیکھنا پڑے گا؛ تاکہ فیصلہ میں آسانی رہے؛ پھر بھی کچھ صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) پاور آف اٹارنی (۲) وِیل نامہ-وصیت نامہ ہر ایک وارث کے حصہ کے مطابق (۳) اور اس کے علاوہ کوئی صورت ہو تو وہ ہر ملک میں وہاں کے قواعد سے معلومات رکھنے والے واقف وکلاء سے مل کر قانون دریافت کرے اور مقامی مفتی حضرات سے رجوع کر کے مسئلہ دریافت کر لے۔

۵- شریعت اسلامیہ نے میراث کے باب میں ایک قانون ہی بنا دیا ہے: "لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم" چنانچہ اس کی حکمت کی شرح بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد سعید صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: یہ قانون اس لئے نافذ کیا گیا ہے کہ مسلمان اور کافر میں مواسات ومودت اور غم خواری کا رشتہ ٹوٹ جائے؛ کیوں کہ اس قسم کا اختلاط فساد دین کا باعث ہوتا ہے، مسلمان اور مشرک میں مناکحت کی ممانعت کی وجہ بھی قرآن کریم نے یہی بیان کی ہے، ارشاد پاک ہے: وہ دوزخ کی طرف دعوت دیتے ہیں (البقرۃ: ۲۲۱)، یعنی مشرکین ومشرکات کے ساتھ اختلاط ومحبت جو مناکحت کا لازمی تقاضہ ہے شرک کی طرف رغبت کا باعث بنے گا، جس کا انجام دوزخ ہے، پس اس سے کلی اجتناب چاہئے (رحمۃ اللہ الواسعہ: بیوع ومعاملات، باب: ۵، وراثت کا بیان، ص: ۶۵۲، ج: ۴، ط: مکتبہ حجاز دیوبند)۔

سطور بالا میں عدم توارث بین اہل الملتین کا جو قانون ذکر کیا گیا ہے، وہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ "لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم" کے الفاظ کے ساتھ حدیث مشہور ہے، اور یہ عدم توارث بین اہل الملتین کے باب میں صریح نص ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جن اموال کے درمیان لوگوں نے تقسیم قانون اسلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آنے سے پہلے اپنے قانون کے مطابق کی ہے وہ نافذ ہوگی، اور اسی تقسیم کو باقی رکھا جائے گا، اور جن لوگوں کے یہاں تقسیم نہیں ہوئی ہے اور قانون اسلام آچکا تو اب وہ قدیم قوانین کے مطابق تقسیم نہ کریں؛ بلکہ اسی قانون اسلام کے مطابق تقسیم کریں۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:"واحتجوا بما روى ابوداود باسناده عن ابن عباس رضي الله عنه؛ قال: قال رسول الله ﷺ: كل قسم قسم في الجاهلية فهو على ما قسم، وكل قسم أدركه الاسلام فهو على ما قسم الاسلام...ومعناه أن كل قسمة وقعت قبل مجئ قانون الاسلام فهي نافذة، وكل قسمة لم تقع قبل مجئ قانون الاسلام فهي تقسم على قانون الإسلام"(اعلاء السنن: کتاب الفرائض، باب عدم التوارث بین المسلم والکافر، ص:۳۲۶، ج:۱۸، ط: ادارہ: القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)۔

چنانچہ جو ترکہ تقسیم ہوگا وہ اسلامی قانون کے مطابق ہوگا، لہذا کافر کسی مسلمان کا وارث نہ ہوگا اور نہ اس کا برعکس ہوسکے گا، اگر چہ کچھ حضرات نے اس کو اس طور پر بھی دلیل بنایا ہے کہ مورث کے مرنے کے بعد اس کا ایک کافر بیٹا اسلام لے آیا اور تقسیم میراث نہ ہوئی تھی تو اس کو بھی میراث میں داخل کردیا۔

اسی طرح مسلمان کافر کا وارث نہ ہوگا، اس پر ائمۂ صحابہ اور تابعین سب متفق ہیں، علامہ عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:"قال الجصاص في "الاحكام": واختلف في ميراث المسلم من الكافر ،فان الائمة من الصحابة متفقون على نفي التوارث بينهما ، وهو قول عامة التابعين وفقهاء الامصار".

اس اجماع کے پیش نظر مسلمان کافر کا وارث نہ ہوگا، اسی کی طرف امام فریدالدین دہلوی نے اشارہ کیا ہے؛ چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:"ثم لاخلاف أن الكافر لايرث المسلمين بحال ، وكذلك المسلم لايرث الكافر في قول أكثر الصحابة رضي الله عنهم وهو مذهب الفقهاء ، وروي عن معاذ ومعاوية رضي الله عنهما انهما قالا: يرث الوارث المسلم الكافر"(الفتاوی التاتارخانیہ: کتاب الفرائض، الفصل الرابع والثلاثون فی توریث اہل الکفر، رقم المسئلۃ: ۳۳۵۳۴، ص:۳۹۵، ج:۲۰، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

" لايرث المسلم الكافر" عليه عمل الأمة ، فلا يرث المسلم كافرا عند الائمة الأربعة وفقهاء الأمصار؛إلا ماروى عن معاذ بن جبل ومعاوية رضي الله عنهما كانا يورثان المسلم من الكافر، من غير

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عکس" (تکملہ فتح الملہم، کتاب الفرائض، باب لا یرث المسلم الکافر، رقم الحدیث ۱۶ ۱۴، ص: ۱۳، ۱۴، ج: ۸، ط: المکتبہ الاشرفیہ دیوبند)۔

اس سلسلہ میں دوسرا بھی قول ہے: توریث المسلم من الکافر کا، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، اس کے قائل حضرت معاذ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما ہیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ابوالاسود الدولی بیان کرتے ہیں کہ وہ یمن میں تھے، اس زمانہ میں کسی یہودی کا انتقال ہوگیا، اس کے اصول وفروع میں کوئی نہ تھا، اور اس کے اقرباء میں صرف ایک بھائی تھا، وہ بھی مسلمان ہو چکا تھا، لوگوں نے اس یہود کے بارے میں صورت واقعہ پیش کی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اس کے مال کے بارے میں پوچھا تو اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی: ان الاسلام یزید ولا ینقص اور یہ حدیث بیان کرنے کے بعد اس مسلمان بھائی کو اپنے یہودی بھائی کا وارث بنادیا۔

ابن ابی شیبہ نے اس کی تخریج کی ہے: "**عن ابی الاسود الدولی قال: کان معاذ بالیمن فارتفعوا الیه في یهودي مات وترک مسلما؛ فقال معاذ: اني سمعت رسو ل الله صلی الله علیه وسلم یقول: إن الاسلام یزید ولاینقص فورّثه**" (المصنف: کتاب الفرائض، باب من کان یورّث المسلم من الکافر، رقم الحدیث: ۳۲۱۰۱، ص: ۳۳۴، ج: ۱۶، المجلس العلمی)۔

اسی طرح حضرت معاویہؓ نے بھی اپنی امارت کے زمانہ میں یہ فیصلہ کیا کہ مسلمان، یہودی اور نصرانی کا وارث ہوگا اور اس کے برعکس نہ ہوگا، اور یہ قانون لکھ کر انہوں نے زیاد کو بھیج دیا تاکہ عمل میں لائیں، زیاد نے یہ حکم حضرت شریح قاضی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھیج دیا، تاکہ اس کے مطابق فیصلہ کریں، اگرچہ حضرت شریح اس کے قائل نہ تھے اور وہ یہ حکم ملنے سے پہلے اس کے خلاف فیصلہ کرتے تھے، لیکن جب یہ حکم انہیں موصول ہوا تو وہ اسی کے مطابق فیصلہ کرنے لگے؛ لیکن فیصلہ سے پہلے یہ کہتے تھے: هذا قضاء أمیر المؤمنین. (اعلاء السنن: کتاب الفرائض، ص: ۳۲۸، ج: ۸، ط: ادارۃ القرآن کراچی)۔

اسی فیصلہ کو سراہتے ہوئے عبداللہ بن معقل فرماتے ہیں: "**مارأیت قضاء بعد قضاء أصحاب رسو ل الله ﷺ أحسن من قضاء قضی به معاویة في أهل الکتاب، قال: نرثهم ولایرثونا، کما یحل لنا النکاح فیهم ولایحل لهم النکاح فینا**" (المصنف لابن ابی شیبہ: کتاب الفرائض، رقم الباب، ۸۸، رقم الحدیث: ۳۲۱۰۲، ص: ۳۳۴، ج: ۱۶، ط: المجلس العلمی)۔

انہی صحابۂ کرام کے قول اور فیصلے کے بعد میں کچھ حضرات قائل رہے اور انہیں کے اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے یوروپین افتاء کونسل نے اپنے پانچویں سیمنار (منعقدہ ۳۰ رمحرم الحرام- ۳ رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۴-۷ مئی ۲۰۰۰ء بمقام ڈبلن کلچرل سینٹر آئرلینڈ) میں درج ذیل فیصلہ دیا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کونسل کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے غیر مسلم اقرباء کی میراث اور وصیت سے محروم نہ کیا جائے ، یہ صحیح حدیث: "لایرث المسلم الکافر ولاالکافر المسلم" کے خلاف نہیں ہے؛ کیوں کہ اس حدیث کو حربی کافر پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ صدر الاسلام میں مسلمان اپنے غیر مسلم اقرباء کی میراث سے محروم نہیں ہوئے ، صحابہ کرام میں سے حضرت معاذ بن جبل ، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے سعید بن المسیب ، محمد بن الحنفیہ ، ابوجعفر ، باقر اور مسروق بن الاجدع کی بھی یہی رائے ہے ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے (اجتماعی فیصلے اور فتاوی: پانچواں سیمنار ۲۰۰۰ء ، ص: ۸۱ ، ط: آئی ، او ، ایس ، سینٹر فار عربک اینڈ اسلامک اسٹڈیز ، جامعہ نگر نئی دہلی)۔

اگر جزوی حالات میں کوئی ان صحابہ و تابعین مذکورین کے قول پر عمل کرنا چاہے تو گنجائش ہوسکتی ہے۔

۶- یہ تقسیم آدمی اپنی زندگی میں کرنا چاہتا ہے؛ لیکن ہر ایک وارث اس حصے کا مالک اس آدمی کی موت کے بعد ہوگا ، تو یہ اصطلاح فقہ کے اعتبار سے من وجہ ہبہ ہے اور من وجہ تقسیم میراث ہے ، جو فقہی اعتبار سے وصیت ہے۔

اس طرح تقسیم میں علماء کے مابین اختلاف ہے ، ایک قول کے مطابق تقسیم میراث کے اصول کے مطابق اولاد کے درمیان تقسیم کرے ، اس کے قائل حضرت عطاء ، شریح ، اسحاق اور احناف میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں ، دوسرا قول عدل وتسویہ کا ہے ، مذکر و مؤنث سب کو برابر دیا جائے ، رؤس کے اعتبار سے ، اس کے قائل امام ابوحنیفہ ، امام مالک ، امام شافعی اور ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ یہ آدمی (والد) ورثہ کو موت کے بعد جو کچھ ملنے والا ہے ، اس کو اپنی زندگی میں استعجالاً دینا چاہتا ہے ، لہذا یہ میراث ہے ، اور دوسرے قول کی دلیل وہ احادیث ہیں ، جن میں اولاد کے درمیان ہبہ میں عدل وتسویہ کا حکم دیا ہے۔ لیکن مورث کا خیال یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد ورثہ کے درمیان تنازع اور جھگڑا نہ ہو ، اس لئے ابھی حیات ہی میں تقسیم ہوجائے تو تقسیم میراث کے مطابق ہر ایک وارث کو اس کے حصے ملے ، اس اعتبار سے تقسیم کرسکتا ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"قال العبدالضعيف عفا الله عنه: قدثبت بما ذكرنا أن المذهب الجمهور في التسوية بين الذكر والانثى في حالة الحياة اقوى وارجح من حيث الدليل، ولكن ربما يخطر بالبال ان هذا فيما قصد فيه الباب العطية والصلة، وأما إذا أراد الرجل أن يقسم املاكه فيما بين أولاده في حياته لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته فانه وان كان هبة في الاصطلاح الفقهي، ولكنه في الحقيقة والمقصود استعجال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لما يكون بعد الموت، وحينئذ ينبغي ان يكون سبيله سبيل الميراث، فلو قسم رجل في مثل هذه الصورة للذكر مثل حظ الانثيين ،على قول الامام احمد ومحمد بن الحسن رحمهما اللّٰه تعالى؛ فالظاهر ان ذلک ليسع له، ولم أر ذلک صريحا في كلام الفقها ء ، غير أنه لا يبدو خارجا عن قواعدهم"

۷،۹- اگر کسی آدمی نے وارث کے لئے وصیت کی اور دوسرے ورثہ اس سے رضامند ہوگئے، یا اجنبی کے لئے زائد از ثلث کی وصیت کی اور تمام ورثہ نے رضامندی اور اجازت کا اظہار کیا، تو اس اجازت ورضامندی کا اعتبار مورث کی زندگی میں کیا جائے یا اس کی موت کے بعد اعتبار ہوگا؟

یہ ممکن ہے کہ مورث کا ورثہ پر کسی وجہ سے رعب ودبدبہ ہو، یا اس کی زندگی میں رضامندی کا اظہار نہ کیا جائے تو مورث تادم حیات ورثہ سے ناراض رہے گا اور ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے دیگر کچھ اقرباء کے ساتھ بھی عداوت ہوجائے جو مورث سے زیادہ محبت کرتے ہوں، اب اگر یہ لوگ حین حیات اس رعب کی وجہ سے اجازت دے دیں تو ان کو ضرورت ہوگی، اس کے باوجود بھی اپنے حق سے دست بردار ہونا پڑے گا اور یہ اجازت بادل نخواستہ ہوگی۔

نیز انسان ایک حالت پر رہتا نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ جس وقت اجازت دی اس وقت وہ صاحب ثروت تھا اور پھر جو حالات پیش آئے ؛اس کی وجہ سے مورث کی موت سے پہلے ہی فقیر وتنگ دست ہوگیا، اب اجازت نہ دیتا تو اس کو زائد حصہ ملتا؛ لیکن اب اس آدمی کے لئے ندامت کے سوا اور کوئی راستہ نہ رہا۔

انہیں خطرات کو مدنظر رکھتے ہوئے جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اگر یہ ورثہ مورث کی حیات میں اجازت دیں تو جب چاہیں انہیں رجوع کا حق رہے گا اور مورث کی موت کے بعد اجازت دیدی تو اب یہ وصیت نافذ ہوجائے گا، کیوں کہ مورث کی موت کے بعد اب ان کو اپنا حق وصول کرنے میں کوئی مانع یا کسی کا رعب ودبدبہ حائل نہیں ہے، اب یہ اجازت دیں تو یہ ان کی حقیقی رضامندی سمجھی جائے گی۔ بلکہ مورث کی حیات میں دی ہوئی اجازت بھی اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ وصیت کا نفاذ تو مورث کی موت کے بعد ہوتا ہے، اور ورثہ کا حق بھی مورث کی موت کے بعد متعلق ہوگا، لہذا ورثہ کی ابھی اجازت یہ قبل از وقت ہے، اسی لئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: ورثہ کی اجازت ورد کا اعتبار موصی کی حیات میں نہ ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"واحتجوا من جهة المعنى بأن المنع "لاوصية لوارث" في الاصل لحق الورثة فإذا أجازوه لم يمتنع واختلفوا بعد ذلک في وقت الاجازة فالجمهور على انهم إن اجازوا في حياة الموصى كان لهم الرجوع متى شاؤوا، وإن أجازوا بعده نفذ، ....واستثنى بعضهم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ما إذا كان المجيز في عائلة الموصى ، وخشي من امتناعه انقطاع معروفه عنه لو عاش فان لمثل هذا الرجوع "(فتح الباری: کتاب الوصایا، باب لا وصیۃ لوارث، رقم الحدیث، ۲۷۴۷، ص: ۲۵، ج: ۶، ط: دار الفکر بیروت، لبنان)۔

ڈاکٹر محمد زحیلی رقمطراز ہیں: " قال الجمهور اذا كانت الوصية لوارث فتكون موقوفة على اجازة الورثة ولكنهم اختلفوا في الوقت المعتبر في الاجازة لتنفيذ الوصية على قولين:

(۱) قال أصحاب المذاهب الاربعة: لا تعتبر الاجازة الا بعد موت الموصي: لأن الوصية لاتنفذ ولاتلزم، ولا تنتقل فيها الملكية الا بعد الموت، ولا يثبت الحق للورثة في الرد اوالاجازة الا بعد الموت فان اجازوا قبل الموت فالاجازة في غير محلها، ومن غير مالكها، فلا نعتبر ملزمة لهم ويحق لهم الرجوع متى شائوا، ولما يعترى الاجازة قبل موت الموصى من ضغط ادبي من الموصى فلا تقبل.

(۲) وقال بعض الفقهاء كالزهري وربيعة والحسن والاوزاعي وابن ابي ليلى تصح الاجازة اذا وقعت قبل الموت اوبعده، فان أجازوا فلا يحق لهم الرجوع مطلقا، لأنهم رضوا باسقاط حقهم سلفاً، كما لو رضي المشتري بالعيب في المبيع، وأسقط الشريك حقه بالشفعة قبل ثبوتها فالاسقاط فيه معنى التمليك كالاجارة.

ويبدوترجيح قول الجمهور لان ذلك اسقاط لحق قبل ان يثبت فلا يقبل، ولان الموت قد يتأخر كثيرا ولأن الوارث لايستطيع ان يقدر الظروف والأحوال بدقة إلا بعد الموت" (الفرائض والمواریث والوصایا: القسم الثانی فی الوصیۃ، المبحث الثانی: الموصی لہ، الشرط الرابع الموصی لہ غیر وارث، ص: ۴۴۵، ۴۴۶، ط: دار القلم الطیب دمشق بیروت)۔

درمختار میں ہے: "ولا تعتبر اجازتهم حال حياته اصلا بل بعد وفاته ، وهم كبار ، يعني يعتبر كونه وارثا اوغير وارث وقت الموت لاوقت الوصية" (کتاب الوصایا: ص: ۶۵۱، ج: ۶، ط: دار الفکر)۔

۸- یہ ایک فطری چیز ہے کہ انسان یہ سوچے کہ میری بیوی میری موت کے بعد بے سہارا نہ رہے، اور دوسرا کوئی وارث بھی نہیں ہے، اس لئے یہ فکر زیادہ ہی دامن گیر ہوگی، لیکن ایسی صورت میں جب کہ دوسرا کوئی وارث ہی نہ ہو، وصیت کی بھی ضرورت نہیں ہے، بغیر وصیت کے بھی علمائے متاخرین کے یہاں پورا مال ملے گا، جیسا کہ معین الفرائض میں ہے:

اگر مذکورہ بالا مستحقین میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر عام کتب فقہیہ میں لکھا گیا ہے کہ میت کا ترکہ بیت المال کو دیا جائے؛ مگر متاخرین علمائے کرام نے جب دیکھا کہ فی زمانا کوئی شرعی بیت المال موجود نہیں ہے اور نہ اس قسم کے اموال کو وہ شرعی مصارف میں صرف کرتے ہیں، اس لئے اگر زوجین میں سے کوئی موجود ہو اور ان کے حصے سے باقی ماندہ مال کے لئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مستحقین مذکورۂ بالا میں سے کوئی موجود نہ ہوتو وہ باقی ماندہ حصہ بھی اسی (احد الزوجین) کو دیا جائے گا (ورثاء اور ان کی قسمیں، ص: ۱۴، ط: جامعہ حسینیہ رانڈیر، سورت)۔

اور اگر وصیت کی راہ سے بیوی کو اس کے حصہ سے زائد دینا چاہے تو بھی دے سکتا ہے، اس لئے کہ وصیت وہ ممنوع ہے جو کسی وارث کو نقصان کرنے والی ہو، اور یہاں کوئی مزاحم وارث ہے ہی نہیں، لہذا کوئی مزاحمت بھی نہ ہوگی، درمختار میں ہے: "حتی لوأوصی لزوجته أوهي له ولم تكن ثمة وارث آخر تصح الوصية" (کتاب الوصایا، ص: ۶۵۶، ج: ۶، ط: دارالفکر)۔

اور اگر شوہر لا ولد ہے، اور ورثہ میں اس کے بھائی وغیرہ ہیں؛ جن سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ اس کی بیوی کی دیکھ بھال کریں گے یا اس کو کچھ نان ونفقہ دیں گے، لہذا یہ اپنی زوجہ کے لئے وصیت کرنا چاہتا ہے؛ تاکہ وہ بے سہارا نہ رہے، تو اس کا حکم سوال نمبر ۷ اور ۹ میں مذکور ہے۔

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل

مولانا الیاس قاسمی

۱- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کے لیے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھا دینا کہ میری وفات کے بعد میرے متروکہ اموال میں سے فلاں فلاں اشخاص کو اتنا اتنا دے دیا جائے واجب ہے، کیونکہ ان ممالک میں احکام میراث پر عمل درآمد وصیت نامہ کے بغیر ممکن نہیں جبکہ احکام میراث پر عمل کرنا فرض ہے، لہذا وارثین کو ان کے حصہ شرعی طریقے پر پہنچانے کے لیے ایسا وصیت نامہ لکھا دینا واجب ہوگا۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"اِن ترک خیرا الو صیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین" (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۰) (جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آپہنچے اور وہ کچھ مال چھوڑ رہا ہو تم پر فرض کیا گیا ہے والدین اور قرابت مندوں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کرنا، خدا سے ڈرنے والوں پر یہ لازم ہے)۔

اگر چہ یہ آیت سورہ النساء کی آیت میراث "یو صیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین " (اللہ تعالی تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولادوں کے (میراث پانے) کے حق میں کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے) سے منسوخ ہو چکی ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے:"عن ابن عباسؓ قال کان المال للولد وکانت الوصیة للوالدین فنسخ اللہ من ذالک ماأحبّ فجعل للذکر مثل حظ الانثیین وجعل للا بو ین لکل واحد منهما السدس وجعل للمراۃِ الثمن والربع وللزوج الشطر" (کتاب الوصایا باب لاوصیۃ لوارث،صحیح البخاری)۔

(حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مال کی مالک اولاد ہوتی تھی اور والدین کے لیے وصیت تھی تو اللہ نے اس میں سے جو چاہا اسے منسوخ کردیا اور ایک مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ مقرر کردیا اور والدین میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصّہ مقرر کیا، بیوی کیلئے آٹھواں اور چوتھائی مقرر کیا اور شوہر کے لئے نصف اور چوتھائی)۔

لیکن موجودہ حالات میں جن ممالک میں قانون میراث جاری نہ ہو، مذکورہ آیت پر عمل کرتے ہوئے وصیت کرنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واجب ہوگا کہ وصیت نہ کرنے کی صورت میں بہت سے ورثاء ترکہ سے محروم ہوجائیں گے۔

وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں، اس سلسلے میں کلام فرماتے ہوئے علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

" فقدنفی الشارع علیه الصلوة والسلام أن یکون لوارث وصیة نصاً واشارإلی تحول الحق مِن الوصیة إلی المیراث "(بدائع ۶/۴۳۳) (شارع علیہ السلام نے قطعی طور سے اس بات کو ممنوع قرار دیا ہے کہ وارث کے لیے وصیت کی جائے اور اس جانب اشارہ فرمایا ہے کہ حق وصیت حقِ میراث میں تبدیل ہوگیا ہے جیسا کہ اس سے پہلے ہم نے بیان کیا ہے)۔

مندرجہ بالا عبارت میں علامہ کاسانیؒ نے وارث کے لیے وصیت کے عدم جواز کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ پہلے شریعت نے وصیت کے ذریعے وارث کو ترکہ دینے کا حکم فرمایا تھا پھر وصیت کو منسوخ کر کے وارثین کے حصے سورۃ النساء میں مقرر کردیئے گئے، لہذا اگر کسی ملک میں ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ قرآن مجید کی آیات میراث کی مدد سے وارثین کو ترکہ دلانا ممکن نہ ہوتو ایسے ممالک میں ایک مسلمان مورث پر لازم ہے کہ وارثین کے لئے وصیت نامہ تیار کرکے انہیں شریعت کے مطابق ترکہ کا مستحق بنائے، کیونکہ ان حالات میں اگر وصیت نامہ نہ بنایا گیا تو بہت سے وارثین اپنے حق میراث سے محروم ہو جائیں گے۔

ایک حدیث میں بھی ترکہ کی بابت وصیت نامہ تیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے:

”عن ابنِ عُمرأن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "ماحق امری مسلم یبیت لیلتین وله شیئی یوصی فیه إلا ووصیته مکتوبة عنده"(جامع الترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی الحث علی الوصیۃ رقم الحدیث ۹۷۴) (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کے پاس کچھ ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہتا ہو تو دو شب بھی ایسی نہیں گذرنی چاہئے کہ اس کا وصیت نامہ اس کے پاس موجود نہ ہو)۔

حضرت انسؓ سے مروی ایک حدیث میں اس شخص کیلئے شدید وعید بیان کی گئی ہے جو اپنے ورثہ کو میراث سے محروم کردے۔

" عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه یوم القیامة"(مشکوۃ شریف ۲۶۶) (حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے محروم کردے گا)۔

ایسے ممالک جہاں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں مورث کا ورثہ کیلئے وصیت نامہ تیار نہ کرنا بہت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے شرعی ورثہ کو حق میراث سے محروم کردینے کا باعث ہوگا، لہذا ایسے ممالک میں مورث کے لیے وصیت نامہ تیار کرنا واجب ہوگا۔

بہت سے فقہی قواعد سے بھی صورت مسئولہ میں وصیت نامہ تیار کرنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے، مثلاً:

۱- "إن مالا يتم الواجب الا به فهو واجب " (فقہ النوازل ۳/۲۲۵)(جس چیز کی بغیر واجب تام نہ ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے)۔

۲- "ماكان وسيلة الى الواجب فهو واجب" (موسوعۃ القواعد الفقہیہ ۹/۲۰۵)(جو چیز واجب کا ذریعہ ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے)۔

۲- اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا حدیث:" لاوصية لوارث "کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ جن احادیث میں وارث کے لیے وصیت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ موصی وصیت کے ذریعے بعض وارثین کو بعض پر ترجیح نہ دے کہ اس سے بعض ورثاء اذیت اور وحشت میں مبتلا ہوں گے جس کا انجام قطع رحمی کی صورت میں ظاہر ہوگا جبکہ قطع رحمی شرعاً حرام ہے چنانچہ علامہ کاسانی رقم طراز ہیں:

"ولانا لو جوزنا الوصية للورثة لكان للموصى ان يو ثر بعض الورثة وفيه ايذاء البعض وايحا شهم فيودى الى قطع الر حم وانه حرام، وما افضى الى الحرام فهوحرام دفعا للتنا قض" (بدائع الصنائع ۶/۴۳۳)۔

بعض روایات میں اس بات کی صراحت ہے کہ وارثین کے لیے وصیت جائز نہیں، البتہ اگر ورثاء خود وارث کے لیے وصیت کی اجازت دے دیں تو جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں ورثہ کے اذیت میں مبتلا ہونے اور قطع رحمی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

" عن ابن عباس قا ل قال رسول الله صلىٰ الله عليه وسلم: "لايجوز لوارث و صية الآان يشاء الورثة" (اعلاء السنن ۱۸/۳۰۱) (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: وارث کے لیے وصیت جائز نہیں مگر یہ کہ ورثاء راضی ہوں)۔

لہذا تمام وارثین کو ان کا حصہ شریعت کے مطابق دینے کیلئے بنایا گیا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ حدیث:"لاوصية لوارث "کے خلاف نہیں ہے اور یہ شرعاً معتبر ہے۔

۳- حدیث نبوی:" لا وصيته لوارث " کا مورد و مقصد صرف وہ وصیت ہے جس کے ذریعے کسی وارث کو اس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حصّہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو۔ ایسی وصیت جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصّہ شرعی کما حقہ دلانا ہو وہ "لاوصیة لوارث" کے ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی، کیونکہ وارث کے لیے وصیت کو ناجائز قرار دینے کی حکمت یہ ہے کہ اگر موصی بعض ورثاء کو وصیت کے ذریعے ترجیح دے گا تو دوسرے ورثاء کو اذیت ہوگی اور اس سے قطع رحمی واقع ہوگی، صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں: "ولانه يتاذى البعض بايثار البعض ففي تجويزه قطعية الرحم" (ھدایہ علی فتح القدیر ۱۰/۴۵۴)۔

ابوھریرہؓ سے مروی ہے ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ مورث کا ایسا عمل جس کے ذریعے دوسرے ورثاء میراث سے محروم ہو جائیں یا انہیں نقصان پہنچے ناجائز و ممنوع ہے۔

" عن أبي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: انّ الرجل ليعمل والمرأة بطاعة الله ستين سنة ثم يحضر هما الموت فيضاران في الوصية فتجب لهما النار ثم قرأ أبو هريرة: "من بعد وصية يوصى بها أودين غير مضار" الى قوله تعالىٰ :"وذالك الفوز العظيم "(مشکوۃ شریف ۲۶۵ ،باب الوصایا)۔

"قوله فيضاران من المضارة أى يوصلان الضرر الى الوارث بسبب الوصية للاجنبى باكثر من الثلث أوبأن يهب جميع ماله لواحد من الورثة كيلا يرث وارث آخر من ماله شيئا فهٰذا مكروه و فرارعن حكم الله تعالىٰ "(التعلیق الصبیح ۳/۳۹۸ بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۶/۴۷۵ مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ)۔

(حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے وہ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ کی اطاعت کے اعمال کرتے رہتے ہیں پھر اُن کو موت آتی ہے اور وہ وصیت کے ذریعے ورثاء کو نقصان پہنچاتے ہیں تو ان کے لیے جہنم واجب ہو جاتی ہے پھر ابوہریرہؓ نے "مِن بعد وصية يوصى بها أو دين غير مضار" سے اللہ تعالیٰ کے قول" و ذالك الفوز العظيم "تک تلاوت فرمائی (مشکوۃ شریف ۲۶۵ باب الوصایا) اللہ کے رسول ﷺ کا قول "فيضاران" یہ مضارۃ سے ہے، یعنی وہ دونوں وارث کو نقصان پہنچاتے ہیں، اجنبی کے لیے تہائی سے زیادہ وصیت کر کے یا ورثاء میں سے کسی ایک کو تمام مال ہبہ کر کے تا کہ اس کے مال میں سے دوسرے وارث کو کچھ بھی نہ دے تو یہ مکروہ ہے اور اللہ کے حکم سے فرار ہے، ایسی وصیت شرعاً مطلوب و محمود ہے جس کا مقصد تمام ورثاء کو ان کا حصّہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو)۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث جاری کرانے کی مزید دو شکلیں یہ بھی ہوسکتی ہیں:

(الف) ہبہ: مورث اپنی زندگی و حالت صحت میں زبانی یا تحریری طور سے اس بات کی صراحت کردے کہ میں اپنی فلاں جائیداد فلاں فلاں لوگوں کو ہبہ کرتا ہوں، پھر وہ اپنی جائیداد کو تقسیم کر کے اس پر ان حضرات کا قبضہ کرادے تو یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرات مورث کی زندگی میں ہی اس کی جائیداد کے مالک ہو جائیں گے۔

ہبہ کی صحت کیلئے بہت سی شرطیں ہیں، ان میں سے دو اہم شرطیں جو موھوبہ شئی سے متعلق ہیں درج ذیل ہیں:

(۱) موہوبہ جائیداد موہوب لہم کے قبضے و تصرف میں دے دی جائے۔

(۲) موہوبہ چیز قابلِ تقسیم ہو تو اس کو تقسیم کرکے موہوب لہم کو ہبہ کی جائے (الدر المختار علی رد المختار ۸۹/۸/۴)۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ زندگی میں اولاد کو مال دینا ہبہ کے حکم میں ہے، اس لیے لڑکی اور لڑکے دونوں کو برابر دینا افضل ہے۔

"یعطی البنت کالابن عندالثانی وعلیه الفتویٰ ای علی قول الی یوسف من انّ التنصیف بین الذکر والانثی افضل من التثلیث الذی هو قول محمّد" (الدرّ المختار ورد المختار ۸ ۵۰۲/-۵۰۱)۔

فقہانے لکھا ہے کہ اگر کسی مصلحت سے بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دی جائے تو ایسا کرنا جائز ہے البتہ کسی وارث کو نقصان پہنچانے کے لیے بعض کو بعض پر فضیلت دی جائے تو یہ مکروہ ہے۔

"ولووهب رجل لأولاده فی الصحة وأراد تفضیل البعض علی البعض ------ عن ابی حنیفه لاباس به اذا کان التفضیل لزیادة فضل له فی الدین ----- وعن ابی یوسف :انه لاباس به اذا لم یقصد به الاضرار وان قصد به الاضرار سوّی بینهم " (فتاوی عالمگیری ۳۹۱/۴، کتاب الھبۃ)۔

صورت مسئولہ میں چونکہ واھب ہبہ کے ذریعے اپنی جائیداد ورثاء میں عدل وانصاف کے ساتھ تقسیم کرنا چاہتا ہے، اس لئے اگر وہ اس ہبہ میں موت کے بعد کا تناسب اختیار کرتے ہوئے بیٹوں کو دو دو حصے اور بیٹیوں کو ایک ایک حصہ دے تو اس کی بھی گنجائش ہے، کیونکہ اس ہبہ کا مقصد اپنے ورثہ کو شریعت کے مطابق ان کا حصہ رسدی پہنچانا ہے۔ واہب کا مقصد اپنے ورثہ کو نقصان پہنچانا نہیں ہے۔ چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اس سلسلے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ہندہ کے موجودہ ورثہ اس حساب سے حقدار ہیں:

دختر	دختر	پسر	پسر	دختر پسر
۲	۲	۲	۲	۱

یعنی نو سہام کرکے دو دو سہام ہر لڑکی کو اور دو سہام پوتے کو اور ایک حصہ پوتی کو ملے گا۔ یہ سہام اگرچہ میراث کے ہیں اور میراث کا اعتبار ہندہ کی وفات کے بعد ہوگا کہ کون وارث اس وقت موجود ہے اور کون نہیں؟ تاہم اگر وہ اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زندگی میں تقسیم کردے تو اس حساب سے کرسکتی ہے اور اسے یہ بھی حق ہے کی چاہے تو پانچوں کو برابر تقسیم کردے (کفایت المفتی ۸/ ۳۱۱)۔

ب-وقف علی الاولاد:

مورث اپنی زندگی میں وقف نامہ تیار کر کے اپنی موت کے بعد اپنی جائیداد اپنی اولاد پر وقف کردے مثلاً وقف نامہ میں لکھ دے کہ "میں اپنی جائیداد اپنی اولاد پر نسلا بعد نسل حسبِ اِرث شرعی وقف کرتا ہوں"

اس طرح سے وقف کر دینے سے واقف کی موت کے بعد اس کی اولا د اس جائیداد سے استفادہ کرے گی جب تک اس کی نسل باقی رہے گی، اس کی جائیداد سے ان کو نفع ملتا رہے گا۔ جب اس کی نسل کا خاتمہ ہو جائے گا تو اس کی آمدنی فقراء پر صرف ہوگی۔

فقہاء لکھتے ہیں:

"ولو زاد البطن الثالث عم نسله ويستوى الاقرب والابعد الاّ ان يذكر ما يدل على الترتيب له (ولوزاد البطن الثا لث عمّ نسله) اى صرف الى اولاده ما تناسلوا لا الفقراء مابقى واحد من اولاده وان سفل "(الدر المختار ورد المختار ۶/۶۹۸ فصل فی مایتعلق فی وقف الاولاد)۔

۵- جمہورِ فقہاء کا مسلک تو یہی ہے کہ مسلمان کسی غیر مسلم کا اور کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا لیکن موجودہ حالات میں جبکہ مادیت کا غلبہ ہے اور اس مسلک پر عمل کرنے میں دعوتی کام میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں، اس بات کی گنجائش ہونی چاہئے کہ ملکی قانون سے استفادہ کرتے ہوئے مسلم وارث کو غیر مسلم مورث سے ترکہ کے حصول کو جائز قرار دیا جائے ، اس سلسلے میں شریعت اسلامی کے درج ذیل احکام سے استفادہ کیا جاسکتا ہے:

ا۔ فقہاء نے اشاعت اسلام اور مسلمانوں کے فائدے کیلئے کچھ ناجائز و ناروا کاموں کی بھی اجازت دی ہے، مثلاً کافر کی تعظیم کرتے ہوئے اسے سلام کرنا اور دُعا دینا کفر ہے:" ولو سلم مسلم الذمی تبجيلا يكفر "(الدر المختار علی رد المختار ۹/۵۹۱)۔

لیکن اسلام کے فروغ اور مسلمانوں کے فائدے کی خاطر کافر کو دعائیہ کلمات کہنا جائز ہے:

"اذا قال المسلم للذمی أطال الله بقا ء ک اِن نوى بقلبه ان يطيل الله بقائه لعله ان يسلم أو يودّى الجزية عن ذل أوصغا ر لا با س به لأن هذا دعاء له إلى الإسلام اولمنفعة المسلمين "(الاشباہ والنظائر مع شرح حموی ۴۰۰)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(اگر مسلمان ذمی سے کہے: "اللہ تعالیٰ تیری عمر دراز فرمائے" اگر وہ اپنے دل میں نیت کر لے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز فرمائے تا کہ وہ اسلام قبول کرے یا ذلیل وحقیر بن کر جزیہ ادا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ یہ اس کے مسلمان ہو جانے کی دعا کرنا ہے یا مسلمانوں کے فائدہ کی دعا ہے)۔

اگر چہ جمہور فقہاء کے مسلک کے مطابق مسلمان غیر مسلم مورث کا وارث نہیں ہوتا ہے، لیکن اشاعت اسلام اور دعوت دین کے فروغ کیلئے موجودہ حالات میں اگر کسی ملک کا قانون مسلمان کو غیر مسلم مورث سے ترکہ دلاتا ہو تو اس کو قبول کیا جا سکتا ہے اور اس کے حصول کیلئے تگ ودو کی جا سکتی ہے۔

۶- اگر مورث اپنی زندگی ہی میں اولاد کے درمیان حصے مقرر کر دے کہ اس کے گزرنے کے بعد اسی تفصیل کے مطابق ترکہ تقسیم کر دیا جائے تا کہ ورثاء کے درمیان عدل وانصاف کا قیام ہو سکے تو یہ شرعاً معتبر ہے، بشرطیکہ مورث کی موت کے بعد اس کے ورثہ اس پر رضامند ہوں اور اس کے نفاذ کی اجازت دیدیں۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

"قال القهستاني: واعلم ان الناطفي ذكر عن بعض أشيا خه أن المريض اذا عين لواحد من الورثة شيئا كالدار على ان لايكون في سائر التركة حق يجوز وقيل: هذا اذا رضى ذالك الوارث بعد موته فحينئذ يكون تعيين ا لميت كتعيين باقي الورثة معه كما في الجواهر "(شامی ۱۰/۳۴۶)۔

(علامہ قہستانی فرماتے ہیں: جان لو کہ ناطفی نے اپنے بعض شیوخ سے ذکر کیا ہے کہ اگر مریض اپنے ورثہ میں سے کسی کے لئے کوئی چیز مثلاً گھر متعین کر دے، اس شرط پر کہ بقیہ ترکے میں اس کا کوئی حق نہ ہوگا تو یہ جائز ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب وہ وارث اس کی موت کے بعد راضی ہو پس اس صورت میں میت کا کوئی چیز متعین کر دینا اس وارث کے لئے بقیہ ورثہ کے متعین کر دینے کی طرح ہوگا جیسا کہ جواہر میں ہے)۔

وصیت کی اس صورت میں بھی مورث کی موت کے بعد ورثہ کا راضی ہونا ضروری ہے، کیونکہ موصیٰ لہ کو قبول کرنے یا رد کرنے کا حق مورث کی وفات بعد ہوتا ہے، چنانچہ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:"والموصٰى به يملك بالقبول فان قبل الموصى له الوصية بعد موت الموصى يثبت الملك له في الموصٰى به قبضه اولم يقبضه" (عالمگیری ۶/۹۰)۔

۷- وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں ہے، اِلّا یہ کہ دوسرے ورثاء راضی ہوں، اس سلسلے میں دیگر ورثاء کی رضامندی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موت کے بعد معتبر ہوگی، چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی کسی اولاد کی خدمت یا اس کی مجبوری کو دیکھتے ہوئے تمام ورثاء کی رضا مندی سے اس کے حق میں وصیت نامہ بنا دیا اور اس پر دوسرے ورثاء کے دستخط حاصل کر لئے تو ورثہ کی یہ رضا مندی کافی نہ ہوگی بلکہ رضامندی وعدم رضامندی کا اعتبار موت کے بعد ان کے اجازت دینے یا نہ دینے پر ہوگا۔

علاّمہ جصّاص رازی رحمہ اللہ احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

"قال ابو بکر عموم قوله علیه السلام : لا وصیة لوارث الاّ ان یجیز ها الورثة ینفی جواز الوصیة فی کل حال فلمّا خص ذالک بقوله: " الاّ ان یجیز ها الورثة "وهم انما یکونون ورثة حقیقة بعد الموت لا قبله فالمخصوص من الجملة اجازتهم (بعد الموت وماعدا ذلک فهو محمول علی عموم بقیة الوصیة) والنظر یدلّ علی ذالک اذ لیسوا مالکین للمال فی حال الحیاة فلا تعمل اجازتهم فیه کما لا تجوز هبتهم ولا بیعهم ......وایضا لمّا کان للمیت ابطال الوصیة فی حال الحیاة مع کو نه ما لکا فالورثة احرٰی بجواز الرجوع عما اجازوه واذا جازلهم الرجوع فقد علمت انّ الاجازة لا تصح" (احکام القرآن ۲/۲۰۵،۲۰۶)۔

(ابوبکر رازی فرماتے ہیں: آپ علیہ السلام کا قول:"وارث کے لیے وصیت جائز نہیں" کا عموم ہر حال میں وصیت کے جواز کی نفی کرتا ہے پھر اس کو آپ علیہ السلام کے قول" مگر یہ کہ ورثہ اس کی اجازت دیدیں" سے مخصوص کردیا گیا، چونکہ ورثاء حقیقتا موت کے بعد وارث ہوتے ہیں نہ کہ اس سے قبل لھذا "وارث کے لئے وصیت نہیں" اس جملے کو موت کے بعد ورثہ کی اجازت سے مخصوص کیا گیا ہے اور اس صورت کے علاوہ جو بھی وصیت ہوگی وہ وصیت کے عام حکم پر محمول ہوگی اور غور د فکر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ وہ زندگی کی حالت میں مال کے مالک نہیں ہیں، لہٰذا اس میں ان کی اجازت کا کچھ بھی عمل دخل نہ ہوگا جیسا کی موصی کی زندگی میں ورثہ کا ھبہ اور ان کی بیع درست نہیں ہوتی، اور اس لئے بھی کہ زندگی کی حالت میں میت کو وصیت ختم کرنے کا اختیار رہتا ہے باوجود اس کے کہ وہ مالک ہوتا ہے پس ورثاء نے جس وصیت کی اجازت دی ہے وہ اُس سے رُجوع کرنے کے زیادہ مستحق ہونگے اور جب اُن کے لئے رُجوع کرنا جائز ہوا تو آپ جانتے ہیں کہ مورث کی زندگی میں اجازت دُرست نہیں ہوگی)۔

۸- لاولد شخص کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں کل مال کی وصیت اپنی بیوی کے لیے کرجائے تو شرعا یہ معتبر ہے، کیونکہ وارث کے حق میں وصیت کا عدم جواز دوسرے ورثہ کے حق کی وجہ سے تھا، مسئلہ ھذا میں چونکہ بیوہ کے علاوہ کوئی وارث موجود ہی نہیں ہے، اس لئے اس کے لیے کل مال کی وصیت جائز ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"الاباجازة ورثته لقوله عليه السلام: لا وصية لوارث الاّ أن يجيز ها الورثة، يعنى عند وجود وارث آخر كما يفيده آخر الحديث،حتى لو اوصى لزوجته أوهى له ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية" (الدرالمختار علی ردالمختار ۳۴۶/۱۰،۳۴۷)۔

(وارث کے حق میں وصیت درست نہ ہوگی مگر ورثہ کی اجازت سے، آپ ﷺ کے ارشاد: "وارث کے لیے وصیت نہیں ہے" کی وجہ سے مگر اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ ورثہ اس کی اجازت دیدیں، یعنی اس وقت جب کوئی دوسرا وارث موجود ہو جیسا کہ حدیث کے آخری حصّے کا مفہوم ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی اپنی بیوی کیلئے یا بیوی اپنے شوہر کے لیے وصیت کردے اور زوجین کے علاوہ کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو وصیت درست ہوگی)۔

۹- اگر وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کردی ہو درآنحالیکہ اس کی زندگی میں دوسرے ورثاء اس پر رضامند ہو گئے تھے تو یہ وصیت اس وقت معتبر ہوگی جبکہ اس کی موت کے بعد بھی دوسرے ورثاء اس پر رضامند ہوں، اگر مورث کی موت کے بعد وہ وصیت پر رضامند نہ ہوں تو شرعاً یہ معتبر نہ ہوگی۔

علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

" وتجوز بالثلث للأجنبى عند عدم الما نع، وإن لم يجز الوارث ذالك لا الزيادة عليه، إلا ان تجيز ورثته بعد مو ته ولا تعتبر اجازته حال حيا ته اصلا بل بعد وفا ته "(الدرمختار علی ردالمختار ۳۳۹،۱۰/۳۴۰)۔

"قوله (ولا تعتبر) اى لانها قبل ثبوت الحق لهم لان ثبوته عندالموت فكان لهم ان يردوه بعد وفاته بخلاف الاجازة بعد الموت لانه بعد ثبوت الحق " (شامی ۳۴۰/۱۰)۔

(اجنبی کے لیے تہائی مال کی وصیت جائز ہے جبکہ کوئی مانع موجود نہ ہو، اگرچہ ورثہ اُس کی اجازت نہ دیں، مگر اس سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں الا یہ کہ اس کے ورثہ اس کی موت کے بعد اس کی اجازت دیدیں اور مورث کی حیات میں ورثہ کی اجازت معتبر نہ ہوگی، بلکہ مورث کے بعد ان کے اجازت دینے کا اعتبار ہوگا)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام کا مستحکم عادلانہ نظام وراثت

مفتی محمد عثمان بستوی ☆

اسلام سے پہلے ترکہ کی تقسیم میں بڑی بے اعتدالی و ناانصافی ہوا کرتی تھی، صرف بالغ اولاد ذکور پورے ترکہ کو ہضم کر لیتی تھی، اولاد اناث اور نابالغ اولاد ذکور ترکہ سے بالکل محروم کر دیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس ظالمانہ نظام کو ختم کر کے اسلام کا عادلانہ نظام میراث مقرر کیا اور اس میں ہر قسم کی بے اعتدالی کے شائبہ کو ختم کر کے اسلام کے نظام میراث کو مستحکم کر دیا، اور اس کے امکان کو بالکل ختم کر دیا کہ کسی وارث کے ساتھ ناانصافی ہو، چنانچہ میراث کی تقسیم کی بنیاد قرابت پر رکھی اور ہم رتبہ حصہ داروں کو برابر کا حصہ دیا، البتہ اکثر مواقع میں مرد کو عورت کے مقابلہ میں دوگنا حصہ دیا گیا، اور تقسیم میراث کو ''غیر مضار'' کی قید سے مقید کر کے تمام ورثہ کے حقوق کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان رشتہ اخوت کو قائم و دائم رکھنے کے لئے ہر قسم کے ضرر اور اضرار کے امکان کو ختم کر کے ظلم و تعدی کا سد باب کیا گیا، اسی وجہ سے وارث کے لئے وصیت یا مرض الموت میں وارث کو ہبہ یا وارث کے لئے دین کا اقرار وغیرہ تمام چیزوں کو صحیح و نافذ نہ مان کر اضرار، تباغض و تحاسد وغیرہ کا بالکل سد باب کر دیا، چنانچہ ایک روایت میں ہے: انسان ساٹھ سال تک نیکی اور عبادت کرتا ہے، پھر موت کے وقت وصیت وغیرہ کے ذریعہ کسی وارث کو نقصان پہنچانے کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک روایت میں ہے: ستر سال تک اہل جنت جیسے کام کرتا ہے پھر اپنی وصیت میں ظلم کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے، پھر وہ جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے، اس کے برعکس ایک شخص ۷۰ سال تک برے اعمال کرتا ہے پھر وصیت میں عدل و انصاف سے کام لیتا ہے تو اس کا خاتمہ اچھے عمل پر ہونے کی وجہ سے جنت کا مستحق ہو جاتا ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وصیت میں اضرار کبائر میں سے ہے۔

ظلم و اضرار کی تفسیر علماء کرام نے ''الوصية للوارث اور الوصية بما زاد على الثلث وبالوصية للوارث'' وغیرہ سے کی ہے (تکملۃ فتح القدیر ۱۰/۴۱۷)۔

☆ ریاض العلوم گورینی، جونپور۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے عادلانہ نظام میراث کو جاری کرنے کے لئے اور ظالمانہ طریقوں کو ختم کرنے کے لئے دوسرے لوگوں کو بھی ذمہ دار بنایا گیا کہ اگر تقسیم میراث میں ظلم وتعدی کو دیکھیں تو بقدر استطاعت اس میں اصلاح وعدل کو قائم رکھنے کی کوشش کریں، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"فمن خاف من موص جنفا أو اثما فأصلح بينهما فلا اثم عليه"،اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ہر انسان پر بقدر استطاعت تقسیم میراث وغیرہ میں ہونے والے ظلم وتعدی کو روکنا واجب و لازم ہے۔

"قال الجصاص: معنى قوله "فمن خاف" أنه علم أن فيها جورا فيردها إلى العدل–وهو (هذا الحكم) عام في سائر الوصايا فاذا عدل بها عن جهة العدل إلى الجور منتظمة للوصية التي كانت واجبة للوالدين والأقربين وشاملة لسائر الوصايا وغيرهما فمن خاف من سائر الناس من موص ميلا عن الحق وعدوله إلى الجور فالواجب عليه ارشاده إلى العدل والصلاح ولا يختص بذلک الشاهد والوصي والحاكم دون سائر الناس، لأن ذلک من باب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر"(احکام القرآن للجصاص ۱/۴۰۹)۔

حاصل یہ ہے کہ ہر انسان کے ذمہ تقسیم میراث کے ظالمانہ طور طریقوں کو بند کرنے کی کوشش کرنا أمر بالمعروف و النہی عن المنکر میں داخل ہونے کی وجہ سے واجب ہے اور اس میں کوتاہی پر اندیشہ اثم ووزر ہے۔

۱– جب دوسرے لوگوں کے ذمہ ظالمانہ تقسیم کا سد باب بقدر استطاعت واجب ہے تو اگر مورث کو اپنی حیات ہی میں یقینی طور پر تقسیم میراث میں ظلم وتعدی کا یقین ہو تو اس کے ذمہ بھی بقدر استطاعت منکر کے ازالہ کی کوشش بدرجہ اولی واجب ہوگی، کیونکہ حقدار تک اس کا حق پہنچانے کی اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی کوشش نہ کرنا بھی ایک قسم کا ظلم اور اعانت علی المعصیۃ ہے اور جس صورت میں اس ظلم سے روکنے کا ذریعہ صرف وصیت ہو تو ایسے وقت میں وصیت واجب ہوگی، لیکن اس وصیت کا فائدہ موصی لہ کو قانونی طور پر استحقاق ارث کا ہوگا، لیکن تعیین سہام وغیرہ کے سلسلہ میں شرعا یہ وصیت غیر معتبر ہوگی، اور تمام ورثہ کے ذمہ شرعی ضابطہ میراث کے مطابق تقسیم کرنا واجب ہوگا، اس وصیت کے ذریعہ دیگر ورثہ کو ان کے حقوق سے محروم کرنا جائز نہ ہوگا۔

حاصل یہ کہ شریعت کے ساتھ ساتھ قانونی طور پر بھی وارث کو وارث بنانے کا فائدہ ملے گا۔

لہذا جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہ ہو، اور اپنے ہونے والے ورثہ کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ ان شرعی ورثہ کو جو قانونی اعتبار سے وارث نہیں ہیں میراث نہیں دیں گے تو ایسی صورت میں ازالہ منکر کے لئے وصیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واجب ہوگی، لیکن وصیت میں اس کا بھی خیال رکھنا لازم وضروری ہوگا کہ ان کی وصیت کا سہارا لے کر دیگر شرعی ورثہ کی کسی قسم کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔

"كما قال في التفسير المظهري(۱/۲۱۰م زکریا): ان الرجل إذا حضر مريضا وهو يوصي فرأه يميل عن الحق أمره بمعروف و نهاه عن منكر كما نهى رسول الله ﷺ سعد بن وقاص عن زيادة الوصية على الثلث، ونهى علي و عائشة عن آل الوصية الخ، فمن خاف من سائر الناس من موص ميلا عن الحق وعدولا الى الجور فالواجب عليه ارشاده الى العدل والصلاح ولا يختص بذلك الشاهد والوصي والحاكم دون سائر الناس، لأن ذلك من باب الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر"(احکام القرآن ۱/۲۰۹)۔

شروع میں یہ بات تفصیل سے ذکر کر دی گئی ہے کہ حدیث "لا وصية لوارث" کا مقصد غیر موصی لہ وارث پر ظلم و زیادتی کو روکنا ہے اور ورثہ کے درمیان تباغض وتحاسد، انشقاق واختلاف وغیرہ کا سد باب کرنا ہے، لہذا اگر میراث کے ضابطہ شرعی کے مطابق تقسیم کرنے کی وصیت کی جائے تو یہ وصیت فی نفسہ "لا وصية لوارث" کے خلاف نہیں بلکہ معنیً اس کی مؤید ہوگی، نیز میراث کی نصوص کے لئے بھی مؤید ہوگی، البتہ وارث کے حق میں کسی مخصوص چیز کی وصیت گرچہ اس کے حصہ کے بقدر ہو، یہ حدیث مذکور کے منافی ہوگی اور شرعاً اس کی تخصیص وتعیین لغو وباطل ہوگی۔

حاصل یہ ہے کہ نفس وصیت اور حدیث نبوی "لا وصية" میں تعارض نہیں ہے، البتہ تعیین وغیرہ کے اعتبار سے تعارض ہوگا، اس لئے یہ وصیت تعیین وغیرہ میں شرعاً غیر معتبر قرار پائے گی اور تمام ورثہ کو آپسی رضا سے دوبارہ تعیین وغیرہ کا حق ہوگا۔

"كما قال الشيخ وهبة الزحيلي في التفسير المنير: الضرر والاضرار حرام هو في الوصية من الكبائر وكذا في الدين، قال تعالى: "غير مضار" والإضرار راجع إلى الوصية والدين، أما رجوعه إلى الوصية فبأن يزيد على الثلث أويوصي لوارث فإن زاد فانه يرد الا ان يجيزه الورثة، لأن المنع لحقوقهم لا لحق الله تعالى، وإن أوصى لوارث فانه يرجع ميراثا، وأجمع العلماء على أن الوصية للوارث لاتجوز"(۳/۲۸۵)۔

۳- حدیث "لا وصية لوارث" کا مورد ومقصد وہ وصیت ہے جس کے ذریعہ دوسرے ورثہ کو ضرر ہو خواہ موصی لہ وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال دے کر ہو یا اشیاء ترکہ میں سے بعض اشیاء کی تعیین وتخصیص کے ذریعہ ہو، لہذا اگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صرف ایک ہی وارث ہوتو ایسی صورت میں چونکہ کسی دوسرے وارث کا کوئی ضرر ونقصان نہیں، اس بنا پر اس کے حصہ شرعی سے زائد یا کل ترکہ کی وصیت اور اسی طرح سے اشیاء ترکہ میں سے تعیین وتخصیص کے ساتھ وصیت سب جائز ہے، نیز اگر دوسرے ورثہ ہوں تو چونکہ وصیت لوارث سے ضرر دیگر ورثہ ہی کا ہوتا ہے، لہذا اگر وہ اس کو بخوشی منظور کرلیں تو بھی وصیت صحیح اور نافذ ہوجائے گی۔

فی بدائع الصنائع (۵/ ۳۴۴ مکتبہ نعیمیہ دیوبند): "لو اوصی لبعض ورثته فأجاز الباقون جازت الوصية، لأن امتناع الجواز كان لحقهم لما يلحقهم من الاذى والوحشة بايثار البعض ولا يوجد ذلک عند الاجازة، وفي بعض الروايات عنه عليه الصلوة والسلام انه قال: لا وصية لوارث إلا أن يجيز بها الورثة" (بدائع/ ۳۴۴)۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کی مزید شکلیں کیا کیا ہوسکتی ہیں؟

اس کی وضاحت چونکہ ان ملکوں کے قانون میراث وغیرہ کے جاننے پر موقوف ہے اور ناچیز کو اس بارے میں زیادہ کچھ معلوم نہیں بلکہ ظن غالب ہے کہ سائلین کو دیگر ملکوں کے قوانین وغیرہ کا بخوبی علم ووا قفیت ہے اس لئے ان حضرات کو مزید شکلوں کا علم ہوگا، لہذا عرض ہے "ما المسئول عنها بأعلم من السائل" (مشکوۃ علی مرقاۃ ۱/ ۶۱)، البتہ ایک عام شکل یہ سمجھ میں آتی ہے کہ لڑکی کا جتنا حصہ شرعاً ہوتا ہے اتنا اس کو اپنی زندگی میں اس نیت سے دے دے کہ اس کے ترکہ کا حصہ ہے تو بھی انشاء اللہ بری الذمہ ہوجائے گا۔

۵- غیر مسلم قرابت دار کے ترکہ میں مسلم کی وراثت:

غیر مسلم کا مسلم کے مال میں وارث نہ ہونا امت کا اجماعی مسئلہ ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، البتہ غیر مسلم کے مال میں مسلم کی وراثت مختلف فیہ ہے، جمہور صحابہ وتابعین وتبع تابعین وائمہ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلم غیر مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا ہے، "لقول رسول الله ﷺ: لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم" (مشکوۃ مع مرقاۃ ۶/ ۲۰۹ مکتبہ فیصل)۔

البتہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت معاویہ اور تابعین میں سعید بن المسیب اور حضرت مسروقؒ وغیرہم کا مسلک یہ ہے کہ مسلم غیر مسلم قرابت دار کا وارث ہوگا، ان حضرات کا استدلال "الاسلام يعلو ولا يعلى عليه" سے ہے (کنز العمال ۱/ ۶۶)۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: "أجمع المسلمون على أن الكافر لا يرث المسلم، وأما المسلم من

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الكافر ففيه الخلاف، فالجمهور من الصحابة والتابعين من بعدهم على انه لا يرث ايضا وذهب معاذ بن جبل ومعاوية وسعيد بن المسيب والمسروق رحمهم الله وغيرهم إلى أنه يرث الكافر، واستدلوا بقوله عليه الصلوة والسلام: الاسلام يعلو ولا يعلى عليه" (مرقاۃ ۶/۲۰۹ مکتبہ فیصل)۔

غیر مسلم کے مال میں مسلم کی وراثت کا حکم اوپر ذکر کیا گیا جس میں بعض صحابہ وتابعین کا اختلاف مذکور ہے، دو باتیں اصولی طور پر اور لکھی جاتی ہیں:

۱-غیر مسلم ممالک میں غیر مسلم کے اموال حقیقۃً معصوم نہیں ہوتے ہیں، لہذا خداع اور غصب کے علاوہ اگر دوسرے طریقہ سے ان کا مال حاصل کیا جائے تو جائز ہے،"في البحر، لان مالهم مباح، وبعقد الامان منهم لم يصر معصوما، إلا أنه التزم أن لا يتعرض لهم بغدر، ولا لما في أيديهم بدون رضاهم فإذا أخذ برضاهم اخذ مالامباحا بلا غدر فيملكه بحكم الاباحة السابقة" (بحر الرائق ۶/۱۳۶)۔

۲-غیر مسلم ممالک کے وہ قوانین جو اصولاً احکام شرعیہ کے معارض نہ ہوں ان کی حیثیت معاہدہ عملی کی ہوتی ہے اور معاہدہ عملیہ کا حکم معاہدہ تولیہ کے مانند ہے، یعنی جس طرح تولی معاہدات کی پابندی وایفاء لازم ہوتا ہے، اسی طرح معاہدات عملیہ کی بھی پابندی واجب ولازم ہوتی ہے۔

الحاصل: توریث مسلم من الکافر کے سلسلہ میں حضرات صحابہ، تابعین کے اقوال پر نصوص احادیث سے یہ بات متعین اور مسلم ہے کہ مسلم غیر مسلم کا وارث شرعاً نہیں ہوگا، لیکن اگر کسی غیر مسلم ملک میں مسلمانوں کے مال میں غیر مسلموں کو حصہ دلایا جاتا ہو تو اس ملک میں اس کی کوشش کرنا کہ مسلم کے مال میں غیر مسلم کو حصہ دلایا جائے یہ کوشش شرعاً صحیح اور جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ دعوتی مصالح کے پیش نظر اس طرح کی کوشش ایک طرح سے ضروری بھی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ملکی قانون بن جانے کے بعد ان کا مال لینے میں شرعاً کوئی حرج اور مانع نہ رہے گا، اس لئے کہ یہ مال کا لینا رضا اور معاہدے کے تحت ہے اور اوپر یہ بات عرض کر دی گئی ہے کہ غیر مسلم کا مال معصوم نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بغیر غدر کے لینا یہ معاہدہ عملیہ کے تحت ہوگا نہ کہ استحقاق شرعیہ کے تحت اور نصوص میں استحقاق شرعی کی نفی کی گئی ہے نہ کہ اور طرق کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں مسلم کو غیر مسلم کا جو وارث نہیں مانا گیا ہے تو اس حدیث میں وراثۃً استحقاق کی نفی کی گئی ہے، لیکن دوسرے طریق سے ان کے مال لینے کے سلسلہ میں یہ نص ساکت ہے، لہذا اگر وراثت کے علاوہ کسی دوسرے اسباب مثلاً بیع، ہبہ، مصالحت اور معاہدہ کے ذریعہ اس کا مال لیا جائے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں اور قانون کے ذریعہ اس کا مال لینا مصالحۃً ومعاہدۃً مال لینا ہے لہذا شرعاً جائز ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشہور تابعی قاضی شریح خود اس کے قائل تھے کہ مسلم غیر مسلم کا وارث نہیں ہوگا، لیکن حضرت امیر معاویہؓ کے حکم کے بعد وہ مسلم کو غیر مسلم کے مال میں وراثت کا فیصلہ یہ کہہ کر کرتے تھے "هذا قضاء امير المومنين" اس سے بھی معلوم ہوا کہ اگر ملکی قانون، مسلم کی وراثت کا بن جائے تو پھر اس کا مال لینے میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے۔

ورثہ کو آپسی نزاع سے محفوظ رکھنے کے لئے میراث شرعی کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام ورثہ کا حصہ اس غرض سے متعین کرنا کہ ان کے درمیان تقسیم کے سلسلہ میں اختلاف نہ ہو، اس کا حکم صراحۃ تو ملا نہیں، البتہ مولانا تھانویؒ کے ایک فتوی سے معلوم ہوتا ہے کہ مورث کی تقسیم جو اس نے وصیت کی صورت میں کی ہے وہ صحیح ہے۔

"في رد المحتار: قال القهستاني: واعلم ان الناطفي ذكر عن بعض اشياخه: ان المريض اذا عين لواحد من الورثة شيئا كالدار على أن لا يكون له في سائر التركة حق يجوز وقيل: هذا إذا رضى ذالک الوارث به بعد موته. فحينئذ يكون تعيين الميت كتعيين باقي الورثة معه كما في الجواهر قلت: وحكى القولين في جامع الفصولين فقال جاز، وبه أفتى بعضهم وقيل: لا" (ردالمحتار ۵/ ۶۴۳، فی مطبع الزکریا ۱۰/ ۳۴۷)۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مورث اپنے ترکہ میں اس طرح وصیت کر جاوے کہ فلاں وارث کو فلاں چیز دی جاوے اور فلاں وارث کو فلاں چیز، بشرطیکہ وہ انداز سے اس کے حصہ شرعی سے کم نہ ہو تو جائز ہے اور اگر کم ہو تو نا جائز ہے، ورنہ بطریق مذکور تعیین کر دینا یہ تقسیم ہے اور اس کی ولایت مورث کو دی گئی ہے، اور یہی وجہ تطبیق کی ہے دونوں قولوں میں جو روایت مذکورہ میں ہیں، پس اس بنا پر آپ کے والد صاحب ایسا کریں کہ سب ورثہ کے لئے موافق ان کے حقوق شرعیہ کے الگ الگ ایسے قرعے بنا کر کہ لڑکیوں کے ساتھ لڑکوں کی شرکت نہ ہو وصیت لکھ دیں کہ اس موافق تقسیم ہو (امداد الفتاوی ۴/ ۳۶۳ ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند)۔

علامہ شامیؒ کی عبارت مختلفہ اور حضرت تھانویؒ کے فتوی سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ مورث اگر اپنی حیات میں ورثہ کے حصص اور انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے حصہ کے اشیاء متعین کر کے وصیت کر جائے تو تقسیم کی یہ وصیت صحیح و نافذ ہوگی، لیکن اس پر اعتراض اور اشکال یہ ہوتا ہے کہ وارث کے حق میں وصیت شرعا نہ حقیقتا صحیح ہے، اور نہ ہی صورتا اور نہ ہی معنا، اور ان کے حصہ کی چیزوں کو متعین کرنے میں صورتا وصیت پائی جاتی ہے، پھر کیسے صحیح ہوگی یہ مقام محل غور ہے "وأبطل إيصاء لهم، بطل ذلک صورة ومعنى، وحقيقة وشبهة حتى لم يصح بيعه من الوارث أصلا عند ابى حنيفة" (حسامی ر ۱۵۳ بحث القیاس)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸-صرف ایک وارث ہوتو اس کا حکم:

اگر کسی کا شرعاً صرف ایک ہی وارث ہو خواہ وہ بیوی ہو یا شوہر ہو لڑکا ہو، یا لڑکی تو اس کے لئے اس کے حصہ شرعی سے زائد وصیت کرنا شرعاً جائز ہے، یہاں تک کہ کل کی وصیت بھی ایسی صورت میں صحیح ہے، "أما إذا لم يترك وارثا فتصح وصيته فمازاد على الثلث حتى بجميع ماله عندنا، وفي الدر المختار: ولا لوارثه وقاتله مباشرة إلاباجازة ورثته" (تکملۃ فتح القدیر ۱۰/ ۴۱۲)۔

"وهم كبار-أويكون القاتل صبيا أو مجنونا أولم يكن له وارث سواه كما في الخانية-حتى لو أوصى لزوجته أوهي له ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية ابن كمال-فلو أوصت لزوجها بالنصف كان له الكل قلت: وانما قيدوا بالزوجين، لأن غيرهما لايحتاج إلى الوصية لأنه يرث الكل بردأورحم" (الدرالمختار ۱۰/ ۳۴۷ طبع زکریا)۔

ورثہ کی اجازت کے شرائط:

۱-ورثہ تبرع کے اہل ہوں، یعنی عاقل یا بالغ غیر محجور ہوں، "الأول أن يكون من أهل التبرع بأن يكون بالغا عاقلا غير محجور عليه" (الفقہ الاسلامی ۸/ ۴۲)۔

۲-جس چیز کی وصیت وارث کے لئے یا تہائی مال سے زائد کی گئی ہے ورثہ اس کو جانتے ہوں، "ولا تصح اجازة وارث لم يعلم بما أوصى به الموصى" (حوالہ بالا)۔

۳-ورثہ کی اجازت وصیت کرنے والے کی موت کے بعد ہو، لہذا وصیت کنندہ کی زندگی میں اجازت اور عدم اجازت کا کوئی اعتبار نہیں، "أن تكون الإجازه بعد موت الموصى فلا عبرة بإجازة الورثة حال حياة الموصى" (حوالہ بالا)۔

اختلاف فقہاء:

وصیت کنندہ کی زندگی میں ورثہ اگر اس کی وصیت پر راضی ہوجائیں تو شرعاً اس کا اعتبار ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کی مختلف آراہیں:

راجح ومشہور مذہب:

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ نیز مالکیہ کا راجح مذہب یہی ہے کہ مورث کی زندگی میں اجازت وعدم اجازت کا شرعاً کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعتبار نہیں، ورثہ کی اجازت کا اعتبار شرعا مورث کی وفات کے بعد ہوگا، اس لئے کہ اس کی وفات سے پہلے ورثہ کا کوئی استحقاق نہیں ہوتا ہے، لہذا استحقاق سے قبل اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، نیز وراثت کا تحقق وفات کے بعد ہی ہوتا ہے، لہذا جب تک وہ وارث نہیں ہوتے تو ان کی اجازت وعدم اجازت دونوں برابر ہے، اسی طرح وصیت کنندہ کو اپنی زندگی میں اپنی وصیت سے رجوع کا پورا حق واختیار باقی رہتا ہے، لہذا ورثہ کی اجازت کا کوئی فائدہ بھی نہ ہوگا۔

"أن تكون الإجازة بعد موت المورث (الموصي)عند جمهور الفقهاء فلا عبرة حال حياة الموصي" (موسوعہ فقہیہ ۴۳/۲۴۷)۔

"وهذا رأى الحنفية والشافعية والحنابلة وكذلك قال المالكية" (الفقہ الاسلامی ۲۲/۸) ہذا قول عامۃ العلماء (بدائع الصنائع ۵/۳۸۳)۔

ابن ابی لیلی وغیرہ کا مذہب:

ابن ابی لیلی، عطاء، اور طاؤس اور عثمان البتی وغیرہم فرماتے ہیں کہ مورث کی وفات سے قبل بھی ورثہ کی اجازت معتبر ہے، اس لئے کہ وفات سے قبل مرض الموت میں اس کے مال سے ورثہ کا حق متعلق ہوجاتا ہے، لہذا ورثہ کا اپنے حق کا اسقاط صحیح ودرست ہوگا۔

"وقال ابن ابی لیلی، وعثمان البتی: لیس لهم ان یرجعوا فيه بعد الموت هي جائز عليهم، وروى طاؤس وعطاء أنهم إذا اجازوه فى الحياة جازعليهم" (احکام القرآن للجصاص ۲۰۵)۔

حضرت امام مالکؒ کی مختلف روایات:

مورث کی وفات سے قبل ورثہ کی اجازت کے اعتبار وعدم اعتبار کے سلسلہ میں حضرت امام مالک سے مختلف روایات منقول ہیں، ایک روایت ابن القاسم کی ہے جس میں تفصیل ہے:

اگر ورثہ مورث سے علاحدہ رہتے ہوں، اس کے عیال میں نہ ہوں تو ان کی اجازت وفات سے قبل بھی معتبر ہے (احکام القرآن ۱/۲۰۵)۔

اور اگر ورثہ مورث کی ماتحتی اور ذمہ داری میں رہتے ہوں یا ورثہ کی اجازت کا سبب مورث کا دباؤ مثلاً ان کے اجازت نہ دینے کی صورت میں اس کا اندیشہ ہو کہ اگر مورث صحت یاب ہوگیا تو ورثہ کا نفقہ بند کردے گا تو ایسی صورت میں اس کی زندگی میں اجازت کا اعتبار نہیں (احکام القرآن ۱/۲۰۵)۔

اور ابن وہب کی امام مالکؒ سے یہ روایت ہے کہ ورثہ نے اگر مورث کی حالت صحت میں اجازت دیا ہے تو اس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعتبار نہیں، لیکن اگر ورثہ نے مورث کے مرض الوفات میں اجازت دیا ہے تو ان کی اجازت معتبر ہوگی (احکام القرآن ۱/ ۲۰۵)۔

موسوعہ فقہیہ میں مالکیہ کا یہ قول درج ہے کہ ان کے نزدیک مورث کی زندگی میں ورثہ کی اجازت معتبر ہونے کے لئے کل پانچ شرطیں ہیں، اگر ان شروط کی رعایت کی جائے تو مورث کی زندگی میں ہی ورثہ کی اجازت معتبر ہوگی، شرائط درج ذیل ہیں:

۱- ورثہ کی اجازت مورث کے مرض الوفات میں ہو۔

۲- مورث اس مرض وفات کے بعد صحت مند نہ ہوا ہو۔

۳- اجازت دینے والے ورثہ پر کسی قسم کا دباؤ نہ ہو۔

۴- ورثہ کو اپنے رد اور اجازت کے اختیار کا علم ہو۔

۵- ورثا اپنے نفع و نقصان کو سمجھتے ہوں (موسوعہ فقہیہ ۴۳/ ۲۴۸)۔

مرض الوفات میں بھی اجازت معتبر نہیں:

مرض الوفات میں اگر ورثہ کی اجازت کو معتبر مانا جائے تو لازم آئے گا کہ سب سے پہلے ہی حکم ثابت ہو جائے، اس لئے کہ مرض الوفات کا تحقق موت سے پہلے ہو ہی نہیں سکتا (بدائع ۵/ ۴۸۳، فتح القدیر ۱۰/ ۴۱۸)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل

مولانا عمر بن یوسف کوکنی ☆

شریعت مطہرہ میں وصیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اپنے اہل خانہ اوراقرباءواعزہ کے تئیں ہمدردی وحاجت روائی کے جذبہ کوجلا بخشنے اوراولاد یاقریبی رشتہ دار کے صاحب ثروت ومال ہونے کے باوجود، اس دار فانی سے کوچ کرنے کے بعد اس کے والدین یادیگر رشتہ دار دوسروں کے سہارے پر زندگی گزارنے اوردست سوال دراز کرنے پر مجبور نہ ہوں، اس لئے ابتداء اسلام میں رشتہ داروں کے لئے مال کی وصیت کرنے کوواجب قرار دیا گیا تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: "كتب عليكم إذا حضر احدكم الموت إن ترك خيرا الوصية للوالدين والأقربين بالمعروف حقا على المتقين" (سورۂ بقرہ:۱۸۰) پھرآیات میراث کے ذریعہ ورثہ کے حصے مقرر ومحفوظ کردیئے گئے تو بظاہر مصلحت وصیت باقی نہ رہی تو والدین اور مستحق میراث ہونے والے ورثہ کے حق میں وجوب وصیت کومنسوخ کردیا گیا، تاہم غیر وارث کے لئے وصیت کا استحباب اب بھی باقی ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ کا بیان ملاحظہ ہو:

"اشتملت هذه الآية الكريمة على الأمر بالوصية للوالدين والأقربين وقد كان ذلك واجبا، على أصح القولين، قبل نزول آية المواريث، فلما نزلت آية الفرائض نسخت هذه، وصارت المواريث المقدرة فريضة من الله، يأخذها أهلها حتما من غير وصية ولا تحمل منه الموصى" (تفسیر ابن کثیر ۱/ ۴۳۲)۔

(یہ آیت کریمہ والدین اوررشتہ داروں کے لئے وصیت کرنے کے حکم پر مشتمل ہے، اور یہ وصیت اصح قول کے مطابق، آیت مواریث کے نازل ہونے سے پہلے واجب تھی، جب آیت فرائض نازل ہوئی تو وصیت کا حکم منسوخ ہوا، اور میراث کے حصے اللہ تعالی کی طرف سے متعین کردیئے گئے جنہیں ذوی الفروض یقینی طور پر حاصل کرلیں گے، بغیر کسی وصیت کے اوراحسان موصی کے)۔

☆ جامعہ حسینیہ عربیہ شری وردھن، رائے گڑھ، مہاراشٹرا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر کسی کے پاس دوسروں کی امانتیں رکھی ہوں یا اس کے ذمہ فرض زکوۃ یا فرض حج وغیرہ حقوق اللہ باقی ہوں یا کسی اور کا واجب الادا قرض اس کے ذمہ میں ہو تو موت سے پہلے ہی ان تمام معاملات کی صفائی کر لینی ضروری ہے، اور فکر رکھنی چاہئے کہ اس دار فانی سے کوچ کرنے کے وقت کسی قسم کا کوئی حق یا مطالبہ ذمہ میں نہ ہو، چنانچہ مولائے حقیقی سے ملاقات کے وقت نبی کریم ﷺ نے اپنی خواہش و تمنا کا اس انداز میں اظہار فرمایا:

"واني لأرجو أن ألقى الله وليس أحد منكم يطالبني بمظلمة في دم ولا مال" (سنن ابی داؤد فی البیوع، رقم: ۳۴۵۱ وسنن ابن ماجہ فی التجارات، باب من کرہ ان یسعر (رقم الحدیث: ۲۲۰۰) قال الحافظ: اسنادہ علی شرط مسلم، التلخیص الحبیر ۴/۱۷۵۷، رقم ۱۴۹/۳۸۰۸)۔

(میں امید کرتا ہوں کہ اس حال میں اللہ تعالی سے ملاقات کروں کہ تم میں سے کسی کے بھی حق خون و مال کا مطالبہ میرے ذمہ میں باقی نہ ہو)۔

اگر خدانخواستہ کوئی شخص اپنی زندگی میں ان لازمی حقوق کو ادا نہ کر سکا اور کسی دوسرے کو ان حقوق کا علم نہ ہو، تو اب موت کے وقت ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ورثہ کو، ذمہ میں ثابت ہونے والے حقوق واجبہ کے ادا کرنے کی وصیت کر جائے، چنانچہ علامہ نووی کا بیان ہے:

"ومن عنده وديعة او في ذمته حق الله تعالى كزكاة وحج او دين لآدمي، يجب عليه أن يوصي به إذا لم يعلم به غيره" (روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ۵/۹۲، نیز دیکھئے: العزیز: ۷/۵)۔

(اگر کسی شخص کے پاس ودیعت رکھی ہوئی ہو، اس کے ذمہ زکوۃ و حج کے مانند اللہ کا کوئی حق ہو یا قرض کی صورت میں کسی بندہ کا کوئی حق ہو، اور اس کا کسی دوسرے وارث کو علم نہ ہو تو ایسے حق واجب کی ادائیگی کی وصیت کرنا اس پر واجب ہے)۔

ایسے ہی موقع پر اس فرمان رسول کو محمول کیا گیا ہے:

"من مات من غير وصية ، مات ميتة جاهلية" (الحاوی الکبیر: ۸/۱۸۸) (جو بغیر وصیت کے وفات پائے تو وہ جاہلیت کی موت مرا)۔

اور اگر کوئی حقوق واجبہ کے ادائیگی کی وصیت نہ کر پایا تو ورثہ اپنے میت کے ذمہ میں ثابت حقوق کی معلومات حاصل کریں اور ورثہ میں تقسیم میراث سے قبل ان تمام حقوق واجبہ کا ترکہ میں سے ادا کرنا ان پر لازم ہے (اسنی المطالب ۶/۵، منہاج الطالبین مع النجم الوہاج ۶/۱۴-۱۱۱)۔ اس لئے کہ جب تک حقوق نہ ادا کئے جائیں، نفس انسانی محبوس و مقید رہتا ہے، چنانچہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:"نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه"(مومن کی روح اس کے قرض دین کی وجہ سے محبوس رہتی ہے یہاں تک کہ اسے ادا کر دیا جائے)(سنن الترمذی فی الجنائز باب ماجاء ان نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه رقم: ۱۰۷۹، قال ابوعیسیٰ: ہذا حدیث حسن، وسنن ابن ماجہ فی الصدقات باب التشدید فی الدین، رقم: ۲۴۱۳، قال الامام السیوطی: حدیث صحیح، والجامع الصغیر: ۱۸۵۹/۴، رقم: ۹۲۸۱ طبع مکتبۃ نزار مصطفی الباز)۔

جہاں تک میت کے ترکہ سے ورثہ کے حقوق کا تعلق ہے تو شریعت مطہرہ نے ان کے متعین طور پر حصے بیان فرمائے، اس میں کسی کو رد و بدل کرنے کا کوئی حق نہیں، اس طرح ورثہ کے حقوق ضیاع سے مامون و محفوظ ہو گئے ہیں، لہذا اس میں وصیت کی کوئی ضرورت بھی باقی نہ رہی، چنانچہ آیات میراث کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کا اعلان فرمایا:"ان الله قد أعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث"(سنن ابی داؤد فی البیوع باب فی تضمین العاریۃ، رقم: ۳۵۶۵، وسنن الترمذی فی الوصایا باب ماجاء لا وصیۃ لوارث رقم: ۲۱۲۰، قال الحافظ: وہو حسن الاسناد، التلخیص الحبیر ۲۰۶۵/۴ رقم: ۴۴۴۸/۱۷۷)(اللہ تعالی نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا، لہذا وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں)۔

حقدار ورثہ کے مقابل دیگر رشتہ داروں اور اجانب کے لئے بھی وصیت واجب نہیں بلکہ جائز ہے۔

"عن عائشة قالت: ما ترک رسول الله ﷺ دينارا ولا درهما ولا شاة ولا بعيرا ولا أوصى بشئ"(مسلم فی الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شیٔ یوصی بہ رقم: ۱۶۳۵)(حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم اور نہ کوئی بکری نہ ہی اونٹ، اور کسی چیز کی وصیت نہیں فرمائی)۔

اس طرح وصیت کے باب میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا واقعہ مشہور ہے (بخاری فی الوصایا باب الوصیۃ بالثلث، رقم ۲۷۴۴ ومسلم فی الوصیۃ باب الوصیۃ بالثلث رقم: ۱۶۲۸)۔

انسانی طبیعت و فطرت اپنے جمع کردہ مال میں بخل اور اس کے فوت پر افسوس کرنے والی واقع ہوئی ہے، اپنے بندوں کی اصلاح کی خاطر، مصلحت خداوندی کا تقاضہ ہوا کہ انسان کے انتقال کے بعد اس کے متروکہ مال کا مصرف معلوم اور متعین ہوتا کہ جو اقرباء اپنے قریب و عزیز کے مال میں امید و طمع کرنے والے ہیں، ان کے درمیان کوئی نزاع و اختلاف نہ ہو اور قرابت میں الفت و صلہ رحمی کا سلسلہ قائم و دائم رہے، اسی پس منظر میں ورثہ میں ذوی الفروض کے حصے مقرر کرنے میں شریعت کا مقصد معلوم ہوتا ہے کہ صاحب حق کو اس کا حق مل جائے اور وہ اس سے متمتع ہو اور خود صاحب مال (میت) بھی کوئی ایسا تصرف یا وصیت نہ کر جائے جو ورثہ کو اپنے حق شرعی سے محروم کر کے ضروریات زندگی کی تکمیل و حاجت روائی میں دوسروں کے دست نگر بننے اور ان کے سہارے جینے پر مجبور کرے، چنانچہ اللہ تعالی ورثہ کے حصص مقدرہ بیان کرنے کے بعد ضرر رساں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصیت پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''من بعد وصیة یوصی بھا أو دین غیر مضار''(نساء:۱۲)۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں:

''الاضرار فی الوصیة من الکبائر''(الدار القطنی فی الوصایا رقم:۴۲۴۹)(وصیت کے ذریعہ نقصان پہنچانا گناہ کبیرہ ہے)۔

میت کے ورثہ کو مقررہ شرعی حصے بآسانی حاصل ہو سکتے ہیں، جبکہ اس دیار میں اسلام کا قانون میراث جاری اور نافذ العمل ہو، یعنی مملکت اسلامیہ میں میت کا انتقال ہوا ہو، یا کم از کم ایسے غیر اسلامی ملک میں ہوا ہو جہاں اسلامی قانون میراث پر عمل کی آزادی ہو، اور مسلم پرسنل لا میں حکومت مداخلت کر کے احکام اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹیں پیدا نہ کرتی ہو۔

البتہ جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں، اور ورثہ کے حق شرعی کو حاصل کرنے کے لئے میت کے وصیت نامے کو اہمیت دی جاتی ہو، ایسے ممالک میں وفات پانے والا شخص اپنی زندگی میں ہی ورثہ کے حصوں کے مطابق وصیت نامہ لکھ دے، اور اس کے انتقال کے بعد تمام ورثہ اس میں ذکر کردہ حصوں پر راضی ہوں تو اس طرح وصیت نامہ لکھنا جائز ہے، گرچہ ورثہ کے حصوں کے مطابق وصیت کرنا لغو ہے، اس لئے کہ وصیت کے بغیر بھی ورثہ اپنے مقررہ حصے کے حقدار ہیں، اور اس سے فائدہ اٹھانے کے مالک ہیں، لیکن یہاں اسلامی قانون میراث جاری نہ ہونے کی وجہ سے دوسروں کے ناحق قبضہ کرنے اور شرعی ورثہ کو شرعی حصے سے بے دخل کر کے محروم کرنے کا قوی اندیشہ ہے، نیز اس میں کسی وارث کی حق تلفی بھی نہیں، بلکہ ان کے حقوق شرعیہ کو مؤکد کرنا اور ضائع ہونے سے بچانا ہے، اس لئے ایسی صورت حال میں یہ وصیت نامہ مزاج و مقصد شریعت کے خلاف نہ ہوگا، چنانچہ علامہ ابن حجر مکیؒ کا بیان ہے:

''والوصیة لکل وارث بقدر حصته مشاعا کنصف وثلث لغو، لأنه یستحقه بغیر وصیة، ویظهر أنه لا یأثم بذلک، لأنه مؤکد للمعنی الشرعی بخلاف تعاطی العقد الفاسد'' (ہر وارث کے لئے بغیر تعیین کے اس کے حصہ کے بقدر جیسے نصف وثلث کی وصیت کرنا لغو ہے، اس لئے کہ وہ وارث اپنے مقررہ حصہ کا بغیر وصیت کے حقدار ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وارث کے لئے وصیت کرنا کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ اس سے شرعی حصہ کو مؤکد کرنا مقصود ہے)۔

مذکورہ عبارت میں ''لکل وارث'' کی قید سے یہ صورت خارج ہے کہ اگر بعض ورثہ کے لئے ان کے حصے کے بقدر وصیت کرے مثلاً کوئی شخص اپنے تین بیٹوں میں سے ایک بیٹے کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیت کرے تو ایک بیٹے کے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

حق میں وصیت دوسرے دو بیٹوں کی اجازت و رضامندی سے درست ہوگی۔

زیر بحث مسئلہ کا وصیت نامہ بظاہر حدیث "لا وصية لوارث" کے خلاف و معارض نظر نہیں آتا، اس لئے کہ مذکورہ وصیت نامہ سے ورثہ کے مقدرہ شرعی حصوں کی توثیق و تاکید مقصود ہے، نہ کہ متعین حصہ کے علاوہ زائد مال کی وصیت کرنا، جبکہ اس حدیث میں ممانعت وصیت سے بظاہر متعین حصہ کے علاوہ زائد مال کی وصیت کرنا مراد ہے۔

وصیت نامہ کا حکم گذشتہ سطور سے واضح ہو رہا ہے، البتہ کسی وارث کو زائد مال کی وصیت کرنا ہو تو یہ دوسرے ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے، اگر دیگر ورثہ وارث کے حق میں کی ہوئی وصیت کو نافذ کرنے کی اجازت دے تو یہ وصیت درست و نافذ ہوگی، اور اگر شرعی ورثہ اس سے انکار کریں تو وارث کے لئے وصیت باطل قرار پائے گی، بالفاظ دیگر کسی شرعی وارث کے لئے وصیت کرنا، اجنبی کے لئے ثلث مال سے زائد کی وصیت کرنے کی طرح ہے، لہٰذا "لا وصية لوارث" میں مطلقا وارث کے لئے وصیت کا بطلان مراد نہیں ہے، بلکہ اس کا مدار بھی اذن ورثہ پر ہے، چنانچہ اس معنی کی تائید ایک حدیث نبوی ﷺ سے ہوتی ہے:

"عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال: لا تجوز الوصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة، ويروى: لا وصية لوارث إلا أن يشاء الورثة" (الدارقطنی فی الوصایا رقم:۵۲/۲۴۵۱) (حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وارث کے حق میں وصیت درست نہیں، مگر یہ کہ دیگر ورثہ وصیت کے نفاذ کی اجازت دیں)۔

لہٰذا جس وصیت سے وارث کو شرعی حصہ سے زائد مال دلانا ہو وہ وصیت اس حدیث میں داخل ہے، جبکہ دیگر ورثہ اس کی اجازت نہ دیں، اور جس وصیت سے ورثہ کو ان کا شرعی حصہ پورے طریقہ پر دلانا مقصود ہو نہ کہ زائد مال تو وہ وصیت اس حدیث کی مخالفت میں داخل نہیں۔

مورث زندگی ہی میں اپنی اولاد کے درمیان اپنی جائداد کے حصے، ان کے شرعی حصے کے مطابق مقرر کردے، اور اسی ترتیب و تفصیل کے مطابق ورثہ کے درمیان تقسیم کی وصیت کر جائے، درحقیقت اس طرح وصیت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لئے کہ ہر ایک کو مورث کے انتقال کے بعد اس کا شرعی حصہ حاصل ہونا یقینی ہے، لیکن ورثہ میں نزاع و جھگڑے سے بچنے کے لئے اس طرح وصیت کرتا ہے اور اس طریقہ سے کسی کو محروم کرنا مقصود نہیں۔ تو یہ صورت بظاہر فقہائے کرام کی بیان کردہ اس تصریح کے مطابق معلوم ہوتی ہے کہ مورث اپنے ہر شرعی وارث کے لئے اس کے حصہ کے مطابق کسی عین شی کی وصیت کرے اور اس پر تمام ورثہ راضی ہوں تو زندگی میں ورثہ کے حصوں کے مطابق وصیت کرنا جائز ہے۔

نیز اس صورت میں مورث کے انتقال کے بعد بھی تمام ورثہ راضی ہوں اور وصیت کے مطابق ہی حصے تقسیم کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی اجازت دیں تو وصیت کے مطابق تمام ورثہ کے درمیان حصے تقسیم کئے جائیں گے، ورنہ وصیت کو کالعدم قرار دے کر ورثہ کے درمیان استمنا فا ہر ایک کے شرعی حصہ کے مطابق ترکہ کو تقسیم کیا جائے گا۔

چنانچہ علامہ خطیب شربینی تحریر فرماتے ہیں:

"والوصية لكل وارث بعين هي قدر حصته كأن أوصى لأحد ابنيه بعبد قيمته ألف وللآخر بدار قيمتها الف وهما ما يملكه صحيحة كما لو أوصى ببيع عين من ماله لزيد، ولكن تفتقر إلى الإجازة في الأصح لاختلاف الاغراض بالأعيان ومنافعها" (مغنی المحتاج شرح منہاج الطالبین ۳/ ۵۳، نیز دیکھئے: النجم الوہاج ۶/ ۲۳۲ وتحفۃ المحتاج مع الحواشی ۸/ ۵۴، اسنی المطالب ۶/ ۷۷)۔

(ہر وارث کے لئے کسی عین شئی کی وصیت کرے تو مالیت میں اس کے شرعی حصہ کے برابر ہو، جیسے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے کے لئے غلام کی وصیت کرے، جس کی قیمت ایک ہزار ہو اور دوسرے بیٹے کے لئے ایسے گھر کی وصیت کرے جس کی قیمت ایک ہزار کے برابر ہو تو ایسے عین شئی کی وصیت کرنا جائز ہے، لیکن اس میں بھی ورثہ کی اجازت کی ضرورت ہے، اس لئے کہ متعین اشیاء اور ان کے منافع کے اعتبار سے لوگوں کی اغراض مختلف ہوتی ہیں)۔

۷- وارث کے لئے کی گئی وصیت میں ورثاء اپنی رضامندی ظاہر کریں اور وصیت، وارث کو نافذ کرنے کی اجازت دیں، تو بقیہ ورثہ کی یہ اجازت مورث کی حیات و زندگی میں کافی نہیں، بلکہ مورث کے انتقال کے بعد کی اجازت کا اعتبار کیا جائے گا، لہذا کسی وارث کے لئے مورث کی زندگی میں دیگر ورثہ کی اجازت سے وصیت نامہ بنایا گیا تو یہ وصیت نامہ معتبر ہوگا جبکہ زندگی کی طرح موت کے بعد بھی ورثہ کی اجازت برقرار رہو، اگر زندگی میں تو انہوں نے اجازت دی تھی، لیکن مورث کے انتقال کے بعد اس اجازت سے رجوع کرلیں تو انہیں رجوع کا اختیار حاصل ہے، اور موت کے بعد اجازت نہ ہونے کی صورت میں وہ وصیت نافذ نہ ہوگی، اور وصیت نامہ کالعدم سمجھا جائے گا۔

چنانچہ علامہ نووی تحریر فرماتے ہیں:

"لا اعتبار برد الورثة واجازتهم في حياة الموصي، فلو أجازوا في حياته أو اذنوا له في الوصية ثم أرادوا الرد بعد موته فلهم ذلك" (روضۃ الطالبین ۵/ ۱۰۵) (موصی کی زندگی میں ورثہ کے وصیت کو رد کرنے یا اس کو نافذ کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، اگر ورثہ موصی کی زندگی میں نفاذ وصیت کی اجازت دیں پھر موصی کی وفات کے بعد وصیت کو رد کرنا یعنی اجازت سے رجوع کرنا چاہیں تو ورثہ کو اس کا حق ہوگا)۔

البتہ میت کی زندگی میں اگر اجازت دی ہو تو اس کی موت کے بعد اس اجازت پر قائم رہنا، اولی و بہتر ہے، اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں سچائی، وعدہ وفائی، میت کی فرمانبرداری اور عذر خواہی سے دوری کے معنی پائے جاتے ہیں، جیسا کہ علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں:

''یہ امر واضح ہوا کہ موصی کی زندگی میں ورثہ کی اجازت لازم نہیں ہوتی، تاہم ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ جو انہوں نے اجازت دی ہے اسے نافذ کریں، اس لئے کہ یہی بات میں سچائی، وعدہ وفائی اور بلاضرورت عذر خواہی سے دوری کا تقاضہ ہے اور اسی میں میت کی فرمانبرداری اور زندہ کی خیر خواہی ہے، اسی طرح بعض ورثہ کے لئے دوسرے ورثہ نے اجازت دی ہو چاہے اجازت پر گواہ بنائے ہوں یا نہ بنائے ہوں تو یہ بھی زندگی کی اجازت لازم نہیں ہوگی'' (الحاوی الکبیر ۸/۲۲۹)۔

۸- اگر کوئی شخص لاولد ہو اور وہ اپنے پیچھے بیوی (بیوہ) کو چھوڑ رہا ہو تو بیوہ کے لئے بعد کی زندگی میں سہارا بننے اور بآسانی گذر بسر کرنے کے لئے مرنے والا وصیت کرنا چاہے تو چونکہ یہ بیوہ میت کی بیوی ہونے کی وجہ سے اس کی شرعی وارث ہے، اس لئے اس کے حق میں وصیت کرنا ایک شرعی وارث کے لئے وصیت کرنا ہے، اور ''الوصية للوارث''، ''الوصية بالزيادة على الثلث في حق الوارث'' کی طرح ہے، جیسا کہ امام الحرمین تحریر فرماتے ہیں: ''فإن الوصية للوارث قلت أو كثرت، كالوصية الزائدة على الثلث في حق الأجنبي'' (نہایۃ المطلب ۱۱/۹۵)۔

ایسی صورت میں وصیت کرنے والے میت کا بیوی کے ساتھ کوئی اور شرعی وارث خاص ہوگا یا نہیں؟

اگر میت کا وارث شرعی موجود ہے تو یہ وصیت اس کی اجازت پر موقوف ہے، اگر وہ وارث وصیت کو رد کردے تو یہ وصیت باطل و رد ہوگی، اور اگر اجازت دے، یعنی وصیت کے مطابق موصی لہ کو مال دینے کی اجازت دے تو یہ وصیت نافذ اور درست ہوگی۔

اور اگر میت کا کوئی وارث شرعی نہ ہو تو یہ وصیت باطل ہوگی، اس لئے کہ شرعی حصہ سے زائد مال میں عامۃ المسلمین کا حق ہے، اس کی اجازت دینے کے لئے کوئی متعین وارث نہیں ہے، لہذا بیوہ ایک شرعی وارث ہے، تو اس کے حق میں کل ترکہ یا بعض ترکہ کی وصیت باطل ہوگی، اور وہ محض بطور فرضیت، اپنے شرعی حصہ کی وارث ہوگی اور اولاد کی غیر موجودگی میں بیوی کو فرضیہ ربع ملتا ہے۔

علامہ رافعیؒ فرماتے ہیں:

''الوصية للوارث وتقدم عليها أن الإنسان لا ينبغي أن يوصى باكثر من ثلث ماله......فإن فعل فإما ان يكون له وارث خاص أو لا يكون، ان كان ورد الوارث، ارتدت الوصية في الزيادة على الثلث وبطلت، وان أجاز دفع المال إلى الموصى له......فان لم يكن له وارث خاص، فوصيته بالزيادة على

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

الثلث باطلة لأنه لا منجيز والمال للمسلمين" (فتح العزیز ۷/ ۲۳) (کسی انسان کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے مال میں سے ثلث سے زیادہ کی وصیت کرے...... اگر کسی نے زائد کی وصیت کی تو (دو حال سے خالی نہیں) یا تو اس کا کوئی وارث خاص ہوگا یا وارث خاص نہیں ہوگا، اگر وارث خاص ہے اور اس نے وصیت کو رد کر دیا تو ثلث سے زائد میں وصیت باطل ہوگی اور اگر وہ وارث خاص اجازت دے تو مکمل ترکہ موصی لہ کو دیا جائے گا...... اور اگر اس کا کوئی وارث خاص نہ ہو تو زائد میں وصیت باطل ہوگی، اس لئے اب بقیہ مال جمیع مسلمین کا حق ہے اور اس میں اجازت دینے والا کوئی حق وارث نہیں ہے)۔

یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ بیوہ کو مرحوم کے ترکہ سے فرضیت کا مقررہ (ربع) حصہ دینے کے بعد بقیہ ترکہ کو کیا کریں گے؟

تو اکثر و بیشتر صورت واقعہ یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی لاولد بھی ہو تو اس کے دیگر ذوالفروض اور عصبات میں سے کوئی نہ کوئی وارث ضرور ہوتا ہے، اگر دوسرے ورثہ ہوں تو بقیہ ترکہ اولا ذوی الفروض کو اور ان کو دینے کے بعد بھی بچتا ہو تو قریبی عصبہ کو دیں گے۔

اگر دیگر ورثہ میں صرف ذوی الفروض ہوں اور عصبہ نسبی میں سے کوئی نہ ہو تو تمام ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دیں گے، اور اس کے بعد بھی اگر ترکہ بچتا ہو تو اسلامی بیت المال میں اسے داخل کریں گے، لیکن یہاں پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر شرعی بیت المال بھی نہ ہو یا اس کا نظام درست نہ ہو تو پھر بیوہ کے علاوہ جو دوسرے ذوی الفروض ورثہ ہیں ان ہی پر رد کریں گے۔

اسی طرح اگر کوئی مرحوم لاولد ہے اور ذوی الفروض وعصبات نسبی میں سے بھی کوئی وارث موجود نہیں ہے تو ایسے مرحوم کے ترکہ کا بھی اسلامی بیت المال وارث ہوگا، اور شرعی بیت المال نہ ہونے یا اس کے نظام کے درست نہ ہونے کی صورت میں مرحوم کے "ذوی الارحام" وارث ہوں گے (جس کی تفصیل اپنے مقام پر موجود ہے)۔

اس میں علامہ ماوردی کے ارشادات سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے (الحاوی الکبیر ۶/۸ ۷ تا ۷۸)۔

حاصل کلام یہ کہ کوئی مرنے والا حق بیوہ کی حفاظت کے خاطر، اس کے لئے وصیت کر جائے تو اس وصیت کا اعتبار دیگر ورثہ کی موجودگی میں ان کی اجازت پر موقوف ہوگا اور کسی قسم کا وارث نہ ہونے کی صورت میں وصیت ہی معتبر نہ ہوگی، بلکہ وہ اپنے شرعی حصہ کی وارث ہوگی۔

۹- اگر کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی اور زندگی میں اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصیت پر دوسرے ورثا رضامند بھی تھے تو زندگی کی رضامندی کا اعتبار نہیں بلکہ مورث کی موت کے بعد اس وصیت پر راضی ہوں تو وہ نافذ ہوگی اور اس کا اعتبار کیا جائے گا، اور اگر موت کے بعد تمام ورثہ کی رضامندی نہ ہو تو پھر وارث کے حق میں وصیت بالکل درست نہیں ہوگی، نہ تہائی سے زیادہ میں اور نہ ہی تہائی میں، اور غیر وارث کے حق میں ایک تہائی میں تو رضامندی کے بغیر بھی وصیت نافذ ہوگی، اور ایک تہائی سے زائد میں درست نہ ہوگی، چنانچہ امام الحرمین کا بیان ہے:

"الوصية اذا كانت زائدة على الثلث، فلوأجاز الوارث الزيادة قبل موت الموصي، فاجازته ملغاة لا اصل لها، فانها حدثت عنه قبل أن يثبت له حق الارث، فكذلك لو استأذن الموصي ورثته، فأوصى وزاد فتلك الزيادة لاتنفذ، وهذا بمثابة ما لو أذن الشفيع لشريكه في بيع الشقص، واذا باع نثبت الشفعة ولا اثر للاذن المتقدم" (نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب ۱۱/۱۵۱)۔

(جب وصیت ایک تہائی سے زیادہ ہو تو اگر وارث، موصی کی موت سے پہلے زیادتی میں وصیت کی اجازت دے، تو اس کی اجازت باطل ہوگی، اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس کی طرف سے یہ اجازت، اس کے لئے حق وراثت ثابت ہونے سے پہلے واقع ہوئی ہے، جیسا کہ موصی اپنے ورثہ سے اجازت طلب کرے، پھر وہ تہائی سے زائد میں وصیت کرے، تو زیادتی میں وصیت نافذ نہیں ہوتی ہے، اور یہ مسئلہ اس مسئلہ کی مانند ہے کہ شفیع اپنے شریک کو اس کا حصہ فروخت کرنے کی اجازت دے اور جب وہ شریک، فروخت کر دے تو ہم اس شفیع کے لئے حق شفعہ ثابت کرتے ہیں، اور پہلے دی ہوئی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں)۔

استحقاق ارث کے لئے اسباب، ارکان وشرائط ارث کا پایا جانا ضروری ہے، اسی طرح موانع ارث کا نہ پایا جانا بھی ضروری ہے، وارث ومورث کے درمیان اختلاف دین بھی ایک مانع ارث ہے، اگر مورث مسلمان ہو اور وارث کافر ہو تو مسلمان کے ترکہ سے کافر وارث نہیں ہوگا، اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے، البتہ کافر میت کے ترکہ سے مسلمان کے وارث بننے کے سلسلہ میں معاذ بن جبلؓ، معاویہؓ، سعید بن میبّب اور مسروق، نخعی وشعبی وغیرہم بعض اہل علم نے جواز توریث کا قول اختیار کیا، جبکہ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ وجمہور اہل علم، عدم توریث کے قائل ہیں، یعنی صورت اولی کی طرح اس میں بھی مسلمان کافر مورث کے ترکہ کا وارث نہیں ہوگا۔

قائلین کے جواز کی دلیل:

"عن معاذؓ انه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: الاسلام يزيد ولاينقص" (سنن ابی داؤد نی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الفرائض، باب ہل یرث المسلم الکافر، رقم ۲۹۱۲) (حضرت معاذؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اسلام بڑھتا ہے (غالب رہتا ہے) گھٹتا نہیں (مغلوب نہیں ہوتا)۔

حدیث مبارک کا حاصل یہ ہے کہ اسلام ترقی کرتا ہے اور غالب رہتا ہے اور مغلوب نہیں ہوتا، مسلمان کا کافر سے وارث بننے میں اسلام کے غلبہ اور زیادتی کے معنی پائے جاتے ہیں، اس لئے مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔

نیز جواز کے قائلین کا کہنا ہے کہ جب قہرا اور بطور غنیمت اموال مشرکین کے مسلمان مالک بن سکتے ہیں تو بطور میراث، بطریق اولی مسلمان کافر مورث کا وارث بننا چاہئے (الحاوی الکبیر ۸/۷۹)۔

جمہور کی دلیل:

"**لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم**" (البخاری فی الفرائض: باب لا یرث الکافر ولا الکافر المسلم، رقم ۶۷۶۴، و مسلم فی الفرائض رقم ۱۶۱۴) (مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کوئی کافر کسی مسلمان کا)۔

یہ حدیث صحیح، صریح دلالت کرتی ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، اسی طرح مسلمان بھی کسی کافر کا وارث نہیں بن سکتا۔

قائلین جواز نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں تعداد مسلمان میں اضافہ سے ہوگا اور کچھ مسلمان مرتد ہوجائیں تو ان کے ارتداد سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، یا اسلام کو جیسے جیسے فتوحات حاصل ہوں گی، اس کے اعتبار سے اس کے غلبہ وقوت میں زیادتی ہوگی، اس حدیث میں مذکور مسئلہ میراث سے کوئی تعرض ہی نہیں تو پھر حدیث غیر صحیح کے مقابلہ میں حدیث صحیح صریح کو کیسے ترک کیا جاسکتا ہے؟ (الحاوی الکبیر ۸/۷۹)۔

امام زہریؒ کا بیان ہے: "**عدم توریث المسلم من الکافر**" کا یہ فیصلہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں جاری رہا، عہد رسالت کے بعد حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، تمام خلفائے راشدین کے دور میں بھی یہی فیصلہ برقرار رہا کہ مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا، جب حضرت معاویہؓ کا دور آیا تو آپؓ نے فیصلہ کیا کہ مسلمان اپنے مورث کافر کا وارث ہوگا، پھر اس کے بعد بنوامیہ کے خلفاء اسی کے مطابق فیصلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں حضرت معاویہؓ کے فیصلہ کو چھوڑ کر عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے فیصلہ کو جاری کیا (اخرجہ ابن ابی شیبہ فی مصنف فی الفرائض، باب من قال: لا یرث المسلم الکافر، ۱۶/۲۳۲ رقم الحدیث: ۳۲۰۹۹)۔

اس سلسلے میں ایک نظر، مسالک اربعہ پر زیادہ مفید ہے:

"**الحنفیة**: (قال رضی اللہ عنہ) اعلم بأن الکفار یتوارثون فیما بینھم با لأسباب التی یتوارث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بمثلها المسلمون فیما بینهم، وقد یتحقق فیما بینهم جهات الإرث لا یرث بها المسلمون من نسب أو سبب أو نکاح" (کتاب المبسوط ۳۰/۳۰، طبع عباس احمد باز)۔

"واختلاف الدین ایضا یمنع الإرث، والمراد بها الاختلاف بین الاسلام والکفر بقوله ﷺ: لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" (تکملۃ البحر الرائق ۹/ ۵۸۴، نیز دیکھئے: رد المحتار علی الدر المختار ۱۰/ ۱۹-۴۱۸)۔

"المالکیة: ولا یرث مخالف فی دین، کمسلم مع مسلم مرتد عیاذا باللہ تعالی او مع غیرہ من کافر أصلی الکفر کیھودی او نصرانی أو مجوسی قبح الله کل الاربعة ما عدا الرقیق المتقدم" (شرح خلیل بن اسحاق المالکی: ۶/ ۲۸۷، نیز دیکھئے: المدونة ۳/ ۳۸۹)۔

"الحنابلة: أجمع أهل العلم علی أن الکافر لا یرث المسلم، وقال جمهور الصحابة و الفقهاء: لا یرث المسلم الکافر یروی هذا عن أبی بکرؓ و عمرؓ و عثمان (الاموی) و عروة والزهری وعطاء وطاوس والحسن و عمر بن عبد العزیز و عمرو بن دینار و الثوری وأبی حنیفة واصحابه و مالک و الشافعی وعامة الفقهاء وعلیه العمل" (المغنی ۹/ ۱۵۴)۔

"الشافعیة: اجمع المسلمون علی أن الکافر لا یرث المسلم، وأما المسلم فلا یرث الکافر أیضا عند جماهیر العلماء من الصحابة والتابعین ومن بعد هم" (المنہاج شرح صحیح مسلم: کتاب الفرائض ۱۱/ ۴۴)۔

مذکورہ مسئلہ میں جمہور اہل علم کے ساتھ، مذاہب اربعہ کے فقہاء کرام کی تصریحات سے اس امر پر اتفاق معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان بھی اپنے کافر میت کا وارث نہیں ہوگا۔

سوالنامہ میں ذکر کردہ مصلحتیں ایسی نہیں ہیں جن کی بناء پر حدیث صریح وصحیح کو ترک کیا جائے، اس لئے چاہے جو مصالح ہوں، جیسے کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں بنتا، اسی طرح مسلمان بھی کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا، نیز امام زہریؒ کا واضح بیان بھی حدیث صریح وصحیح کی تقدیم کا تقاضا کرتا ہے، مزید اس قول کی ترجیح وتقویت پر علامہ ابن قدامہ کے کلام سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے:

"فان احمد قال: لیس بین الناس اختلاف فی أن المسلم لا یرث الکافر...... وعلی أن حدیثهم مجمل، وحدیثنا متفق علیه، فتعین تقدیمه" (المغنی ۹/ ۱۵۵)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیسرا باب

مختصر تحریریں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مختصر تحریریں:

میراث ووصیت کے بعض احکام

مولانا زبیر احمد قاسمی ☆

۱- حدیث رسول "لاوصیة لوارث" سے جو بظاہر وارث کے لئے وصیت کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے وہ علی الاطلاق نہیں بلکہ معلول بعلة ہے، یعنی وارث کے حق میں وصیت کے ممانعت کی علت دوسرے وارثین کو ضرر اور حق تلفی سے بچانا ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں ضرر اور حق تلفی کا اندیشہ نہیں وہاں فقہاء کرام نے وصیت للوارث کو درست قرار دیا ہے، مثلا دوسرے وارثین اگر رضامندی سے اجازت دیدیں تو وصیت درست ہے، ایسے ہی احدالزوجین دوسرے وارث کی عدم موجودگی میں ایک دوسرے کے لئے پورے مال کی وصیت کردے تو درست ہے، کیونکہ ان صورتوں میں ضرر اور حق تلفی نہیں پائی جارہی ہے، لہذا اگر کوئی شخص اپنے ورثہ کو شرعی طریقہ پر حصہ دلانے کے لئے یا اس مقصد سے کہ آئندہ ان ورثہ کے درمیان کوئی نزاع نہ ہو اپنے متوقعہ وارثین کے لئے حصص شرعیہ کی صراحت کردے اور پوری وضاحت سے لکھ دے کہ میری وفات کے بعد میری جائداد میں سے فلاں فلاں اشخاص کو اتنا اتنا دیدیا جائے تو میرے خیال سے وصیت کی یہ صورت ممانعت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے درست ہونی چاہیے، کیونکہ اس وصیت کا مقصد انصاف اور قطع نزاع ہے نہ کہ اضرار وحق تلفی جو کہ ممانعت کی اصل علت ہے۔ نیز یہ اس وجہ سے بھی درست ہے کہ اس طرح کا تحریری وصیت نامہ ظاہری اور قانونی اعتبار سے گو کہ وصیت ہے کہ تملیک مضاف الی مابعد الموت بطریق التبرع کا مفہوم اس میں پایا جاتا ہے، لیکن اپنی روح اور حقیقت کے اعتبار سے یہ وصیت نہیں، کیونکہ وصیت تو درحقیقت غیر حقدار کو اپنی میراث کا مالک بنانا یا حقدار کو حصہ شرعی سے زائد دلانے کا نام ہے اور یہاں تو شرعی طریقہ پر حصہ دلانا مقصود ہے، لہذا یہ وصیت نہیں بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اس کو حصص شرعیہ کی تعیین وتحدید اور شرعی طریقہ پر میراث تقسیم کرنے کی تجویز وتصویر کہہ سکتے ہیں، لہذا اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا "لاوصیة لوارث" کے خلاف نہیں ہوگا، اور جب یہ معارض حدیث نہیں تو غیر معتبر اور غیر شرعی بھی نہیں

☆ ناظم الجامعة العربیہ اشرف العلوم کنھواں سیتامڑھی (بہار)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہا جاسکتا۔ دلائل درج ذیل ہیں:

۱-"ولوأوصى لبعض ورثته فأجازالباقون جازت الوصية، لأن امتناع الجواز كان لحقهم لمايلحقهم من الأذى والوحشة بايثارالبعض ولايوجد ذالك عند الاجازة، وفي بعض الروايات عنه عليه السلام انه قال: "لاوصية لوارث إلا ان يجيزها الورثة" (بدائع ۶/۳۳۴)۔

۲-"والمراد بعدم صحة وصية الوارث عدم اللزوم، لأن الاكثر على أنها موقوفة على إجازة الورثة كما سياتي بيانه، وروى الدارقطني من طريق ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس مرفوعا: "لاتجوز وصية لوارث إلا أن يشاء الورثة" كماسياتي بيانه ورجاله ثقات.........واحتجوامن جهة المعنى بأن المنع كان في الأصل لحق الورثة فاذااجازوه لم يمتنع " (فتح الباری ۵/۲۶۹/ ۴۶۹)۔

۳- "والا تصح كمالوأوصى احد الزوجين للآخر ولاوارث غيره " (شامی ۵/۴۱۶)۔

۳- حدیث نبوی: "لاوصية لوارث "کامورد و مصداق صرف وہی وصیت ہے جس کا مقصد کسی مستحق وارث کا اضرار و حق تلفی ہو، اگر مقصد یہ نہیں تو پھر دائرہ ممانعت میں نہیں آئیگی۔

۴- وصیت والی صورت کے علاوہ کوئی دوسری صورت تو نظر نہیں آتی بجز اس کے کہ وہاں کے مسلم باشندے اس غیر اسلامی ملک کے ارباب اقتدار اور عدلیہ کے ذریعہ اپنے پرسنل لا کے حفاظت و اجراء کا قانون منظور کرالیں۔

۵- "لايرث المسلم الكافر ولايرث الكافرالمسلم "(رواہ مسلم)، اس حدیث کی وجہ سے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، البتہ کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جمہور صحابہ و تابعین و دیگر فقہاء امت کی رائے ہے کہ نہیں ہوسکتا، اس کے برخلاف حضرت معاویہؓ، معاذ بن جبلؓ، سعید ابن المسیبؒ اور دیگر دوسرے حضرات کی رائے ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے، چنانچہ امام نوی فرماتے ہیں: "أجمع المسلمون على أن الكافر لايرث المسلم وأما المسلم فلايرث الكافر أيضا عند جماهير الصحابة والتابعين ومن بعدهم، وذهبت طائفة إلى توريث المسلم من الكافر وهومذهب معاذبن جبل ومعاوية وسعيد ابن المسيب ومسروق وغيرهم ....واحتجوا بحديث:" الاسلام يعلو ولايعلى "وحجة الجمهور هذاالحديث الصحيح الصريح" (حاشیۃ النووی ص ۳۳)۔

جمہور کا مسلک دلیل کے اعتبار سے انتہائی قوی ہے، کیونکہ وہ نص صریح پر مبنی ہے جبکہ اس کے برخلاف دوسری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رائے محض اجتہاد وقیاس پر مبنی ہے اور نص صریح کے مقابلہ میں اجتہاد وقیاس ناقابل اعتناء ہے، یہی وجہ ہے کہ امت نے ان حضرات کی رائے کو قبول نہیں کیا۔

لیکن جن غیر مسلم ممالک میں کافروں کو اس کے مسلم رشتہ دار کی متروکہ جائیداد سے قانوناً حق دلایا جاتا ہے وہاں امت کے اس اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بات کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان بھی اپنے کافر رشتہ دار کی متروکہ جائیداد سے اپنا حصہ قبول کرلیں جبکہ دعوتی مصالح کا بھی یہی اقتضاء معلوم ہوتا ہے (واللہ اعلم بالصواب)۔

۶- "الأمور بمقاصدها" کے تحت یہ صورت شرعاً جائز ہوگی کہ کوئی شخص کسی خاص ملک میں کسی مصلحت کے تحت اپنی زندگی میں اپنے مال کو اپنے سارے ورثہ کے درمیان حسب سہام شرعی تقسیم کراتے ہوئے سب کا حصہ متعین کرائے تا کہ نزاع نہ ہو۔

۷- اگر کسی نے اپنے کسی وارث کے لئے وصیت کی یا کسی اجنبی کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت کی تو یہ وصیت دیگر ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگی، البتہ ورثہ کی وہ اجازت معتبر ہوگی جو مورث کے مرنے کے بعد ہو، مورث کی زندگی میں ورثہ کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں، لہذا ورثہ نے اگر مورث کی زندگی میں اجازت دیا تو یہ اجازت مرنے کے بعد معتبر نہیں ہوگی بلکہ ورثہ کو اپنی اس اجازت سے رجوع کا حق ہوگا۔

"ولاتعتبر إجازتهم حال حياته أصلا بل بعد وفاته، لأن قبل ثبوت الحق لهم ولأن ثبوته عندالموت فكان لهم ان يردوه بعد وفاته بخلاف الاجازة بعدالموت لانه بعد ثبوت الحق "(شامی ۵/ ۴۱۷)۔

"فالجمهور على أنهم ان أجازوا في حياة الموصي كان لهم الرجوع متى شاء وا،وإن اجازوا بعده نفذ " (فتح الباری ۵/۴۶۹)۔

۸- دوسرے وارث کی عدم موجودگی میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے لئے پورے مال کی وصیت کرجائے تو یہ درست ہے۔"والافتصح كما أوصى احدالزوجين للآخر ولاوارث غيره "(شامی ۵/۴۱۶)۔

"لوأوصى لزوجته أوهي له ولم يمكن ثمه وارث آخر تصح الوصية " (ردالمحتار ۵/۴۲۰)۔

۹- وارث کے لئے وصیت یا اجنبی کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت کی صحت موقوف ہوتی ہے جمیع ورثہ کے اجازت پر اور اجازت ورثہ وہی معتبر ہے جو مورث کی موت کے بعد ہو، اس لئے صرف مورث کی زندگی میں رضاء ورثہ ہو تو ایسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصیت معتبر نہ ہوگی۔

خلاصۂ بحث

۱-جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں وہاں وصیت نامہ لکھ دینا (تاکہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کوان کے حصص شرعیہ مل جائے) جائز ہوگا۔

۲-اس مقصد بالا کے تحت اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا حدیث "لاوصية لوارث" کے خلاف نہیں ہے۔

۳- حدیث "لاوصية لوارث "کا مورد ومقصد صرف وہ وصیت ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کواس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلا ناہواور کسی وارث کونقصان میں ڈالنا ہو۔

۴- وصیت والی صورت کے علاوہ کوئی دوسری صورت تو نظر نہیں آتی بجز اس کے کہ وہاں کے مسلم باشندے اس غیر اسلامی ملک کے ارباب اقتدار اور عدلیہ کے ذریعہ اپنے پرسنل لا کے حفاظت واجراء کا قانون منظور کرالیں۔

۵- جن غیر مسلم ممالک میں کافروں کواس کے مسلم رشتہ داروں کے ترکہ سے قانوناً حق دلایا جاتا ہو،وہاں مسلمانوں کے لئے بھی کافروں کے ترکہ سے حق لینے کی گنجائش ہوسکتی ہے،دعوتی مصالح کا اقتضا بھی یہی ہے۔

۶-اس مقصد سے کہ آئندہ مورث کی اولاد کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہوشرعی طریقہ کے مطابق حصص کی تعیین وتحدید درست ہے۔

۷-موصی کی زندگی میں ورثہ کی اجازت ورضامندی کا کوئی اعتبار نہیں،لہذا صرف وہی اجازت معتبر ہوگی جوموصی کی وفات کے بعد ہو۔

۸-دوسرا وارث نہ ہونے کی صورت میں شوہر اپنی بیوی کے لئے اپنی پوری جائیداد کی وصیت کرسکتا ہے۔

۹-اگر کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے تہائی مال سے زائد کی وصیت کردی اور مورث کی زندگی میں دیگر ورثاء اس پر رضامند بھی ہوگئے اس کے باوجود یہ وصیت معتبر نہ ہوگی،کیونکہ مورث کی زندگی میں ورثاء کی رضامندی واجازت کا کوئی اعتبار نہیں،صرف وہی اجازت معتبر ہوگی جومورث کی وفات کے بعد ہو۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلم اقلیتی ممالک میں میراث ووصیت سے متعلق چند مسائل

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی ☆

۱- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، یہ مسلمانوں پر حکومتی سطح پر اضرار ہے اور اس اضرار سے ورثاء میں سے کوئی بھی فائدہ اٹھا کر اپنے حق سے زیادہ لے سکتا ہے اور یہ درست نہیں، لا ضرر ولا ضرار ، اس لئے اس طرح کا وصیت نامہ لکھا دینا کہ وفات کے بعد تمام ورثاء کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں درست ہونا چاہئے چونکہ اس کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے اس اعتبار سے لفظا تو یہ وصیت ہوگی اور معنی میراث، کیونکہ عقود وتصرفات میں اعتبار معنی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا، اس لئے اگر وارثین میں سے کسی کے اپنے حق سے زیادہ لے لینے کا یقین یا ظن غالب ہو تو یہ وصیت نامہ لکھوانا واجب ہوگا ورنہ جائز۔

۲، ۳- "ولحدیث ابن عباسؓ: الا ضرار فی الوصیة من الکبائر" (رواہ الدار قطنی ۴/حدیث نمبر ۴۲۴۹)۔ "والاضرار فی الوصیة أن یوصی بأکثر من الثلث" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۱۱) وصیت میں اضرار گناہ کبیرہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ثلث سے زائد کی وصیت کی جائے۔ جصاص رازی احکام القرآن (الجزء الاول/۱۹۶ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ) پر تحریر فرماتے ہیں: "وتدل ایضا علی انہ اذا اوصی باکثر من الثلث کانت موقوفة علی اجازۃ الورثة کما وقفھا النبی علیہ السلام علی اجازتھم اذا اوصی بھا لوارث فھذہ المعانی کلھا فی ضمن قولہ علیہ الصلاۃ والسلام: لا وصیة لوارث إلا أن یجیزھا الورثة"، نیز اس بات پر بھی دلالت ہے کہ جب ثلث سے زیادہ کی وصیت کیا تو یہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے وارثین کی اجازت پر اسے موقوف رکھا، لہذا یہ تمام صورتیں جو مذکور ہوئیں، وہ "لا وصیة لوارث" کے ذیل میں آئیں گی، بہرکیف مذکورہ حدیث اور ان تحریروں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مورد اسی وصیت کی ممانعت ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو۔

☆ شیخ الحدیث وپرنسپل، دار العلوم مئو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴- حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اسلامی قانون کے مطابق نظام میراث پر عمل پیرا ہونے کا قانون بنائے یا کم از کم مسلمانوں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دے، یا اپنے ملکی قانون سے مسلمانوں کو مستثنیٰ قرار دے، اگر ان میں سے کسی بھی صورت پر حکومت رضامند نہ ہو تو جنہیں ملکی قانون کے مطابق وراثت نہیں مل رہی ہے، میراث پانے والے ان کے حصہ کے بقدر انہیں منتقل کر دیں۔

۵- اس کے تحت ڈاکٹر صلاح الدین سلطان کی ایک تحریر پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں ''غلامی، قتل اور اختلاف دین، موانع ارث کے قانون میں ہمیں حضرت عمرؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، محمد بن الحنفیۃ، علی بن الحسین، سعید بن المسیب، مسروق، عبداللہ بن معقل، شعبی، یحیی بن یعمر، ابن القیم اور ابن تیمیہ جیسے مجتہد علماء کی یہ رائے ملتی ہے کہ مسلمان غیر مسلم کا وارث ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ان دونوں کے درمیان حربی تعلق نہ ہو یعنی وہ ایک دوسرے کے لئے حربی نہ ہوں''۔

احقر عرض کرتا ہے کہ اس کی تائید میں یہ تحریر موجود ہے: ''وأما المسلم فهل يرث من الكافر أم لا فقالت عامة الصحابة رضى الله عنهم :لا يرث وبه اخذ على ......والشافعي وهذا استحسان، والقياس أن يرث وهو قول معاذ بن جبل و معاوية بن ابى سفيان وبه أخذ مسروق والحسن ومحمد بن الحنفية ومحمد بن علي بن حسين'' (عمدۃ القاری ۲۳/ ۲۶۰ مطبعۃ احیاء التراث العربی بیروت باب لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم)۔

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان مزید لکھتے ہیں: ''اگر مسلمان یہ مال نہ لے گا تو پورا مال چرچ کو چلا جائے گا جس سے جنگوں کو بھڑکانے میں لوگوں کو ابھارا جائے گا اور صہیونیوں کو اس سے معاشی اور فوجی طور پر مستحکم کیا جائے گا...... نیز ''لا يقتل المسلم الكافر'' میں کافر سے کافر حربی مراد ہے، امام ابوحنیفہ اور تمام حنفیہ نے یہاں کافر سے کافر حربی ہونے کی صراحت کی ہے (دیکھئے: مقاصد شریعت تعارف اور تطبیق ص ۳۵۵، ۳۵۶)۔

اس لئے احقر کی رائے ہے کہ یہاں وہی مراد لے کر ان پریشانیوں سے بچا جا سکتا ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔

آئرلینڈ کے شہر ڈبلن میں واقع اسلامی ثقافتی مرکز میں منعقد ہونے والی آخری نشست جس کی صدارت ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے فرمائی تھی اس کی چند تجاویز میں یہ تجویز بھی تھی: ''کونسل کی رائے ہے کہ مسلمانوں کو ان کے غیر مسلم رشتہ داروں کی طرف سے ملنے والی میراث اور ان کی طرف سے وصیت کردہ اموال سے محروم نہیں کیا جائے گا اور یہ رائے صحیح حدیث ''لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم'' سے متعارض نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکورہ کافر کو حربی کافر پر محمول کیا جا سکتا ہے، اس وضاحت کے ساتھ کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کو اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

میراث سے محروم نہیں کیا گیا (بحث ونظر جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۱۱۴)۔

۷- ورثاء کی اجازت کا اعتبار مورث کی موت کے بعد ہوگا "ویدل أیضا علی أن إجازة الورثة معتبرة بعد الموت، لأ نهم فی حال حیاته لیسوا بورثة، وانما تحصل لهم هذه النسمة بعد موت المورث" (اعلاء السنن ۱۸/ ۳۲۷) ورثاء کی اجازت کا اعتبار مورث کی موت کے بعد ہوگا، کیونکہ مورث کی حیات میں وہ وارث ہی نہیں، لہذا یہ مقصد مورث کی موت کے بعد ہی حاصل ہوگا، ایک دوسری تحریر بھی پیش ہے: "ولا تعتبر الاجازة إلا بالشرطین السابقین فی الوصیة للوارث ان تکون بعد وفاة الموصی" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۵۲ دار الفکر)، ابوبکر جصاص رازی تحریر فرماتے ہیں: "وقد اختلف الفقهاء فیمن اوصی باکثر من الثلث فأجازه الورثة قبل الموت فقال ابوحنیفة وابویوسف و محمد وزفر والحسن بن صالح وعبید الله بن الحسن اذا اجازوه فی حیاته لم یجز ذلک حتی یجیزو بعد الموت، وروی نحوذلک عن عبد الله بن مسعود و شریح و ابراهیم......وروی عن طائوس وعطاء انهم إذا أجازوه فی الحیاة جاز علیهم" (احکام القرآن/ ۱۹۶ مطبعۃ البہیۃ المصریۃ)۔

چونکہ بیشتر ائمہ وفقہاء ورثاء کی رضامندی موت کے بعد اعتبار کئے جانے کے قائل ہیں، اس لئے عارض کا بھی یہی خیال ہے۔

۸- "فی الاشباه والنظائر: یرد علی الز وجین بناء علی أنه لیس فی زماننا بیت المال، لأنهم لا یضعون موضعه، وعلیه المتاخرون منا......فیردعلیهما عند عدم أصحاب الفرائض النسبیة وهما مقدمان علی ذوی الأرحام، والحق ان الرد علیهما وضع موضع بیت المال فدرجتهمادرجة بیت المال، یعنی لولم یکن الموصی له بجمیع المال فالأن یرد علی الزوجین لفقد بیت المال فی زماننا" (سراجی فی المیراث مع حاشیۃ دلیل الوارث/ ۲۱ مکتبہ الاتحاد دیوبند)، چونکہ فی زمانہ بیت المال نہیں ہے، اگر ہوتا تو بیوی کو اس کا حصہ دینے کے بعد مابقیہ بیت المال میں رکھ دیا جاتا، لہذا اب اسی کو بیت المال کا درجہ قرار دے کر مابقیہ کو اسی پر رد کر دیا جائے گا۔

۹- غیر وارث کے لئے تہائی سے زیادہ کا اثبات اس تحریر سے ہو رہا ہے: "وتکون الزیادة عن الثلث موقوفة علی الإجازة فان اجاز الورثة الزائد عن الثلث لأجنبی نفذت الوصیة وان ردوالزیادة بطلت" (الفقہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الاسلامی وادلتہ ۸/ ۵۲)ایک دوسری تحریر ہندیہ(۶/ ۹۰دارالکتاب دیوبند) سے پیش ہے:"ثم تصح الوصية لأجنبي من غير اجازة الورثة كذا في التبيين، ولا تجوز بما زاد على الثلث إلا ان يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار ولا معتبر باجازتهم في حال حيوته كذا في الهدايه"۔

وارث وغیر وارث دونوں کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت کا اثبات اس تحریر سے ہو رہا ہے:"وباكثر من الثلث أو لوارث الا باجازة الورثة" (بزازیہ علی الہندیہ ۶/ ۴۳۳دارالکتاب دیوبند)ورثاء کا تہائی سے زیادہ پر راضی ہونا گویا اپنے ہی حق میں کمی کے مترادف ہے،لہذا اگر وہ اپنے حق کے ساقط کرنے پر راضی نہیں تو کوئی حرج نہیں،تائید اعلاء السنن (۱۸/ ۳۲۸-۳۲۹دار الکتب العلمیہ بیروت) کی تحریر پیش کی ہے:"قال العبد الضعيف: هو مجمع عليه عند فقهاء الامصار قال الموفق في المغني: ان الوصية بغير الوارث تلزم في ثلث من غير إجازة ومازاد على الثلث يقف على إجازتهم فان أجازوه جاز وان ردوه بطل في قول جميع العلماء......ذالك جائز عليهم، لأن الحق للورثة فاذارضوا بتركه سقط حقهم"۔

بہر حال اگر موصی کے وارث نہ ہوں تو ثلث سے زائد کی وصیت کی بابت ائمہ کے اقوال اس طرح ہیں:"أما إذا لم يكن للموصى وارث فان الوصية بأكثر من الثلث تكون عند الحنفية صحيحة نافذة"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۵۳)"وقال الجمهور(المالكيه والحنابله والشافعية):إذا أوصى مازاد عن الثلث فان لم يكن له وارث بطلت الوصية فيما زاد على الثلث، لان ماله ميراث للمسلمين ولا يجيزله منهم" اور وارث ہونے کی صورت میں زائد عن الثلث میں ائمہ ثلاثہ حنفیہ،شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی،لیکن امام مالکؒ کے نزدیک وہی حکم اب بھی ہوگا جو وارث کے نہ ہونے کی صورت میں تھا(دیکھئے الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۵۳)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق مسائل واحکام

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی ☆

۱- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھا دینا تاکہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے شرعی حصص مل جائیں واجب قرار دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ سوال نامہ میں خود ہی اس کی وضاحت موجود ہے کہ کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کے متروکہ مال میں میراث شرعی کو جاری کرنا اور شرعی حصص کے مطابق وارثین میں اس کی تقسیم خود ورثہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگ اسلامی قانون میراث کے مطابق ''حقوق متقدمہ علی المیراث'' کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ ترکہ باہم تقسیم کرالیں، اس لئے صاحب مال پر واجب قرار دینا کہ وہ ایسا کوئی انتظام اپنے مرنے سے قبل کر کے جائے کہ بعد میں ورثہ کو ان کا واجب حصہ ضرور مل جائے واجب قرار دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے، نیز اس طرح کی وصیت سے کسی وارث کو کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے، بلکہ سب کو اس کا شرعی حصہ مل جانے کی امید ہو جاتی ہے، اس لئے اس کو جائز قرار دینا چاہئے۔

۲- اس طرح کا وصیت نامہ لکھنا حدیث: ''لاوصية لوارث '' کے خلاف نہیں ہے، فقہاء متقدمین نے اس کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ آیات میراث کے نازل ہونے سے قبل بعض ورثہ کے لئے وصیت کرنے کا حکم تھا جب میراث کے احکام نازل ہو گئے تو وارث کے حق میں وصیت ختم ہو گئی، تاکہ کسی وارث کی حق تلفی نہ ہو، اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت ہو اور باقی وارثین اس کی اجازت دے دیں تو یہ وصیت درست ہو گی۔ یہ تفصیل فقہ وفتاوی وشروحات احادیث کی اکثر کتابوں میں ہے، یہاں تحفۃ الأحوذی سے ایک عبارت نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں جو انہوں نے علامہ عینی کی عمدۃ القاری سے نقل کی ہے۔

''قال العینی فی العمدة: قال المنذری: إنما يبطل الوصية للوارث في قول أكثر العلم من أجل حقوق سائر الورثة فإذا أجازوها جازت كما إذا أجازوا الزيادة على الثلث، ذهب بعضهم إلى أنها

☆ قاضی شریعت دارالقضاء امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لایجوز وإن أجازوھا، لأن المنع لحق الشرع فلو جوزناھا کنا قد استعملنا الحکم المنسوخ وذلک غیر جائز"

(علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے: منذری کا قول ہے: اکثر اہل علم کے نزدیک وارث کے لئے وصیت اس لئے باطل ہے کہ اس سے دوسرے ورثہ کے حقوق متعلق ہیں، اس لئے اگر وہ اس کی اجازت دیدیں تو وصیت جائز ہو جائے گی، جیسا کہ اگر وہ تہائی سے زائد کی اجازت دیدیں تو وصیت جائز ہو جاتی ہے، البتہ بعض اہل علم کی رائے ہے کہ ان کی اجازت سے بھی وصیت جائز نہ ہوگی، اس لئے کہ اس کا ناجائز ہونا حق شرع کی وجہ سے ہے، اگر ہم اس کو جائز قرار دیں تو یہ ایک منسوخ شدہ حکم پر عمل کرنا ہوگا حالانکہ یہ جائز نہیں ہے)۔

۳- سوال ۲ کے جواب سے واضح ہو گیا کہ حدیث نبوی "لاوصیۃ لوارث" کا تعلق صرف اس وصیت سے ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے شرعی حصہ سے زیادہ مال دیا جائے اور اس سے دوسرے ورثہ کو نقصان ہو، لہٰذا ایسی وصیت جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا شرعی حق دلانا ہو اس حدیث شریف کے خلاف نہیں ہوگی۔

۴- مسلمان جس ملک میں رہتے ہیں، ان کو حکومت سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ جن مسائل میں ان کا تعلق کسی غیر مسلم سے نہیں ہوسکتا ہے، جن کو "پرسنل لاء" کہتے ہیں، ان میں مسلمانوں کے درمیان اسلامی قانون نافذ کیا جائے، ایسا مطالبہ اگر حکومت تسلیم کرلے گی تو اس سے مسلمانوں کو کافی راحت ہوسکتی ہے۔

۵- غیر مسلم ممالک میں اگر کسی مسلمان کو غدر وفریب کے بغیر غیر مسلم کا مال ملے تو اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے اگر کسی غیر مسلم کے ورثہ انہیں رضامندی سے اس کو بھی اس میں سے ترکہ ہی سمجھ کر کچھ دیتے ہیں تو اس کے لینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی ہے۔

۶- اس سوال کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا، سوال ۱ و ۲ کے جواب سے واضح ہو گیا کہ اس طرح کی وصیت کرنا جائز ہے، اور یہ کہ یہ حدیث نبوی "لاوصیۃ لوارث" کے معارض بھی نہیں ہے، پھر اس سوال کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اگر وصیت کو غلط کہیں تب بھی ورثہ کو وہی ملے گا جو وصیت کے ذریعہ دیا جارہا ہے، وصیت صحیح قرار دیا جائے یا غلط، نتیجہ ایک ہی ہوگا۔

۷- اس سوال میں مورث کے دل میں چور معلوم ہوتا ہے، وہ کسی وارث کو اس کی خدمت یا اس کی مجبوری کی وجہ سے اس کو کچھ زیادہ دینا بھی چاہتا ہے، لیکن ہبہ نہیں کرتا ہے، تاکہ اس کی زندگی میں اس کی وہ چیز اس کے اختیار سے نہ نکل جائے، البتہ جب وہ مرجائے اور وہ چیز اس کی نہ رہے تمام ورثہ کے اختیار میں چلی جائے تب ایک وارث کو زیادہ ملے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہر حال فقہا دیگر وارثین کی اجازت سے اس طرح کی وصیت کو جائز قرار دیتے ہیں،تقریباً سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مورث کی موت کے بعد ان کی اجازت کا اعتبار ہوگا، اگر مورث کی زندگی میں اجازت دیدیں اور اس کی موت کے بعد اجازت کو رد کردیں تو ان کو اس کا حق ہوگا، اور وصیت باطل ہوجائے گی، حضرات فقہاء نے اس کی وجہ بھی لکھی ہے، یہاں الموسوعہ (۲۴۷/۴۳) سے ایک عبارت نقل کردینا کافی معلوم ہوتا ہے:

"أن يكون الاجازة بعد موت الموصى عند جمهور الفقهاء فلاعبرة بإجازة الورثة حال حياة الموصى فلو اجازوها حال حياته ثم ردوها بعد وفاته صح الرد وبطلت الوصية"

(جمہور فقہاء کے نزدیک وصیت کے صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ اجازت وصیت کرنے والے کی موت کے بعد ہو، اس لئے وصیت کنندہ کی زندگی میں ورثہ کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، چنانچہ اگر وہ اس کی زندگی میں اجازت دیدیں پھر اس کی وفات کے بعد اس اجازت کو رد کردیں تو اجازت رد ہوجائے گی اور وصیت باطل ہوجائے گی)۔

۸- عام طور پر کتابوں میں مذکور ہے کہ اگر اصحاب فرائض کو دینے کے بعد مال بچ جائے تو زوجین کے علاوہ دوسرے اصحاب فرائض پر تقسیم کردیا جائے، اگر زوجین کے علاوہ کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال میں داخل کردیا جائے گا، لیکن علامہ شامی نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے اپنی رائے دی ہے کہ بیت المال میں داخل کرنے کے بجائے زوجین کو دینے کا فتوی دینا زیادہ انسب ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

"اقول: ولم نسمع أيضا في زماننا من أفتى بشئ من ذلک ولعله لمخالفته للمتون فليتأمل، لكن لايخفى أن المتون موضوعة لنقل ماهو المذهب وهذه المسئلة مماأفتى به المتأخرون على خلاف أصل المذهب للعلة المذكورة كما افتوا بنظير ذلک في مسئلة الاستئجار على تعليم القرآن مخالفين لاصل المذهب لخشية ضياع القرآن ولذلک نظائر أيضا، وحيث ذكر الشراح الافتاء في مسألتنا فليعمل به ولاسيما في مثل زماننا فإنه إنما يأخذه من يسمى وكيل بيت المال شئ والحاصل: ان كلام المتون إنما هو عند انتظام بيت المال وكلام الشروح عند عدم انتظامه فلامعارضة بينهما فمن أمكنه الافتاء بذلک في زماننا فليفت به ولا حول ولا قوة إلا بالله"

(میں کہتا ہوں: ہم لوگوں نے بھی نہیں سنا ہے کہ اس مسئلہ میں کسی نے اس طرح کا فتوی دیا ہو، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فتوی متون کے خلاف ہے، اس لئے یہ قابل غور ہے، لیکن یہ بات مخفی نہیں ہے کہ متون میں اصل مذہب ہی نقل کیا جاتا ہے، اور اس مسئلہ میں متاخرین نے اصل مذہب کے خلاف فتوی دیا ہے، اور اس کی وجہ وہی ہے جس کا ذکر اوپر ہوا، جیسا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان حضرات نے قرآن کے ضائع ہوجانے کے اندیشہ سے اس کی تعلیم پر اصل مذہب کے مخالفت کرتے ہوئے اجرت لینے کے جواز کا فتوی دیا ہے، اس کی اور بھی مثالیں مل سکتی ہیں، اس لئے جہاں شارحین نے ہمارے اس مسئلہ میں فتوی دینے کا ذکر کیا تو اس پر عمل کرنا چاہئے، خاص طور پر ہمارے زمانہ میں، ورنہ اس مال کو وہ شخص لے لے گا جو بیت المال کا وکیل کہلاتا ہے اور وہ اس کو اپنی ذات اور اپنے ملازمین پر خرچ کر ڈالے گا اور بیت المال میں اس میں سے کچھ بھی نہیں پہنچ پائے گا، الغرض متون میں جو مذکور ہے، وہ صرف اس وقت ہے جب بیت المال کا مناسب انتظام ہو، اور شروح میں جو کچھ مذکور ہے اس وقت ہے جب بیت المال کا انتظام نہ ہو، لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، لہذا ہمارے زمانہ میں جس شخص کے لئے اس پر فتوی دینا ممکن ہو اس کو اس کا فتوی دینا چاہئے)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بیوی کے علاوہ دوسرا کوئی وارث نہ ہو تو بھی پورا مال اسی کو ملے گا، اس لئے ایسے حالات میں وصیت کے جواز میں کوئی کلام نہیں رہنا چاہئے۔

اوپر یہ بحث گزر چکی کہ حدیث نبوی "لاوصیة لوارث" میں وارث کے لئے وصیت اس لئے ممنوع ہے کہ اس سے دوسرے وارثین کے حقوق متاثر ہوتے ہیں، اور جب بیوی کے علاوہ دوسرا کوئی وارث موجود ہی نہیں ہے، تو اس کے حق میں وصیت اس حدیث کے معارض بھی نہیں ہے۔ لیکن ایسے شخص کو جو اپنی بیوی کے بارے میں فکرمند ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کو کوئی تکلیف نہ ہو اس کو اپنی بیوی کی وفاشعاری پر بھروسہ کرنا چاہئے، صرف یہ خواہش کرنا کہ میرا اختیار ختم ہونے کے بعد ہی بیوی کو ملے مناسب سوچ نہیں ہے، اس کو خود اپنی زندگی میں اپنی وفاشعار بیوی پر بھروسہ کرنا چاہئے، اور ہبہ کر کے قبضہ دیدینا چاہئے، خدانخواستہ اگر بیوی پہلے مرجائے گی اور اس کا کوئی وارث ہوگا تو بھی آدھا شوہر کو ضرور ہی لوٹ آئے گا۔

۹- اس سوال میں "کسی وارث" کا لفظ یوں ہی لکھ دیا گیا ہے، اس لئے کہ وارث کے حق میں وصیت کے بارے میں تہائی کی کوئی قید نہیں، ایک فیصد بھی وصیت اس کے حق میں دوسرے ورثہ کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہے، تہائی کی قید تو صرف اجنبی یعنی غیر وارث کے لئے ہی ہے، ایک تہائی تک اس کے حق میں جائز ہے، اگر اس سے زائد کی وصیت ہو تب اس کے جواز کے لئے ورثہ کی اجازت کی ضرورت ہوگی۔

اس صورت میں بھی موصی کی حیات میں دی گئی اجازت کا اعتبار نہیں ہوگا، عبارت اوپر گذر چکی ہے۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

۱- حضرات ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک وصیت کرنا مستحب ہے، لیکن اس دور متاخر میں یہود و نصاری کی سازشوں نے جہاں قوانین اسلام میں مداخلت کرتے ہوئے قانون اسلام میں تغیر وتبدل کی جہد مسلسل کرتے رہتے ہیں گوکہ وہ کامیاب نہیں ہوتے، کیونکہ مسلمان دنیا میں جہاں بھی ہے بہر حال وہ قوانین اسلام کے سلسلہ میں بیدار مغز رہتے ہیں مردہ نہیں ہوتے خواہ وہ مرتکب معاصی ہوتے ہیں، لیکن وہ قوانین اسلام کے سلسلہ میں طاغوتی طاقتوں کے سامنے سرخم نہیں کرسکتے وہ اللہ تعالی پر کامل بھروسہ ویقین رکھتے ہیں اور اس کی نصرت پر یقین تام رکھتے ہیں، اور اللہ تعالی کی نصرت بھی ان کے ساتھ ہوتی ہے، چنانچہ ان طاغوتی طاقتوں نے بار ہا ایسی حرکات بد کی ہیں اور آج بھی وقتا فوقتا کرتے رہتے ہیں، لیکن دنیا کے مسلمان اللہ تعالی پر ایمان تام اور توکل اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان کامل رکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں بالآخر یہ طاغوتی طاقتیں اپنی سازشوں سے رجوع کرلیتی ہیں اور قوانین اسلام جن کی حفاظت کا اللہ تعالی نے وعدہ کیا ہے وہ اپنی اصل حالت میں باقی ودائم ہے اور انشاء اللہ تا قیامت باقی ودائم رہے گا، چنانچہ ایسی تناظر میں کہیں کہیں قانون میراث جاری نہیں ہے کہ وہ جاری کرنے نہیں دیتے تو وہاں کے مسلمان دستوری طور پر امن وامان قائم رکھتے ہوئے اپنی مملکت سے احتجاج کرتے ہیں اس پر بھی وہ باز نہیں آتے تو وہاں کے علماء ربانیین حفظہم اللہ وصیت کو واجب قرار دیتے ہیں، مصلحۃ پوری دنیا کے علماء ربانیین حفظہم اللہ ان کی تائید کردیتے ہیں۔

وصیت کے باب میں صحیح مسلم کی حدیث ملاحظہ کرلی جائے: "عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال: ما حق امرئی مسلم له شیٔ یرید أن یوصی فیه یبیت لیلتین الا ووصیة مکتوبة عند" (رواہ مسلم، اخرجہ البخاری فی کتاب الوصایا، ومالک فی الوصیۃ وابوداؤد فی الوصایا، والترمذی فی الجنائز، والنسائی فی الوصایا، ابن ماجہ فی الوصایا، الدارمی فی الوصایا)۔

مولانا تقی عثمانی (تکملۃ فتح الملہم ۲/ ۹۴ تا ۹۸) میں لکھتے ہیں: "مراده عند الجمهور أن من کان علیه دین أو

☆ جامعہ مفتاح العلوم مئو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عنده وديعة أو عليه واجب ولا يقدر على ادائه بنفسه فانه يجب عليه ان يوصى بذلک ولا يدل ذلک على وجوب الوصية لغير الوارث فان قوله عليه السلام: "له شئ يريد ان يوصى فيه"صريح فى ان الحكم خاص من يريد ان يوصى بشئ ولو كان الحكم واجبا لما قيده بالارادة وهو قول الائمة الأربعة والشعبى والنخعى والثورى وغيرهم"۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرات جمہور ائمہ جن میں ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں کہ وصیت کرنا مستحب ہے، استثنائی صورتوں کے علاوہ حدیث کے لفظ "له شئ" پر لکھتے ہیں: "استدل به الجمهور على صحة وصية بالمنافع كصحتها بالمال"، اور مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: "قال العبد الضعيف عفا الله عنه: ومذهب الحنفية جواز الوصية فى المنافع اذا كانت قابلة للتمليک فى حياة الموصى، وصورتها ان يوصى داره، او بغلة بستانه لمدة معلومة او للأبد"۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذہب حنفیہ یہ ہے کہ منافع میں وصیت جائز ہے جبکہ وہ وصیت کرنے والے کی حیات میں تملیک کے لائق ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے گھر میں رہنے کی وصیت کردے، معلوم مدت کے لئے یا ہمیشہ کے لئے۔

اور حدیث کے لفظ "مكتوبة عنده" پر لکھتے ہیں: "اما الجمهور فيشترط عندهم الاشهاد ولاتثبت الوصية بالكتابة بدون الاشهاد يعنى فى القضاء، وحجتهم قول الله تعالى: شهادة بينكم إذا حضر أحدكم الموت حين الوصية الآية"۔

خلاصہ یہ ہے کہ علماء جمہور جن میں حنفیہ بھی ہیں رضی اللہ عنہم کے نزدیک وصیت کرنے والے کے لئے بوقت وصیت گواہ بنانا شرط ہے اور اس کے بغیر صرف لکھنے سے وصیت ثابت نہ ہوگی قضاء۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ استثنائی صورتوں کے علاوہ میں وصیت کرنا مستحب ہے اور مصلحۃً واجب قرار دی جاسکتی ہے، اور گواہ بنانا شرط ہے نہ کہ لکھنا۔

۲- اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا الخ وصیت نامہ لکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ علماء جمہور جن میں ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں، ان کے نزدیک وصیت کے لئے گواہ بنانا شرط ہے کہ دو گواہ کے سامنے زبان سے وصیت کرنا ہے لکھنا شرط نہیں ہے، بغیر گواہ بنائے ہوئے لکھنے سے وصیت ثابت نہ ہوگی، قضاء، ہاں قطع نزاع کے لئے لکھ دینا جائز ہے شرط نہیں ہے، چنانچہ مفتی تقی عثمانی (تکملہ فتح الملہم ۲/۹۶) میں لکھتے ہیں: "أما الجمهور فيشترط عندهم الإشهاد ولا تثبت الوصية بالكتابة بدون الإشهاد يعنى فى القضاء، حجتهم قول الله تعالى: شهادة بينكم إذا حضر أحدكم الموت حين

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الوصية"۔

"أما حديث الباب فقد اجاب عنه الجمهور بأنه لا تعرض فيه اشتراط الاشهاد وعدمه، والمراد أن تكون الوصية مكتوبة بشرائطها المعروفة منها الاشهاد فلا يدل ذلک على نفي الاشتراط ثم قال القرطبي: ذكر الكتابة مبالغة في زيادة التوثق وإلا فالوصية المشهود بها متفق عليها ولولم تكن مكتوبة هذا ملخص ما في فتح الباري والعمدة"۔

اور علماء جمہور جن میں ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں ان کے نزدیک والدین کے لئے آج بالا جماع وصیت جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ دونوں ورثہ میں ہیں، اسی طرح انکے علاوہ ورثہ مثلاً اولاد ذکور واناث کے لئے وصیت جائز نہیں مگر یہ کہ ورثہ چاہیں اور راضی ہوں، جیسا کہ دارقطنی کی روایت میں ہے: "قال لاتجوز وصية لوارث إلا أن يشاء الورثة" (کذا فی المشکوۃ ۱/ ۲۶۵)۔

اور غیر ورثہ کے لئے گواہوں کے سامنے زبان سے وصیت کرنا وصیت نامہ لکھنا حدیث "لا وصية لوارث" کے خلاف نہیں ہے، لہذا یہ وصیت معتبر اور شرعی قرار پائے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ والدین کے لئے وصیت جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ دونوں ورثہ میں ہیں اور ان کے علاوہ ان کی اولاد ذکور واناث وارثین کے لئے وارثین کی رضامندی سے وصیت جائز ہے، پس غیر ورثہ کے لئے گواہوں کے سامنے زبان سے وصیت کرنا وصیت نامہ لکھنا حدیث "لا وصية لوارث" کے خلاف نہیں ہے، لہذا وہ معتبر وشرعی قرار پائے گی۔

۳- حدیث نبوی: "لا وصية لوارث" کا مورد و مقصد صرف وہ وصیت ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلوانا ہے، چنانچہ امام ملا علی قاریؒ (مرقاۃ ۳/ ۳۹ میں) لکھتے ہیں: "ان الله قد أعطى كل ذى حق حقه أى بين له حظه ونصيبه الذى فرض له، وكل ذى حق حقه يدل على ان لا نصيب لأحد بعد ما بين الله الأنصباء إلا للاجنبى إذا اوصى فى حقه فان الناس إما منسوب الى الميت أو ولد الاول (يعنى النسبة الى الميت) اما حقيقة أو ادعاء فلا حظ للاول (اى المنسوب الى الميت) فكيف بالثانى (اى المنسوب الى الميت ادعاء)"۔

حاصل یہ ہے کہ میراث صرف ورثہ کو ملے گی اور اجنبی غیر وارث کے لئے وصیت جائز ہے تو وصیت ملے گی نہ کہ میراث، ہاں والدین کے علاوہ میت کے بھائی، بہن اور دیگر وارثین کو ان کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہی ہو تو ان وارثین کی رضامندی سے زائد مال کی وصیت کرنا جائز ہے، جیسا کہ حدیث دارقطنی میں ہے: "الا ان يشاء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الورثة"، اور وہ وصیت اس ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو۔

۴- غیر مسلم ممالک میں قانون میراث جاری کرانے کی مندرجہ ذیل شکلیں ممکن ہیں:

۱- پارلیامنٹوں میں مسلم ممبران وزیر قانون سے قانون میراث جاری کرائیں اور اس کو دلائل سے ثابت کریں کہ اس کو سمجھ میں آ جائے، پھر پارلیامنٹ کے اجلاس میں متفقہ طور پر مسلم ممبران اس کا بل پاس کرائیں اور نافذ کرائیں۔

۲-مورث اپنی حیات میں ہی بین الورثہ ہر ایک کے حصہ شرعی کو بیان کر دے کہ میرے مرنے کے بعد یہ حصے ورثہ کے ہوں گے۔

۳-مورث اپنی حیات میں ہی ہر ایک وارث کو ہبہ کر دے اور ہر ایک کے نام ہبہ نامہ لکھ دے، بہتر ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کو برابر برابر ہبہ کر دے۔

۴-اس ملک کے تمام مسلمان متفقہ طور پر پر امن طور پر حکومت سے مطالبہ کریں اور دلائل سے سمجھائیں اور اس کو قانوناً نافذ کرائیں، انشاء اللہ یہ قانون میراث جاری ہو سکتا ہے۔

۵- یہ بات تقریباً فقہاء رضی اللہ عنہم کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا اور کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا، چنانچہ یہ قانون شرعی صحیح مسلم کی روایت میں ہے: "عن اسامة بن زيد ان النبى ﷺ قال : لايرث المسلم الكافر ولا يرث الكافر المسلم" (رواہ مسلم واخرجہ البخاری فی الفرائض، وابوداؤد فی الفرائض، والترمذی فی الفرائض، وابن ماجہ فی الفرائض)۔

مفتی تقی عثمانی (تکملہ ۲/۱۱) میں لکھتے ہیں: "قوله: لا يرث المسلم الكافر؛ عليه عمل الامة فلا يرث المسلم الكافر عند الائمة الاربعة وفقهاء الامصار، قوله: ولا يرث الكافر المسلم" هذا ما أجمع عليه الفقهاء"۔

لیکن اس وقت غیر مسلم ممالک میں ایک صورت یہ درپیش ہے کہ بعض دفعہ مسلمان مورث کی حیثیت میں ہوتے ہیں اور کسی غیر مسلم سے اس کی ایسی قرابت ہوتی ہے کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسے بھی حق میراث حاصل ہوتا تو قانون کے ذریعہ اس مسلمان کے مال سے اس کے غیر مسلم رشتہ دار کو متروکہ دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر مورث غیر مسلم ہو اور اس کا مسلمان قرابت دار ہو تو قانون اسے ترکہ دلاتا ہے، اگر وہ نہ لے تو ترکہ دوسرے غیر مسلم قرابت داروں میں تقسیم ہو جائے گا، تو ایسی صورت میں جبکہ مسلمان کے مال سے غیر مسلم کو ترکہ دلایا جاتا ہو تو مسلمان بھی اس قانون سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ جی ہاں فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور اس کے لئے کوشش کر سکتے ہیں یا قبول کر سکتے ہیں؟ جی ہاں کر سکتے ہیں اس سلسلہ میں حضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاذ بن جبل اور حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ وہ دونوں کافر مورث سے مسلمان قرابتدار کو وارث بناتے ہیں اور دونوں استدلال کرتے ہیں، نبی ﷺ کے قول سے کہ اسلام زائد ہوتا ہے اور گھٹتا نہیں، ولکن قال ابن قدامہ فی المغنی (۶/ ۲۹۴)

"ولیس بموثوق به عنهم فان احمد قال: لیس بین الناس اختلاف فی ان المسلم لا یرث الکافر"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امت کا عمل اس پر ہے کہ مسلمان کسی کافر کا وارث نہ ہوگا، ائمہ اربعہ اور فقہاء امصار رضی اللہ عنہم کے نزدیک اور کافر کا مسلمان قرابت دار وارث نہ ہوگا اس پر فقہاء کا اجماع ہے۔

لیکن چونکہ دعوتی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے اگر کسی شخص کو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ اپنے مالدار والد یا والدہ کے ترکہ سے بالکل محروم کر دیا جائے تو مادیت کے غلبہ کی وجہ سے اس کے قبول اسلام میں یا اس کے بعد اسلام پر قائم رہنے میں رکاوٹ بن سکتی ہے، یا بعض دفعہ اسے سخت معاشی تنگی سے گذرنا پڑتا ہے تو اگر یہ تنگی یا محرومی اس کے پائے استقامت میں تزلزل نہ کرے تب بھی اس کے جیسے بہت سے لوگ جو کسی درجہ میں اسلام کی طرف راغب ہوتے ہیں، اس کی معاشی بدحالی کو دیکھ کر اپنے قدم اسلام کی طرف آنے سے روک سکتے ہیں، خصوصاً ہندوستان میں اس طرح کے واقعات سے وہ لوگ گذرتے ہیں جو دعوت دین کے کام کی طرف متوجہ ہیں۔ تو مصلحت کو دیکھتے ہوئے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی رائے کو مستدل بنا کر کافر مورث سے اس کے مسلمان قرابتدار کو وارث بنا سکتے ہیں اور اس قول کی نسبت دونوں کی طرف موثوق و یقینی ہے، اور یہ مسلمان قرابتدار کو میراث دینا اسلام میں داخل ہونے والوں کی تالیف قلوب کے لئے ہے تاکہ وہ اسلام سے متنفر نہ ہوں بلکہ برابر راغب رہیں اور یہ میراث دینے کے باب سے نہیں ہے بلکہ تالیف قلب کے باب سے ہے، اور امام مسلمین کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے اجتہاد و رائے سے اس کی میراث خرچ کرے جہاں چاہے، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اس کی میراث کو تالیف قلب سے رد کر دینا ان کے اجتہاد و رائے سے تھا ان کے اجتہاد و رائے اسی طرف رہنمائی کرتی ہے لیکن آج کی مصلحت یہی ہے کہ ان کو میراث دی جائے محروم نہ کیا جائے، تالیف قلب کی نیت سے تاکہ وہ اسلام کی طرف راغب رہیں متنفر نہ ہوں، چنانچہ ان دونوں صحابی رضی اللہ عنہما کے یقینی قول کو دیکھتے ہوئے حضرت مسروق، سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی اور اسحاق وغیرہم رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے، تو جب صحابہ کرام اور ائمہ رضی اللہ عنہم کے اقوال مانتے ہیں تو آج انہیں حضرات کے قول کے مطابق میراث دی جانی چاہئے اور کہیں بھی شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے اس جیسی مجبوریوں و حاجت و ضرورت کے مطابق فیصلہ کرنے سے روکا نہیں ہے، اگر اس کے خلاف کوئی کہے تو من ادعی فعلیہ البیان اس سے کہا جائے گا۔

اسی طرح دوسرے مسئلہ کے باب میں بھی کہا جاسکتا ہے، اگر دعوتی نقطۂ نظر سے اس کی ضرورت پڑ جائے کہ کافر اگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تقسیم میراث سے پہلے مسلمان ہو جائے تو مسلمان قرابتدار اس کا وارث ہوگا اور یہی مروی ہے حضرت عمر وعثمان اور حسن بن علی وحضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اور یہی امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے، اور یہی قول ہے حضرت جابر بن زید والحسن اور مکحول و قتادہ، اور حمید وایاس بن معاویہ واسحاق رحمہم اللہ کا، تو دعوتی نقطہ نظر سے مصلحت کے اعتبار سے اس پر عمل کیا جا سکتا ہے، حاجت وضرورت کے تقاضے سے، اور شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے حاجت وضرورت کے تقاضے کے مطابق فیصلہ سے روکا نہیں ہے تو ان صحابہ کرام اور ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت کے مطابق فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

۶- بعض اوقات اس مقصد کے تحت کہ آئندہ مورث کی اولاد کے درمیان اختلاف نہ ہو، مورث اپنی زندگی میں ہی اولاد کے درمیان حصے مقرر کر دیتا ہے کہ اس کے گذرنے کے بعد اسی تفصیل کے مطابق ترکہ تقسیم کر دیا جائے، عام طور پر اس میں حق میراث کا تناسب ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے، لیکن اس جہت سے وصیت کی صورت ہوتی ہے کہ وہ زندگی میں ورثہ کو ہبہ نہیں کرتا اور موت کے بعد اس کے منشا کے مطابق ترکہ کی تقسیم چاہتا ہے تو درست ہے اور اس کی مورث کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں اولاد کے درمیان حصے مقرر کر دے جیسا کہ یہی قول امام احمد بن حنبل اور امام محمد بن الحسن رحمہما اللہ کا ہے چنانچہ مفتی تقی عثمانی (تکملہ فتح الملہم ۲/۷۳-۷۴، ۷۵) میں لکھتے ہیں: حدیث "عن النعمان بن بشير قال: تصدق علي ابى ببعض ماله فقالت عمرة بنت رواحه: لا ارضى حتى تشهد رسول الله ﷺ، فانطلق ابى الى النبى ﷺ ليشهده على صدقتي، فقال له رسول الله ﷺ: أفعلت هذا بولدک کلهم؟ قال: لا، قال: فاتقوا الله واعدلوا فی أولادکم فرجع ابی، فردتلک الصدقة" (رواہ مسلم)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مورث کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی حیات ہی میں اپنی اولاد کے درمیان میراث کے طریقے وحصے مقرر کر دے تا کہ اس کے مرنے کے بعد ان کے درمیان کوئی نزاع نہ ہو۔

۷- اگر چہ وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں، لیکن وہ صورت مستثنی ہے جس سے دوسرے ورثہ راضی ہوں اور ورثہ کی رضامندی مورث کے مرنے کے بعد بھی معتبر ہوگی اور اس کی زندگی میں بھی، تو اگر ورثہ راضی ہوں بعض اولاد کے زیادہ دیئے جانے پر علم وتقوی اور خدمت وغیرہ نیک کام کی وجہ سے تو جائز ہے، علماء جمہور کے قول پر، صرف دیگر ورثہ کا گواہوں کے سامنے زبان سے رضامندی کا اظہار کر دینا کافی ہے، ہبہ نامہ لکھنا شرط نہیں ہے، ہاں اگر لکھ دے اور ورثہ کو سنا کر ان سے دستخط لے لے تو بہتر ہے، خصوصاً آج کے دور میں تا کہ موقع پر انکار نہ کر سکیں پھر گواہوں سے بھی لے لے تا کہ مضبوط ہو جائے، اور اس کی موت کے بعد یہ وصیت نافذ ہوگی۔

۸- جو لوگ لاولد ہوتے ہیں، ان کو فطری طور پر اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ ان کے گذرنے کے بعد ان کی بیوہ کا حق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محفوظ رہے اور وہ بے سہارا نہ ہو جائے تو ایسی صورت میں چونکہ بیوی ذوی الفروض میں سے ہے تو اس کو اس کا متعین حصہ زوج میت کے ترکہ سے چوتھائی ہوگا اولاد نہ ہونے کی صورت میں، اور اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ سے آٹھواں ہوگا، اگر زوج میت کی وصیت ہوگی تو بقدر وصیت مال (یعنی تہائی مال) دینے کے بعد چوتھائی ترکہ سے یا آٹھواں دیا جائے گا، اور اگر وصیت نہیں ہے تو کل ترکہ سے چوتھائی یا آٹھواں دیا جائے گا، چنانچہ قرآن پاک میں ہے: "ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين " (نساء:۱۲) (اگر زوج میت پر دین وقرض ہو تو اس کو کل ترکہ سے ادا کرنے کے بعد چوتھائی یا آٹھواں ہوگا)۔

پس درمختار (۵/ ۵۴۴) میں ہے: "فللزوجات ......الربع بلا ولد والثمن مع الولد"۔

اور ایسی صورت میں شوہر اگر اپنی حیات میں اپنی بیوہ کے لئے وصیت کر جائے تو ثلث یعنی تہائی کی ترکہ سے وصیت کر سکتا ہے، صرف اور باقی بچے ہوئے ترکہ کو اس کے بھائیوں بہنوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا اور ان کے بقدر حصہ شرعی اگر ہوں اور اگر نہ ہوں تو بیت المال میں دیا جائے گا، اور امام مسلمین کے اختیار میں ہوگا۔

اور کوئی وارث نہ ہو تو ثلث مال ہی کی وصیت معتبر ہوگی۔

چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث میں ثلث مال کی وصیت کی اجازت مروی ہے: "عن عامر بن سعيد عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ: الثلث، والثلث كثير، انك ان تذر ورثتك اغنياء خير من ان تذرهم عالة يتكففون الناس" (رواہ مسلم واخرجہ البخاری فی الجنائز واخرجہ النسائی فی الوصایا، وابن ماجہ فی الوصایا، والترمذی فی الجنائز، وابوداؤد فی الوصایا، تکملہ ۲/ ۹۹)۔

۹- اگر کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والا حیات ہی میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کر دے اور دوسرے ورثہ اس پر رضامند ہوں تو ایک تہائی کی وصیت شرعاً معتبر ہوگی، یہی مختار ہے حنفیہ کے نزدیک۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل

مفتی جمیل احمد نذیری ☆

۱- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، سوال میں ذکر کردہ حالات کی روشنی میں، وہاں کے مسلمانوں کے لئے اس طرح کا وصیت نامہ لکھ دینا واجب نظر آتا ہے، تا کہ ورثہ شرعی اپنے حصص شرعیہ سے محروم نہ رہیں۔

۲، ۳- حدیث نبوی ﷺ "لا وصية لوارث" کا تعلق اس وصیت سے ہے جس کے ذریعہ وارث کو اس کے حصہ شرعی کے علاوہ زائد دینا لکھا جائے۔

قدوری کی عبارت "لوارثه إلا أن يجيز ها الورثة " کے تحت صاحب ہدایہ کے اس جملہ "لأن الامتناع لحقهم فتجوز باجازتهم" (۶۵۷/۴) سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔

۴- فی الحال احقر کے ذہن میں کوئی بات نہیں آرہی ہے۔

۵- اسلام کو اگر دین حق سمجھ کر قبول کیا ہے، اس سے اگر وقتی طور پر معاشی تنگی آتی ہے تو گوارہ کرنا ہی پڑے گا، یہ صورت حال تو ہمیشہ سے ہی اسلام قبول کرنے والوں کے سامنے آتی رہی ہے، آغاز اسلام سے اب تک یہی صورتحال ہے۔

غیر مسلم ممالک میں اگر مورث غیر مسلم ہو اور اس کا قرابت دار مسلمان ہو اور قانوناً اسے ترکہ لینے کا حق ہو اگر چہ شرعاً حق نہیں ہے، جبکہ قانوناً مسلمان کے مال سے غیر مسلم کو ترکہ دلایا جاتا ہو، جبکہ وہ بھی شرعاً حقدار نہیں، مسلمان کا اس طرح کے قانون سے فائدہ اٹھانا بلکہ اس کے لئے کوشش کرنا اور اس طرح کے ترکہ کو قبول کر لینا درج عبارت کی روشنی میں درست معلوم ہوتا ہے۔

"ولأن مالهم مباح في دارهم فبأى طريق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم يكن فيه غدر" (ہدایہ ۸۶/۳ باب الربوا) (اس لئے کہ ان کے دار میں ان کا مال مباح ہے، جس طریقے سے بھی اسے مسلمان لے، مال

☆ مہتمم جامعہ عربیہ مین الاسلام، نواده مبارک پور، اعظم گڑھ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مباح لے گا، بشرطیکہ دھوکا دے کر نہ لے)۔

۶- اس طرح کی وصیت میں کوئی حرج نہیں، اگر حق میراث کے تناسب کا پورا پورا لحاظ ہو، اور ورثہ وہی رہ جائیں، اور اسی حیثیت کے ساتھ رہ جائیں جن کا وصیت نامہ میں ذکر ہو تو حصوں کے اس طرح کی تعیین کی گنجائش ہے، اور اگر ورثہ کی تعداد یا حیثیت بدل جائے تو اس وصیت نامہ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

۷- اس صورت میں ورثہ کی رضامندی مورث کی موت کے بعد معتبر ہوگی اور اجازت دینے والے ورثہ کا بالغ ہونا بھی شرط ہے، درمختار میں ہے:

"ولا تعتبر اجازتهم حال حياته أصلا بل بعد وفاته وهم كبار بمعني يعتبر كونه وارثا او غير وارث وقت الموت لا وقت الوصية" (۵/۲۰۴) (ورثہ کا، مورث کی زندگی میں اجازت دینا بالکل ہی معتبر نہ ہوگا، بلکہ مورث کی وفات کے بعد کی اجازت معتبر ہوگی، اور سارے ورثہ بالغ ہونے چاہئیں، یعنی وارث اور غیر وارث ہونے کا اعتبار موت کے وقت ہے، وصیت کے وقت نہیں)۔

ہدایہ میں ہے: "إلا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار" (۴/۵۲۶) (مگر یہ کہ ورثہ مورث کی موت کے بعد اجازت دے دیں اور وہ سب بالغ ہوں)۔

۸- وصیت کے بجائے ہبہ کر کے جائے، اسی طرح ہبہ سے بھی اسے مل جائے گا اور وراثت سے بھی۔

۹- ہدایہ میں ہے: "ولا تجوز بما زاد علي الثلث إلا ان يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار، لأن الامتناع لحقهم وهم أسقطوه ولا معتبر باجازتهم في حال حياته، لأنها قبل ثبوت الحق اذ الحق ثبت عند الموت فكان لهم ان يردوه بعد وفاته بخلاف ما بعد الموت لانه بعد ثبوت الحق فليس لهم ان يرجعوا عنه" (۴/۶۵۵) (ثلث سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں، مگر یہ کہ ورثہ جو کہ بالغ ہوں، مورث کی موت کے بعد اجازت دیدیں، اس لئے کہ عدم جواز انہیں کے حق کی وجہ سے تھا اور انہوں نے اسے خود ہی ساقط کر دیا، مورث کی زندگی میں ان کی اجازت کا اعتبار نہیں، کیونکہ یہ اجازت، حق ثابت ہونے سے پہلے ہوئی، اس لئے کہ حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے، اس لئے اگر انہوں نے مورث کی زندگی میں اجازت دی ہو تو مورث کی وفات کے بعد اسے رد کر سکتے ہیں، البتہ وفات کے بعد دی ہوئی اجازت رد نہیں کر سکتے، کیونکہ حق ثابت ہونے کے بعد ہوئی لہذا انہیں رجوع کا حق نہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مورث کی زندگی میں دیگر ورثہ کی رضامندی معتبر نہیں۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق مسائل واحکام-غیراسلامی ممالک کے تناظر میں

مولانا محمد سلمان منصور پوری ☆

۱- سوال نامہ کے پس منظر میں ایسے ممالک میں جہاں اسلام کا قانونِ میراث نافذ نہیں، وہاں ترکہ کی حسبِ حصصِ شرعیہ تقسیم کو یقینی بنانے کے لئے قانونی کارروائی کے طور پر اس بات کا وصیت نامہ لکھوانا کہ میرے بعد میرا ترکہ میرے فلاں فلاں وارثین کو حسبِ حصص شرعیہ دیا جائے، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، یہ دراصل اصطلاحی وصیت نہیں ہے؛ بلکہ ایک قانونی خانہ پری ہے، اوراس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں؛ بلکہ اگر کسی وارث کی طرف سے بدعنوانی کا اندیشہ قوی ہو، تو ایسی قانونی تدبیر کرنے کی اہمیت مزید بڑھ جائے گی؛ تاکہ ممکنہ طور پر حق تلفی سے بچا جا سکے۔

" إن الوصية للوارث ليست وصية باطلة بدليل أنه لو اتصلت بها الإجازة جازت والباطل لا يحتمل الجواز بالإجازة وبه تبين أن الوارث محل للوصية" (بدائع الصنائع زکریا ۶/ ۴۳۵)۔

" وكما أفاده العلامة المحقق محمد تقي العثماني حفظه الله بقوله: وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده في حياته لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته فإنه وإن كان هبة في الاصطلاح الفقهي ولكنه في الحقيقة والمقصود استعجال لمايكون بعد الموت وحينئذ ينبغي أن يكون سبيله سبيل الميراث" (تکملۃ: فتح الملہم ۲/ ۷۵)۔

۱-۲- حسبِ حصص شرعیہ ترکہ کے تقسیم کی قانونی وصیت حدیث: "لاوصية لوارث" کے خلاف نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس وصیت کی رو سے کسی بھی وارث کو اس کے حق سے زیادہ نہیں مل رہا ہے؛ حالاں کہ ممانعت کا محمل وہی صورت ہے جب کہ کسی وارث کو اس کے حقِ شرعی سے زیادہ دینے کی وصیت کی جارہی ہو، پس جس وصیت میں ایسی بات نہ ہو وہ ممنوع نہ ہوگی۔

قال رسول الله ﷺ:" إن الله أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث" (سنن ابی داؤد: ۲۸۷۰ وغیرہ)۔

☆ جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "لا تجوز الوصیة لوارث إلا أن یشاء الورثة" (السنن الکبریٰ للبیہقي ۹/ ۳۵۶، رقم: ۱۲۹۷، دارقطني ۴/ ۸۶، رقم: ۴۲۵۲)۔

قال الإمام المحدث الشاہ ولي اللّٰہ الدہلوي: "فلما تقرر أمر المواریث قطعاً لمنازعتہم وسداً لضغائنہم کان من حکمہ أن لا یسوغ الوصیة لوارث، إذ في ذٰلک مناقضة للحد المضروب" (حجۃ اللہ البالغۃ مکتبہ حجاز دیوبند ۲/ ۳۰۴، تکملۃ فتح الملہم ۲/ ۹۳)۔

۴- سب مسلمانوں کو اجتماعی طور پر کوشش کرنی چاہئے کہ وہ غیر مسلم ممالک میں کم از کم مسلمانوں کی حد تک شرعی میراث کا قانون جاری کرانے پر حکومت کو آمادہ کریں، اور ساتھ میں عوام کی ذہن سازی ہونی چاہئے کہ وہ سب وارثین کو ان کا شرعی حق دینے کا ماحول بنائیں اور کسی کی حق تلفی نہ کریں، اور اس کی ایک شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ زندگی میں جس وارث کا جو شرعی حق بنتا ہو، اس کو قانوناً رجسٹرڈ کرادیا جائے، پھر اگرچہ مرتے دم تک اس پر مورث کا قبضہ رہے، تب بھی اس کی وفات کے بعد ہر حق دار کو اپنا حق قانوناً آسانی وصول ہوجائے گا۔

"عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبیہ قال: مرضت عام الفتح مرضاً اشفیتُ منہ علی الموت، فأتاني رسول اللّٰہ ﷺ یعودني، فقلت یا رسول اللّٰہ! إن لي مالا کثیراً ولیس یرثني إلا ابنتي فأوصي بمالي کلہ، قال: لا قلت: فثلثي مالي، قال: لا، قلت: فالشطر، قال: لا، قلت: فالثلث، قال: الثلث، والثلث کثیر، إنک أن تذر ورثتک أغنیاء خیر من أن تذرہم عالة یتکففون الناس الخ" (ترمذي شریف ۲/ ۳۲)

۵- بطور وراثت مسلمان اور غیر مسلم میں ترکہ کا استحقاق شرعاً ثابت نہیں ہے، جمہور فقہاء کی رائے یہی ہے؛ لیکن دارالحرب میں اگر دھوکہ کے بغیر کوئی مال قانونی طور پر کسی مسلمان کو حاصل ہورہا ہے، تو حضراتِ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک حربی کا مال ہونے کی حیثیت سے اسے لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ لیکن مسلم ممالک میں اگر یہ صورت پیش آتی ہے تو اس کی اجازت نہ ہوگی۔

"لا ربا بین المسلم والحربي في دار الحرب، ولأن مالہم مباح وبعقد الأمان منہم لم یصر معصوماً إلا أنہ التزم أن لا یتعرض لہم بغدر، ولا لما في أیدیہم بدون رضاہم فإذا أخذ برضاہم أخذ مالاً مباحاً بلا غدر فیملکہ بحکم الإباحة السابقة" (البحر الرائق ۶/ ۱۳۵، البنایہ ۳/ ۱۶۵)۔

۶- دراصل یہ وصیت نہیں؛ بلکہ ایک دستاویز ہے؛ لہٰذا مورث کی وفات کے بعد اگر سب ورثاء راضی ہوں، تو اس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطابق ترکہ تقسیم کر سکتے ہیں، اور اگر اس پر اتفاق نہ ہو سکے تو اس میں تبدیلی کی بھی گنجائش ہے، گویا کہ مورث نے زندگی میں ورثاء کے لئے جو وصیت کی ہے، وہ دوسرے ورثاء کی رضامندی کے بغیر حتمی اور لازمی نہیں ہے۔

''إن الوصية للوارث ليست وصية باطلة بدليل أنه لو اتصلت بها الإجازة جازت، والباطل لا يحتمل الجواز بالإجازة، وبه تبين أن الوارث محل للوصية'' (بدائع الصنائع زکریا ۶/ ۴۳۵)۔

۷- مورث کی زندگی میں وارثین کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں؛ لہٰذا وہی رضامندی معتبر ہوگی جو مورث کے انتقال کے بعد ہو۔

''وإنما يصح قبولها بعد موته؛ لأن أوان ثبوت حكمها بعد الموت فبطل قبولها وردها قبله'' (شامی زکریا ۱۰/ ۳۴۹)۔

''ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته؛ لأنها قبل ثبوت الحق إذ الحق يثبت عند الموت فكان لهم أن يردوه بعد وفاته بخلاف ما بعد الموت؛ لأنه بعد ثبوت الحق فليس لهم أن يرجعوا عنه'' (ہدایۃ ۴/ ۶۳۹)۔

''إن إجازتهم في حال حياة المورث ساقطة؛ لأن إجازتهم في ذٰلك الوقت غير معتبرة أصلاً'' (فتح القدیر ۱۰/ ۴۴۸)۔

''ثم وقت الإجازة هو ما بعد موت الموصي ولا تعتبر الإجازة حال حياته حتى أنهم لو أجازوا في حياته لهم أن يرجعوا عن ذٰلك بعد موته وهٰذا قول عامة'' (بدائع الصنائع زکریا ۶/ ۴۸۳)۔

''ولا يعتبر الرد والإجازة إلا بعد موت الموصى نص عليه أحمد، وروي ذٰلك عن ابن مسعود رضي الله عنه وهو قول شريح، وطاؤس، والحكم، والثوري، والحسن بن صالح، والشافعي، وأبي حنيفة وأصحابه، وأبي ثور، وابن المنذر'' (إعلاء السنن بیروت ۱۸/ ۲۹۵)۔

۸- اگر مورث کا بیوی کے علاوہ کوئی شرعی وارث موجود ہے تو اس کے لئے بیوی کے متعلق وصیت بغیر شرعی وارث کی رضامندی کے معتبر نہ ہوگی؛ لیکن اگر کوئی شخص ایسا لاوارث ہے کہ بیوی کے علاوہ اس کا کوئی رشتہ دار زندہ موجود نہیں، تو اب اگر وہ بیوی کے حق میں کوئی وصیت کرتا ہے تو وہ مکمل طور پر نافذ ہو جائے گی، اور بیوی کو حصہ وراثت بھی ملے گا، اور وصیت کی بھی وہ پوری طرح مستحق ہوگی اور یہی تفصیل بیوی کی طرف سے شوہر کے متعلق وصیت کرنے کے بارے میں بھی ہے۔

''امرأة هلكت وتركت زوجاً ولا وارث له غيره – إلى قوله – فإن كانت أوصت للزوج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنصف المال فالمال كله للزوج النصف بحكم الإرث والنصف بحكم الوصية" (فتاوىٰ تاتارخانیہ زکریا ۲۰/ ۱۶۲ا رقم: ۳۲۸۸۸)۔

"قال في الزيادات: في امرأة لا وارث لها إلا زوجها فأوصت له بنصف مالها فإنه يأخذ النصف بالميراث ثم النصف الباقي بالوصية" (المبسوط ۲/ ۲۹)۔

"حتى لو أوصى لزوجته أو هي له ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية" (الدر مع الرد ۱۰/ ۳۴۷)۔

۹- کسی غیروارث کے حق میں مورث کی طرف سے ایک تہائی سے زیادہ وصیت کے متعلق اس کی زندگی میں شرعی وارثین کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں ہے، ان کی رضامندی وہی معتبر ہوسکتی ہے جو مورث کے انتقال کے بعد تحقق ہو۔

"ولا تجوز الوصية بأكثر من الثلث إلا أن يجيز ورثة الميت بعد موته" (الفتاویٰ الولوالجیۃ ۵/ ۳۳۹)۔

"ويعتبر كونه وارثاً أو غير وارث وقت الموت لا وقت الوصية؛ لأنه تمليك مضاف إلى ما بعد الموت فيعتبر وقت التمليك" (تبیین الحقائق زکریا ۷/ ۲۷۶)۔

"الثاني أن تكون الإجازة بعد موت الموصي فلا عبرة بإجازة الورثة حال حياة الموصي، فلو أجازوها حال حياته ثم ردوها بعد وفاته صح الرد وبطلت الوصية، سواء أكانت الوصية للوارث أم لأجنبي بما زاد عن ثلث التركة وهذا رأى الحنفية والشافعية والحنابلة، وكذلك قال المالكية" (الفقہ الإسلامي وأدلتہ ۸/ ۳۸۴)۔

"قوله: قال أبو حنيفة الخ: وقال: به نأخذ إجازة الورثة قبل الموت ليس بشيئ فإن أجازوه بعد الموت وهي لوارث أو أكثر من الثلث، فذلك جائز وليس لهم أن يرجعوا وهو قول أبي حنيفة" (إعلاء السنن بیروت ۱۸/ ۲۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق مسائل واحکام

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

۱- اگر کسی ملک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، اور وہاں کے مسلمان زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھ دیں کہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں تو جائز ہے، الاشباہ والنظائر کے مندرجہ ذیل جزئیے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مورث اپنی حیات میں اس طرح کا اقدام کرسکتا ہے۔

"قال العباس الناطفي: رأيت بخط بعض مشائخنا في رجل جعل لأحد بنيه دارا نصيبه على أن لا يكون له بعد موت الأب ميراث جاز وأفتى به أبو جعفر محمد بن اليماني" (الاشباہ والنظائر ۲/۷۰۴)۔

(عباس ناطفی نے کہا کہ میں نے اپنے بعض مشائخ کی تحریر میں دیکھا ہے کہ ایک آدمی نے اپنے کسی لڑکے کے لئے اس کے حصے کے بقدر ایک گھر مقرر کردیا بایں طور کہ باپ کے انتقال کے بعد اس کو میراث نہیں ملے گی تو جائز ہے، ابو جعفر محمد بن یمانی نے اسی پر فتوی دیا ہے)۔

نیز اس میں شرعی وارثین کا تعاون ہے کہ اس طرح کے وصیت نامے کے ذریعہ ان کے حق و حصے کے ملنے کی صورت پیدا ہورہی ہے، اللہ تعالی نے نیکی وتقوی پر تعاون کا حکم دیا ہے۔"وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان" (المائدہ:۲) (نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کا تعاون کرو اور گناہ وظلم پر ایک دوسرے کا تعاون مت کرو)۔

اسی طرح جہاں قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے وارثین کا بہت بڑا نقصان ہوتا ہے، جس کا ازالہ از روئے شرع ضروری ہوتا ہے، الاشباہ والنظائر میں فقہ کا مشہور قاعدہ موجود ہے،"الضرر يزال" (الاشباہ والنظائر ص ۱۳۹) (ضرر کو دور کیا جائے گا)۔

لہذا مذکورہ بنیادوں پر بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مورث، ورثہ کے حصص شرعیہ کے مطابق وصیت نامہ لکھ دے تو

☆ صدر مدرس، جامعہ مظہر العلوم، بنارس۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درست ہے،علامہ ابن قدامہ مقدسی نے ''المغنی''میں اس طرح کی وصیت کے صحیح ہونے کا رجحان پیش کیا،تحریر فرماتے ہیں:

''وإن أوصى لكل وارث بمعين من ماله بقدر نصيبه، كرجل خلف ابنا وبنتا وعبدا قيمته مأة وجارية قيمتها خمسون فوصى لابنه بعبده ولابنته بأمته، احتمل أن تصح الوصية، لأن حق الوارث في القدر لا في العين'' (المغنی ۸؍۳۹۷)۔

(اگر کسی نے ہر وارث کے لئے اپنے متعین مال کی اس کے حصے کے بقدر وصیت کی،مثلاً ایک شخص کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے،اور اس کے پاس ایک غلام ہے جس کی قیمت سو روپے ہے،اور ایک باندی ہے جس کی قیمت پچاس روپے ہے،اور اس نے اپنے لڑکے کے لئے غلام کی اور لڑکی کے لئے باندی کی وصیت کردی تو احتمال ہے کہ وصیت درست ہوگی، اس وجہ سے کہ وارث کا حق،مقدار میں ہے نہ کہ عین شی میں)۔

۲- اس طرح کا وصیت نامہ لکھنا حدیث نبوی ﷺ ''لا وصية لوارث'' کے خلاف نہیں ہے،اس وجہ سے کہ اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ ہر وارث کو برابر حصہ ملے،کسی کو زیادہ نہ ملے تاکہ دیگر ورثہ کو تکلیف نہ پہنچے،یہی وجہ ہے کہ اگر ورثہ، کسی وارث کے لئے وصیت کی اجازت دے دیں تو درست ہے،علامہ ابن حجر فتح الباری میں رقم طراز ہیں:

''والمراد بعدم صحة وصية الوارث عدم اللزوم ، لأن الأكثر على أنها موقوفة على اجازة الورثة''(فتح الباری ۵؍۳۷۲)(وارث کی وصیت کے عدم صحت سے مراد عدم لزوم ہے،اس وجہ سے کہ اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ وہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے)۔

بعض روایات میں وارث کے لئے وصیت کے صحیح ہونے کے لئے ورثہ کی رضامندی کی صراحت موجود ہے۔

''عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ: لا تجوز الوصية لوارث إلا أن يشاء الورثة'' (عمدۃ القاری ۱۴؍۳۸)(حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے الا یہ کہ ورثہ اس کو چاہیں)۔

نیز علماء نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ وارث کے لئے وصیت کی ممانعت،حق ورثہ کے سبب ہے،اگر ورثہ اس کی اجازت دے دیں تو وہ درست ہوجاتی ہے،علامہ خطابی تحریر فرماتے ہیں:

''وانما تبطل الوصية للوارث قول اكثر اهل العلم من أجل حقوق سائر الورثة فاذا أجازوا جازت''(معالم السنن ۳؍۱۵۰)(وارث کے لئے وصیت اکثر اہل علم کے قول کے مطابق بقیہ تمام ورثہ کے حقوق کے سبب باطل ہوتی ہے،لہٰذا اگر وہ اجازت دے دیں تو جائز ہے)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

"لان امتناع الجواز كان لحقهم لما يلحقهم من الأذى والوحشة بايثار البعض ولا يوجد ذلک عند الاجازة، وفي بعض الروايات عنه عليه الصلاة والسلام انه قال: لا وصية لوارث الا أن يجيزها الورثة" (بدائع الصنائع ۶/۳۳۴)۔

(اس وجہ سے کہ ممانعت جواز، ورثہ کے حق کے سبب ہے، کیونکہ کچھ لوگوں کو ترجیح دینے سے دیگر ورثہ کو رنج و ملال ہوگا، اور اجازت کی صورت میں ایسا نہیں ہوگا، بعض روایات میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وارث کے لئے وصیت نہیں ہے، الا یہ کہ ورثا اس کی اجازت دے دیں)۔

ان ساری تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ وارث کے لئے وصیت کی ممانعت، محض اس وجہ سے ہے کہ ورثہ کا حق تلف نہ ہو، اسی وجہ سے ان کی اجازت ہونے کی صورت میں اسے درست قرار دیا گیا ہے، جن ممالک میں قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں اگر کوئی مورث اپنے ورثہ کو ان کا حق ان کے حصص شرعی کے مطابق بذریعہ وصیت دلانا چاہتا ہے تو بدرجہ اولی درست ہوگا، اور اس طرح کا وصیت نامہ لکھنا حدیث نبوی ﷺ "لا وصية لوارث" کے خلاف نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ اس میں ورثہ کی منفعت ملحوظ ہے نہ کہ مضرت، جس سے ورثہ لازمی طور پر بغیر کسی لیت ولعل کے رضامند رہیں گے۔

۳- حدیث نبوی ﷺ: "لاوصية لوارث" کا مقصد یہ ہے کہ وصیت کے ذریعہ کسی وارث کو زائد حصہ نہ دلایا جائے، لیکن اگر کسی نے وصیت کے ذریعہ اپنے ورثہ کو ان کا حصہ شرعی دلانے کا قصد کیا تو یہ صورت اس ممانعت کے دائرے میں نہیں آئے گی، اس وجہ سے کہ شریعت کی تو منشاء ہی یہ ہے کہ وارثین تک ان کا حق شرعی پہونچے، نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ آدمی کے ورثہ مالدار وخوشحال ہوں نہ کہ فقیر و بدحال، جیسا کہ حضرت سعدؓ کی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑنا زیادہ بہتر ہے، بنسبت اس بات کے کہ تم ان کو محتاج چھوڑو کہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے رہیں۔

اسی وجہ سے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی اجازت نہیں دی گئی تا کہ ورثہ کا حق متاثر نہ ہونے پائے، چنانچہ علامہ جصاص رازی مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں اس بات کی صراحت فرمائی ہے:

"فاخبر أن منع الوصية بأكثر من الثلث انما لحق الورثة" (احکام القرآن ۲/۹۹) (اس سے معلوم ہوا کہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی ممانعت، صرف ورثہ کے حق کے سبب ہے)۔

اسی حق ورثہ کے سبب ایک تہائی سے زائد کی وصیت کرنا شرعا درست نہیں ہے، الا یہ کہ ورثا اس کی اجازت دے دیں، تکملہ البحر الرائق میں ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"لا تصح بمازاد علی الثلث، والمراد بعدم الصحة عدم النفاذ حتی لا ینفذ بل یتوقف علی الاجازة" (تکملہ البحر الرائق ۸ / ۴۶۲) (ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت صحیح نہیں ہے، عدم صحت سے مراد عدم نفاذ ہے، یہاں تک کہ وہ نافذ نہیں ہوگی بلکہ اجازت پر موقوف ہوگی)۔

۴- جن غیر مسلم ممالک میں اسلامی قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے طور پر احکام میراث کے مطابق شرعی وارثین کو حق وحصہ دیں، نیز وہاں کے علماء مسلم عوام میں اس کی اہمیت کو اجاگر کریں تا کہ ہر کس و ناکس اس کا پابند ہو سکے، دوسری صورت یہ ہے کہ وہاں کی حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ عدالتوں میں بھی مسلمانوں کے مسائل شریعت کی روشنی میں حل کئے جائیں، تیسری صورت یہ ہے کہ مورث اپنی زندگی ہی میں ورثہ کے حصص شرعیہ کے مطابق بیع نامہ لکھ دے یا انہیں ہبہ کر کے اس پر قبضہ دلا دے۔

۵- اگر کسی غیر مسلم ملک میں مسلم اور غیر مسلم قرابت داروں کے درمیان وراثت جاری کرنے کا قانون ہو اور مسلم کا غیر مسلم کو اور غیر مسلم کا مسلم کو ترکہ دیا جاتا ہو اور اگر مسلم نہ لے تو اس ترکہ کو غیر مسلم ورثہ میں تقسیم کر دیا جاتا ہو تو مسلم وارث کو چاہئے کہ ملکی قانون کے تحت ملنے والے اس مال کو لے لے، ایسا کرنا اس کے لئے شرعاً درست ہوگا، امام ابو یوسفؒ نے غیر مسلم کے مال کو اس کی رضامندی سے لینے کو جائز بتایا ہے، آپ نے کہا: "فبأی وجه أخذ أموالهم برضامنهم فهو جائز" (الرد علی سیر الاوزاعی رص ۹۶، بحوالہ بحث ونظر رص ۸۵، شمارہ ۹۲ - ۱۹۳ پریل، ستمبر ۲۰۱۳)۔

(جس طرح بھی غیر مسلموں کا مال ان کی رضامندی سے لیا جائے جائز ہے)۔

البتہ عام حالات میں نہ کافر، مسلم کا وارث ہوگا اور نہ مسلم کافر کا، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا واضح ارشاد ہے:

"لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" (صحیح البخاری مع ارشاد الساری ۹ / ۴۴۴)۔

(مسلمان، کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا)۔

کافر کے مسلم کے وارث نہ ہونے پر اتفاق ہے، رہا مسلم کے کافر کے وارث ہونے کا مسئلہ تو اس سلسلے میں اختلاف ضرور ہے، لیکن جمہور صحابہ، تابعین اور بعد کے علماء کا خیال مذکورہ نص صریح کی بنیاد پر یہی ہے کہ مسلم بھی کافر کا وارث نہیں ہوگا، علامہ ملا علی قاریؒ نے "مرقاۃ المفاتیح" میں امام نووی کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے:

"قال النووی رحمه الله: أجمع المسلمون علی أن الکافر لا یرث المسلم وأما المسلم من الکافر ففیه خلاف فالجمهور من الصحابة و التابعین ومن بعدهم علی أنه لا یرث أیضا، وذهب معاذ بن جبل و معاویة وسعید بن المسیب ومسروق رحمهم الله وغیرهم إلی انه یرث من الکافر،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واستدلوا بقوله علیه الصلوة والسلام: الإسلام یعلو ولا یعلی علیه، و حجة الجمهور هذا الحدیث الصریح والمراد من حدیث الاسلام فضل الاسلام علی غیره ولیس فیه تعرض للمیراث فلا یترک النص الصریح" (مرقاۃ المفاتیح ۶/۱۶۸)

(امام نوویؒ نے کہا: مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر، مسلمان کا وارث نہیں ہوتا ہے رہا یہ کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا یا نہیں، تو اس سلسلے میں اختلاف ہے، جمہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے علماء کا خیال ہے کہ وہ بھی وارث نہیں ہوگا، معاذ بن جبل، معاویہ، سعید بن المسیب، اور مسروقؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ اسلام غالب ہوتا ہے، مغلوب نہیں رہتا، جمہور کی دلیل یہی صریح حدیث "لا یرث المسلم" ہے، اور "الاسلام یعلو" سے مراد یہ ہے کہ اسلام کو دیگر مذاہب پر فضیلت حاصل ہے، اور اس میں میراث کا تذکرہ نہیں ہے، لہذا نص صریح کو ترک نہیں کیا جائے گا)۔

۶- اگر کسی مورث نے اپنی حیات ہی میں اولاد کے درمیان رفع نزاع کے خیال سے شرعی حصے مقرر کر دیئے کہ اس کے انتقال کے بعد اسی تفصیل کے مطابق ترکہ تقسیم کیا جائے، تو ایسا کرنے کی "الاشباہ والنظائر" کے مندرجہ ذیل جزیئے سے اجازت معلوم ہوتی ہے۔

"قال العباس الناطفی: رأیت بخط بعض مشائخنا فی رجل جعل لأحد ابنیه دارا بنیصبه علی أن لا یکون له بعد موت الأب میراث جاز وأفتی به أبوجعفر محمد بن الیمانی" (الاشباہ والنظائر ص ۴۰۷) (عباس ناطفی نے کہا کہ میں نے اپنے بعض مشائخ کی تحریر میں دیکھا ہے کہ ایک آدمی نے اپنے کسی لڑکے کے لئے اس کے حصہ کا ایک گھر مقرر کر دیا بایں طور کہ باپ کے انتقال کے بعد اس کو میراث نہیں ملے گی تو جائز ہے، ابوجعفر محمد بن یمانی نے اسی پر فتوی دیا ہے)۔

اسی طرح "المغنی لابن قدامہ" سے بھی اس کی اجازت ظاہر ہوتی ہے۔

"وان أوصی لکل وارث بمعین من ماله بقدر نصیبه، کرجل خلف ابنا وبنتا وعبدا قیمته مأة وجاریة قیمتها خمسون فوصی لابنه بعبده ولابنته بأمته، احتمل ان تصح الوصیة، لأن حق الوارث فی القدر لافی العین" (المغنی ۸/۳۹۶) (اگر کسی نے ہر وارث کے لئے اپنے متعین مال کی اس کے حصے کے بقدر وصیت کی، مثلاً ایک شخص کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، اور اس کے پاس ایک غلام ہے جس کی قیمت سو روپے ہے اور ایک باندی ہے جس کی قیمت پچاس روپے، اور اس نے اپنے لڑکے کے لئے غلام کی اور لڑکی کے لئے باندی کی وصیت کر دی تو احتمال ہے کہ وصیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درست ہوگی، اس وجہ سے کہ وارث کا حق مقدار میں ہے نہ کہ عین شی میں)۔

البتہ وصیت میں ورثہ کی اجازت ضروری ہے، اگر ورثا اجازت نہ دیں تو یہ درست نہیں ہوگا، المغنی میں ہے:

"ان الانسان اذا اوصی لوارثه بوصية فلم يجزها سائر الورثه لم تصح بغير خلاف بين العلماء" (المغنی ۳۹۶/۸) (اگر آدمی نے اپنے وارث کے لئے وصیت کی اور بقیہ ورثہ نے اس کی اجازت نہیں دی تو درست نہیں ہے، علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے)۔

۷- یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وارث کے حق میں وصیت اس وقت معتبر ہوگی جبکہ ورثا اس کی اجازت دے دیں، لیکن اس سے مراد وہ اجازت ہے جو مورث کے انتقال کے بعد دی گئی ہو، مورث کی زندگی میں ورثہ کی اجازت معتبر نہیں ہے، درمختار میں ہے: "لا تعتبر اجازتهم حال حياته أصلا بل بعد وفاته" (درمختار ۳۴۰/۱۰) (مورث کی حیات میں ورثہ کی اجازت بالکل ہی معتبر نہیں ہوتی، بلکہ اس کی وفات کے بعد کی اجازت کا اعتبار ہوتا ہے)۔

ردالمختار میں "بزازیہ" کے حوالے سے ہے:

"وفي البزازيه: تعتبر الاجازة بعد الموت لاقبله" (ردالمختار ص ۳۴۰) (موت کے بعد کی اجازت معتبر ہوتی ہے نہ کہ اس سے پہلے کی)۔

چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنی کسی اولاد کی خدمت یا اس کی مجبوری کو دیکھتے ہوئے تمام ورثہ کی رضامندی سے اس کے حق میں وصیت نامہ بنا دیا اور اس پر دوسرے ورثہ کے دستخط حاصل کر لئے، ہبہ نامہ نہیں بنایا تاکہ وہ شی اس کے اختیار سے باہر نہ چلی جائے تو یہ رضامندی کافی نہیں ہوگی اور نہ اس کی موت کے بعد یہ وصیت نافذ ہوگی، مجمع الانہر میں ہے:

"ولا تعتبر اجازة الورثة فی حال حياة الموصی حتی كان لهم ان يرجعوا بعد موت الموصی" (مجمع الانہر ۴۱۹/۴) (موصی کی حیات میں ورثہ کی اجازت معتبر نہیں ہوتی، یہاں تک کہ انہیں اس بات کا حق ہے کہ موصی کی موت کے بعد اپنے قول سے پھر جائیں)۔

شرح وقایہ میں ہے:

"والمعتبر هو الاجازة بعد الموت ولا معتبر بالإجازة قبل الموت، حتى لو أجازوا قبل الموت فلهم أن يرجعوا عنها" (برجندی شرح الوقایہ ۱۴۰/۴) (معتبر تو موت کے بعد کی اجازت ہے، موت سے پہلے کی اجازت کا اعتبار نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر انہوں نے موت سے پہلے اجازت دی تو انہیں اس اجازت سے پھر جانے کا اختیار ہے)۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ ورثہ کی وہ اجازت معتبر ہے جو مورث کے انتقال کے بعد ہو، مورث کی زندگی میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کی اجازت غیر معتبر قرار دی جائے گی، اور انہیں مورث کے انتقال کے بعد سابقہ اجازت سے مکرنے کا اختیار ہوگا۔

۸- اگر کوئی شخص لاولد ہے اور اس کی بیوی کے علاوہ کوئی وارث بھی نہیں ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ اس کے انتقال کے بعد اس کی ساری جائداد اس کی بیوی کو مل جائے، اس کے لئے اگر اس نے اپنی بیوی کو وصیت کر دی تو درست ہے، ردالمحتار میں ہے: "كونه غير وارث اى ان كان ثمة وارث آخر والاتصح كما لو أوصى أحد الزوجين للآخر ولا وارث غيره" (ردالمحتار ۱۰/ ۳۳۷) (وصیت کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ جس کے لئے وصیت کی جائے وہ غیر وارث ہو، یعنی جبکہ کوئی دوسرا وارث ہو، ورنہ صحیح ہے جیسا کہ زوجین میں سے کسی نے دوسرے کے لئے وصیت کی اور اس کے علاوہ کوئی وارث نہ ہو)۔

۹- اگر کسی مرنے والے نے وارث یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کر دی، جبکہ اس کی زندگی میں دوسرے ورثہ اس پر رضامند ہو گئے ہوں تو یہ وصیت معتبر نہیں ہوگی، الا یہ کہ اس کے انتقال کے بعد ورثہ راضی ہو جائیں، اس وجہ سے کہ وارث کے لئے وصیت کرنا یا غیر وارث کے لئے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا حق ورثہ کے سبب منع ہے، ورثہ کی اجازت کے بعد یہ ممانعت ختم ہو جاتی ہے، اس لئے وارث یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا بعد از اجازت ورثہ درست ہوگا، ہدایہ میں ہے:

"ولا تجوز بمازاد على الثلث إلا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار، لأن الامتناع لحقهم وهم أسقطوه" (ہدایہ ۴/ ۶۵۵) (ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ ورثہ مورث کے انتقال کے بعد بحالت بلوغ اس کی اجازت دے دیں اس وجہ سے کہ ممانعت ورثہ کے حق کے سبب ہے، اور انہوں نے اس حق کو ساقط کر دیا)۔

تکملہ البحر الرائق میں ہے:

"وانما لا تصح وصيته بمازاد على الثلث إذا لم تجز الورثة وان أجازوه صحت وصيته" (تکملہ البحر الرائق ۸/ ۴۶۰) (مورث کی ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت درست نہیں ہے جب تک کہ ورثہ نے اجازت نہ دی ہو اور اگر انہوں نے اجازت دے دی تو اس کی وصیت درست ہے)۔

المغنی میں ہے:

"ان الوصية لغير الوارث تلزم في الثلث من غير اجازة ومازاد على الثلث يقف على إجازتهم فإن أجازوه جاز وان ردوه بطل في قول جميع العلماء" (المغنی لابن قدامہ ۸/ ۴۰۴)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(غیر وارث کے لئے ایک تہائی میں وصیت بغیر کسی اجازت کے لازم ہوتی ہے، اور ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت، ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے، اگر وہ اجازت دے دیں تو جائز اور اگر رد کر دیں تو باطل، یہ سبھی علماء کا قول ہے)۔

حاصل یہ کہ وارث یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا درست نہیں ہے، الا یہ کہ ورثہ اس کی اجازت دے دیں۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وارثین کے لئے وصیت سے متعلق چند مسائل

مفتی انور علی اعظمی ☆

۱-قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"کتب علیکم إذا حضر احدکم الموت ان ترک خیر ان الوصیة للوالدین والأقربین بالمعروف حقاً علی المتقین" (سورہ بقرہ:۱۸۰) (فرض کیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں سے موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا، ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ، یہ حکم لازم ہے پرہیز گاروں پر)۔

وصیت کے متعلق جو آیات قرآن پاک میں ذکر کی گئی ہیں، ان میں یہ آیت کریمہ بہت اہم اور انتہائی واضح ہے، اس آیت میں والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کا حکم ہے اور یہ حکم اصح قول کے مطابق میراث کی آیات اترنے سے پہلے واجب تھا، جب ورثہ کے حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردیئے گئے تو وصیت کا مذکورہ حکم منسوخ ہوگیا، جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

حاکم نے مستدرک میں بھی اس مضمون کی حدیث ذکر کی ہے، اور یہ کہا ہے: "صحیح علی شرطهما " (تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۱۷)۔

علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ ذکر کیا ہے:

"والعجب من ابی عبداللہ محمد بن عمر الرازی رحمه الله كيف حكى فى تفسيره الكبير عن ابی مسلم الاصفهانی ان هذه الآية غير منسوخة وانما هی مفسرة بآية المواريث ومعناه كتب عليكم ما اوصى الله به من توريث الوالدين والاقربين من قوله (يوصيكم الله فی اولادكم) قال وهو قول اكثر المفسرين والمعتبرين من الفقهاء" (۲/۲۱۷)۔

علامہ ابن کثیر کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام رازی اس آیت کو منسوخ نہیں مانتے ہیں، بلکہ میراث کی آیتوں

☆ مفتی دار العلوم، مئو (یوپی)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو اس کی تفسیر مانتے ہیں، اور یہ مطلب نکالتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حصے متعین کئے ہیں ان کے مطابق ورثہ کو دینا تمہارے اوپر فرض ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وصیت کی مذکورہ آیت اور میراث کی آیات کا منشا ایک ہے کہ ورثہ کو ان کے متعین حصے دلائے جائیں۔

لہٰذا جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث نافذ نہیں ہے، اور ان ملکوں میں بغیر وصیت کے حقداروں کو ان کا حق ملنا مشکل ہے، تو ایسی جگہوں پر وصیت کرنا قرآن پاک کے منشاء کو پورا کرنا ہے۔ وصیت نہ کرنے کی صورت میں آیات میراث پر بھی عمل مشکل ہے، جب ملکی قانون حصہ داروں کو ان کا حصہ پانے سے روک دے گا، تو جو اثر رسوخ والا ہوگا اپنے ذرائع استعمال کر کے ساری جائداد پر قبضہ کر لے گا۔ کمزور اور نابالغ ورثہ اپنے شرعی حصوں سے محروم ہو جائیں گے، یہ صورت حال شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے ورثہ کو مالدار بنا کر چھوڑو، یہ زیادہ بہتر ہے بمقابلہ اس کے کہ ان کو فقیر بنا کر چھوڑو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ "انک ان تذرھم ورثک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالۃً یتکففون الناس" (ترمذی شریف ۱/ ۳۴۳)۔

اس لئے حفظ ماتقدم کے طور پر ایسے ملکوں میں وصیت کرنا ضروری ہے، البتہ وصیت میں اس بات کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے کہ مورث کی طرف سے من مانی نہ ہو، بعض ورثہ کے ساتھ اضرار کا عمل نہ ہو، بلکہ وصیت شرعی حصص کے مطابق ہو، اس لئے کہ مورث کو وصیت کی اجازت اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دی جا رہی ہے۔

۲- "لا وصیۃ لوارث" الحدیث کا منشا یہ ہے کہ جب آیات میراث اتر چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سارے ورثہ کے حصہ متعین کر دیے ہیں تو اپنی طرف سے کسی وارث کے لئے اس کے حصہ سے زیادہ کی وصیت کرنا اور کسی وارث کے لئے اس کے حصہ سے کم کی وصیت کرنا اللہ تعالیٰ کی تقسیم سے اعراض اور انحراف ہے، کیونکہ اس میں دوسرے ورثہ کا نقصان ہے۔ اللہ کے حکم کو پس پشت ڈال کر اپنے نفس کی خواہش پوری کرنا ہے، اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے ایسا کرنے والے شخص پر قدغن لگائی اور اس کی وصیت کو باطل قرار دیا، اور ہم جس مسئلہ میں بحث کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ملکی قانون ورثہ کو اللہ تعالیٰ کا متعین کردہ حق دینے سے روکتا ہے، اس حق کو دلانے کا راستہ ایسے ملکوں میں شرعی حصوں کے مطابق وصیت کرنا ہے، اسکے بغیر ورثہ کو ان کا حق نہیں مل سکتا، اس لئے ان ملکوں میں وصیت کرنا آیات میراث پر عمل کرانے میں معین اور ممد ہے، جبکہ ان ملکوں میں جہاں قانون میراث نافذ ہے وہاں وصیت کرنا شرعی حصوں میں کمی بیشی کرنے کا سبب ہو سکتا ہے، لہٰذا ایسے ملکوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں وصیت کرنا ''لا وصية لوارث '' کے معارض نہیں ہوگا، بلکہ اس کے مقصد کو پورا کرنے کے مترادف ہوگا، کیونکہ موصی اپنے ورثہ کو شرعی حصہ دلانے کے لئے اور آیات میراث کے تقاضے پورا کرنے کے لئے ہی وصیت کرر ہا ہے، اور اتنے ہی کی وصیت کرر ہا ہے جو ورثہ کا شرعی حق بنتا ہے، البتہ اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ موصی وصیت سے پہلے ارباب افتاء سے حصہ داروں کے حصوں کی تخریج کرالے اور اگر وصیت تحریر کرنے کے بعد کسی وارث کے انتقال کر جانے سے حصوں میں تبدیلی رونما ہوتی ہے تو اس کے مطابق اپنی وصیت میں بھی تبدیلی کر دے، تا کہ اصل مقصد میں کوئی فرق نہ پڑے۔

۳- حدیث: ''لا وصية لوارث '' کا مورد اور مقصد صرف وہی وصیت ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد کا مالک بنانا ہے، وہ وصیت اس ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی، جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں تقریباً سوا لاکھ صحابہ کے سامنے فرمایا: ''ان الله أعطى لكل ذى حق حقه فلا وصية لوارث أخرجه الترمذى وقال :هذا حديث حسن صحيح'' (معارف القرآن ۱؍۴۴۰)۔

حدیث کے الفاظ میں غور کرنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے وارث کے لئے وصیت کرنے کی جو ممانعت فرمائی ہے اس کی بنیاد یہ ہے کہ میراث میں سارے ورثہ کے حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیئے ہیں، لہٰذا اب اپنی طرف سے کمی بیشی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس لئے جن ملکوں میں قانون میراث نافذ نہیں ہے، اگر وہاں کوئی شخص اپنے ورثاء کو ان کا شرعی حصہ دلانے کے لئے وصیت کرتا ہے تو وہ حقداروں کو ان کا حق دلانے کی کوشش کرتا ہے، اس کی یہ وصیت ورثاء کے حصوں میں کمی بیشی کرنے کے لئے نہیں ہے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث: ''لا وصية لوارث '' کے منافی نہیں ہے۔

۴-الف: غیر مسلم ممالک میں قانون میراث کو جاری کرانے کی مزید کیا شکلیں ہوسکتی ہیں، تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ وہاں مسلم پرسنل لاء کو منظور کرانے کی جدو جہد کی جائے۔

ب-مورث اپنے لئے بقدر ضرورت جائداد یا رقم الگ کر کے بقیہ مال اور جائداد اپنے ورثہ کو ان کے شرعی حصوں کے مطابق ہبہ کر دے۔

۶- مورث نے اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان حصے متعین کر دیا، اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کے گزرنے کے بعد اسی تفصیل کے مطابق ترکہ تقسیم کیا جائے تا کہ اس کی اولاد کے درمیان کسی طرح کا اختلاف اور نزاع نہ ہو۔ اس صورت میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ مورث کو حق میراث کا تناسب ملحوظ رکھنا چاہئے۔

اگر مورث نے اس تقسیم میں شرعی حصوں سے ہٹ کر وصیت کی تو اس کا یہ عمل ''لا وصية لوارث'' کے منشاء کے خلاف ہوگا۔

مورث کے عدل وانصاف کے باوجود مذکورہ مسئلے میں وصیت اسی صورت میں معتبر ہوگی جب ورثہ اس سے اتفاق کریں۔

مذکورہ صورت میں جب ان کے مورث نے ان کے ساتھ انصاف کیا ہے، اور ہر وارث کو اس کا پورا پورا حصہ وصیت میں دیا ہے، کسی وارث کو نقصان پہونچانے کا ارادہ نہیں کیا ہے، تو ورثہ کی نیک بختی اور سعادت مندی یہ ہے کہ اس کو قبول کرلیں۔

ہاں لیکن وصیت بہرحال وصیت ہے، اگر ورثاء اس سے اتفاق نہیں کریں گے تو وہ وصیت نافذ نہیں ہوگی اور شرعی بٹوارہ کرنا ہوگا۔

۷- ایک شخص نے اپنی کسی ایک اولاد کی خدمت یا اس کی مجبوری کو دیکھتے ہوئے تمام ورثاء کی رضامندی سے اس کے حق میں وصیت نامہ بنادیا اور اس نے دوسرے ورثاء کے دستخط حاصل کرلئے، ہبہ نامہ نہیں بنایا تا کہ وہ شے اس کے اختیار سے باہر نہ چلی جائے تو اس صورت میں مورث کی موت کے بعد یہ وصیت اسی صورت میں نافذ ہوگی جبکہ ورثاء موت کے بعد اس سے اتفاق کریں اور اخلاقی طور پر انھیں ایسا ہی کرنا چاہئے، کیونکہ انھوں نے وصیت نامہ پر دستخط کیا ہے۔ لیکن اگر ورثاء نے مورث کی موت کے بعد اس وصیت نامہ سے اختلاف کیا تو وہ وصیت نافذ العمل نہیں ہوگی (مختصر قدوری کتاب الوصایا)۔

''ولا تجوز الوصية للوارث إلا أن يجيزها الورثه يعنى بعد موته وهم اصحاء بالغون، لأن الامتناع لحقهم فيجوز باجازتهم ولماروى ابن عباس انه عليه السلام قال: لا تجوز وصية لوارث الا أن يشاء الورثة، ولا تعتبر اجازتهم فى حال حياته كذافى المعتبرات'' (مختصر القدوری کتاب الوصایا)۔

اختلاف کی صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ مذکورہ وصیت سے سارے ورثہ اختلاف کرتے ہیں یا بعض، اگر بعض اختلاف کرتے ہیں تو اتفاق کرنے والوں کے حصہ سے وصیت نافذ کی جائے گی، اور اختلاف کرنے والوں کو ان کا حصہ پورا پورا دینا ہوگا۔

ہدایہ میں مذکور ہے: ''ولا تجوز لوارثه الا ان يجيزها الورثة ولو اجاز بعض ورد بعض تجوز على المجيز بقدر حصته لولايته عليه وبطل فى حق الراد'' (ہدایہ ۴/۶۴۱)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

۸- لا ولد ہونے کی صورت میں عام طور پہ یہ خدشہ ہوتا ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد گھر کے دوسرے لوگ بیوہ کو شوہر کے ترکہ سے بے دخل کردیں گے اور اس کو اس کا شرعی حق وحصہ نہیں دیں گے، اور اس کے لئے اپنی زندگی کا گزر بسر مشکل ہوجائے گا، بیوی بھی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتی ہے اور شوہر کو بھی فکر لاحق رہتا ہے۔ ان حالات میں اگر شوہر اپنی زندگی میں بیوی کے شرعی حصہ کے مطابق رجسٹرڈ وصیت کردے تو اس کا حصہ محفوظ ہوسکتا ہے، اور وہ اپنا شرعی حق وحصہ قانون کی مدد سے آسانی سے وصول کرسکتی ہے۔ ایسی وصیت کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر دیگر ورثہ شرعی بٹوارہ سے راضی ہیں تو بیوی کو ایک چوتھائی ملے گا، اور مرحوم شوہر نے اتنے ہی کی وصیت بھی کی ہے۔ بیوی ایسا نہیں کرسکتی کہ اپنا شرعی حصہ الگ لے اور وصیت کا حصہ الگ لے، کیونکہ لاوصیة لوارث کی بنا پر یہ وصیت غیر معتبر ہے اور اگر دیگر ورثہ اس کو اس کا حق دینے سے اعراض کریں گے تو عدالت چونکہ وصیت کو مانتی ہے، اس لئے اسے اپنا شرعی حصہ وصول کرنے میں اس وصیت سے مدد ملے گی اور وہ بے سہارا اور غیر محفوظ نہیں ہوگی۔

البتہ اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ شوہر بیوی کی طرفداری میں دوسرے ورثہ کو ضرر نہ پہونچائے۔ وصیت میں ضرر پہونچانا کبیرہ گناہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے صراحةً منع کیا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے: ''الاضرار في الوصية من الكبائر'' (السنن الکبریٰ للنسائی: ص ۳۲۵ ج ۶) اس لئے کہ جب بیوی کا حق محفوظ کرنے کے مقصد سے وصیت کررہا ہے تو اتنے ہی کی وصیت کرے جتنا اس کا حق بنتا ہے۔ اتنے کی وصیت کرنے کی صورت میں اسے ہر حال میں ملے گا، چاہے دیگر ورثہ شرعی بٹوارہ کے ذریعہ دیں یا وہ عدالت سے حاصل کرے۔

۹- اگر کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کردی جب کہ اس کی زندگی میں دیگر ورثہ اس پر رضامند ہوگئے، تو اس وصیت کے معتبر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مرنے کے بعد بھی ورثہ اس سے اتفاق کرے، محض زندگی کی رضامندی کافی نہیں۔

درمختار میں ہے: ''وتجوز بالثلث لأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث ذلك لاالزيادة عليه، إلا أن تعجيز ورثته بعد موته، ولا تعتبر اجازتهم حال حياته اصلا بل بعد وفاته'' (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الوصایا: ج ۱۰ ص ۲۷۹)۔

اس لئے کہ مورث کی زندگی میں ورثہ کا حق صادر نہیں ہوا تھا، لہٰذا ان کا اقرار بے معنی ہے۔ مورث کی موت کے بعد جب ان کا حق شرعاً ثابت ہوچکا ہے، اب ان کے اقرار اور انکار کا اعتبار ہوگا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: ''(ولا تعتبر) اى

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لانهاقبل ثبوت الحق لهم لان ثبوته عند الموت فكان لهم ان يردوه بعد وفاته بخلاف الاجازة بعد الموت، لانه بعد ثبوت الحق" (شامی علی الدر ۱۰/۲۷۹، مکتبہ دارالکتاب دیو بند)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق چند مسائل

مولانا بدر احمد مجیبی ندوی ☆

الحمد لله رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین وعلی آله وصحبه اجمعین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین۔

مورث کے انتقال کے بعد اس کے متروکہ مال کو شرعی حصص کے مطابق تمام وارثین میں تقسیم کرنا واجب ہے تاکہ وارثین کو ان کا شرعی حصہ مل جائے اور کسی کے حصہ میں کمی نہ ہو۔ میراث کے احکام اور وارثین کے حصوں کی تعیین اللہ تعالی نے خود کتاب اللہ میں تفصیل سے بیان کردی ہے، اس میں کوئی کمی یا تبدیلی کرنا درست نہیں ہے۔ شرعی حصوں کے مطابق میراث کی تقسیم کی ذمہ داری خود وارثین کی ہے، اگر یہ ان سے نہ ہوسکے تو علماء وفقہاء اور قضاۃ سے اس میں مدد لیں۔

جن ممالک میں میراث کا قانون اسلام کے نظام میراث کے مطابق نہیں ہے، بلکہ اس سے علیحدہ ہے وہاں کے مسلم باشندوں پر بھی لازم ہے کہ وہ میراث کی تقسیم میں اسلامی نظام میراث کو جاری کریں اور اسی کے مطابق میراث تقسیم کریں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالی کا فریضہ ہے۔ اس کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

۱- غیر اسلامی ممالک میں میراث کا اسلامی نظام جاری نہیں ہے مگر میت کی وصیت کا پورا خیال رکھا جاتا ہے اور اس کی تنفیذ کی جاتی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص یہ وصیت کر جائے کہ میری وفات کے بعد میرے متروکہ مال کو میرے وارثین میں اس طریقے پر تقسیم کیا جائے تو وہاں کی عدالت اس پر عمل کراتی ہے، لہذا اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں ایسا وصیت نامہ تیار کردے جس میں اپنے متوقع وارثین کے لئے ان کے شرعی حصوں کی صراحت کردی گئی ہو اور وضاحت سے لکھ دیا گیا ہو کہ فلاں فلاں اشخاص کو میری وفات کے بعد میرے متروکہ اموال میں سے اتنا اتنا دے دیا جائے تو یہ صورت جائز ہے اور اس طرح وصیت نامہ تیار کرانا درست ہے بلکہ بہتر اور اولی ہے۔ کیونکہ اس سے وارثین کو میت کے ترکہ میں سے ان کے شرعی حصے مل جائیں گے، البتہ مورث کے لئے ایسی وصیت مرتب کرنے کو واجب قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ شرعی طریقہ

☆ صدر مدرس المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء پھلواری شریف پٹنہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر تقسیم میراث کی ذمہ داری ورثہ کی ہے، مورث کی نہیں ہے، اس لئے مورث پر اس وصیت کا وجوب نہیں ہوگا۔

۲۔ اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا حدیث: "لاوصية لوارث" کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں کسی وارث کے لئے وصیت کی جو نفی کی گئی ہے اس کی علت یہ ہے کہ ایسی وصیت سے دوسرے وارثین کا حق متاثر ہوتا ہے، یعنی ان کا حصہ کم ہوجاتا ہے جس سے ان کو ضرر پہنچتا ہے، اسی لئے بعض حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے کہ اگر دیگر ورثہ اس کی اجازت دیدیتے ہیں تو وارث کے لئے وصیت درست ہوگی۔

"عن ابن عباس رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: لا تجوز الوصية لوارث إلا أن يشاء الورثة" (دارقطنی)۔

"وكذلك الوصية للوارث إنما امتنعت لحق باقي الورثة...ولأنه تعلق به حق الجميع على مابينا فإذا خص به البعض يتأذى الباقي ويثير بينهم الحقد والضغائن ويفضى الى قطيعة الرحم، فإذا أجازه بقية الورثة علمنا أنه لاحقدولاضغائن فيجوز" (الاختیار شرح المختار)۔

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وارث کے لئے وصیت درست نہ ہونے کی علت دیگر ورثہ کو ضرر لاحق ہونا ہے، اس لئے اگر ایسی کوئی صورت ہو جس میں دیگر ورثہ کو ضرر نہیں پہنچ رہا ہے تو یہ وصیت درست ہوگی۔ اسی لئے جب دوسرا کوئی وارث نہ ہو یا دوسرے ورثہ نے اجازت دیدی ہو تو یہ وصیت درست مانی جاتی ہے۔

غیر اسلامی ممالک میں شرعی حصوں کے مطابق وارثین کے لئے وصیت کرنے سے وارثین میں سے کسی کو اس کے شرعی حصہ سے زیادہ نہیں ملے گا بلکہ سب کو شرعی حصہ کے مطابق ملے گا تو کسی کو ضرر نہیں پہنچے گا اور نہ کسی کا حق متاثر ہوگا، لہذا یہ وصیت اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

۳۔ حدیث نبوی: " لا وصية لوارث" کا مورد ایسی وصیت ہے جس میں کسی وارث کو اس کے حصے سے زیادہ دلانا مقصود ہو اور حدیث میں اسی کی نفی کی گئی ہے۔ خود حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے کہ اللہ تعالی نے ہر حق والے کو اس کا حق دیدیا ہے، اس لئے کسی وارث کے لئے وصیت نہیں ہوگی۔ یعنی جب وارث کو اس کا حق یعنی حصہ شرعی مل رہا ہے تو اب وصیت کے ذریعہ اس کو ترکہ میں سے مزید دینا درست نہیں ہے۔

"عن أبى أمامة الباهلي قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول فى خطبته عام حجة الوداع: إن الله قد أعطى كل ذى حق حقه، فلا وصية لوارث" (ترمذی)۔

۴۔ جن ممالک میں اسلامی احکام نافذ نہیں ہیں وہاں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہاں کی حکومتوں سے اس کو منظور کرانے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوشش کریں کہ مسلمانوں کے خاص عائلی مسائل نکاح وطلاق، ہبہ ووصیت، میراث وغیرہ جن کو احوال شخصیہ یا مسلم پرسنل لاء کہا جاتا ہے ان مسائل میں عدالت مسلمانوں کے مقدمات میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کو باقاعدہ قانونی اعتبار سے دستور میں شامل کرالیا جائے۔ اس سے ان ممالک میں اسلامی قانون میراث کا اجراء ہوسکتا ہے۔

۵- غیر مسلم ملک میں اگر حکومت کی طرف سے کسی مسلمان کو اس کے غیر مسلم رشتہ دار کے ترکہ میں سے حصہ دیا جارہا ہے تو وہ شرعی طور سے اس کا مستحق نہ ہونے کے باوجود اس کو لے سکتا ہے، کیونکہ وہ اس کا مطالبہ نہیں کررہا ہے، حکومت اس کو خود دے رہی ہے یا دوسرے غیر مسلم رشتہ دار دے رہے ہیں اور غیر مسلم ملک میں غدر اور دھوکہ کے بغیر کسی مسلمان کو کوئی مال ملے تو اسے لینا جائز ہے۔

"ولأن مالهم مباح، وإطلاق النصوص فی مال محظور، وإنما يحرم على المسلم إذا كان بطريق الغدر فإذا لم يأخذ غدرا فبأی طريق يأخذه حل بعد كونه برضا "(فتح القدیر)۔

"ولأن مالهم مباح وبعقد الأمان لم يصر معصوماً إلاأنه التزم أن لايغدرهم ولا يتعرض لما فی أيديهم بدون رضاهم فإذا أخذهم برضاهم فقد أخذ مالا مباحا بلا غدر فيملكه بحكم الإباحة السابقة" (تبیین الحقائق والبحر الرائق باب السلم)۔

۶- بعض لوگ اختلاف سے بچنے کے لئے اپنی زندگی میں ہی اولاد کے درمیان اپنے تمام مال وجائیداد کو تقسیم کردیتے ہیں کہ ہر ایک کا حصہ مقرر دیا جاتا ہے، مگر زندگی میں اس کو ہبہ نہیں کرتے بلکہ چاہتے یہ ہیں کہ ان کی وفات کے بعد ان کے منشا کے مطابق ترکہ کی تقسیم ہو، اگر اس میں تمام وارثین کو ان کے حصہ شرعی کے مطابق دیا گیا ہے، کسی وارث کو چھوڑا نہیں گیا ہے، نہ کسی کا حصہ شرعی کم کیا گیا ہے تو ایسی وصیت درست ہے، اس میں شرعی اعتبار سے کوئی خرابی نظر نہیں آتی، کیونکہ اگر یہ وصیت نہ ہو جب بھی شرعی طریقہ سے تقسیم میراث میں ہر وارث کو اسی قدر حصہ ملے گا، جیسا انہوں نے وصیت میں مقرر کیا ہے۔

البتہ اگر اس وصیت میں کسی وارث کو بالکلیہ چھوڑ دیا گیا ہے یا کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے کم دیا گیا ہے تو ایسی وصیت درست نہیں ہوگی اور اس کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ اس سے بعض ورثہ کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

۷- وارث کے حق میں وصیت درست نہیں ہے، البتہ اگر دیگر ورثہ اس کی اجازت دیدیں تو اس کا اعتبار ہوگا اور وصیت نافذ ہوجائے گی، مگر مورث کی وفات کے بعد ورثہ اجازت دیں تو اس کا اعتبار ہوگا، مورث کی حیات میں دی ہوئی اجازت کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعتبار نہیں ہے۔

اس لئے جب کوئی شخص اپنی زندگی میں کسی خاص وارث کی مجبوری یا اس کی خدمت دیکھتے کو ہوئے اس کے لئے حصہ میراث کے علاوہ کچھ مزید حصہ وصیت کے طور پر دینا چاہتا ہے اور اس کے لئے اس نے وصیت نامہ بنادیا ہے جس پر اپنی زندگی میں ہی دوسرے وارثین کی رضامندی سے ان سے دستخط بھی کرالیا تو وصیت نامہ اس وقت نافذ ہوگا جب اس کی موت کے بعد بھی تمام ورثہ اس رضامندی پر قائم رہتے ہیں۔ اگر مورث کی وفات کے بعد ورثہ اس وصیت نامہ کو قبول نہیں کرتے ہیں تو یہ نافذ نہیں ہوگا۔ "ولاتعتبر إجازتهم حال حياته أصلا بل بعد وفاته "(الدرالمختار)۔

"قوله ولايعتبر الخ أى لأنها قبل ثبوت الحق لهم لأن ثبوته عند الموت، فكان لهم أن يردوه بعد وفاته بخلاف الإجازة بعد الموت لأنه بعد ثبوت الحق، وتمامه في المنح، وفي البزازية: تعتبر الإجازة بعد الموت لا قبله هذا في الوصية " (ردالمختار کتاب الوصایا)۔

۸- کسی وارث کے لئے وصیت کا اعتبار نہیں ہے، لیکن اگر اس وارث کے سوا جس کے لئے وصیت کی گئی ہے کوئی دوسرا وارث ہے ہی نہیں تو وصیت کا اعتبار ہو جاتا ہے، اس لئے اگر کسی شخص نے بیوی کے لئے وصیت کی اور بیوی کے سوا اس کا کوئی دوسرا وارث نہیں تھا تو میراث کے ساتھ بیوی کو وصیت کے مطابق بھی ملے گا۔

"أولم يكن له وارث سواه ... حتى لو أوصى لزوجته أو هي له ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية. ابن كمال. زاد في المجتبية : فلو أوصت لزوجها بالنصف كان له الكل"(الدرالمختار)۔

۹- وارث کے حق میں کوئی وصیت معتبر نہیں ہوتی ہے خواہ وہ ایک تہائی کی ہو یا اس سے زیادہ کی ہو، غیر وارث کے حق میں ایک تہائی کی وصیت معتبر ہوتی ہے، اس سے زیادہ کی معتبر نہیں ہوتی ہے۔ اگر کسی نے وارث کے لئے کوئی وصیت کی یا غیر وارث کے لئے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی اور اس پر دیگر ورثہ مورث کی زندگی میں رضامند ہو گئے تو اس رضامندی کا ابھی اعتبار نہیں ہے، مورث کی موت کے بعد کی رضامندی کا اعتبار ہے، اس لئے مورث کی وفات کے بعد بھی ورثہ رضامند رہ کر اس کی اجازت دیدیتے ہیں تو اس کا اعتبار ہوگا، ورنہ نہیں۔

"وتعتبر إجازتهم بعد موته لأن عند ذلك ثبت حقهم فيه لاقبله ،وإنما يسقط الحق بعد ثبوته، فإذا أجازوه بعد الموت فقد أسقطوا حقهم بعد ثبوته فيصح"(الاختیار)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق چند مسائل-غیر مسلم ممالک کے تناظر میں

مفتی عبدالقیوم پالنپوری☆

۱- غیر مسلم ممالک میں جہاں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں مورث کو اطمینان حاصل ہو کہ ورثاء اسلامی قانون میراث کے اعتبار سے ہر وارث کو پورا پورا حق ادا کریں گے، اور کوئی وارث اس پر ملکی قانون سے فائدہ اٹھا کر قابض نہ ہوگا تو اس مورث پر اس طرح کی وصیت کرنا واجب نہیں، البتہ بہتر ہے کہ اس طرح کی وصیت کر دے۔

اور اگر اس کو ڈر اور خوف ہے کہ کوئی وارث ملکی قانون سے فائدہ اٹھا کر ترکہ یا اس کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لے گا اور شرعی طور پر ترکہ تقسیم نہ ہوگا تو اس پر ضروری وواجب ہے کہ تمام متوقع ورثاء کے لئے شرعی حصص کے مطابق وصیت نامہ تیار کرے اور اس پر گواہ بنالے اور وصیت کو رجسٹر کرادے تاکہ اس کے مرنے کے بعد کوئی وارث دوسرے وارث کا حق دبانا چاہے تو دبا نہ سکے اور باہمی اختلافات وقطع رحمی کے فتنہ کا دروازہ بند ہو جائے۔

الفوز الکبیر کے عربی شارح مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب کی رائے یہی ہے، چنانچہ الخیر الکثیر کے مصنفؒ نے حضرت کی رائے یہ تحریر کی ہے کہ:

"جب مرنے والے کو ڈر اور خوف ہو کہ اس کی اولاد اس کے مرنے کے بعد ترکہ شرعی طریقہ پر تقسیم نہ کرے گی تو مرنے والے پر ضروری ہے کہ تمام ورثاء کے لئے شرعی حصص کے مطابق وصیت کرے اور اس پر گواہ بنائے اور وصیت نامہ کو رجسٹر کرادے، تاکہ اس کے مرنے کے بعد کوئی مستحق کا حق دبانا چاہے تو نہ دبا سکے، اور فتنہ وفساد کا دروازہ بند ہو جائے (الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر ص ۲۴۱)۔

۲، ۳- اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ تیار کرنا حدیث "لا وصیة لوارث" کے خلاف نہ ہوگا، اس لئے کہ اس حدیث کا مفاد اور مقصد یہ ہے کہ کسی وارث کو اس کے وراثتی حق سے زیادہ مال دینے یا ترکہ میں سے کسی چیز سے نفع اٹھانے کی وصیت کی جائے گی تو وہ شرعا معتبر نہ ہوگی (الا یہ کہ دوسرے ورثاء اس کی اجازت دیں)، اور ہر وارث اپنے وراثتی حق کا تو

☆ جامعہ نذیریہ کاکوسی، شمالی گجرات۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہر حال میں (خواہ اس کی اس کے لئے وصیت کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو) حقدار ہے ہی۔

اور اس طرح کی وصیت "لا وصية لوارث" کی بنیاد پر ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی، اس لئے کہ اس سے کسی وارث یا چند ورثاء کو مخصوص طور پر منافع پہنچانا یا مال دینا نہیں ہے، بلکہ سب ورثاء کو ایک شرعی حکم (یعنی مرنے کے بعد شرعی اعتبار سے وراثت تقسیم کرنا، اور کوئی ایک یا چند اولاد اس پر قابض نہ ہو جانا) پر عمل کرنے کی وصیت ہے، یہ وصیت ایسی ہے جیسے کسی شخص کو یقین یا غالب گمان ہو کہ اولاد میرے مرنے کے بعد نوحہ کرے گی یا بدعات کرے گی تو اس پر واجب ہے کہ وصیت کر جائے کہ میرے مرنے کے بعد اس طرح کے غیر شرعی امور مت کرنا، اور اگر اطمینان ہے کہ میرے مرنے کے بعد اولاد اس طرح کے امور نہیں کرے گی تو ان سے روکنے کی وصیت اس پر واجب نہیں ہے، البتہ اگر وصیت کر لے تو بہتر ہے، مولانا رشید احمد لدھیانوی تحریر کرتے ہیں: جس کو خطرہ ہو کہ اس کے انتقال پر پسماندگان ممنوعات شرعیہ کریں گے اس پر یہ وصیت واجب ہے کہ اس کے انتقال پر ایسے ممنوعات شرعیہ ہرگز ہرگز نہ ہونے دیئے جائیں، اگر ایسی وصیت نہ کی تو وہ سخت گنہگار اور مستحق عذاب ہوگا، بخاری شریف کی حدیث "ان الميت ليعذب ببكاء اهله عليه" کی مشہور توجیہ یہ ہے کہ مرنے پر ارتکاب معصیت نوحہ کا علم ہوتے ہوئے جس نے اسے نہ روکا اور ایسی وصیت نہ کی اس کو عذاب ہوگا (احسن الفتاوی ۴/ ۳۳۳)۔

۴- مسلمانوں کو باہم متحد ہو کر اس ملک کی سیاسی جماعتوں کے سربراہوں اور دیگر با اثر لوگوں سے مل کر اور ان کا ذہن بنا کر ایوان قانون ساز (پارلیمنٹ) کے ذریعہ قانون میراث اور اس جیسے نکاح، طلاق، وصیت، ہبہ، وقف وغیرہ میں مسلمانوں کو ملکی قانون سے مستثنیٰ رکھنے اور ان کے لئے علاحدہ شریعت اسلامیہ کے مطابق قوانین بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

۵- فقہاء کرام کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا وارث نہ ہوگا اور نہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے، تو اس کی روشنی میں مسلم قرابت دار کا اپنے غیر مسلم قرابت دار کے ترکہ میں شرعاً کوئی حق نہیں ہے، وہ مال و ترکہ اس کے غیر مسلم ورثاء کا ہے۔

مسلمان میت کے ترکہ سے بعض ممالک میں ملکی قانون کی بنیاد پر اس کے غیر مسلم قرابت داروں کو مال دلایا جاتا ہے اور وہ غیر مسلم قرابت دار قانون ملکی کے جبر سے شرعی ورثاء کی رضامندی کے بغیر یہ مال حاصل کرتے ہیں، اس وجہ سے نو مسلم کے لئے اپنے غیر مسلم قرابت دار کے ترکہ سے ملکی قانون کی بنیاد پر میت کے ورثاء کی رضامندی کے بغیر مال حاصل کرنا جائز نہیں ہو سکتا ہے، بلکہ اس طرح حاصل کرنا غصب اور حرام ہوگا، اور کسی مسلمان کے لئے اس طرح غیر مسلم میت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترکہ سے مال حاصل کرنے کی کوشش کرنا جائز نہیں ہے، اور اسی طرح ورثاء کی رضامندی کے بغیر ملکی قانون کی بنیاد پر ملنے والے مال کو قبول کرنا جائز نہیں۔

عزیز الفتاوی میں ہے:

(الف)(کافر مشرک کا بھی) مال بلا اجازت مالک کھانا حرام وغصب ہے اور گناہ کبیرہ ہے، (ب) وہ شخص غاصب وظالم ہے جو سزا غاصبوں کی ہے وہ اس کی ہے (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۱۵/۳۵۱)۔

دعوت وتبلیغ کے مقاصد کے لئے بھی جس طرح چوری اور غصب کی شرعا اجازت نہیں ہے اور یہ حرام ہے، اسی طرح اس مسئلہ میں لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے اور اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے نومسلموں کو دوسروں کا مال جبرا و قانون ملکی کی بنا پر لینے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے، اس طرح لینا ان کے لئے بھی ناجائز اور حرام ہی رہے گا۔

البتہ کافر مورث اپنی حیات میں اپنے مسلم قرابت دار کو کوئی چیز بخشش کرے یا اس کافر میت کے ورثاء اس کے مرنے کے بعد اپنی رضامندی سے اس مسلم قرابت دار کو کچھ مال یا ترکہ میں حصہ دیں تو اس کے لئے یہ مال لینا جائز ہوگا، اسی طرح مسلمان کے لئے بھی اپنے غیر مسلم قرابت دار ماں، باپ، بھائی بہن وغیرہ کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور ہبہ وہدیہ دینا جائز ہے، شامی میں ہے:

"نص محمدؒ علی جواز الهدية حيث قال فی موطئه فی باب ما يكره من لبس الحرير والديباج: ولا بأس ايضا بالهدية الى المشرک المحارب مالم يهد اليه سلاح او درع وقول ابی حنيفه والعامة من فقهائنا" (ردالمحتار ۵/۵۷۵) (امام محمدؒ نے اپنی موطا کے باب ما یکرہ من لبس الحریر والدیباج میں مشرک کو ہدیہ دینے کے جواز کی صراحت کی ہے کہ مشرک محارب کو ہدیہ دینے میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس کو ہتھیار اور زرہ ہدیہ نہ دیجائے اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے فقہاء کا قول ہے)۔

اور مسلمان کے لئے مشرک قرابت دار یا غیر قرابت دار کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے جبکہ مسلمانوں کے خلاف کسی خلاف مصلحت بات کا اندیشہ نہ ہو، امام بخاریؒ نے متعدد احادیث نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بعض مشرکین کے ہدایا رد فرمائے تھے، اور ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے مشرکین کے ہدیہ سے منع کیا گیا ہے۔

ان روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ جہاں مشرک سے ہدیہ قبول کرنے میں مسلمانوں کے خلاف کسی خلاف مصلحت بات کا اندیشہ ہو کہ مشرکین دباؤ ڈالیں گے یا ان کے ساتھ مداخلت کرنی پڑے گی، اس صورت میں ان سے ہدیہ قبول کرنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائز نہیں، لیکن جہاں اس قسم کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو پھر ہدیہ قبول کرنا جائز ہے (انعام الباری ۷ / ۸۹۲)۔

۶۔ کوئی مورث اس مقصد کے تحت کہ آئندہ اولاد کے درمیان اختلاف نہ ہو، اپنی زندگی ہی میں (ہبہ کئے بغیر صرف) اپنی اولاد کے درمیان حصے مقرر کردے، مثلاً فلاں کھیت فلاں لڑکے کو اور فلاں کھیت فلاں لڑکے کو ملے گا، اور فلاں گھر فلاں لڑکا اور فلاں گھر فلاں لڑکی لے گی، اور وصیت کردے کہ اس کے مرنے کے بعد اسی تفصیل کے مطابق ترکہ تقسیم کردیا جائے اور اس میں اس نے ہر ایک کے حصہ میراث کا تناسب ملحوظ رکھا ہو اور اسے کسی وارث کو نقصان پہنچانا بھی مقصود نہیں بلکہ ان کے درمیان انصاف قائم رکھنا مقصود ہو تو بھی چونکہ یہ وارثوں کے لئے اشیاء کی وصیت ہے، اس لئے شرعاً معتبر نہ ہوگی، حضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "لا وصیة لوارث" (ترمذی) (وارث کے لئے وصیت معتبر نہیں ہے)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت کے چند اہم مسائل واحکام

مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی ☆

مال ودولت اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے بشرطیکہ شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے اس کا مصرف متعین کیا جائے ورنہ یہ فتنہ ہے اور اس کی وجہ سے جان، عزت وناموس کو بھی خطرہ لاحق ہوجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس مال کا حقیقی مالک جو علیم وحکیم ہے اس نے قرآن کریم میں مال سے متعلق احکام تفصیل سے بیان کئے ہیں کہ کون سا مال جائز ہے اور انسان کب اور کس طریقے سے اس کا مالک ہوتا ہے، انہی طریقوں میں میراث اور وصیت کے ذریعہ مال کا مالک بننا بھی ہے، میراث اور وصیت شریعت اسلامیہ کے اہم ترین حصے ہیں اور ان کے مسائل بڑے ہی اہم اور نازک ہیں، اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے ذمہ داروں کو کہ عصر حاضر میں میراث ووصیت سے متعلق جو اہم مسائل ہیں ان کے اجتماعی حل کی طرف توجہ دی۔

۱ تا ۴- قرآن کریم کی آیت: ''كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خيرا الوصية للوالدين والأقربين بالمعروف حقا على المتقين'' (سورۂ بقرہ: ۱۸۰) (فرض کیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر)، مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا فرض تھا، لیکن جب آیت میراث نازل ہوئی تو والدین اور ان رشتہ داروں کے لئے وصیت کا حکم منسوخ ہوگیا جن کا میراث میں حصہ مقرر ہے، اور دوسرے رشتہ داروں کے لئے جن کا میراث میں حصہ مقرر نہیں ہے وصیت کا حکم اب بھی باقی ہے، مذکورہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے روح المعانی میں علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ وصیت کا یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا اور آیت میراث کے نزول کے بعد منسوخ ہوگیا۔ ''إن هذا الحكم كان في بدء الإسلام ثم نسخ بآية المواريث'' (روح المعانی ۸۱/۲)۔

اور آگے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ وارث کے حق میں وصیت کے وجوب کا حکم تو منسوخ ہے، لیکن

☆ مفتی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غیروارث کے حق میں باقی ہے اور ان کے لئے وصیت مستحب ہے واجب نہیں۔"إن الوجوب صار منسوخا في حق الكافة وهي مستحبة في حق الذين لا يرثون وإليه ذهب الأكثرون" (روح المعانی ۲؍۸۳)۔

احکام القرآن للقرطبی میں ہے:"قال ابن عباس والحسن: نسخت الوصية للوالدين بالفرض في سورة النساء وتثبت للأقربين الذين لا يرثون" (الجامع لأحکام القرآن ۲؍۲۶۳)۔

آیت وصیت کے لئے ناسخ وہ حدیث متواتر بھی ہے جس کا اعلان حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول اکرم ﷺ نے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے، پس کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت معتبر نہیں۔ عن شرحبيل بن مسلم قال: سمعت أبا أمامة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن الله قد أعطىٰ كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث" (السنن لأبي داؤد باب ماجاء في الوصية للوارث ۲؍۳۹۶)۔

لیکن اس کے برخلاف دوسری حدیث میں ہے کہ وارث کے لئے وصیت معتبر ہے بشرطیکہ ورثہ اجازت دے دیں، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله عنهم أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا وصية لوارث إلا أن يجيز الورثة" (سنن الدارقطنی: ۴؍۵۵ حدیث: ۴۱۰۹)۔

دوسری حدیث میں ہے:"عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يجوز الوصية لوارث إلا أن يشاء الورثة" (سنن الدارقطنی: ۴؍۵۴، حدیث: ۴۱۰۴)۔

کسی وارث کے لئے اس وقت تک وصیت جائز نہیں جب تک کہ بقیہ تمام وارثین اجازت نہ دیدیں، مذکورہ بالا حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر دوسرے ورثاء اجازت دے دیں تو وارث کے لئے بھی وصیت صحیح ودرست ہے اور اسی حدیث کے لئے وارث سے وصیت صحیح نہ ہونے کی وجہ بھی سمجھ میں آئی کہ وارث کے لئے وصیت کی صورت میں دوسرے ورثاء کا نقصان ہوگا اور اس کو ضرر میں مبتلا کرنا لازم آئے گا، جیسا کہ صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں: اگر ہم وارث کے لئے وصیت کو بالفرض جائز قرار دے دیں، تو موصی بعض ورثاء کو ترجیح دے گا اور اس کی وجہ سے بعض دوسرے ورثاء کو نقصان پہونچانا اور اس کو وحشت میں مبتلا کرنا لازم آئے گا۔

"لأنا لو جوزنا الوصية للورثه لكان للموصي أن يوثر بعض الورثة وفيه إيذاء البعض وإيحاشهم" (بدائع الصنائع ۶؍۳۳۳)۔

مذکورہ بالا احادیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ وارث کے لئے وصیت تو صحیح ہوگی، لیکن اس کا نفاذ ولزوم بقیہ دیگر ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا، یعنی اگر ورثاء اجازت دے دیں گے تو وصیت نافذ ولازم ہوجائے گی ورنہ باطل ہوگی اور یہی جمہور،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام احمد اور امام شافعی کا مذہب ہے، المغنی میں ہے:

"وظاهر مذهب أحمد والشافعي: أن الوصية صحيحة في نفسها، وهو قول جمهور العلماء، لأنه تصرف صدر من أهله في محله فصح كمالو أوصىٰ لأجنبي ...... وفائدة الخلاف أن الوصية إذا كان صحيحة فإجازة الورثة تنفيذ" (المغنی ۶/۲)۔

علامہ زرکشی نے خرقیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ وارث کے لئے وصیت صحیح ہے، لیکن وہ دیگر ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

"وقال الخرقي: ولا وصية لوارث إلا أن يجيز الورثة، ظاهره أن الوصية صحيحة موقوفة على إجازة الورثة فتكون إجازتهم تنفيذا" (شرح الزرکشی: ۳۶۵)۔

علامہ ابن قدامہ المغنی میں تحریر فرماتے ہیں کہ "لا وصية لوارث" (وارث کے لئے وصیت معتبر نہیں ہے) کی وجہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض اولاد کو بعض پر ہبہ میں فوقیت دینے پر زندگی میں منع فرمایا ہے اور اس کی وجہ بیان کی کہ ان میں حسد اور دشمنی پیدا ہوگی تو پھر موت، مرض اور ملکیت کی کمزوری کے بعد تو بدرجہ اولیٰ اس کی اجازت نہ ہوگی، کیونکہ اس صورت میں ان کے درمیان حسد و دشمنی بھی پیدا ہوگی اور قیام عدل بھی متعذر رہوگا (المغنی ۶/۶)۔

اسی طرح جب ہم قرآن کریم کی آیت: "فهم شركاء في الثلث من بعد وصية يوصىٰ بها أو دين غير مضار وصية من الله والله عليم حليم" (نساء: ۱۲) پر غور کرتے ہیں تو اس سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وارث کے لئے وصیت کی ممانعت کی علت اور اس کا مقصد دوسرے ورثہ کو نقصان پہونچانے سے بچانا ہی ہے، اس لئے کہ مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مضار کا لفظ ذکر کیا ہے اور یہ حکم اس سے پہلے جو وصیت اور دین کا ذکر آیا ہے دونوں کو بھی شامل ہے، یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کے لئے وصیت یا دین کے ذریعہ وارثوں کو نقصان پہونچانا جائز نہیں ہے۔ صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں: "(غير مضار)........... أن المفهوم من الآية أن الإيصاء والإقرار بالدين لقصد الإضرار" (روح المعانی: ۳/۲۶۱)۔

الحاصل قرآنی آیات، تفاسیر، احادیث اور فقہاء کی عبارتوں کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وارث کے لئے وصیت کی ممانعت کا مقصد دوسرے ورثہ کو نقصان پہونچانے سے بچانا ہے، لہذا "لا وصية لوارث" کا مورد و مقصد راقم السطور کے نزدیک وہ وصیت ہوگی جس میں کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال دینا ہو، اس لئے کہ یہ بقیہ ورثہ کے لئے ضرر کا سبب ہے، اور اس وصیت کو اس میں داخل نہیں ہونا چاہئے جس میں ورثہ کو اس کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا مقصود

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو،لہذا جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھا دینا کہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں شرعاً جائز ہونا چاہیے اور یہ عمل حدیث: "لا وصية لوارث" کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔

۵- مسلمان کافر کا یا کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا ہے،یعنی مسلمان کو کافر کے ترکہ سے یا کافر کو مسلمان کے ترکہ سے شرعاً کوئی حصہ نہیں ملے گا،جیسا کہ حدیث شریف اس سلسلہ میں بالکل واضح ہے:

"عن أسامة بن زيد أن النبي ﷺ قال: لا يرث المسلم الكافر ولا يرث الكافر المسلم" (صحیح مسلم کتاب الفرائض:۲/۳۳)(نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث ہوگا)۔

مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ نووی تحریر فرماتے ہیں: "أجمع المسلمون على أن الكافر لا يرث المسلم، وأما المسلم فلا يرث الكافر أيضاعند جماهير العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم" (نووی شرح مسلم:۲/۳۳) (کافر مسلمانوں کا وارث نہیں ہوگا،اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے،اسی طرح جمہور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے نزدیک مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوگا)۔

اسی طرح المغنی میں ہے:

"أجمع أهل العلم على أن الكافر، لا يرث الكافر وقال جمهور الصحابة والفقهاء: لا يرث المسلم الكافر" (المغنی ۶/۶)۔

لہذا جن غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کو غیر مسلم کے ترکہ سے حق دلایا جاتا ہے،وہاں مسلمانوں کے لئے اس حق کو لینا یا فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے،اس لئے کہ جب شریعت اسلامیہ نے اس کو حق ہی نہیں دیا ہے تو پھر اس کا لینا کیسے جائز ہوگا؟ گویا یہ لینا ناجائز طور پر ہوگا،جس کی شریعت اسلامیہ نے اجازت نہیں دی ہے،قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل" (النساء:۲۹)(اے ایمان والو تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقہ پر نہ کھاؤ)۔

البتہ راقم الحروف کے نزدیک اگر کسی مسلمان کے ترکہ سے کسی غیر مسلم کو ملکی قانون کے مطابق حصہ دیا گیا ہے تو ایسی صورت میں اگر اسی غیر مسلم کے ترکہ سے مذکورہ مسلمان یا اس کے وارثین کو حصہ دیا جائے تو جتنا حصہ اس غیر مسلم کو ملا تھا اسی کے بقدر لینا شرعاً جائز ہوگا،اس لئے کہ یہ غیر مسلم کے ترکہ سے حصہ لینا نہیں ہے بلکہ غلط طریقہ پر جو غیر مسلم کو حصہ دیا گیا تھا اسی کی حصولیابی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶- اگر مورث اپنی زندگی میں اپنی اولاد کے درمیان حصہ (ہر وارث کا مورث کے انتقال کے بعد جو شرعی حصہ ہوگا اتنا ہی) مقرر کردیتا ہے تاکہ اس کے گذرنے کے بعد اسی تفصیل کے مطابق ترکہ کی تقسیم کردی جائے جس میں مورث کا منشاء شرعی طور پر ترکہ کی تقسیم ہوتی ہے، کسی وارث کو نقصان پہونچانا نہیں ہوتا بلکہ ان کے درمیان انصاف قائم رکھنا اور آئندہ ترکہ کی تقسیم کے سلسلہ میں اختلاف سے بچانا مقصود ہوتا ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک اس وصیت کو معتبر ہونا چاہیے، جیسا کہ اس کی پوری تفصیل جواب نمبر ۱ تا ۴ کے ذیل میں لکھی جا چکی ہے۔

۷- وارث کے حق میں وصیت ورثہ کی اجازت ورضامندی سے معتبر وصحیح ہے بشرطیکہ تمام ورثاء عاقل و بالغ ہوں اور موصی کے انتقال کے بعد کی ہی اجازت ورضامندی معتبر ہوگی، اس کی زندگی میں ورثہ کی اجازت ورضامندی کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے اور یہ رضامندی کافی نہیں ہوگی، بلکہ ورثہ کو موصی کے انتقال کے بعد رد کرنے کا حق حاصل ہوگا گرچہ ورثہ نے وصیت نامہ پر دستخط کردیا ہو، جیسا کہ کتب فقہ میں یہ جزئیہ مصرح ہے کہ موصی کی زندگی میں ورثہ کی اجازت اور رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ مورث کی زندگی میں اس کی جائیداد میں ورثہ کا کوئی حق وحصہ ہی نہیں ہے، اور جب ان کا کوئی حق ہی نہیں ہے تو وہ دوسرے کو اس کی کیسے اجازت دے سکتے ہیں اور ان کی اجازت کا کیا اعتبار ہوگا، یہ اجازت لغو قرار پائے گی، گویا ورثہ کی اجازت ہبہ کے قائم مقام ہے، یعنی ورثہ نے اپنا اپنا حصہ ہبہ کیا جبکہ ورثہ خود بھی ابھی اس کے مالک نہیں ہیں اور ہبہ اسی وقت صحیح ومعتبر ہوتا ہے جبکہ ہبہ کرنے والا اس کا مالک بھی ہو، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی ایسی چیز کا ہبہ کرنا جس کا واہب خود مالک نہیں ہے، اور جب واہب خود اس کا مالک نہ ہو تو اس چیز کا ہبہ جائز نہیں ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

”ولا تجوز بما زاد على الثلث ...... إلا أن يجيز الورثة بعد موته وهم كبار...... ولا معتبر في حال حياته، لأنها قبل ثبوت الحق إذا الحق يثبت عند الموت فكان لهم أن يردوه بعد وفاته“ (ہدایہ ۴/۶۵۵)۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ اگر موصی کی زندگی میں ورثہ نے اجازت دے دی تو اس کے انتقال کے بعد ورثاء کو اس سے رجوع کا حق حاصل ہوگا۔ ”ولا تعتبر إجازتهم في حياة الموصي حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك“ (الفتاویٰ الخانیۃ علی ہامش فتاویٰ الہندیہ ۳/۴۹۶)۔

اسی طرح المغنی میں: ”ولا يعتبر الرد والإجازة إلا بعد موت الموصي“ (المغنی ۶/۱۴)۔

(موصی کی موت کے بعد کی اجازت ورد کا اعتبار کیا جائے گا)۔

امام احمد کے نزدیک بھی موصی کی موت کے بعد کی اجازت ورضامندی کا ہی اعتبار ہے، زندگی کی اجازت کا کوئی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اعتبار نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ ورثاء نے اپنے ان حقوق کو ساقط کیا ہے جس کا وہ خود مالک نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بیوی نکاح سے قبل مہر معاف کر دے یا شفیع حق شفع سے قبل البیع دستبردار ہو جائے۔

"ولنا يعتبر الرد والإجازة إلا بعد موت الموصي ...... ولنا أنهم أسقطوا حقوقهم في مالم يملكوه فلم يلزمهم كالمرأة إذا أسقطت صداقها قبل النكاح وأسقط الشفيع حقه من الشفعة قبل البيع" (المغنی ۶/۱۴)۔

امام شافعی کے نزدیک بھی موصی کے انتقال کے بعد کی اجازت کا ہی اعتبار ہے، البتہ امام شافعیؒ آگے لکھتے ہیں کہ موصی کی زندگی میں جو ورثہ نے اجازت و رضامندی دی، اس وعدہ کی تکمیل کرتے ہوئے دیانتاً ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی اجازت دے دیں۔

''کتاب الام'' میں ہے:

"قال الشافعي رحمه الله تعالیٰ :وإذا أراد الرجل أن يوصي لوارث فقال للورثة: إني أريد أن أوصيٰ بثلثي لفلان وارثي فإن أجزتم ذلک فعلت وإن لم تجيزوا وصيت بثلثي لمن تجوز الوصية له فأشهدوا له على أنفسهم بأن قد أجازوا له جميع ما أوصى له وعلموه ثم مات فخير لهم فيما بينهم وبين الله عز وجل أن يجيزوه، لأن في ذلک صدقا ووفاء ا يوعد ......فإن لم يفعلوا لم يجبر هم الحاكم على إجازته" (کتاب الام ۴/۷/۳)۔

(اگر کوئی شخص اپنے کسی وارث کے لئے وصیت کا ارادہ کرے اور ورثہ سے کہے کہ میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت اپنے فلاں وارث کے لئے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں، اگر تم لوگوں نے اجازت دی تو میں ایسا کروں گا ورنہ دو تہائی مال کی وصیت ایسے شخص کے لئے کروں گا جس کے لئے وصیت جائز ہے اور تمام ورثاء نے جو وارث کے لئے وصیت کی اس کی اجازت دے دی پھر موصی کا انتقال ہو گیا تو ایسی صورت میں دیانتاً وارث کو چاہیے کہ ایفاء عہد کرتے ہوئے اس کی اجازت دے دیں، یہی بہتر ہے اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو قاضی ان پر جبر نہیں کر سکتا ہے)۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں احقر کی رائے یہ ہے کہ ورثاء کو موصی کی زندگی والی اجازت و رضامندی کو رد اور باطل کرنے کا حق حاصل ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ جب وہ موصی کی زندگی میں راضی تھے تو ان کے انتقال کے بعد بھی اس رضامندی پر قائم رہتے ہوئے اجازت دیدیں۔

۸۔ اگر کسی شخص کا بیوی کے علاوہ کوئی دوسرا وارث نہ ہو اور وہ اپنے کل مال کی وصیت اپنی بیوی کے لئے کر دے تو یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصیت شرعاً صحیح ومعتبر ہوگی اور اس وصیت کی وجہ سے بیوی اس کے کل ترکہ کی شرعاً مالکہ ہو جائیگی، کتب فقہ میں یہ جزئیہ صراحتاً موجود ہے، جیسا کہ علامہ علاء الدین حصکفی اپنی شہرہ آفاق کتاب الدرالمختار میں رقم طراز ہیں:

"ولا لوارثه ......إلا بإجازة ورثته لقوله عليه الصلاة والسلام: لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة، يعني عند وجود وارث آخر ...... وهم كبار عقلاء ...... أولم يكن له وارث سواه كما في الخانية: أى الموصىٰ له القاتل أو الوارث حتى لو أوصى لزوجته أو هى له ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية" (الدرالمختار علی ہامش ردالمختار جلد ۵/ ۴۲۰)۔

(وارث کے لئے وصیت ورثہ کی اجازت سے جائز ہے، حضور ﷺ کے ارشاد: "لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة" کی وجہ سے، یعنی جبکہ دوسرے ورثہ موجود ہوں اور سب کے سب عاقل وبالغ ہوں یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا وارث نہ ہو جیسا کہ خانیہ میں ہے، یعنی موصیٰ لہ قاتل یا وارث ہو، یہاں تک کہ شوہر بیوی کے لئے یا بیوی شوہر کے لئے وصیت کرے اور کوئی دوسرا وارث موجود نہ ہو تو وصیت صحیح و درست ہے)۔

۹- کسی نے وارث یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت کی اور دوسرے ورثہ جبکہ سب کے سب بالغ ہوں، موصی کی زندگی میں بھی مذکورہ وصیت سے رضا مند تھے اور مرنے کے بعد اس رضامندی پر قائم رہے تو یہ وصیت شرعاً صحیح و معتبر ہوئی اور جس کے لئے وصیت کی وہ اس کے شرعاً مالک ہوئے اور اگر ورثا زندگی میں تو راضی تھے، لیکن موصی کے مرنے کے بعد راضی نہیں ہوئے تو یہ وصیت شرعاً صحیح و معتبر نہیں ہوئی، اس لئے کہ ورثہ کی اجازت و رضامندی کا اعتبار موصی کے مرنے کے بعد ہے، زندگی کی اجازت و رضامندی کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ ورثہ کا حق ترکہ میں مورث کے انتقال کے بعد ثابت ہوتا ہے نہ کہ زندگی میں اور جب زندگی میں ان کا حق ہی ثابت نہیں ہوا تو پھر اس رضامندی کا کیا اعتبار ہوگا؟

ہدایہ میں ہے: "ولا تجوز بما زاد على الثلث...... إلا أن يجيزهاالورثة بعد موته وهم كبار...... ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته، لأنها قبل ثبوت الحق إذ الحق يثبت عند الموت فكان لهم أن يردوه بعد وفاته" (ہدایہ ۴/ ۶۵۵)۔

اسی طرح المغنی میں ہے: "ولا يعتبر الرد والإجازة إلا بعد موت الموصى" (المغنی ۴/ ۱۴) یعنی موصی کی موت کے بعد کی اجازت و رد کا اعتبار کیا جائے گا۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق بعض احکام

مولانا محمد ظفر عالم ندوی ☆

احکام اسلامی میں قانون میراث کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس کے تمام تر احکام نص قطعی اور اجماع سے ثابت ہیں، اس کے نفاذ میں اس وقت بعض غیر مسلم ممالک میں جو دشواریاں ہیں ان کے پیش نظر سوالنامہ کے جوابات ترتیب وار ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں:

ا۔ جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے جس کی وجہ سے وہاں مسلمانوں کے لئے احکام میراث پر عمل کرنے میں دشواری ہے، اگر وہاں کے مسلمان کا زندگی ہی میں اس طرح وصیت نامہ لکھ دینا کہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے شرعی حصے مل جائیں، شرعا جائز ہے واجب نہیں۔

امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے "احکام القرآن" میں آیت "كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خيرا الوصية للوالدين والأقربين بالمعروف حقا على المتقين" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"واختلف الناس في الوصية المذكورة في هذه الآية هل كانت واجبة أم لا؟ فقال قائلون: إنها لم تكن واجبة وإنما كانت ندبا وإرشادا وقال آخرون: قد كانت فرضا ثم نسخت على الإختلاف منهم في المنسوخ منها، واحتج من قال: إنها لم تكن واجبة بأن في سياق الآية وفحواها دلالة على نفي وجوبها وهو قوله: الوصية للوالدين والأقربين بالمعروف، فلما قيل فيها بالمعروف وإنها على المتقين دل على أنها غير واجبة" (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۲۰۰)۔

مذکورہ کلام سے یہ معلوم ہوا کہ آیات میراث کے نزول سے قبل والدین اور اقرباء کے حق میں جو وصیت کا حکم تھا بعض علماء کے نزدیک وہ واجب نہیں تھا، اسی طرح جہاں میراث کی تقسیم ممکن نہ ہو اور وصیت کرنے کی نوبت آئے تو یہ وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب اور جائز ہوگی۔

☆ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲- جہاں قانون میراث نہ ہواور وارثین کے درمیان میراث کی تقسیم میں اگر نزاع ہوجائے اور وہاں قانون میراث نہ ہونے کی وجہ سے حصص شرعی کے مطابق مال متروکہ کی تقسیم نہ ہوسکے تو اس صورتحال میں قانون میراث کے مطابق وصیت نامہ لکھ دینا تاکہ وہ بعد وفات نافذ ہوجائے درست ہے۔ اور حدیث "لا وصية لوارث" کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں کسی وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جارہی ہے، بلکہ تمام وارثین کو قانون وراثت کے مطابق میراث کی تقسیم کی وصیت کی جارہی ہے، جن کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔

۳- حدیث: "لاوصية لوارث" کا مورد و مقصد صرف وہ وصیت ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو، اس ممانعت میں وہ وصیت داخل نہیں ہوگی جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو، خود اسی حدیث کے آگے یہ استثناء موجود ہے کہ اگر دیگر ورثہ راضی ہیں تو کسی خاص وارث کے حق میں کی ہوئی وصیت نافذ ہوگی۔ "لا تجوز وصية لوارث إلا أن يشاء الورثة" (فتح الباری ۶/۵۶۴ کتاب الوصایا)، دار قطنی و بیہقی کی روایت ہے: "لا وصية لوارث إلا أن يجيز الورثة" (دار قطنی ۴/۹۸، البیہقی ۶/۲۶۳)۔

اس روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وارث کے لئے وصیت کی ممانعت دیگر ورثہ کی موجودگی اور ان کو اذیت و وحشت میں ڈالنے کی وجہ سے ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر دیگر ورثہ اجازت دے دیں تو وارث کے حق میں بھی وصیت جائز ہوگی، علامہ حصکفی نے الدر المختار میں اس کی صراحت کی ہے: "لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة يعني عند وجود وارث آخر" (الدر المختار مع رد المحتار ۱۰/۳۴۶ کتاب الوصایا)۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"ولو أوصى لبعض ورثته فأجاز الباقون جازت الوصية، لأن امتناع الجواز كان لحقهم لما يلحقهم من الأذى والوحشة بايثار البعض ولا يوجد ذلك عند الإجازة" وفي بعض الروايات عنه عليه الصلاة والسلام انه قال: لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة" (بدائع الصنائع ۶/۳۳۴)۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کے لئے پہلی شکل یہ ہے کہ وہاں کے مسلمان اجتماعی طور پر مسلم پرسنل لا کے نام سے عائلی قوانین منظور اور نافذ کرانے کی بھرپور کوشش کریں۔

دوسری شکل یہ ہے کہ جب تک قانون میراث منظور اور نافذ نہ ہوجائے اس وقت تک کے لئے مسلمان اپنی زندگی میں ہی وارثین کو اصول میراث کے مطابق اپنی املاک ہبہ کردیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اولاد اور وارثین کے درمیان حین حیات املاک تقسیم کرنے میں علماء اس پر متفق ہیں کہ اولاد کے درمیان تسویہ (برابری) مستحب ہے، البتہ تسویہ مستحبہ کے مفہوم میں فقہاء کا اختلاف ہے:

امام ابو یوسفؒ، مالکیہ اور شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ تسویہ سے مراد یہ ہے کہ اولاد اناث کو بھی ذکور کے مثل دیا جائے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "سووابین أولادكم فى العطية ولو كنت مؤثراً لآثرت النساء على الرجال"، امام طبرانی نے معجم الاوسط میں یہ روایت نقل کی ہے: "عن ابن عباسؓ عن النبي ﷺ قال: سووا بين أولادكم فى العطية ولوكنت مفضلا أحدا لفضلت النساء" (مجمع الزوائد ۴/ ۱۵۳)، صحیح بخاری کی روایت میں ہے: "اتقوا الله واعدلوا بين أولادكم" (بخاری ومسلم وترمذی)۔

ان روایات میں امر کے صیغہ کو حضرات فقہاء نے استحباب پر محمول کیا ہے، لیکن امام محمد اور فقہاء حنابلہ کی رائے ہے کہ تسویہ سے مراد احکام میراث کے مطابق تقسیم کرنا ہے، یعنی لڑکی کے مقابلہ میں لڑکوں کو دوگنا دیا جائے گا "وقال الحنابلة ومحمد بن الحنفية: للأب أن يقسم بين أولاده على حسب قسمة الله تعالى فى الميراث فيجعل للذكر مثل حظ الأنثيين، لأن الله تعالى قسم بينهم كذلك، وأولى ما اقتدى به، هو قسمة الله ولأن العطية فى الحياة أحد حالى العطية فيجعل للذكر مثل حظ الأنثيين كحالة الموت والميراث المرتب عليه، يدل لهذا أن العطية استعجال لما يكون بعد الموت فينبغي أن تكون على حسبه" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۴۰۱۳)۔

جن ممالک میں قانون میراث نافذ نہ ہو وہاں بر بنائے مصلحت اگر اولاد اور وارثین میں املاک تقسیم کرنا مقصود ہو تو امام محمد اور حنابلہ کے قول کے مطابق اصول میراث کے لحاظ سے تقسیم کرنا چاہئے۔

۵- جمہور مجتہدین بلکہ اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ مسلمان اپنے غیر مسلم مورث کے مال میں وارث نہیں ہوں گے، لہذا غیر مسلم مورث کے مال میں سے حصہ لینا جائز نہیں ہوگا۔

"الشيخ المحامی عادل عبد الرزاق القرة غولی" اپنی کتاب "أحكام الميراث فى الفقه الإسلامي و قانون الأحوال الشخصية" میں اختلاف الدین والدار کی بحث میں لکھتے ہیں: "الفقهاء متفقون جميعا بأنه لا يرث الكافر المسلم على وجه الإطلاق لقوله تعالى: ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا" (سورۂ نساء: ۱۴۱) "وقوله عليه السلام أيضا: "لا يتوارث أهل ملتين لما ثبت عن أسامة ابن زيد عن الرسول الله ﷺ قال: لا يرث المسلم الكافر ولا يرث الكافر المسلم" (سبل السلام للصنعانی الجزء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الثالث رص ۹۸ فقرہ ۲)۔

"أما بالنسبة لإرث المسلم من غير المسلم ، فإن فقهاء أهل السنة، يجمعون على أنه لا يرث المسلم الكافر أو أحد من أهل الكتاب سواء بقرابة أو رحم"وعن على بن الحسين بن على عن عمر بن عثمان بن عفان عن أسامة بن زيدؓ أن رسول الله ﷺ قال:"لا يرث المسلم الكافر ولا يرث الكافر المسلم"(بخاری حدیث ر ۶۷۶۴، احکام المیراث فی الفقہ الاسلامی رص ۶۱)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی اس مسئلہ میں صراحت کرتے ہیں:"اختلاف الدين بين المورث والوارث بالإسلام وغيره مانع من الإرث باتفاق المذاهب الأربعة فلا يرث المسلم كافرا ولا الكافر مسلما سواء بسبب القرابة أو الزوجية لقوله عليه السلام:"لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم"وقوله "لايتوارث أهل ملتين شتى" وهذا هو الراجح لأن الولاية منقطعة بين المسلم الكافر"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۱۰ر۷۷۱۸)۔

مذکورہ تمام روایات اورفقہاء کی تصریحات سے یہ بات تقریباً حتمی طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ غیر مسلم مورث کی میراث میں مسلم وارث حصہ نہیں پائے گا۔

جہاں تک دعوتی پہلو سے مال کو باعث رغبت سمجھنا بلا شبہ یہ ایک حکمت ہوسکتی ہے،لیکن صحیح اور صریح روایتوں کے مقابلہ میں کسی مصلحت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے۔

۶ – تقسیم میراث میں مورث کی وفات کے بعد وارثین کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو،اس مقصد کے پیش نظر مورث اگر اپنی حیات ہی میں اپنے اموال کو اصول میراث کے مطابق تقسیم کردیں تو بلا شبہ ایسا کرنا درست ہے،اس تقسیم میں ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، جواب ۴ میں یہ بات آچکی ہے کہ حنفیہ میں امام محمد اور فقہاء حنابلہ کے قول کے مطابق زندگی میں اولاد کے درمیان اصول میراث کے مطابق اموال کی تقسیم مستحب ہے(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵ر ۴۰۱۳ میں تفصیل موجود ہے)۔

۷ – کسی وارث کو وصیت کرنے کی صورت میں دیگر ورثہ کی اجازت ضروری ہے اور یہ اجازت علماء حنفیہ اور امام شافعی کے نزدیک مورث کی وفات کے بعد معتبر ہوگی،مورث کی زندگی میں اگر ورثہ نے وصیت نافذ کرنے کی اجازت دے دی تھی تو یہ اجازت مورث کی وفات کے بعد کافی نہیں ہوگی،فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اس اجازت کا مورث کی وفات کے بعد پایا جانا ضروری ہے،اگر چہ ابن ابی لیلی اور عثمان البتی کے نزدیک مورث کی حیات میں دیگر ورثا نے جو رضامندی ظاہر کی ہے وہی کافی ہے،مورث کی وفات کے بعد اس اجازت سے ورثہ کو مکرنے اور رجوع کر لینے کا حق حاصل نہیں ہوگا،لیکن علماء نے اس قول کو اختیار نہیں کیا ہے،امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے احکام القرآن میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"قال أبوبكر: وقد اختلف فيمن أوصى باكثر من الثلث فأجازه الورثة في حياته أو أوصى لبعض ورثته فأجازه الباقون في حياته فقال ابوحنيفة وابويوسف و محمد وزفر والحسن بن زياد والحسن بن صالح وعبيد الله بن الحسن والشافعي: لا يجوز ذلک حتى يجيزوها بعد الموت" وقال ابن ابى ليلى و عثمان البتي: ليس لهم أن يرجعوا فيه بعد الموت وهى جائزة عليهم"(احکام القرآن للجصاص ۲/ ۱۲۴)۔

اس مسئلہ میں علامہ شامیؒ کے اس جزئیہ سے تقویت حاصل ہوتی ہے، جوانہوں نے قہستانی کے حوالہ سے لکھا ہے:

"واعلم أن الناطفي ذكر عن بعض اشياخه أن المريض إذا عين بواحد من الورثة شيئا كالدار على أن لا يكون له في سائر التركة حق يجوز، وقيل :هذا إذا رضى ذلک الوارث به بعد موته فحينئذ يكون تعيين الميت كتعيين باقي الورثة معه كما في الجواهر قلت: وحكى القولين في جامع الفصولين فقال: قيل: جاز وبه أفتى بعضهم وقيل لا"(ردالمحتار ۱۰/ ۳۴۶)۔

ایک دوسرے جزئیہ میں علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

"فإن كان الموصى له وارثه، لا يجوز إجازته إلا أن تجيزه ورثة المريض بعد موته" (ردالمحتار ۱۰/ ۳۴۷ کتاب الوصایا)۔

علامہ شامیؒ کی ان عبارتوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وارث کے حق میں کی گئی وصیت کے نفاذ میں دیگر ورثہ کی اجازت کے سلسلہ میں مورث کی وفات کے بعد کی اجازت معتبر ہوگی۔

۸- وارثین میں بیوی کے علاوہ کوئی نہ ہو اور اپنے گذر جانے کے بعد بیوہ کا حق محفوظ رکھنے کی غرض سے اگر زندگی ہی میں املاک بیوی کے حق میں وصیت کرجائے تو یہ وصیت معتبر ہوگی، کیونکہ وارث کے حق وصیت کی ممانعت کی وجہ دیگر ورثہ کا موجود ہونا اور ان کو کلفت اور وحشت میں ڈالنا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر دیگر ورثہ وصیت پر راضی ہوجائیں تو وارث کے حق میں بھی وصیت نافذ ہوجاتی ہے، جب ورثہ کی موجودگی میں ان کی رضامندی اور اجازت سے وارث کے حق میں وصیت نافذ ہوجاتی ہے تو ورثہ موجود نہ ہونے کی صورت میں بدرجہ اولی وصیت معتبر اور نافذ ہوگی۔

اب رہ گئی یہ بات کہ کتنی مقدار میں نافذ ہوگی تو اس بارے میں فقہاء کی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی وارث نہ ہو تو جمیع مال کی وصیت درست ہے، جب غیر کو جمیع مال کی وصیت کی جاسکتی ہے تو اگر صرف ایک ہی وارث ہو تو اس کو جمیع مال کی وصیت کرنا بدرجہ اولی درست ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابوبکر جصاص رازی لکھتے ہیں:"قال أبو حنيفة و أبويوسف ومحمد وزفر والحسن بن زياد: إذا لم يكن له وارث فأوصى بجميع ماله جاز"وهو قول شريک بن عبد الله"(احکام القرآن للجصاص ۲/ ۱۲۵)۔
اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ دیگر وارث نہ ہونے کی صورت میں بیوی کو جمیع مال کی وصیت کی جاسکتی ہے۔

۹۔ اگر کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کردی جبکہ اس کی زندگی میں دوسرے ورثاء اس پر راضی تھے تو یہ وصیت معتبر ہوگی، لیکن اس کا نفاذ مورث کی وفات کے بعد ورثاء کی اجازت پر ہوگا۔

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں:"قال ابوبکر: وقد اختلف الفقهاء فيمن أوصى بأكثر من الثلث فأجازه الورثة في حياته أو أوصى لبعض ورثته فأجازه الباقون في حياته......فقال أبو حنيفة وأبويوسف ومحمد وزفر والحسن بن زياد والحسن بن صالح وعبيد الله بن الحسن والشافعي:"لا يجوز ذلک حتى يجيزوها بعد الموت"(احکام القرآن للجصاص ۲/ ۱۲۴)، اس وضاحت سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ مورث کی وفات کے بعد کی رضامندی معتبر ہوگی۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصیت ومیراث کے بعض مسائل

مفتی عبدالرحیم قاسمی ☆

۱۔ آیت میراث کے مطابق اگر کسی نے وصیت کی تو اسکا مقصد بھی یہی ہے کہ ہر حقدار کو اسکا حق مل جائے، اس لئے یہ وصیت جائز ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے: اگر مورث اپنے ترکہ میں اسطرح وصیت کر جاوے کہ فلاں وارث کو فلاں چیز دی جاوے اور فلاں وارث کو فلاں چیز بشرطیکہ وہ انداز سے اسکے حصہ شرعی سے کم نہ ہو تو جائز ہے اور اگر کم ہو تو ناجائز کہ وصیت لوارث ہے جو کہ ناجائز ہے اور بطریق مذکور تعیین کر دینا تقسیم ہے اور اسکی ولایت مورث کو دی گئی ہے (امداد الفتاوی ۴/ ۳۳۷)۔

علامہ شامی نے تحریر فرمایا ہے: "ان المريض اذا عين لواحد من الورثة شيئا كالدارعلى أن لا يكون له في سائر التركة حق يجوز وقيل: هذا إذا رضى ذالک الوارث به بعد موته فحينئذ يكون تعيين الميت كتعيين باقي الورثة معه كما في الجواهر قلت: وحكى القولين في جامع الفصولين فقال قيل جاز وبه افتى بعضهم وقيل لا"۔

(وارثوں میں سے کسی ایک کے لئے مریض کوئی چیز متعین کر دے جیسے گھر متعین کر دے اس شرط پر کہ باقی ترکہ میں اسکا حق نہیں ہوگا تو یہ جائز ہے اور کہا گیا کہ یہ اس وقت ہے جبکہ مورث کی موت کے بعد وہ وارث اس پر راضی ہو تو اس وقت مورث کا متعین کرنا باقی وارثوں کے متعین کرنے کی طرح ہوگا اور کہا گیا کہ یہ جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں) (شامی ۵/ ۴۲۰)۔

معلوم ہوا کہ شرعی حصوں کے مطابق وارثوں کے حصے مقرر کر کے مورث وصیت کر دے تو یہ جائز ہے۔

بدائع میں ہے: "ان كان عليه حج او زكوة او كفارة او غير ذالک من الواجبات فالوصية بذالک واجبة وإن لم يكن فهي غير واجبة بل جائزة وبه اخذ الفقيه ابو الليث" (بدائع الصنائع ۷/ ۳۳۱)۔

☆ مفتی وناظم جامعہ حسینیہ خیر العلوم، نور محل روڈ بھوپال (ایم۔پی)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(اگر اسکے ذمہ حج ہو یا زکوۃ رہ گئی ہو یا کفارہ ہو یا اسکے علاوہ واجبات ہوں تو انکے متعلق اس پر وصیت کرنا واجب ہے اور اگر اسکے ذمہ کچھ نہ ہو تو وصیت واجب نہیں بلکہ جائز ہے، ابواللیث نے اسی کو لیا ہے)۔

۲- "لا وصية لوارث" حدیث میں ایسی وصیت سے منع کیا گیا ہے جسکے ذریعہ کسی وارث کو اسکے حصہ سے زیادہ دیا جائے اور دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہو، اس لئے اسی حدیث میں یہ وضاحت بھی ہے: "إلاأن يجيزها الورثة" (دارقطنی ۹۸/۴) یعنی دوسرے ورثاء اگر اجازت دیدیں تو وارث کے لئے کی ہوئی وصیت جائز ہو جائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث وارثوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے ہے اور تمام وارثوں کو انکے شرعی حصے دینے کی وصیت کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہر وارث کو اسکا شرعی حصہ مل جائے، تو یہ وصیت اس حدیث کے خلاف نہیں ہوگی بلکہ اس حدیث کے مقصد کے مطابق ہوگی، اس لئے یہ وصیت درست ہوگی۔

۳- بدائع میں ہے: اگر وارثوں کے لئے وصیت کو جائز قرار دیا جاتا تو موصی بعض وارثوں کو ترجیح دیتا اور اسمیں بعض کو ایذا اور تکلیف اور وحشت ہوتی جو رشتہ کاٹنے تک پہنچا دیتا حالانکہ قطع رحمی حرام ہے اور جو حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہے۔

"لأنالو جوزناالوصية للورثة لكان للموصي أن يوثر بعض الورثة، وفيه ايذاء البعض وايحاشهم فيؤدى الى قطع الرحم وانه حرام وما افضى الى الحرام فهو حرام" (بدائع الصنائع ۳۳۷/۷)۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جس وصیت سے کسی وارث کو دوسرے وارثوں پر ترجیح دی جائے اور دوسرے وارثوں کی ایذا اور حق تلفی ہو ایسی وصیت سے منع کیا گیا ہے، لیکن اگر وارثوں کو انکے حصے دلانے کے لئے وصیت کی جائے تاکہ کسی وارث کی حق تلفی نہ ہو اور کوئی وارث محروم نہ ہو تو ایسی وصیت کی اجازت ہوگی۔ اور یہ حدیث کے مقصد کے مطابق ہوگی، کیونکہ حدیث کا مقصد وارثوں کے حقوق کی حفاظت ہے۔"ولا لوارثه الا باجازة ورثته لقوله عليه السلام: " لا وصية لوارث الا ان يجيزها الورثة" (درمختار علی ہامش ردمختار ۴۲۰/۵) (وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، حضور ﷺ کی حدیث کی وجہ سے کہ وصیت جائز نہیں مگر یہ کہ باقی ورثاء اسکی اجازت دے دیں)۔

ورثاء کی باہمی رضامندی سے جب وارث کے لئے وصیت جائز ہے تو تمام وارثوں کو انکے حصے دینے کی وصیت بدرجہ اولی جائز ہوگی۔

۴- حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی نے تحریر فرمایا ہے: یوکے میں مرنے کے بعد املاک کی تقسیم کے متعلق قوانین ہیں جو اسلامی نہیں اور ہم اسلامی قوانین کے مطابق جو قرآن پاک میں وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں ایمانی طور پر عمل کرنے کے پابند ہیں، اس پر عمل کرنے کی یہی صورت ہے کہ اپنی حیات ہی میں کسی مفتی سے معلوم کر کے اپنا ویل وصیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنایا جائے تاکہ اللہ کے یہاں خلاف شرع تقسیم کے عذاب سے ہم بچ سکیں۔ابتدائی دنوں میں وصیت کرنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ قرآن میں ورثاء کا حق مقرر کردیا گیا ہے،لیکن موجودہ زمانے میں حکومتی قوانین متعین ہیں جس پر عمل کرنا ہمارے لئے شرعاً جائز نہیں ،اس لئے وصیت (ویل نامہ) اسلامی احکام کے مطابق کر جانا ہمارے ملکوں میں ہمارے لئے لازم و ضروری ہے (فتاویٰ دینیہ ۴/ ۴۷۵)۔

اسکے علاوہ حکومت سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ اسلامی احکام کے مطابق قانون بنائیں تاکہ اسکے مطابق مسلمانوں کی میراث تقسیم کی جاسکے۔

۵- مبسوط میں ہے:"لا خلاف أن الكافر لا يرث المسلم بحال، و كذالك لا يرث المسلم الكافر في قول اكثر الصحابة وهو مذهب الفقهاء" (اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کافر کسی بھی حالت میں مسلمان کا وارث نہیں ہوگا،اسی طرح اکثر صحابہ کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا۔یہی فقہاء کا مذہب ہے)۔

"وروى عن معاذ و معاوية رضى الله عنهما قالا: يرث المسلم الكافر"(حضرت معاذ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے)(مبسوط ص ۳۰۔ج ۳۰)۔

اور ظاہر ہے کہ یہ جمہور کا مسلک ہے اور یہی راجح ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا،البتہ فقہی اصطلاح کے مطابق ضرورت ہو اور اسکے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو تو نو مسلم کو اپنے غیر مسلم مورث کی میراث قانون کے ذریعہ مرجوح قول کے مطابق لینے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

۶- وارثوں کو مورث کی موت کے بعد شرعاً جو حصے ملنے والے ہیں انہی حصوں کے مطابق وارثوں کے لئے وصیت کی جائے تاکہ انکا ملنا یقینی ہوجائے اور کسی کی حق تلفی نہ ہو تو یہ وصیت جائز ہے، کیونکہ اس میں کسی وارث کو نقصان پہنچانا مقصد نہیں بلکہ انکے شرعی حصے دلانا مقصود ہے،فتاویٰ دینیہ میں ہے: آپ اپنی حیات ہی میں لڑکے لڑکیوں کو جائداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو میراث کے حصص کے مطابق تقسیم نہیں کرسکتے ، کیونکہ وہ حق مرنے کے بعد ورثاء کو ملتا ہے۔حیات ہی میں جو دیا جاتا ہے وہ بخشش کے زمرہ میں آتا ہے اور اس میں لڑکے لڑکیوں کو برابر بخشش ہونی چاہئے ،اچھی صورت یہ ہے کہ آپ ویل یا وصیت نامہ لکھوائیں اسمیں یہ لکھوائیں کہ میری ملکیت میں یہ چیزیں ہیں: اس میں سے میرے مرنے کے بعد میرے کفن دفن کے خرچہ کو ادا کرکے جو کچھ بچے اس کے کل چھیانوے حصے بنائے جائیں،اس میں سے میری زوجہ کو بارہ حصص اور چاروں لڑکوں میں سے ہر ایک کو چودہ حصص اور چاروں لڑکیوں میں سے ہر ایک کو سات حصص دئے جائیں،آپ کے مرنے کے بعد اس ویل وصیت نامہ کے مطابق عمل ہوگا تو شریعت کا تقاضہ بھی پورا ہوگا اور ویل وصیت ہونے کی وجہ سے جھگڑا بھی نہیں ہوگا (فتاویٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دینیہ ۴/ ۴۷۴)۔

۷۔ وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں، ہاں دوسرے ورثاء اس وصیت سے راضی ہوں تو وہ وصیت معتبر ہوگی، مگر مورث کی زندگی میں جو رضامندی ظاہر کی گئی وہ بالکل معتبر نہیں، مورث کی موت کے بعد اس وصیت سے وارثوں کے راضی ہونے کا اعتبار ہے۔ ''ولا تعتبر اجازتهم حال حياته اصلا بل بعد وفاته'' (درمختار علی ہامش ردمحتار ۵/ ۴۱۷)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مورث کی زندگی میں وصیت نامہ پر دیگر وارثوں کے جو دستخط کرائے گئے ہیں وہ کافی نہیں، مورث کی موت کے بعد دوبارہ ان وارثوں سے اجازت لینا ضروری ہے تب یہ وصیت درست ہوگی۔

۸۔ دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں لاولد اپنی بیوہ کے لئے وصیت کر جائیں تو وہ وصیت معتبر ہوگی۔

''لو اوصى لزوجته أو هي له ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية'' (درمختار علی ہامش ردمحتار ۵/ ۴۲۰)

(اگر شوہر نے بیوی کے لئے وصیت کی یا بیوی نے شوہر کے لئے وصیت کی اور اس موقع پر کوئی دوسرا وارث نہیں ہے تو یہ وصیت صحیح ہے)۔

۹۔ وارث یا غیر وارث کے لئے ایک ثلث سے زیادہ کی وصیت وارثوں کی اجازت پر موقوف رہے گی، جبکہ مورث کی موت کے بعد تمام ورثاء اسکی اجازت دے دیں اور سب ورثاء عاقل بالغ ہوں، مورث کی زندگی میں وارثوں نے جو رضامندی ظاہر کی ہے وہ کافی نہیں ہوگی۔

''وتجوز بالثلث للاجنبی عند عدم المانع وان لم يجز الوارث ذالک لا الزيادة عليه الا ان تجيز ورثته بعد موته''

(ایک تہائی مال کی وصیت مانع نہ ہونے کے وقت اجنبی کے لئے جائز ہے، اگرچہ وارثین اسکی اجازت نہ دیں، ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں مگر یہ کہ مورث کی موت کے بعد ورثاء اسکی اجازت دے دیں تب جائز ہوگی) (درمختار علی ہامش ردمحتار ۵/ ۴۱۷)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصیت سے متعلق بعض مسائل اوران کا شرعی حل

مفتی حبیب اللہ قاسمی ☆

انسان اپنی زندگی میں بہت سی نیکیاں کرتا ہے جس کا اجر اس کیلئے دارِ آخرت میں محفوظ کر دیا جاتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ بعض لوگ اس کے بھی خواہشمند ہوتے ہیں کہ ثواب کا سلسلہ منقطع نہ ہو بلکہ جاری رہے، اس لئے وہ اپنے مال کے کچھ حصہ کو وصیت کے ذریعہ اپنے لئے صدقۂ جاریہ بنانا چاہتا ہے، لیکن اس میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ایسی وصیت نہ ہو جس میں ورثاء کو کوئی نقصان پہونچانا مقصود ہو، اس لئے کہ اضرار فی الوصیت کو بھی کبائر میں سے شمار کیا گیا ہے (الفقہ الاسلامی جلد ۱۰ ص ۷۴۴۳)، نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس سے صرف مقصود تفاخر یا مباہات نہ ہو، اس لئے کہ یہ چیز زمانۂ جاہلیت میں بھی رائج تھی، لیکن اسلام نے اس کی بنیاد حق اور عدل پر قائم کر کے زمانۂ جاہلیت میں رائج تفاخر و مباہات کو روکا (الفقہ الاسلامی جلد ۱۰ ص ۷۴۳۸) وصیت دراصل وصیت کرنے والے کا اپنی مملوکہ چیز کا دوسرے کو بطریق تبرع مرنے کے بعد مالک بنانا ہے، لہذا وہ حضرات جن کو اسلام اور شریعت نے صاحب حق قرار دیا ہے اور انکا حصہ منصوص علیہ ہے، وہ کسی وصیت کے محتاج نہیں ہیں، اسی لئے حضور پاک ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالی نے ہر صاحب حق کا حق دے دیا ہے یعنی متعین کر دیا ہے، لہذا ورثاء کے لئے وصیت کی ضرورت نہیں ہے "ان الله قد أعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث" (رواہ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی، احمد وغیرہم)۔

لہذا وصیت کی مندوبیت یا استحباب صرف غیر ورثاء کیلئے باقی رہ جاتا ہے، ورثاء کیلئے وصیت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، اس مختصر سی تمہید کے بعد اب سوالات کے جوابات بالترتیب سپرد قلم ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کیلئے زندگی ہی میں وصیت نامہ لکھنا جائز ہے، لیکن ورثاء کیلئے نہیں، بلکہ غیر ورثاء کیلئے، اس لئے کہ جن کا حصۂ شرعی منصوص علیہ ہے وہ بہر حال انتقال کے بعد اپنے حصۂ شرعی کے مالک ہیں، اس کیلئے وہ محتاج وصیت نہیں ہیں بلکہ ان کے حق میں وہ وصیت لغو قرار پائے گی، اگر انتقال کے بعد

☆ شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور اعظم گڈھ یوپی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دارالافتاء سے رجوع کر کے حصص متعین کروالیں اور اس کے مطابق عمل درآمد کرلیں بظاہر اس میں کوئی دشواری بھی نہیں ہے، اور اگر یہی مقصد ہے کی وفات کے بعد تمام ورثاء کو ان کا شرعی حصہ مل جائے تو وصیت کے بجائے ہبہ کی شکل بھی تو موجود ہے، اپنی زندگی میں ہبہ کر کے قبضہ وعمل دخل کرادے، اس میں کوئی کراہت بھی نہیں ہے۔

۲- جیسا کہ سوال ا کے جواب میں تفصیل آ چکی ہے کہ ورثاء کے حق میں وصیت غیر معتبر اور لغو ہے۔

۳- "لا وصية لوارث" کا مورد عام ہے اور جیسا کہ تمہیدی گفتگو میں یہ بات آ چکی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر " لا وصية لوارث "کا اعلان اس تناظر میں فرمایا کہ جب ہر صاحب حق کا حق اللہ نے دیدیا ہے، پھر وصیت کی ان لوگوں کیلئے کوئی ضرورت نہیں ہے، مورث کے انتقال کے بعد اس منصوص علیہ حق کا مالک خود ورثاء بن جائیں گے، لہذا تمليك مضاف الى مابعد الموت بطريق التبرع کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۴- جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ اپنی زندگی میں حسب حصص شرعیہ ورثاء کے درمیان اپنا مال تقسیم کردے یا ھبہ کر کے اس کا قبضہ کرادے۔

۵- "ملتقی الابحر ومجمع الانہر" میں اس کی صراحت ہے کہ مسلمان ذمی کیلئے اور ذمی مسلمان کیلئے وصیت کر سکتا ہے، اس لئے کہ یہ تبرع کے قبیل سے ہے، اور جانبین سے تبرع جب زندگی میں جائز ہے تو مرنے کے بعد اس کو ممنوع قرار دینے کی کوئی وجہ شرعی نہیں ہے، البتہ حربی کیلئے حربی کے دارالحرب میں ہوتے ہوئے مسلمان کی وصیت کو باطل قرار دیا گیا ہے، اس لئے کہ یہ ایک طرح کا برادر صلہ ہے، اور حربی کے ساتھ بر اور صلہ سے روکا گیا ہے، لیکن یہ جامع صغیر کی عبارت ہے، مگر سیر کبیر کی عبارت جواز پر دلالت کرتی ہے، جس میں تطبیق اس طور پر دی گئی ہے کہ ایسا مسلمان کو کرنا نہیں چاہئے لیکن اگر کسی مسلمان نے کردیا تو جائز ہے۔

"وتصح الوصية من المسلم للذمي وبالعكس ....حتى جاز التبرع من الجانبين فى حال الحياةفكذا بعد الموت وفى الجامع الصغير: الوصية لحربى وفى دارهم باطلة لانها بر وصلة ونهينا عن بر من يقاتلون .... وفى السير الكبير: ما يدل على الجواز، وجه التوفيق انه لاينبغى ان يفعل وان فعل جاز كذا فى الكافى وفيه تأمل " (مجمع الانہر جلد ۲ ص ۶۹۲)۔

لیکن یہاں پر یہ بات قابل غور ضرور ہے کہ وصیت کے صحیح ہونے کیلئے کیا اسلام شرط ہے، درمختار، بدائع، تبیین الحقائق، فتح القدیر اور دیگر کتب فقہیہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام وصیت کے صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی وجہ سے ان تمام کتب فقہ میں اس کی صراحت ہے کہ مسلمان کی وصیت ذمی کیلئے اور ذمی کی وصیت مسلمان کیلئے بالاتفاق جائز ہے، اگر وصیت کے صحیح ہونے کیلئے اسلام شرط ہوتا تو ذمی کیلئے مسلمان کی وصیت صحیح نہ ہوتی، اور سیر کبیر کی صراحت کے مطابق تو حربی کیلئے بھی وصیت جائز ہے۔

اسی وجہ سے بعض فقہاء متأخرین نے اتحادِ دین کی شرط کو مسلم اور غیر مسلم کی وصیت کے درمیان سے اٹھا دیا ہے اور وہ اس کے قائل ہیں کہ مسلمان کی وصیت غیر مسلم کے لئے خواہ یہودی ہو یا نصرانی اور غیر مسلم کی وصیت مسلمان کیلئے صحیح اور جائز ہے۔

" لایشترط اتحاد الدین بین الموصی والموصیٰ له لصحة الوصیة فتجوز وصیة المسلم لغیر المسلم، وتجوز الوصیة لغیر المسلم لأهله ولغیر أهل ملته کالیهودی للمسیح و بالعکس والمسلم للیهودی او المسیح و بالعکس لأن غیر المسلمین فی دار الاسلام لهم ما علی المسلمین وعلیهم ما علی المسلمین رواه مسلم عن بریده" (الفقہ الاسلامی جلد ۱۰ ص ۷۴۷۴)۔

" تصح الوصیة من المسلمین وغیره لانها نوع من البر وهو مرغوب فیه فی کل الادیان وتجوز کما تقدم وصیة المسلم للکافر والکافر للمسلم فلیس الاسلام شرطا لصحة الوصیة فتصح وصیة الذمی بمال للمسلم وللذمی وبالعکس"(الفقہ الاسلامی جلد ۱۰ ص ۷۴۹۴)۔

۶- اگر مورث یہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد کے درمیان اس کے انتقال کے بعد اختلاف نہ ہو، تو حسب ہدایت شرعی اپنی اولاد کے درمیان اپنا مال اپنی ہی زندگی میں تقسیم کردے، اور اس کے حصہ کا اس کو مالک بنادے یا ھبہ کرکے مالک بنادے۔

۷- دوسرے ورثاء کی رضامندی کیلئے دو شرطیں ہیں:

۱- وارث مجیز بالغ ہو، عاقل ہو مجور نہ ہو اور موصیٰ بہ کو جانتا اور سمجھتا ہو۔

۲- یہ اجازت موصی کے انتقال کے بعد ہو، لہذا اگر موصی کی زندگی میں ورثاء نے اجازت دیدی تو مورث کے انتقال کے بعد اس اجازت کو واپس لینے کا حق ہوگا، اس صورت میں وہ وصیت باطل ہوجائیگی، خواہ وصیت وارث کیلئے ہو یا اجنبی کیلئے ہو، یہی رائے حضرات ائمہ اربعہ کی ہے۔

"ویشترط لصحة الاجازة شرطان: الأول أن یکون المجیز من أهل التبرع عالما بالموصیٰ به بأن یکون بالغا عاقلا غیر محجور علیه، والثانی ان تکون الاجازة بعد موت الموصی فلا عبرة باجازة الورثة حال حیاة الموصی فلو اجازوها حال حیاته ثم ردوها بعد وفاته صح الرد وبطلت الوصیة، سواء کانت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الوصیة للوارث أم لأجنبی، وهذا رأی الحنفیة والشافعیة والحنابلة وکذا قال المالکیة "(الفقہ الاسلامی جلد ۱۰ ص ۷۷۴۷)۔

۸- لاولد کا اپنی بیوی کے بارے میں فکر مند ہونا تعجب خیز نہیں ،اسلئے کہ صاحب اولاد بھی اپنے چراغ خانہ کیلئے جس طرح پوری زندگی فکر مند رہتا ہے اپنے جانے کے بعد کی بھی فکر رکھتا ہے، کہ بیوہ کا حق محفوظ رہے اور وہ بے سہارا نہ ہو جائے ، یہ فکر البتہ محل غور ہے، اس لئے کہ شریعت نے تو اس کے حق کو محفوظ کر دیا ہے، یہ کہہ کر کہ ''ولهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلهن الثمن'' پھر وہ بے سہارا کہاں رہی ،ایسی صورت میں اگر اس کے شوہر کے ذوی الفروض یا عصبات میں سے کوئی نہیں ہے تو بقیہ مال بھی اس کی بیوی ہی کی طرف عود کر جائے گا۔

۹- اگر کسی غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کر دی تو یہ وصیت موقوف ہوگی ورثاء کی اجازت پر، اگر ورثاء نے اجازت دیدی تو ایک تہائی سے زیادہ میں وصیت نافذ ہو جائیگی ،اور اگر اجازت نہیں دی تو ایک تہائی سے زیادہ میں وصیت نافذ نہیں ہوگی ،اور اجازت کیلئے وہی دو شرطیں ہیں جنکا تذکرہ سوال ۷ کے ضمن میں آچکا ہے، اس لئے کہ ترکہ کی ملکیت کا ثبوت ورثاء کیلئے مورث کے انتقال کے بعد ہی ہوتا ہے، اسلئے ورثاء کی اجازت اور عدم اجازت ملکیت کے ثبوت کے بعد ہی معتبر ہوگی ،لہذا موصی کی زندگی میں ورثاء کی اجازت اور عدم اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

''لاتنفذ الوصیة فیما زاد عن الثلث إلا بإجازة الورثة یری ائمة المذاهب الأربعة أن الاجازة لا تکون مقبولة وملزمة الا بعد موت الموصی فلو حدثت الاجازة او الرد فی حیاة الموصی لم یعتبر ذالک، لأن ملک الترکة لا یثبت للورثة إلا بعد موت المورث فتعتبر اجازتهم وردهم بعد ثبوت الملک لهم''(الفقہ الاسلامی جلد ۱۰ ص ۷۵۴۲)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث اور وصیت غیر اسلامی ملکوں کے تناظر میں

مولانا رحمت اللہ ندوی ☆

وارث کے لئے وصیت:

موصی لہ (جس کے حق میں وصیت کی جائے) کے لئے جو شرطیں فقہاء نے ذکر کی ہیں ان میں سے ایک شرط اس کا وارث نہ ہونا ہے، لیکن یہ شرط مختلف فیہ ہے اور اس سلسلہ میں فقہاء کے تین نقطہائے نظر ہیں:

۱- یہ شرط، صحت وصیت کے لئے ہے، لہذا اگر کسی نے وارث کے لئے وصیت کی تو ابتداء ہی سے باطل ہو جائے گی اور اجازت سے درست نہ ہوگی، اگر باقی ورثاء کی طرف سے اجازت پائی جائے تو اسے ان کی طرف سے ہبہ مانا جائے گا، اور اس میں ہبہ کی شرطیں مثلاً لفظ قبول اور قبضہ وغیرہ کو ملحوظ رکھا جائے گا، یہ رائے ظاہریہ، بعض مالکیہ، بعض حنابلہ اور شافعیہ میں امام مزنی کی ہے۔

ان حضرات کی دلیل حدیث "لا وصية لوارث" ہے کہ اس کے ظاہر سے صحت کی نفی اور بطلان معلوم ہوتا ہے، اس حدیث کا مفہوم یہ ہوگا "لا وصية صحيحة لوارث" اس لئے اس پر شرعی حکم مرتب نہ ہوگا، اور جب وصیت ہی صحیح نہ ہوگی تو اس میں بعد کی اجازت کچھ کام نہ آئے گی۔ لیکن اس استدلال پر یہ اشکال ہے کہ اس حدیث کی بعض روایات میں ایسی زیادتی اور اضافہ ہے جو صحت وصیت پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ بعض طرق میں "إلا أن يجيزها الورثة" یا "إلا أن يشاء الورثة" آیا ہے، تو یہ استثناء اس بات کی دلیل ہے کہ صحت کی نفی نہیں ہے بلکہ اس کے پس پردہ کسی دوسری شئی کی نفی ہے اور وہ نفاذ ہے۔

۲- دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ وارث نہ ہونا، نفاذ وصیت کے لئے شرط ہے، پس وارث کے لئے وصیت تو صحیح ہوگی، لیکن بقیہ ورثاء کی اجازت پر اس کا نفاذ موقوف ہوگا، اگر وہ اجازت دے دیں تو نافذ ورنہ باطل ہوگی۔

یہ جمہور فقہاء، حنفیہ، اکثر مالکیہ کا مذہب اور امام احمد اور شافعیہ کا ظاہر مذہب ہے، اس لئے کہ وارث کے لئے یہ

☆ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصیت اہل کی طرف سے اپنے فعل میں ایک تصرف ہے، لہذا تمام تصرفات اور اجنبی کے حق میں وصیت کی طرح یہ صحیح اور درست ہوگا، اس کی تائید بعض ان روایات سے ہوتی ہے جن میں اضافہ ہے، جیسا کہ اوپر ذکر آیا، یہ اضافہ اور زیادتی اس پر دال ہے کہ اصل وصیت تو صحیح ہے لیکن غیر نافذ ہے، نفاذ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

یہ حضرات کہتے ہیں کہ آیت وصیت منسوخ ہے یا تو آیات میراث سے یا حدیث "إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، ألا لا وصية لوارث" سے، اس لئے کہ یہ حدیث مشہور یا متواتر ہے، پھر ان حضرات کے نزدیک وارث ہونے کا اعتبار فی الحال کی طرح مرتے وقت کا بھی کیا جائے گا، نہ کہ انشاء وصیت کے وقت کا، یعنی وصیت کے وقت وارث ہو لیکن وفات کے وقت نہ رہ جائے تو وصیت درست ہوگی، لہذا اگر کسی وارث کو وصیت کردے پھر کوئی ایسا شخص پایا جائے جو وفات کے وقت اس کو محجوب کردے جیسے اپنے بھائی کے لئے وصیت کی جبکہ اس کا کوئی لڑکا نہ تھا پھر اس کو لڑکا ہو گیا تو بھائی کے لئے وصیت اس حال میں بغیر اجازت پر موقوف ہوئے نافذ ہوگی۔

ابن حزم کی رائے میں دونوں برابر ہے، انشاء وصیت کے وقت وارث ہو پھر وفات کے وقت وارث نہ رہ جائے یا وفات کے وقت وارث ہو۔

۳- تیسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ وارث نہ ہونا، یہ نہ تو صحت وصیت کے لئے شرط ہے اور نہ نفاذ کے لئے، بلکہ وصیت وارث کے لئے صحیح ہوگی، بقیہ وارثان کی اجازت پر موقوف نہ ہوگی، جیسے اجنبی کے لئے وصیت ہوتی ہے، بشرطیکہ ثلث کے حدود میں رہے۔

یہ رائے بعض شیعہ فقہاء جیسے امامیہ، اثنا عشریہ اور بعض زیدیہ کی ہے، ان لوگوں کا کہنا ہے کہ آیت وصیت ورثاء کے لئے اس کی مشروعیت کا فائدہ دیتی ہے جن کو آیت میں اقربین سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ان کو بھی جو اقرباء کا حکم کسی دوسرے سبب سے رکھتے ہوں جیسے زوجیت، یہ آیت اپنے حکم کے ساتھ باقی ہے، اس کی منسوخیت کا دعوی تسلیم کرنا آسان نہیں، کیونکہ اس کا تاکیدی اور زوردار اسلوب "حقا على المتقين" اور "فمن بدله بعد ما سمعه فإنما إثمه على الذين يبدلونه إن الله سميع عليم"، نسخ کے دعوی سے میل نہیں کھاتا۔

اس بنیاد پر حدیث "لا وصية لوارث" میں جس وصیت کی نفی ہے، یہ وہ وصیت ہے جو میراث سے قبل ورثاء کے لئے مشروع تھی نہ کہ مطلق وصیت کی نفی ہے، وارث کے حق میں منسوخ وجوب وصیت ہے نہ کہ اس کی اصل مشروعیت، اور اس سلسلہ میں ہے جس میں ورثاء دو ثلث کے مستحق ہوتے ہیں، لہذا حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ "لا تصح وصية لوارث من الثلثين إلا أن يجيز الورثة" (دو ثلث کے وارث کے لئے وصیت بغیر وارثان کی اجازت کے صحیح نہیں ہوتی) (احکام الوصایا والأوقاف از ص ۸۶ تا ۸۹ ملخصاً)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"لاوصیة لوارث" کی تحقیق:

امام بخاریؒ نے باب "لا وصیة لوارث" کے تحت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے:

"عن ابن عباسؓ قال: کان المال للولد وکانت الوصیة للوالدین فنسخ الله من ذلک ما أحب، فجعل للذکر مثل حظ الانثیین وجعل للأبوین لکل واحد منهما السدس وجعل للمرأة الثمن والربع وللزوج الشطر والربع" (مال لڑکے کا ہوتا تھا اور والدین کے لئے وصیت ہوتی تھی تو اللہ نے اس میں سے جو چاہا منسوخ کر دیا، چنانچہ لڑکے کو لڑکی کا دوگنا، والدین میں سے ہر ایک کو سدس (چھٹا حصہ) عورت کو ثمن اور ربع اور شوہر کو نصف اور ربع دیا)۔

حاشیہ میں ہے: "المراد بعدم صحة وصیة الوارث عدم اللزوم، لأن الأکثر علی أنها موقوفة علی إجازة الورثة، وروی الدار قطنی عن ابن عباسؓ مرفوعا: لا تجوز وصیة لوارث إلا أن یشاء الورثة" ورجاله ثقات" (وارث کے لئے وصیت صحیح نہ ہونے سے مراد عدم لزوم ہے، اس لئے کہ اکثر علماء کی رائے میں ایسی وصیت ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے، دارقطنی نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعا روایت کی ہے کہ کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں جب تک کہ ورثاء نہ چاہیں، اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں)۔

آگے محشی علام نے جمہور علماء کی رائے یوں تحریر فرمائی ہے:

"قال جمهور العلماء کانت هذه الوصیة فی أول الإسلام واجبا لوالدی المیت وأقربائه علی ما یراه من المساواة والتفضیل ثم نسخ ذلک بآیة الفرائض، وقیل: کانت للوالدین والأقربین دون الأولاد فإنهم کانوا یرثون ما یبقی بعد الوصیة" (بخاری ۲ر ۴۲۲، حدیث نمبر ۲۷۴۷، باب: لاوصیة لوارث)۔

(جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ وصیت ابتداء اسلام میں میت کے والدین اور اس کے اقرباء کے لئے مساوات اور تفضیل جو بھی مناسب سمجھے، کے طور پر واجب تھی پھر آیت میراث سے منسوخ ہوگئی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ والدین اور اقرباء کے لئے وصیت تھی اولاد کے لئے نہیں، اس لئے اولاد وصیت کے بعد جو رہ جاتا اس کی وارث ہوتی تھی)۔

نفاذ وصیت کی شرط اور اس کی مقدار:

موصی بہ (جس چیز کی وصیت کی جائے) میں نفاذ وصیت کے لئے شرط ہے کہ وہ ترکہ کے ایک تہائی میں محدود ہو جبکہ موصی کا کوئی وارث ہو، اگر وارث نہ ہو تو پھر یہ شرط نہ ہوگی، بلکہ پورے مال میں وصیت نافذ ہوگی۔

اگر موصی کا کوئی وارث ہو اور وہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کر جائے تو زائد میں وصیت ورثاء کی اجازت پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موقوف ہوگی، اگر اجازت دے دیں تو نافذ ورنہ باطل ہوجائے گی، اور ثلث سے زائد میں وصیت ورثاء کی اجازت پر اس لئے موقوف ہے کہ یہ تصرف حق غیر سے متعلق ہے۔

معلوم ہوا کہ وصیت کی ایک متعین مقدار ہے جس میں بلاتوقف وصیت نافذ ہوگی اور جب اس مقدار سے بڑھ جائے تو زائد میں اصحاب حق کی اجازت پر موقوف ہوگی، اور یہ مقدار موصی کے ترکہ کا ثلث ہے، قرآن کریم میں اگرچہ یہ حکم مطلق ہے، لیکن سنت مشہورہ نے ثلث سے اس کی تحدید کردی ہے، جیسا کہ حدیث سعد میں "الثلث والثلث كثير" ہے اور اس مفہوم کی دیگر حدیثیں ہیں، معتمد علیہ رائے کے مطابق جب وصیت ثلث ترکہ کے حدود میں ہو تو دین کی ادائیگی کے بعد نافذ ہوگی، کسی اجازت کی ضرورت نہ ہوگی (احکام الوصایا والأوقاف رص ۱۲۹، ۱۳۰، کذا فی احکام المواریث ر ۱۰)۔

امام بخاریؒ نے باب الوصیۃ بالثلث قائم کیا ہے، اور حدیث ذکر کی ہیں، محشی علامؒ نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:"قال الطيبي: أجمعوا على من له وارث لا تنفذ وصيته بزيادة على الثلث إلا بإجازته، وعلى نفوذها بإجازته في جميع المال، وأما من لا وارث له فمذهب الجمهور لا يصح وصيته فيما زاد على الثلث وجوزه ابو حنيفة وأصحابه واسحاق واحمد في إحدى الروايتين عنه" (بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، رقم الحدیث: ۲۷۴۳، ۲۷۴۴ کے تحت حاشیہ)۔

(طیبیؒ فرماتے ہیں: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس کا وارث ہو اس کی وصیت زائد از ثلث میں وارث کی اجازت کے بغیر نافذ نہ ہوگی، اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ پورے مال میں بھی اس کی اجازت سے نافذ ہوجائے گی، اور جس کا وارث نہ ہو، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کی وصیت بھی ثلث سے زیادہ میں درست نہ ہوگی، اور امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب، اسحاق، اور ایک روایت کے مطابق امام احمد نے ایسے شخص کی وصیت ثلث سے زائد میں جائز قرار دیا ہے)۔

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں فرمایا: یہ حضرت علی اور ابن مسعودؓ کا قول ہے، استدلال اس طرح ہے کہ وصیت آیت میں مطلق تھی حدیث نے اسے مقید کردیا کہ جس کا کوئی وارث ہو، تو جس کا وارث نہ ہو وہ اطلاق پر رہا، یہ بھی مختلف فیہ ہے کہ ثلث مال کا اعتبار وصیت کے وقت ہوگا یا موت کے وقت؟

شافعیہ کے نزدیک دونوں قول ہیں، صحیح دوسرا ہے، اور پہلا قول امام مالک، اکثر اہل عراق کا ہے اور یہی نخعی، اور عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے کہ وصیت کے وقت جو مال ہے اس کے ثلث کا اعتبار ہوگا، مرتے وقت مال کے ثلث کا اعتبار کرنے والے امام ابوحنیفہ، احمد اور بقیہ حضرات ہیں، یہی حضرت علی اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے (ایضا)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثلث سے زائد کی وصیت:

اگر وصیت ثلث سے زائد کی ہو تو اس سلسلہ میں فقہاء کی دو رائیں پائی جاتی ہیں:

۱- یہ وصیت باطل ہو جائے گی، خواہ اس کا وارث ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ حضور ﷺ نے حضرت سعدؓ کو منع کیا تھا، اور چونکہ نہی مطلق ہے، اس لئے تحریم کا فائدہ دیتی ہے، اور تحریم منہی عنہ کے بطلان کا تقاضا کرتی ہے۔

۲- دوسری رائے یہ ہے کہ وصیت صحیح ہوگی لیکن ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی، صحیح اس لئے ہوگی کہ اہلیت رکھنے والا شخص تصرف کر رہا ہے اور یہ برمحل ہے، اس لئے کہ آدمی اپنی ملکیت میں تصرف کر سکتا ہے، لہٰذا تمام تصرفات کی طرح یہ بھی درست ہوگا۔

موقوف اس لئے ہوگی کہ ورثاء کا حق متعلق ہے اور اس میں حق کی رعایت ہے، اسی وجہ سے معاملہ ان پر چھوڑ دیا جائے گا، اگر وہ اجازت دیں تو نافذ ہوگی ورنہ نہیں۔

واضح رہے کہ ورثاء کی اجازت کا اعتبار حسب ذیل تین شرطوں کے ساتھ ہوگا، ان میں سے بعض متفق علیہ ہیں اور بعض مختلف فیہ ہیں:

۱- اجازت موصی کی وفات کے بعد ہو، اس کی زندگی میں اجازت یا رد کا اعتبار نہ ہوگا، اگر وارث نے موصی کی وفات سے قبل اجازت دے دی تو اس کی وفات کے بعد رد کا حق ہوگا، پہلی اجازت لازم نہ ہوگی۔

۲- مجیز (اجازت دینے والا) تبرع کا اہل ہو، یعنی عاقل و بالغ باشعور ہو، بچے، مجنون، بے وقوف اور بیوقوفی یا غفلت کی وجہ سے مجور شخص کی اجازت درست نہیں، جس طرح ان کے اولیاء کی طرف سے صحیح نہیں۔

۳- مجیز کو اس چیز کا علم ہو جس کی اجازت دے رہا ہے، اگر موصی کی بہت سی وصیت ہوں، اور وارث ان کی حقیقت نہ جانتا ہو، پھر بھی ان کی اجازت دے دے تو یہ اجازت معتبر نہ ہوگی، اس لئے کہ یا تو اس کی طرف سے تملیک ہوگی یا اپنے حق کا اسقاط ہوگا اور یہ دونوں ہی صرف شئی معلوم کے لئے صحیح ہیں (احکام الوصایا والأوقاف رص ۱۳۱ تا ۱۳۴)۔

دین و دار کے اتحاد و اختلاف کا اثر:

ایک مسلم دوسرے مسلم کے لئے وصیت کرے خواہ دونوں کا دیار اور شہریت الگ ہو، اس وصیت کی صحت و درستی میں کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ اسلام کا رابطہ ایسا ہے جس کو دیار کے حدود سے الگ نہیں کر سکتے، اسی طرح فقہاء کے مابین اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسلمان کی وصیت ذمی (جو اسلام قبول نہ کرے اور مسلم حکومت میں جزیہ دے کر رہنے پر راضی ہو) کے لئے درست ہے، اس لئے کہ وصیت فی نفسہ نیکی اور صلہ ہے اور اہل ذمہ سے صلہ ممنوع نہیں ہے، ارشاد باری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ ہے:"لا ینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروهم وتقسطوا إلیهم، إن الله یحب المقسطین"(ممتحنہ:۸)۔

حربی (جس سے کوئی عہد و پیمان نہ ہو) اگر دارالاسلام امان لے کر محدود وقت کے لئے تجارت وغیرہ کی غرض سے قیام کرنے کے لئے داخل ہو، اس کو مستأمن کہتے ہیں، مسلمان کا ایسے حربی کو وصیت کرنا مذاہب ثلاثہ (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) اور مذہب حنفیہ کی ظاہری رائے میں جائز ہے، اس لئے کہ وہ ذمی کی طرح ہے، جب زندگی میں اس کو مال کا مالک بنا سکتا ہے تو مرنے کے بعد بھی بنا سکتا ہے۔ حضرات شیخین (ابوحنیفہ وابو یوسف) کی ایک روایت حربی کے حق میں وصیت کے عدم صحت کی ہے، اس لئے کہ وہ دارالحرب واپسی عنقریب کرنے والا ہے، اس طور پر کہ ہمارے یہاں اقامت ہمیشہ کے لئے ناممکن ہے، برخلاف ذمی کے۔ البتہ دارالحرب میں رہتے ہوئے جبکہ دارالحرب اور دارالاسلام میں عداوت ہو، اور باہمی نصرت وتعاون کا کوئی تعلق نہ ہو، تو ائمہ ثلاثہ مسلمان کی وصیت حربی کے لئے درست مانتے ہیں، بشرطیکہ وہ ہتھیار یا مسلمان غلام یا ایسی شی نہ ہو جس سے اسلام کو ضرر لاحق ہو، اس لئے کہ وصیت ہبہ کی طرح ہے اور ہبہ مسلمان کی طرف سے حربی کے لئے درست ہے تو اسی طرح وصیت بھی ہے۔

حنفیہ نے اس حال میں وصیت سے منع کیا ہے، اللہ کا ارشاد ہے:"إنما ینهاکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدین وأخرجوکم من دیارکم وظاهروا علی إخراجکم أن تولوهم ومن یتولهم فاولئک هم الظالمون"(ممتحنہ:۹)۔

اور اس لئے بھی کہ ان کی وصیت اپنے خلاف جنگ میں باعث تقویت ہے، اور ان کے مال کو بڑھانا، مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہے، تو ہتھیار اور اسلام کے لئے باعث ضرر شی کی وصیت کی طرح ہوگئی۔

بادی النظر میں حنفیہ کا مذہب ترجیح کا متقاضی ہے اس لئے کہ وہ بھی حربی ہے، اس حربی کی طرح جس سے کوئی عہد و پیمان نہیں اور نہ ہمارے دار میں امان لے کر آیا ہے، بلکہ ایسے ملک اور شہر میں زندگی گزار رہا ہے جس کا حکومت اسلام سے تعاون ونصرت کا کوئی تعلق نہیں اور تحفظ دونوں کے مابین منقطع ہے (احکام الوصایا والأوقاف ر ۹۲، ۹۳)۔

مسلمان کا وارث کافر:

جمہور فقہاء، حنابلہ میں ابوطالب، حضرت علی، زید بن ثابت اور اکثر صحابہ کا قول یہ ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں، اگر چہ ترکہ کی تقسیم سے قبل مسلمان ہو جائے، کیونکہ مورث کی موت سے میراث مستحقین کے لئے واجب ہوگئی، خواہ مسلمان اور کافر کے درمیان ربط رشتہ داری کا ہو یا نکاح کا یا ولاء کا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام احمد کی رائے ہے کہ اگر کافر ترکہ تقسیم ہونے سے قبل مسلمان ہو جائے تو مسلمان کا وارث ہوگا، اس لئے کہ فرمان نبوی ﷺ ہے: "من أسلم علی شئ فھو له" (جو شخص کسی چیز پر اسلام لائے وہ اس کے لئے ہے) نیز اس لئے کہ کافر اپنے آزاد کردہ مسلمان غلام کا وارث ہوگا، اور اس لئے بھی کہ وارث بنانے میں اسلام کی ترغیب دینا ہے۔

کافر کا وارث مسلمان:

جمہور فقہاء کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث نہ ہوگا، اور حضرات معاذؓ، معاویہؓ، حسنؒ، محمد بن الحنفیہ، محمد بن علی بن حسین اور مسروق کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث ہوگا۔

ائمہ اربعہ کی دلیل حدیث "لا یتوارث أھل ملل شتی" (مختلف ملت والے ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے)، نیز حدیث "لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" (مسلمان کافر کا، اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا)۔

مسلمان کافر کا وارث ہوگا، اس کے قائلین کی دلیل حدیث "الاسلام یعلو ولا یعلی علیه" (اسلام بلند ہوگا، اس پر کوئی چیز بلند نہ ہوگی) اور مسلمان کافر کا وارث ہو یہ اسلام کی بلندی میں داخل ہے (موسوعہ فقہیہ ۳/ ۲۸، احکام المواریث رص ۵۰)۔

شیخ محمد محی الدین عبدالحمید کی تحقیق کے مطابق امام احمد بسبب ولاء مسلمان کو کافر کا وارث مانتے ہیں، مزید انہوں نے مذکورہ بالا ان اسماء میں اضافہ کیا ہے جو مسلمان کو کافر کا وارث مانتے ہیں، مثلاً سعید ابن المسیب نخعی اور اسحاق بن راہویہ، خواہ اسباب میراث میں سے کوئی سبب ہو، زوجیت یا قرابت یا ولاء۔

اور مذکورہ بالا دلیل کے ساتھ ابوداؤد کی حدیث "الاسلام یزید ولا ینقص" سے استدلال اس طرح کیا ہے کہ زیادت اسلام یہ ہے کہ ہم مسلمان کو کافر کا وارث مانیں اور کافر کو مسلمان کا وارث نہ مانیں۔

اسی طرح قیاس بھی دلیل ہے کہ اسلام مسلمان کے لئے کتابیہ سے شادی کو مباح قرار دیتا ہے، اس کے برعکس کتابی کے لئے مسلمہ سے شادی جائز نہیں، اسی طرح مسلمان کے لئے کافر کے مال کو غنیمت بنانا جائز ہے، تو جس طرح ان کی عورتوں سے شادی جائز اسی طرح ان کا وارث بننا اور میراث لینا جائز (احکام المواریث رص ۵۱ تا ۵۳، کذا فی الشریفیہ رص ۱۴)۔

شیخ یوسف القرضاوی نے تحریر کیا ہے کہ "بہر حال اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ کافر اور مرتد شخص اپنے مسلمان رشتہ داروں کا وارث نہیں ہوگا" (فتاوی یوسف القرضاوی ۱/ ۷۵۲)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وارث کے لئے وصیت اور کافر کا مسلم وارث

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی ☆

زمانہ جاہلیت میں دیگر خرابیوں کی طرح مالی امور میں بھی بہت بگاڑ اور فساد رونما ہوگیا تھا، باطل طریقے سے دوسروں کے مال کو ہڑپ لینا معمولی کام تھا، یہاں تک کہ اس سے قریبی رشتہ دار تک محفوظ نہیں تھے، اور وراثت کی تقسیم میں زورآور کمزوروں کا حق مار لیتا، چنانچہ قرآن پاک میں ہے: "وتاکلون التراث أکلا لما" (سورۂ فجر:۱۹) (اور تم میراث کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو)۔

ایسے ماحول اور معاشرہ میں یہ حکم دیا گیا کہ قریبی رشتہ داروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے زندگی کے آخری لمحہ میں ان کے لئے وصیت کر دینا چاہئے (سورہ بقرہ:۱۸۰)، لیکن جب وراثت کے سلسلہ میں اللہ کا حکم اور اس کی وصیت نازل ہوگئی تو پھر ان لوگوں کے لئے وصیت کی ضرورت باقی نہیں رہی جو میراث کے حقدار ہوتے ہیں، اسی حقیقت کو اللہ کے رسول ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: "ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث" (ابوداؤد، ترمذی وصححه وابن ماجه وغیرہ، عن عمرو بن خارجه مرفوعا عن ابی امام ایضا دیکھئے: نیل الاوطار ۱۲۵۱/۲) (اللہ تعالی نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے، اس لئے اب وارث کے لئے وصیت نہیں)۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے: "لا یجوز لوارث وصیة إلا أن یشاء الورثة" (رواہ الدارقطنی، نیل الاوطار ۱۲۵۱/۲) (وارث کے لئے کسی طرح کی وصیت جائز نہیں ہے مگر یہ کہ دوسرے وارثین اسے پسند کریں) اس لئے کہ وارثوں کے حقوق کی حفاظت ہی کے لئے میراث کی آیت نازل ہوئی ہے، اس لئے کوئی اپنی وصیت کے ذریعہ ان کے حقوق کو چھین نہیں سکتا ہے، ہاں اگر صاحب حق خود اپنے حق سے دست بردار ہونے کے لئے آمادہ ہو تو یہ اس کی طرف سے ایک طرح کا تحفہ ہے جس کی اجازت ہے، لیکن اگر کسی وصیت کا مقصد میراث کے حکم کا نفاذ اور اس کی تائید و تاکید ہے تو یہ یقیناً درست بلکہ قابل ستائش ہے۔

☆ استاذ، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس لئے جن ملکوں میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، اور نہ مسلمانوں میں اتنی دینداری ہے کہ وہ اپنی ذاتی نفع وضرر سے بلند ہو کر اتباع شریعت کے جذبے سے اپنے اوپر بخوشی اسلام کے قانون میراث کو جاری کریں، یا اسلام کے مطابق وراثت تقسیم کرنے کی راہ میں ملکی قانون رکاوٹ ہے تو وارثوں کے حق کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے مورث کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ وفات سے پہلے ایسا وصیت نامہ تیار کردے جس میں شرعی طریقے کے مطابق وارثوں کو حصہ دینے کی وصیت کی گئی ہو۔

اس طرح کی وصیت مذکورہ حدیث کے خلاف نہیں ہوگی، بلکہ اس کے ذریعہ اس کے مقصد کی تکمیل ہوگی، مذکورہ روایت کا مصداق صرف وہ وصیت ہے جس کے ذریعہ دوسرے وارثوں کو ان کا حق دلانا ہو، بلکہ جن جگہوں پر اسلام کا قانون میراث جاری نہ ہو وہاں قانون وراثت کے نفاذ کے لئے بہترین شکل وصیت ہے اور چونکہ اس وصیت کے ذریعہ کسی وارث کی حق تلفی نہیں ہوتی ہے، اس لئے ان کی طرف سے رضامندی اور اجازت کی ضرورت نہیں ہے، لیکن جس وصیت کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حق سے زیادہ دیا جارہا ہو تو وہ دوسرے وارثوں کی اجازت اور مرضی پر موقوف ہوگی اور اگر وہ مورث کی زندگی میں اس کی اجازت دے دیں، لیکن اس کی وفات کے بعد اس سے رجوع کرلیں تو اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، ابن سیرین، زہری، ربیعہ اور امام اوزاعی کے نزدیک انہیں اس سے رجوع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور وفات کے بعد ان کے نہ چاہتے ہوئے بھی وصیت نافذ ہوگی، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ وارث کے لئے وصیت دیگر وارثوں کے حق کی وجہ سے ممنوع ہے اور جب وہ وصیت کرنے والے کی زندگی میں اپنے حق سے دست بردار ہونے کے لئے راضی ہوگئے تو وصیت صحیح ہوگی، اس لئے وفات کے بعد رجوع کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اور اگر رجوع کرلیں تو بھی اس کا اعتبار نہیں۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر وصیت کرنے والے نے حالت صحت میں وصیت کی ہے اور متوقع وارثوں نے رضامندی کا اظہار کردیا ہے تو انہیں اس کی وفات کے بعد اس سے رجوع کرنے کا حق ہے، اس لئے کہ انسان صحت کی حالت میں اپنے مال کا مکمل طور پر مالک ہوتا ہے، لہٰذا اس حالت میں دوسروں کی اجازت ایک ایسے مال سے متعلق ہے جس کے وہ سرے سے مالک ہی نہیں، اور نہ ان کا اس سے کوئی تعلق ہے، لیکن اگر وہ مرض موت میں وصیت کرتا ہے اور وارثوں نے بخوشی اسے اس وصیت کی اجازت دے دی تو پھر اس کے مرنے کے بعد اس اجازت سے پھر جانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں انہوں نے ایک ایسے مال سے دست برداری اختیار کی ہے جس کے وہ ایک طرح سے مالک بن چکے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں (دیکھئے الجامع لاحکام القرآن ۲/۱۷۶)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، قاضی شریح، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور احمد بن حنبل وغیرہ کے نزدیک مورث کی وفات کے بعد اس کے وارثوں کو اس طرح کی وصیت سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے جسے وہ اس کی زندگی ہی میں منظور کر چکے ہیں، اس لئے کہ ان کی منظوری ایک ایسے مال سے متعلق ہے جس کے وہ اس وقت مالک ہی نہیں تھے، کیونکہ مال کے مالک وہ مورث کی وفات کے بعد ہوتے ہیں، اور کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ جس وارث نے اجازت دی ہے وہ مورث سے پہلے ہی انتقال کر جائے اور وہ وارث نہ بن سکے، اور اس کے علاوہ دوسرا کوئی وارث ہو تو اس حالت میں یہ اجازت ایسے شخص کی طرف سے ہوگی جسے اس کا حق ہی نہیں تھا، نیز یہ کہ حدیث میں کہا گیا ہے کہ دوسرے وارثین اجازت دے دیں، اور مورث کی زندگی میں یہ وارث نہیں ہیں، یہ نام تو ان کو اس کی وفات کے بعد ملتا ہے، اس لئے اس کے مرنے کے بعد ہی ان کی اجازت کا اعتبار ہوگا (حوالہ مذکور، اعلاء السنن ۱۸/ ۳۰۲)۔

کافر کا مسلم وارث:

تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کافر کسی مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا، اور جمہور علماء اس بات پر بھی متفق ہیں کہ مسلم کسی کافر کا وارث نہیں ہوسکتا ہے، چاروں اماموں کے درمیان یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "لا یرث الکافر المسلم، ولا المسلم الکافر" (صحیح بخاری ۲/۱۰۰۱، صحیح مسلم ۲۰/ ۳۳ کتاب الفرائض) (کافر کسی مسلم کا اور مسلم کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا)۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے: "لایتوارث اھل ملتین شتی" (مسند احمد ۲/۱۷۸، ابوداؤد ۲/ ۳۰۳، ترمذی ۲/ ۳۲، عن عبداللہ بن عمرو وذکرہ الالبانی فی صحیح الجامع ۷۶۱۴) (دو مختلف ملتوں کے ماننے والوں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی)۔

اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: "لا ترث اھل الملل ولا یرثوننا" (سنن دارمی ۲/ ۳۶۹، سنن سعید بن منصور ۱/ ۶۶) (دیگر ملتوں کے ماننے والوں کے نہ ہم وارث ہوں گے اور نہ وہ ہمارے وارث ہوں گے)۔

اور حضرت اشعث کی پھوپھی کے سلسلہ میں فرمایا: "یرثھا اھل دینھا" (ایضا) (اس کے دین کے لوگ اس کے وارث ہوں گے)۔

یہ روایتیں اس مسئلے سے متعلق صریح اور صحیح ہیں اور اس کے برخلاف جو دلیل ذکر کی جاتی ہیں وہ وراثت سے غیر متعلق اور غیر واضح ہیں، لہذا وہ ان کے مقابلے میں حجت نہیں بن سکتی ہیں (اعلاء السنن ۱۸/ ۳۳۴)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض صحابہ کرام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مسلم کو غیر مسلم کا وارث قرار دیتے ہیں، لیکن علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی طرف اس کی نسبت لائق اعتماد نہیں ہے (المغنی ۹/ ۱۵۴)۔

علامہ ظفر احمد عثانی لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے نقطہ نظر کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ جب کسی کافر کا ہم مذہب کوئی وارث نہ ہو، لیکن اس کا کوئی مسلم رشتہ دار موجود ہو تو اس کا ترکہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا اور مسلم حکمراں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اجتہاد اور صواب دید کے مطابق اسے جہاں چاہے خرچ کرے، حضرت معاویہؓ اور معاذ بن جبلؓ نے اسے اس کی قریبی مسلم رشتہ دار کے حوالے کر دینا زیادہ مناسب سمجھا کیونکہ اس کے ذریعہ اسلام میں داخل ہونے والوں کی دل جوئی ہوگی، جنہوں نے اپنے قریبی لوگوں سے رشتہ توڑ کر اسلام کی آغوش میں پناہ لی ہے، اور ان دونوں حضرات کا یہ فیصلہ تقسیم وراثت کے قبیل سے نہیں بلکہ دل جوئی کے مقصد سے ہے، لیکن ایک عرصہ گذرنے کے بعد لوگ اسے وراثت کا مسئلہ سمجھنے لگے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس طریقے کو ختم کر دیا (اعلاء السنن ۱۸/ ۷ ۳۳)۔

اس سلسلہ میں جمہور کی رائے زیادہ قوی اور راجح ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے متعلق ان لوگوں کی رائے اور دلیل بھی ذکر کر دی جائے جو اس کے برخلاف ہیں، علامہ ابن قیم نے اس سلسلہ میں بڑی عمدہ اور تفصیلی بحث کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رائے بھی بالکل بے دلیل اور بے وزن نہیں ہے، اس کا حاصل یہ ہے:

کچھ لوگوں کے نزدیک کافر کسی مسلم کا وارث نہیں ہوگا، لیکن مسلم کسی کافر کا وارث ہوسکتا ہے، حضرت معاذ بن جبل، معاویہ، محمد بن حنفیہ، محمد بن علی (امام باقر)، سعید بن المسیب، مسروق بن اجدع، عبداللہ بن معقل، یحیی بن یعمر اور اسحاق بن راہویہ اسی نقطہ نظر کے حامل ہیں، اور علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک یہی راجح ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کافر کے وارث ہوں گے، لیکن کافر ہمارے وارث نہیں ہوں گے، جیسا کہ ہم ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں، لیکن وہ ہماری عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے، وہ منافقین جن کے نفاق کے سلسلے میں قرآن نے گواہی دی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو ان کے لئے دعاء مغفرت کرنے اور نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، ایسے لوگوں کے مرنے کے بعد ان کے مسلم وارثین کو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ترکہ سے حصہ دلایا ہے، جیسے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے مرنے کے بعد ان کے لڑکے اس کے وارث ہوئے، اور کسی بھی منافق کے ترکے کو اللہ کے رسول نے مال غنیمت یا بیت المال کا حق قرار نہیں دیا بلکہ اسے ان کے وارثوں کے حوالے کر دیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وراثت کی بنیاد ظاہری معاونت اور مدد پر ہے، باطنی تعلق اور دل کے ایمان پر نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی اسلام سے پھر جائے تو اس کے مال کے وارث اس کے مسلم رشتہ دار ہوتے ہیں، صحابہ میں سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت علی اور عبداللہ بن مسعودؓ اسی کے قائل ہیں، اور انہوں نے مرتد کو "لا یرث المسلم الکافر" (مسلم کافر کا وارث نہیں ہوگا) کے حکم میں داخل نہیں کیا ہے، کیونکہ مذکورہ حدیث میں کافر سے مراد کافر حربی ہے، منافق، مرتد اور ذمی اس کے حکم میں شامل نہیں ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ: "لا یقتل المسلم بکافر" (مسلم کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا) علماء کی ایک جماعت نے اس روایت میں وارد لفظ کافر سے کافر حربی کو مراد لیا ہے، بلکہ مذکورہ مسئلہ میں کافر سے حربی مراد لینا زیادہ بہتر اور مناسب ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ دوسرے لوگوں کی اسلام میں داخل ہونے میں حوصلہ افزائی ہوگی، اس لئے کہ بہت سے غیر مسلم اسلام میں اس لئے داخل نہیں ہوتے ہیں کہ انہیں خوف دامن گیر ہے کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے کثیر ترکہ سے محروم ہوجائیں گے خود ہم نے ان میں سے بہتوں کی زبان سے یہ بات سنی ہے، او ر یہ مصلحت تنہا حدیث میں تخصیص کے لئے کافی ہے، حالانکہ فقہاء اس سے کمتر مصلحت کی بنیاد پر عموم میں تخصیص کر دیتے ہیں، اور شریعت کی بہت سی مثالیں اس مصلحت کی تائید کرتی ہیں اور یہ اصول کے برخلاف بھی نہیں ہے، کیونکہ وراثت کی بنیاد ظاہری مدد اور معاونت پر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء کہتے ہیں کہ ولی کافر کسی حربی کا وارث نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے کہ دونوں کے درمیان معاونت کا رشتہ نہیں ہے (احکام اہل الذمہ ۲/ ۴۶۲-۴۶۴)۔

خلاصہ کلام:

۱- وصیت کرنا واجب ہے۔

۲- "لاوصیۃ لوارث" کے خلاف نہیں۔

۳- مذکورہ روایت کا مصداق صرف وہ وصیت ہے جس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوتی ہو۔

۴- بہترین شکل وصیت ہے، ہبہ کو بھی اپنایا جاسکتا ہے۔

۵- مسلم کسی کافر کا وارث نہیں ہوسکتا ہے، ایسی صورت میں وصیت کے لئے کوشش کرے۔

۶- وصیت کی مذکورہ صورت درست ہے۔

۷- موت کے بعد بھی وارثوں کی رضامندی ضروری ہوگی۔

۸- وارث کے لئے وصیت دوسرے وارث کی حق تلفی کی وجہ سے درست نہیں، اور جب اس کے علاوہ دوسرا کوئی وارث نہیں ہے تو اس کے لئے وصیت درست ہوگی، "حتی لو اوصی لزوجته اوهی له ولم یکن ثمة وارث آخر تصح الوصیة" (ردالمحتار ۱۰/ ۳۴۷)۔

"ولا لوارثه......الاباجازة ورثة لقوله علیه الصلاة والسلام: لا وصیة لوارث إلا أن یجیزها

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الورثة یعنی عندوجود وارث آخر کما یفیده آخر الحدیث"(الدرالمختار مع الرد ۱/۳۴۶)۔

۹-وصیت اسی وقت معتبر ہوگی جب اس کی وفات کے بعد تمام ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل

مفتی سلمان پالنپوری قاسمی ☆

۱- جہاں قانون میراث جاری نہیں، وہاں وصیت نامہ لکھوانا احکام میراث اسلامی شریعت کا اہم ترین حصہ ہیں، قرآن کریم کی متعدد آیات میں بڑی صراحت ووضاحت اور قطعیت کے ساتھ میراث کے احکام ومسائل اور شرعی وارثین کے حصص بیان کئے گئے ہیں، اور قطعیت کو بیان کرنے کے لئے ''فریضة من الله'' (سورۂ نساء:۱۱) کے الفاظ وارد ہیں۔

کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کے متروکہ مال میں میراث شرعی کو جاری کرنا اور حصص شرعیہ کے مطابق وارثین میں اس کی تقسیم خود ورثہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگ اسلامی قانون میراث کے مطابق ''حقوق متقدمہ قبل المیراث'' کی ادائیگی کے بعد بقیہ ترکہ باہم تقسیم کرلیں، کوئی شرعی وارث اپنے حق سے محروم نہ رہے اور نہ کسی کو اس کے حصہ شرعی سے کم ترکہ ملے، لیکن مشکل یہ ہے کہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ایسے ممالک میں آباد ہیں جہاں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے اور مسلمانوں میں عموماً اتنی دین داری نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی نفع وضرر سے بلند ہوکر اتباع شریعت کے جذبہ سے اپنے اوپر بہ خوشی اسلام کے قانون میراث کو جاری کریں اور حصص شرعیہ کے مطابق میراث تقسیم کرلیں، اب سوال یہ ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھادینا (تاکہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں) شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان ممالک کے عمومی حالات ایسے ہوں کہ اس طرح کا وصیت نامہ نہ لکھانے کی صورت میں مرنے والے کو ظن غالب ہو کہ اس کا ترکہ حصص شرعیہ کے مطابق تقسیم نہیں کیا جائے گا اور اس طرح کا وصیت نامہ لکھادینے کی صورت میں قوی امید ہو کہ شرعی وارثین کو ان کا حصہ صحیح طور پر مل جائے گا، تو صرف ایسی صورت میں وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھادینا (تاکہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں) واجب ہے، کیونکہ مورث کی وفات کے بعد اسلام کے قانون میراث کے مطابق ترکہ کی تقسیم ورثہ کی ذمہ داری ہے اور ورثہ کا حصص شرعیہ کے مطابق ترکہ تقسیم نہ کرنا ایک امر منکر ہے اور نہی عن المنکر حسب

☆ جامعہ خلیلیہ، ماہی، ضلع بناس کانٹھا گجرات۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

استطاعت ہر شخص کا شرعی فریضہ ہے اور مورث ورثہ کو بذریعہ وصیت اس امر منکر سے روکنے پر قادر ہے، لہذا مذکورہ صورت حال میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھا دینا واجب ہے، چنانچہ اس قسم کا ایک سوال و جواب فتاوی دار العلوم میں ہے:

سوال: پنجاب میں عورتوں کو ورثہ نہیں ملتا، اگر لڑکی کا باپ رجسٹری کرادے کہ میری جائداد موافق شریعت تقسیم ہو، تو موافق شریعت تقسیم ہوتی ہے، اس شخص کے ذمہ رجسٹری کرانا فرض ہے یا نہیں۔

جواب: اس صورت میں رجسٹری کرانا اس کی ذمہ ضروری ہے (فتاوی دار العلوم ۱۷/ ۵۰۱)۔

البتہ عام حالات میں یا کسی شخص کو اپنی اولاد کے بارے میں اطمینان ہو کہ وہ اپنے او پر بہ خوشی اسلام کے قانون میراث کو جاری کریں گے اور حصص شرعیہ کے مطابق ہی میراث تقسیم کریں گے، تو ایسی صورت میں زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھا دینا واجب نہیں، بلکہ صرف جائز ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حصص شرعیہ کے مطابق میراث کی تقسیم اگر وصیت نامہ لکھانے پر موقوف ہو، تو وصیت نامہ لکھا دینا واجب ہے، ورنہ واجب نہیں صرف جائز ہے۔

۲- وصیت نامہ لکھنا حدیث کے خلاف تو نہیں؟

مورث کا اپنے متوقع وارثین کے لئے ان کے حصص شرعیہ کے مطابق اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور یہ وصیت نامہ حدیث نبوی "لا وصیة لوارث" کے خلاف نہیں، حدیث نبوی کے خلاف تو ایسا وصیت نامہ ہے جس سے دوسرے ورثہ کی حق تلفی یا دل شکنی ہوتی ہو اور ظاہر ہے کہ ہر وارث کو اس کے حصہ شرعی کے مطابق دینے کی وصیت کرنے میں نہ کسی وارث کی حق تلفی ہوتی ہے اور نہ دل شکنی، لہذا اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا جائز ہے۔

چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی تحریر فرماتے ہیں:

"في ردالمحتار قال القهستاني: واعلم ان الناطفي ذكر عن بعض أشياخه أن المريض اذا عين لوارث من الورثة شيئا كالدار على ان لا يكون له في سائر التركة حق يجوز، وقيل: هذا اذا رضى ذلك الوارث به بعد موته فحينئذ يكون تعيين الميت كتعيين با قي الورثة معه كما في الجواهر اه قلت و حكى القولين في جامع الفصولين فقال قيل جاز وبه افتى بعضهم وقيل لا اه" (۵/ ۶۶۴)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر مورث اپنے ترکہ میں اس طرح وصیت کر جاوے کہ فلاں وارث کو فلاں چیز دی جاوے اور فلاں وارث کو فلاں چیز بشرطیکہ وہ اندازے سے اس کے حصہ شرعی سے کم نہ ہو تو جائز ہے، اور اگر کم ہو تو ناجائز ہے کہ وصیت لوارث ہے جو کہ ناجائز ہے (امداد الفتاوی ۴/ ۳۳۷)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳-"لا وصية لوارث" کا مورد کونسی وصیت ہے؟

حدیث نبوی "ان الله قد أعطی كل ذی حق حقه، فلا وصية لوارث" قوله ایضا: "لا تجوز وصية لوارث، الا ان يشاء الورثة" "لا وصية لوارث الا ان يجيز الورثة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/۷۴۷۶)۔

الفاظ حدیث اور فقہی عبارات میں غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ "لا وصية لوارث" کا مورد ومقصد صرف وہی وصیت ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو، کیونکہ اس طرح کی وصیت میں دوسرے ورثہ کی حق تلفی یا دل شکنی ہوتی ہے مثلاً کسی وارث کو ایک تہائی مال سے زیادہ دینے کی وصیت کی تو اس میں دوسرے ورثہ کی حق تلفی بھی ہے اور دل شکنی بھی، کیونکہ دو تہائی ترکہ وارثوں کا حق ہے، لہذا باقی وارثوں کی یقیناً حق تلفی ہوگی اور ایک وارث کو باقی وارثوں پر ترجیح دی ہے جس سے دوسرے وارثوں کی ضرور دل شکنی ہوگی، اور اگر کسی وارث کے لئے ایک تہائی مال یا اس سے کم کی وصیت کی، تو اس صورت میں دوسرے وارثوں کی حق تلفی تو نہیں ہے، لیکن دل شکنی ضرور ہے۔

چنانچہ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

"قال لا تجوز لوارثه لقوله عليه السلام: "ان الله تعالى اعطى كل ذي حق حقه الا لا وصية لوارث" ولانه يتأذى البعض بايثار البعض ففي تجويزه قطيعة الرحم" (ہدایہ رابع ص ۶۴۱)۔

اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

"ولان في ايثار بعض الورثة من غير رضا الآخرين ما يؤدى الى الشقاق والنزاع وقطع الرحم واثارة البغضاء والحسد بين الورثة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/۷۴۷۶)۔

مذکورہ عبارات سے صاف سمجھ میں آرہا ہے کہ حدیث نبوی "لا وصية لوارث" کے ذریعہ مطلقاً وصیت کی ممانعت مقصود نہیں، بلکہ ایسی وصیت کی ممانعت مقصود ہے جس سے ورثہ کی دل شکنی اور ان کے درمیان حسد، شقاق ونزاع پیدا ہوکر قطع رحمی کا سبب بنے، لہذا جس وصیت میں یہ مفاسد نہ ہوں بایں طور پر کہ مورث نے ہر وارث کو اس کے حصہ شرعی کے برابر ہی دینے کی وصیت کی ہو، تو اس طرح کی وصیت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور یہ اس طرح کی وصیت حدیث نبوی "لا وصية لوارث" کا مورد ومقصد نہیں، نیز مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک سوال جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مورث نے بعد وفات ورثہ کے مابین اختلاف سے بچنے کے لئے اپنی حیات میں کوئی اچھا طریقہ اپنانے کے متعلق پوچھا ہے، کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اگر مورث اپنے ترکہ میں اس طرح وصیت کر جائے کہ فلاں وارث کو فلاں چیز دی جائے اور فلاں کو فلاں چیز دی جائے اور فلاں کو فلاں چیز بشرطیکہ وہ انداز سے اس کے حصہ سے کم نہ ہو، تو جائز ہے'' (امداد الفتاوی ۴/ ۳۳۶)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ ثابت ہوگیا کہ ''لا وصیة لوارث'' کا مورد و مقصد صرف وہی وصیت ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا مقصود ہو، بالفاظ دیگر اس حدیث کا مورد صرف وہ وصیت ہے جس سے کسی وارث کی حق تلفی یا دل شکنی ہوتی ہو، مطلق وصیت مراد نہیں۔

۴- قانون میراث جاری کرنے کی شکلیں:

مورث رجسٹری کرادے کہ میرے مرنے کے بعد میری جائداد موافق شریعت تقسیم کی جائے، نیز اگر مورث کو وارثوں کی طرف سے اطمینان ہو، تو اپنی زندگی ہی میں غیر منقولہ اشیاء اور وہ اشیاء جو کسی کے نام پر ہوسکتی ہیں، حصص شرعیہ کے مطابق سرکاری کھاتے میں وارثوں کے نام کردے، لیکن باقاعدہ ہبہ کر کے ان کو مالک نہ بنائے، تاکہ یہ چیزیں اس کے دائرہ اختیار سے نہ نکل جائیں اور وارثوں سے کہہ دے کہ میری وفات کے بعد اسی طریقہ سے تقسیم کر کے تم لے لینا۔

۵- مسلم کا مورث غیر مسلم کے ترکہ سے استفادہ:

میراث کا حقدار ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی بات نہ پائی جائے جو شرعا میراث کا حقدار ہونے میں رکاوٹ ہو، جن اسباب کی وجہ سے آدمی میراث سے محروم ہوجاتا ہے وہ ''موانع ارث'' کہلاتے ہیں، اور موانع ارث چار ہیں، من جملہ ان میں سے ایک مورث اور وارث کے دین کا مختلف ہونا ہے، یعنی مسلمان غیر مسلم کا اور غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا خواہ آپس میں قرابت ہو یا زوجیت کا تعلق ہو، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم'' (بخاری شریف ۲/ ۱۰۰۱) اور یہ مسئلہ ائمہ اربعہ کے درمیان اتفاقی ہے، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

''اختلاف الدین بین المورث والوارث بالاسلام وغیرہ مانع من الارث باتفاق المذاهب الأربعة، فلا یرث المسلم کافرا ولا الکافر مسلما سواء بسبب القرابة او الزوجیة، لقوله ﷺ: ''لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم'' وقوله: ''لا یتوارث اهل ملتین شتی'' وهذا هو الراجح، لأن الولایة منقطعة بین المسلم والکافر، وبه اخذ القانون المصری (م۶) والقانون السوری (م۲۶۴): ''لاتوارث بین مسلم و غیر مسلم'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/ ۷۷۱۸)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک مورث غیر مسلم کے مرتے ہی اس کے ترکہ کے مالک صرف

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس کے غیر مسلم قرابت دار ہو جاتے ہیں، اور اس کے مسلم قرابت دار کا اس کے ترکہ میں کوئی حق وملکیت نہیں، لہذا مسلم قرابت دار کا غیر شرعی قانون (مسلم وغیر مسلم کے ایک دوسرے سے میراث پانے کے قانون) سے فائدہ اٹھا کر اپنے کو مستحق ترکہ بتا کر ترکہ حاصل کرنا یا حاصل کرنے کی کوشش کرنا درست نہیں، البتہ اگر مرنے والے کے غیر مسلم ورثہ خود مسلم قرابت دار کو ترکہ میں سے حصہ دیں، تو مسلمان قرابت دار کے لئے اس کو قبول کرنا درست ہے، کیونکہ یہ ان کی طرف سے ہدیہ شمار ہوگا اور غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنے کی اجازت ہے۔

۶۔حصص شرعیہ کے مطابق تقسیم ترکہ کی وصیت کرنا:

بعض اوقات اس مقصد کے تحت کہ آئندہ مورث کی اولاد کے درمیان اختلاف نہ ہو، مورث اپنی زندگی ہی میں اولاد کے درمیان حصص شرعیہ کے مطابق حصہ مقرر کر دیتا ہے کہ اس کے گزرنے کے بعد اسی تفصیل کے مطابق ترکہ تقسیم کر دیا جائے، تو چونکہ اس میں کسی وارث کو نقصان پہنچانا مقصد نہیں، بلکہ ان کے درمیان انصاف قائم کرنا اور آئندہ تقسیم ترکہ میں ان کو شقاق ونزاع سے بچانا مقصد ہے اور کسی وارث کی حق تلفی یا دل شکنی بھی اس وصیت سے نہیں ہوتی، لہذا اس طرح کی وصیت کرنا درست ہے، موصی کی وفات کے بعد تمام ورثہ عاقل و بالغ ہوں اور وصیت کے مطابق عمل کر سکتے ہیں، بلکہ ورثہ کو اپنی سعادت سمجھ کر ایسی وصیت پر عمل کرنا چاہئے، البتہ اس وصیت نامہ کی پابندی ورثہ کے ذمہ لازم نہیں۔

چنانچہ مفتی یوسف لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اس وصیت نامہ کی حیثیت صرف ایک مصالحتی تجویز کی ہے، اگر سب وارث بخوشی اس پر راضی ہوں تو ٹھیک ہے، ورنہ جائداد شریعت کے مطابق تقسیم کی جائے'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷/ ۵۰۹)۔

اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

''قد یوصی الانسان بوصیة تتضمن تقسیم الترکة بین الورثة بمقدار نصیب کل واحد منهم فی الترکة، لیضمن بالقسمة عدم وقوع خلاف او نزاع بینهم ، ولیحقق لکل واحد نصیبه بدون استغلال او محاباة فهل تعد هذه الوصیة ملزمة؟

یری جمهور الفقهاء: ان هذا التقسیم لا یلزم الورثة، فلهم ان یقبلوه اویرفضوه'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/ ۷۵۳۵)۔

فتاوی دار العلوم میں ہے:

''الغرض اگر سب ورثہ بالغ ہیں اور سب اس وصیت زید پر راضی ہیں، تو اسی تفصیل کے موافق جو کہ زید نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصیت نامہ میں لکھی ہے عمل درآمد ہوگا اور اگر سب بالغ نہیں یا سب راضی نہیں ہیں تو جو بالغ ہے اور وہ راضی ہے اس کے حق میں وصیت کے موافق عمل ہوگا اور جو نابالغ ہیں یا اس وصیت سے ناراض ہیں، ان کے حق میں حصص شرعیہ کے مطابق ترکہ تقسیم ہوگا" (فتاوی دارالعلوم ۲۶۶/۱۷)۔

خلاصہ یہ ہے کہ موصی کی وفات کے بعد اگر تمام ورثہ عاقل و بالغ ہوں اور وصیت کے مطابق عمل کرنے پر راضی ہوں، تو یہ وصیت معتبر ہوگی اور ورثہ اس کے مطابق عمل کر سکتے ہیں اور اگر ورثہ اس وصیت نامہ کے مطابق عمل کرنے پر راضی نہ ہوں، تو ترکہ شریعت کے مطابق تقسیم کیا جائے گا اور یہ وصیت معتبر نہ ہوگی۔

۷- دوسرے ورثہ کی رضامندی سے وارث کے لئے وصیت کرنا:

وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں، حدیث نبوی "لا وصية لوارث" کی وجہ سے اور اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، ہاں اگر وصیت کنندہ کی وفات کے بعد ورثہ اس وصیت کے نفاذ کرنے پر راضی ہوں، تو وصیت نافذ ہوگی، البتہ وصیت کنندہ کی زندگی میں ورثہ کا راضی ہونا معتبر نہیں اور اس کی وفات کے بعد بھی نابالغ ورثہ کا رضامند ہونا کافی نہیں، اگر کچھ ورثہ بالغ ہوں اور کچھ نابالغ یا بعض اس کے نافذ کرنے پر رضامند ہوں اور بعض نہیں، تو بالغوں پر اور ان لوگوں پر جو رضامند ہیں، کے مال میں ان کے حصہ کی نسبت سے وصیت نافذ ہوگی۔

چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"لا تجوز الوصية للوارث عندنا إلا أن يجيزها الورثة، ولو أوصى لوارثه ولأجنبي صح في حصة الاجنبي ويتوقف في حصه الوارث على اجازة الورثة ان اجازواجاز وان لم يجيزوا بطل ولا تعتبر اجازتهم في حياة الموصي حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك كذا في فتاوى قاضي خان" (۹۰/۶)۔

حاصل یہ کہ موصی کی زندگی میں ورثہ کا اجازت دینا اور راضی ہونا، قبل ثبوت حق وملکیت ہے، اس لئے یہ اجازت اور رضامندی معتبر نہیں، بلکہ موصی کی وفات کے بعد ہی ورثہ کی اجازت اور رضامندی معتبر ہوگی۔

۸- اپنی بیوہ کے لئے وصیت جبکہ کوئی وارث نہ ہو:

جو لوگ لاولد ہوتے ہیں ان کو فطری طور پر اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ ان کے گزرنے کے بعد ان کی بیوہ کا حق محفوظ رہے اور وہ بے سہارا نہ ہو جائے، ایسی صورت میں اگر وہ اپنی بیوہ کے لئے کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں وصیت کر جائے، تو اس کا اعتبار ہوگا اور یہ وصیت نافذ ہوگی اور حدیث شریف میں وارث کے لئے وصیت کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ اس لئے کہ جب شریعت نے ہر وارث کا حصہ میراث میں سے مقرر کر دیا ہے، تو اب کسی وارث کے لئے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنے میں دوسرے ورثہ کی حق تلفی ہوتی ہے اور تہائی مال یا اس سے کم کی وصیت کرنے میں ایک وارث کو بقیہ ورثہ پر ترجیح دینا لازم آتا ہے، جس سے باقی ورثہ کو ایذاء ہوتی ہے جو ورثہ کے مابین حسد، نزاع اور قطع رحمی کا سبب بنتا ہے، حاصل یہ کہ وارث کے لئے وصیت دوسرے ورثہ کی حق تلفی اور دل شکنی کی وجہ سے ممنوع ہے اور صورت مسئولہ میں دونوں وجوہات موجود نہیں ہیں، لہذا اپنی بیوہ کے لئے کسی دوسرے حقیقی وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں وصیت کر جانے کا اختیار ہے اور یہ وصیت نافذ ہوگی، البتہ یہ واضح رہے کہ یہاں وارث نہ ہونے سے صرف اولاد کا نہ ہونا مراد نہیں، بلکہ حقیقی وارث مراد ہے خواہ وہ بھائی ہو یا بھتیجا یا چچا وغیرہ۔

چنانچہ "درمختار" میں ہے:

"أولم يكن وارث سواه، كما في "الخانية" اى سوى الموصى له القاتل او الوارث حتى لو أوصى لزوجته أوهي له ولم يكن ثمه: وارث آخر تصح الوصية، ابن كمال" (درمختار مع الشامی ۱۰/۲۸۶)۔

ورثہ کی رضامندی سے تہائی سے زیادہ کی وصیت:

اگر کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کر دی، جبکہ اس کی زندگی میں دوسرے ورثہ اس پر رضامند ہو گئے تھے، تو بھی یہ وصیت اسی وقت معتبر ہوگی جبکہ ورثہ موصی کے مرنے کے بعد اس پر رضامند ہوں اور تمام ورثہ عاقل و بالغ ہوں، وصیت کنندہ کی زندگی میں ورثہ کا راضی ہونا معتبر نہیں، اس کی تفصیل جزئیہ ۷ کے جواب کے تحت گذر چکی ہے۔

چنانچہ "فتاوی ہندیہ" میں ہے: "لا تجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار، ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته كذا في الهداية" (فتاوی ہندیہ ۶/۹۰)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث و وصیت سے متعلق مسائل

مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی ☆

شریعت اسلامیہ میں میراث اور تقسیم ترکہ کی بڑی اہمیت ہے، قرآن مجید میں سورۂ نساء میں احکام میراث پر مشتمل مستقل ایک رکوع نازل کیا گیا ہے اور بھی آیات میں میراث سے متعلق تذکرہ ہے، احادیث مقدسہ میں بھی اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے، علم فرائض کی جتنی اہمیت بتائی گئی ہے موجودہ زمانہ میں اس کی طرف سے اتنی ہی بے اعتنائی برتی جارہی ہے، عام طور پر متوفی کی جو اولاد ذکور ہوتی ہے وہ پورے مال متروکہ کو ہڑپ کرلیتی ہے بلکہ اولاد ذکور میں بھی جو بڑا ہوتا ہے یا جس کا مال پر قبضہ اور اختیار ہوتا ہے وہ دوسرے اپنے بھائیوں کو بھی ان کا شرعی حصہ نہیں دیتا، لڑکیوں کو تو بالکل ہی مال متروکہ میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا جو سراسر عدل و انصاف کے برخلاف ہے اور سخت وعید اور آخرت کے مواخذہ کا باعث ہے، اس لئے علماء کا فریضہ ہے کہ مسلمانوں پر اس کی اہمیت کو واضح کریں اور شرعی طور پر وارثوں کے درمیان ان کے حقوق کے مطابق تقسیم کی طرف توجہ دلائیں، وہ ممالک جہاں اسلامی حکومتیں قائم ہیں ان ممالک میں تو اگر وارثین کے درمیان تقسیم ترکہ میں کوتاہی یا ناانصافی برتی جاتی ہے تو اسلامی عدالت کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

لیکن جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے اور وہاں مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی سکونت پذیر ہے وہاں شرعی طور پر تقسیم میراث کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے تو اس میں ایک صورت یہ ہے کہ: متوفی ورثہ کے لئے حصص شرعیہ کے مطابق وصیت کرجائے کہ ان ممالک میں وصیت کو قانونی حق حاصل ہے، اور اس میں ناانصافی کی شکل میں عدالت کی طرف چارہ جوئی کی جاسکتی ہے، مگر اس صورت میں مندرجہ ذیل سوالات پیش آتے ہیں جن کے جواب عرض ہیں:

۱- متوفی کو اپنی زندگی میں اسطرح کا وصیت نامہ لکھ دینا واجب نہیں ہے کیونکہ ترکہ اس مال کو کہا جاتا ہے جو میت اپنے پیچھے چھوڑ کر جاتی ہے اور ترکہ کی تقسیم شرعی طور پر وارثین کے ذمہ ہے اور ان کا فعل ہے جو ان کی طرف راجع ہے نہ کہ میت کا فعل اور جب یہ تقسیم ترکہ میت کا فعل نہیں ہے تو اس پر وجوب کیسے عائد کیا جاسکتا ہے، البتہ اگر کوئی متوفی اپنی زندگی میں اپنے

☆ ناظم اعلیٰ اصلاح المسلمین، بڑودہ، گجرات۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

متوقع وارثین کے درمیان حصص شرعیہ کے مطابق تقسیم ترکہ کا وصیت نامہ تیار کر کے جائے تو اسے جائز کہا جا سکتا ہے، اب اس میں دو شکلیں ہیں:

ایک تو اجمالی وصیت نامہ کہ میرے انتقال کے بعد میرے جتنے ورثہ ہیں ان کے درمیان شرعی طور پر جس جس کا جو حق بنتا ہے اس کے مطابق میرا ترکہ تقسیم کر دیا جائے تو اس میں تو کوئی اشکال نہیں ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ میری جائداد منقولہ و غیر منقولہ میں سے میرے ورثہ میں سے فلاں کو یہ دے دیا جائے تو علی التعیین اس طرح کی تقسیم کا وصیت نامہ موجب نزاع ہوگا، کیونکہ اشیاء کی قیمتیں حالات کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح علی التعیین ورثہ کے درمیان تقسیم کا وصیت نامہ جس وقت تیار کیا گیا اس وقت وہ ورثاء تھے، لیکن موت سے قبل یا بعد میں ان میں سے کوئی وارث نہیں رہا مثلاً متوفی کی اولاد نہیں تھی اور اس نے اپنے موجود ورثہ کے لئے وصیت نامہ تیار کیا اور اس کی بیوی حاملہ تھی، مورث کے مرنے سے قبل یا بعد بچہ پیدا ہوا تو اب ورثہ کی نوعیت اور مسئلہ کی نوعیت بدل جائے گی، اس لئے اس طرح مال متروکہ کی علی التعیین ورثہ کے درمیان تقسیم کا وصیت نامہ بے سود ہوگا۔

۲- متوفی کے شرعی طور پر جو ورثہ ہیں ان کے حصص نص سے ثابت ہیں، اس لئے کسی ایک وارث کے حق میں وصیت کے ذریعہ اس کے حق میں اضافہ کیا جائے تو دوسرے ورثہ کا نقصان ہوتا ہے جو عدل کے خلاف ہے، اس لئے وارث کے حق میں وصیت کی اجازت نہیں دی گئی اور " لا وصية لوارث " سے شریعت کا یہی منشا معلوم ہوتا ہے، لہذا وارث کے حق میں وصیت مطلقاً غیر معتبر نہیں ہوگی۔ لہذا وارث کے حق میں اس کے حصہ شرعی کے مطابق اگر وصیت کرے تو وہ وصیت معتبر اور نافذ سمجھی جائے گی۔

اور اگر وارث کے حق میں کسی متوفی نے وصیت کی جو اس کے ملنے والے حصہ شرعی سے زیادہ ہو تو یہ وصیت اس وقت معتبر ہوگی، جبکہ دوسرے بالغ ورثہ اس کی اجازت دیں اور ان ورثہ میں نابالغ وارث موجود نہ ہوں، کیونکہ صغیر کی اجازت غیر معتبر ہوگی صغیر وارث ایک یا زیادہ موجود ہوں تو اس صورت میں بالغ ورثہ اگر اس وصیت کی اجازت دیتے ہیں تو جتنے حصص شرعیہ ان کو مل رہے ہیں اس کے بقدر وہ اجازت دینے کے حقدار ہوں گے، یعنی اگر کسی ایک وارث کے لئے اس کے حصہ شرعیہ سے زائد کی وصیت کی تو بقیہ ورثہ سب کے سب بالغ ہیں اور وہ سب کے سب اجازت دیں تو یہ وصیت نافذ ہوگی اور اگر ان ورثہ میں کوئی ایک وارث یا زیادہ نابالغ ہوں تو ان کی اجازت غیر معتبر ہو کر بقیہ بالغ ورثہ کے اجازت دینے پر ان کے بقدر حصص میں وہ زیادہ کی وصیت معتبر مانی جائے گی۔

"لا وصية لوارث الا ان يجيزها الورثة يعني عند وجود وارث آخر كما يفيده آخر الحديث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وسنحققه وهم كبار عقلاء فلم تجز اجازة صغير ومجنون واجازة المريض كابتداء وصية، ولو اجاز البعض ورد البعض جاز على المجيز بقدر حصته" (ردالمحتار علی الدر المختار ۶/۶۵۶)۔

۳- حدیث نبوی: "لا وصية لوارث" کا مورد و مقصد صرف وہ وصیت ہے جس کے ذریعہ وارثوں کو ان کے حصص شرعیہ سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا مقصود ہو اسکی ممانعت ہے، مطلقا ممانعت نہیں ہے جیسا کہ ماقبل میں اس کی وضاحت آ چکی ہے۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرنے کے لئے یہ شکل بھی ممکن ہے کہ مسلمان باہمی اتحاد و اتفاق سے ایک محکمہ شرعیہ یا دار القضاء قائم کریں اور محکمہ شرعیہ یا دار القضاء کے فیصلہ پر اپنے آپ کو عمل کا پابند بنائیں، اس طریقہ سے بھی شرعی قانون میراث کو عملی جامہ پہنانے کی طرف پیش رفت ہو سکتی ہے۔

۵- موانع ارث میں سے ایک مانع اختلاف ملتین ہے، جس کی بناء پر ایک مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں بن سکتا اور کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔

غیر مسلم ممالک میں مسلمان مورث کے مال میں سے غیر مسلم وارث کو مال متروکہ میں سے حصہ دیا جاتا ہے، اسی طرح غیر مسلم مورث کے مال میں سے مسلم وارث کو بھی ترکہ میں حق ملتا ہے، یہ قانون غیر اسلامی اور غیر شرعی ہے، لہذا ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ شریعت اسلامیہ کے قانون میراث کو خوش دلی سے اپنائے اور اسپر عمل کرے اور غیر مسلم مورث کے مال متروکہ میں سے اپنا حصہ ترک کر دے۔

اس کو بنیاد بنا کر وہ اگر اپنا حصہ نہیں لے گا تو دوسرے غیر مسلم قرابت داروں میں اس کا حصہ تقسیم کر دیا جائے گا، یہ خیال صحیح نہیں ہے، اور اللہ جل شانہ نے اس کو ہدایت دی اور اسلام کی نعمت عظمی سے اسے نوازا تو محض محض تھوڑے سے دنیوی فائدہ کے پیش نظر اسلام کے قانون میراث کی صریحا خلاف ورزی کیسے جائز ہو سکتی ہے؟۔

رہا دعوت دین کا معاملہ تو دعوت دین حدود شرعی میں رہ کر تو مطلوب ہے، احکام خداوندی کو توڑ کر دعوت دین مطلوب نہیں ہے، ہدایت تو اللہ کے قبضہ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے۔

۶- مورث اپنی زندگی میں حسب حصص شرعیہ اپنے ورثہ کے درمیان ان کے حصے مقرر کر کے ترکہ کی تقسیم کی وصیت کرتا ہے تو یہ وصیت اس وقت معتبر ہوگی جبکہ مورث کی موت کے بعد ورثہ کے درمیان اختلاف نہ ہو اور مورث نے جس طرح حصے مقرر کر کے دیئے ہیں وہ سب برضا و رغبت اس کو قبول کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷- وارث کے حق میں متوفی نے جو وصیت کی ہے اور متوفی کی زندگی میں وصیت کے وقت دوسرے ورثہ نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کردی ہو تو یہ کافی نہیں ہے، بلکہ مورث کے انتقال کے بعد دوسرے ورثہ کی رضامندی معتبر مانی جائے گی، اگر مورث کے انتقال کے بعد دوسرے ورثہ اس وصیت کو نافذ کرنے سے منع کردیں تو یہ وصیت کالعدم ہو جائے گی اور مال متروکہ میں سے تمام ورثہ کو ان کے حصص شرعیہ کے مطابق دیا جائے گا، "الوصية للوارث لا تجوز الاباجازة الورثة بعد الموت" (فتاوی سراجیہ)۔

۸- جو شخص لا ولد ہو اور اسے اپنے مرنے کے بعد خود کی بیوی کے بے سہارا ہو جانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں اپنی بیوی کے لئے کسی قسم کی وصیت کر جائے تو وہ وصیت معتبر ہوگی۔

۹- وارث یا غیر وارث کے لئے مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کردی اور مورث کی زندگی میں دوسرے ورثاء اس پر راضی تھے تو یہ رضامندی کافی نہیں ہوگی، بلکہ مورث کے مرنے کے بعد دیگر ورثاء اس پر اپنی رضامندی ظاہر کریں تب ہی یہ وصیت معتبر ہوگی ورنہ نہیں۔

"الوصية للوارث لا تجوز الا باجازة الورثة بعد الموت" (فتاوی سراجیہ)، "الا ان تجيز ورثته بعد موته ولا تعتبر اجازتهم حال حياته اصلا بل بعد وفاته وهم كبار" (ردالمحتار علی الدرالمختار ۶/۶۵۰-۶۵۱)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث اور وصیت سے متعلق بعض پیش آمدہ مسائل

مفتی اعجاز الحسن بانڈے القاسمی ☆

میراث کے احکام و مسائل منصوص اور غیر مجتہد فیہ ہیں، یہ بات طے ہے کہ میراث میت کے مالِ متروکہ کو کہتے ہیں:" لأن کونهم ورثة لا یتحقق الا بعد موت المورث" (شامی ۸۶/۵ باب الوصیۃ للاقارب)، ایک شخص اگر اپنی زندگی میں کسی دوسرے کو بلاعوض کچھ دیدیتا ہے تو اسے ہبہ کہتے ہیں:"ولانه عقد تبرّع"(ہدایہ ۳/ ۲۶۷)"ومن دفع الیٰ انسان شیأ للتقرّب الیه والمحبة له فهو هدیة" (المغنی لابن قدامہ جدید: ۱/۱۳۳۳) (اور کسی محتاج کو بہ نیت ثواب کچھ دیدینے کا نام صدقہ ہے)،" انّ من اعطی شیأ ینوی به الی اللّٰه تعالیٰ للمحتاج فهو صدقة" (المغنی لابن قدامہ جدید ۱/ ۱۳۳۳)، جبکہ اپنی جائیداد میں سے مرنے کے بعد کسی غیر وارث کیلئے کچھ دینے کا اقرار وصیت کہلاتا ہے "الوصیة تملیک مضاف لما بعد الموت"(البحر الرائق: ص۲۱۱ ج۹ کتاب الوصایا) ان میں سے ہر معاملہ ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہے۔ طریقہ کار، ارکان، احکام اور دیگر معاملات یکسر جدا جدا ہیں۔

وراثت کے معاملہ میں شریعتِ اسلام کے قوانین وضوابط اسقدر صاف اور واضح ہیں کہ اس باب میں گفتگو کی قطعاً حاجت نہیں، مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ ایک شخص اسلامی اوامر کا دلدادہ ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ خدائی احکام پر عمل ہو مگر ملکی قانون اس میں رکاوٹ ہے یا خود دین پسند ہونے کے باوصف اپنے متوقع وارثین کے بارے میں کسی قدر تردّد کا شکار ہے۔ اسے اس بات کا بھی ڈر ہے کہ اگر میں نے اپنے متوقع وارثین کیلئے شرعی نظام کے ہدایات کی روشنی میں تقسیم وراثت سے متعلق ایک دستاویز مرتب نہیں کی تو کل کوئی مفاد پرست وارث دوسرے ورثاء کیلئے اپنا حقِ وراثت وصول کرنے میں باعث نقصان ثابت ہوسکتا ہے، ایسی صورتحال میں اگر مورث اپنی زندگی میں اپنا مال کسی وارث کو محروم یا نقصان پہنچائے بغیر وارثین کے درمیان شرعی ضوابط وقانونِ میراث کے مطابق تقسیم کرنا چاہے تو کیا مورث کیلئے ایسا کرنا جائز ہے؟

آنے والی تفاصیل کی روشنی میں مورث کیلئے اس تحریر (وصیت نامہ) کو مرتب کرنے کی اجازت ہونی چاہیے یا یں

☆ رئیس الجامعہ وصدر مفتی الجامعہ سبیل الھدیٰ (بمنہ) سری نگر کشمیر۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طور کہ اس دستاویز کی حیثیت ایک طرف سے تو وصیت نامہ کی ہوگی کہ قانونی چارہ جوئی میں وارثین کے کام آسکے اور دوسری طرف شرعی اعتبار سے ورثاء کیلئے ایک مشورہ کی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے وارثین کے حقوقِ مالیہ محفوظ رہیں گے، نیز تقسیم میراث کے معاملہ میں ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے سے قرآن پاک کی اس آیت کریمہ پر بھی عمل ہوگا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اداءِ امانات کا حکم دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا''(مسلمانو! یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حقداروں تک پہونچاؤ)(النساء:۵۸)۔

امام بخاریؒ نے وصیت کے باب میں اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ لکھے ہیں:''فَلَمْ يَخُصَّ وَارِثاً وَلَا غَيْرَهٗ''(بخاری شریف ص ۳۸۴ ج۱، باب قول اللہ تعالیٰ عزوجل من بعد وصية يوصي بها او دين)۔

شریعت اسلامیہ نے وارثین کیلئے وصیت کی اجازت نہ دیکر اس حقیقت کو واشگاف کیا ہے کہ باقی ورثاء کو مالِ میراث سے محروم نہ کیا جاسکے اور نہ ہی عدم مساوات اور ظلم کی گنجائش میسر آسکے، اب جبکہ وصیت کے ذریعہ تمام ورثاء کے مالی حقوق کا تحفظ مقصود ہو، اداءِ امانات کی نیت ہو، قیامِ انصاف مطمحِ نظر ہو اور سب سے بڑھ کر قرآنی احکام اور میراث کے قوانین کو اسکی اصل شکل میں نافذ کرنا مقصود ہو تو پھر ان حقائق کو مدنظر رکھ کر حقیقی اور شرعی ضرورت کے وقت تمام ورثاء کیلئے وصیت کو جائز قرار دیا جانا چاہیے۔

ایسی وصیت کو ممنوع تو اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ''لاوصية لوارث''(ترمذی: ۲۱۲۰۔۲۱۲۱ ابواب الوصایا، ابن ماجہ: ۲۷۱۴، باب لاوصیۃ لوارث) کا قانون نبوی جن مقاصد کو لیکر وجود پذیر ہوا ہے جب انہی مقاصد کا تحفظ مقصود ہو تو پھر الامور بمقاصدھا کے قانون کی روشنی میں اسکی اجازت دی جانی چاہیے، خیال رہے کہ یہ اجازت بیان کردہ تفاصیل کی روشنی میں مشروط ہونی چاہیے۔

لہذا جہاں ورثاء کے مالی حقوق غیر محفوظ ہونے کا خطرہ ہو وہاں ''لا وصية لوارث'' حدیث مبارک کی روشنی میں ورثاء کیلئے وصیت ممنوع اور ناقابل عمل قرار پائیگی، وارث کے حق میں وصیت کا غیر معتبر ہونا آپ ﷺ کے ارشادِ مبارک:''لاوصية لوارث''(ترمذی:۲۱۲۱) سے صراحتاً ثابت ہے اور علامہ شامیؒ وابن نجیم مصریؒ نے اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق نقل کیا ہے(البحرالرائق: ص ۲۱۴ ج ۸، شامی: ص ۳۳۹ ج ۱۰)۔

لیکن فتاویٰ عالمگیری میں یہ صراحت ہے کہ اگر دوسرے ورثاء کسی وارث کے حق میں وصیت کو نافذ کرنے پر رضامند ہوں تو یہ وصیت نافذ ہوگی(فتاویٰ عالمگیری: ص ۹۰ ج ۶)''حتى ان الوصية للوارث لا تجوز الاّ باجازة الورثة''(البحرالرائق: ص ۲۱۲ ج ۹ کتاب الوصایا)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس تصریح سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر سب ہی ورثاء ایک دوسرے کے حق میں مورث کی وصیت (تقسیم بعد المرگ) پر راضی ہوں تو یہ وصیت جائز ونافذ قرار پائیگی۔

یہاں تک مذکورہ سوال کی شق نمبر ۱، ۲، ۳، ۶، ۷ اور ۹ کا جواب آ گیا۔ اب صرف شق نمبر ۴، ۵ اور ۸ کا جواب باقی ہے۔

شق نمبر ۸: کے سلسلے میں عرض ہے کہ ایک شوہر کو اگر اپنی منکوحہ کے ساتھ اس قدر پیار ہے تو وہ اسے اپنی زندگی میں کچھ جائیداد ھبہ میں دیدے، اپنی بیوی کے حق میں وصیت کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ اس عمل سے دوسرے اقرباء ورشتہ داروں کا حق فوت ہو جائے گا، شریعت نے منکوحہ کو اپنے شوہر کے مالِ متروکہ میں سے جو کچھ حصہ دیا ہے وہ ناکافی نہیں ہے، مزید سہولیات کے حصول کیلئے نکاحِ ثانی کا راستہ بھی کھلا ہوا ہے، نیز ایسے مواقع پر وصیت سے " لاوصية لوارث " (ترمذی: ۲۱۲۱) کی حیثیت وافادیت ہی فوت ہو جائیگی لہذا بیوہ کے حق میں کسی بھی طرح کی وصیت ممنوع اور ناجائز ہے۔

شق نمبر ۵ پر کچھ گذارشات رقم کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کے نزدیک موانع اِرث کی مختصر وضاحت کی جائے۔

احناف کے نزدیک موانع اِرث یہ ہیں، غلام ہونا، قاتل مقتول سے، مرتد، اھل الملّتین، اھل الدّارین بعض علماء احناف نے نبوت کو بھی موانع اِرث میں شمار کیا ہے (تبیین الحقائق: ص ۲۴۰ ج ۲)۔

علماء مالکیہ کے نزدیک موانع اِرث یہ ہیں: غلام ہونا، اختلاف الدین، قتل عمد، لعان، زنا، مورث کی موت مشکوک ہو، حمل، مورث یا وارث میں سے پہلے کون مرا یہ معلوم نہ ہو (بدایۃ المجتھد: ص ۳۴۶ ج ۲)۔

علماء شوافع اور حنابلہ کے نزدیک موانع اِرث یہ ہیں: غلام ہونا، قتل، اختلافِ دین۔

لہذا یہ طے ہے کہ کوئی بھی کافر مسلمان کا بالاتفاق وارث نہیں ہو سکتا، جمہور علماء کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا، علماء احناف کے نزدیک مسلمان مرتد کا وارث ہو سکتا ہے وہ کافر جو مسلمان مورث کے انتقال کے بعد ایمان لے آئے وارث نہیں ہو سکتا (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/۷۷۱۱)۔

ان ضروری تفاصیل کے بعد شق نمبر ۵ کے متعلق عرض ہے کہ شریعت اسلام نے میراث کا حقدار ہونے کیلئے جن اسباب کو مانع قرار دیا ہے ان میں ایک سبب اختلاف دین ہے یعنی مسلمان غیر مسلم کا اور غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا (سراجی: ص ۷ فصل فی الموانع)۔

یہ فقہاء اربعہ کا متفق علیہ مسئلہ ہے پس نہ ہی مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوگا، چاہے ان کے درمیان کیسی ہی قرابت ورشتہ داری کیوں نہ ہو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے:" لایرث المسلم الکافر ولاالکافر المسلم"(ابن ماجہ:۲۷۲۹ نیل الاوطار:ص ۷۳ ج ۶) جس طرح مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، اسی طرح ائمہ ثلاثہ اس پر بھی متفق ہیں کہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے وارث بن سکتے ہیں، کیونکہ غیر مسلم کے تمام طبقے بزبان قرآن اور بلسان نبوت ﷺ ملت واحدہ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:"والّذین کفروا بعضھم أولیاء بعض"(الانفال:۷۳)(اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ووارث ہیں)۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:"فماذا بعد الحقِ إلّا الضّلال"(یونس:۳۲) (پھر حق واضح ہوجانے کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا)۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:"الکفر ملّة واحدة" (عن عمر بن الخطابؓ کتاب الآثار، باب الفرائض)۔

ان سب آیات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کفر چاہے مختلف جماعتوں، ناموں یا علاقوں میں کیوں نہ بٹا ہو سب حقیقت میں ایک ہی ہیں، نیز مختلف ناموں سے پہچان رکھنے والے اہالیان کفر اہل اسلام کے خلاف اپنی تمام تر پالیسیوں و پروگرامات میں بھی متحد ومتفق ہیں، لہذا ان حقائق کی روشنی میں دل کو یہی رائے مناسب معلوم ہوتی ہے کہ غیر مسلم حضرات ملّت واحدہ ہونے کی بنا پر آپس میں ایک دوسرے کے وارث قرار دیے جانے چاہئیں جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کی بھی رائے ہے اور مصر میں بھی اس رائے کو قانونی شکل دیدی گئی ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ص ۷۷۲۰ ج ۱۰)۔

البتہ فی زمانہ جبکہ اہل ایمان کیلئے عالمی طور پر معاشی مسائل پہلے سے ہی دشوار کن ہیں اور تجارتی عنوان سے بھی باطل اور حرام کی آمیزش ہے، نیز عام طور پر سودی کاروبار کی بدولت مسلمان کیلئے کاروباری راستے انتہائی محدود ہیں، چہار سو تنگ دامنی کی لکیر کھینچی ہوئی ہے پسماندگی کی مار الگ سے ہے، اس صورتحال میں اگر ایسے مجتہد فیہ مسائل ہوں جو دورِ صحابہ و تابعین میں بھی مختلف فیہ رہے ہوں، اگر فقہاء صحابہ اور فقہاء تابعین میں سے چند حضرات کسی درجہ میں جواز کے قائل ہوں ، نیز ان قابل اعتبار صحابہ اور تابعین کی مدلل رائے پر عمل کرنے میں کسی نص سے بھی تعارض نہ ہوتا ہو اور زمانے کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان حضرات کی مدلل رائے کو قابل عمل قرار دینے میں کوئی شرعی رکاوٹ بھی نہ ہو تو پھر اس رائے کو سندِ جواز فراہم کرتے ہوئے قابل عمل قرار دیا جانا چاہیے، لہذا ہمیں اس سوال کی شق نمبر ۵ کے سلسلے میں صحابہ میں سے حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے افتاء، قضاء اور اجتہاد کیلئے دربار نبوت سے خصوصی اجازت پانے والے حضرت معاذ بن جبلؓ (التوفی ۱۸ھ) فقیہ ومجتہد حضرت معاویہ ابن ابی سفیانؓ (التوفی ۶۰ھ)، حضرت حسن (التوفی ۱۱۰ھ)، حضرت محمد بن حنیفہؒ،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت محمد بن علی بن حسینؒ، امام الفقہاء حضرت مسروق ہمدانیؒ (م: ۶۳ھ) جیسے فقہاء عظام کی رائے عالی درست اور مناسب محسوس ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے، البتہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے: " الاسلام یعلو ولایعلی " (رواہ دارقطنی والبیھقی)۔

نیز حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی رائے ہے کہ ایک مسلمان اپنے آزاد کردہ کافر غلام کا وارث ہوسکتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک: " الولاء لمن اعتق " (ترمذی: ۲۱۲۴) کا عموم اس پر واضح دلیل ہے (المغنی لابن قدامہ: ص ۳۴۸ ج ۶ بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ: ص ۷۷۱۹ ج ۱۰)۔

فقہاء کرام کے نزدیک یہ بالکل مصرّح ہے کہ وصیت کنندہ کا مسلمان ہونا ضروری ہے (شامی ۵/۴۱۵، بدائع الصنائع ص ۳۳۵ ج ۷)۔ اس لئے اگر کوئی غیر مسلم کسی غیر مسلم یا مسلمان کیلئے وصیت کرے تو علامہ کاسانیؒ اور فتاویٰ عالمگیری کی تصریح کے مطابق یہ وصیت نافذ ہوگی (بدائع الصنائع ۷/۳۳۴، فتاویٰ ہندیہ ۶/۹۰)۔

نیز مسلمان کیلئے اس طرح مالی منافع کے دروازے کھولنے پر ایک مسلمان کیلئے عموماً اور نومسلم کیلئے خصوصاً غیر مسلم کے ساتھ تعلق بنائے رکھنے میں تالیف قلب بھی ہے اور اس تعلق کو دعوتی تعلق بنانے کیلئے ایک دعوت و پیغام بھی ہے، لہذا مسلمان کو غیر مسلم سے وراثت کا حقدار قرار دیا جانا بوجوہ درست معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ مذکورہ فقہاء عظام کی بھی رائے عالی ہے مگر جہاں تک ایک کافر کو مسلمان کا وارث قرار دینے کا معاملہ ہے، اس میں شک نہیں کہ دعوتی نقطہ نظر سے اسکی بھی اہمیت ہے مگر یہ مسئلہ احادیث کی بناء پر منصوص اور غیر مختلف فیہ ہونے کی بناء پر کافر کو مسلمان کا وارث نہ قرار دینے کے معاملہ میں بالکل صریح ہے، نیز وارث قرار دینے کی صورت میں غیر مسلم علاقوں وملکوں میں مسلمانوں کے مال کو انکے انتقال کے بعد غلط بہانوں اور حیلہ سازیوں سے ہڑپنے کا موقع فراہم ہوسکتا ہے، اسلئے اس معاملے میں بڑی سنجیدگی اور مدلل انداز میں اس بات کو واضح کیا جانا چاہیے کہ ایک غیر مسلم کسی بھی حال میں مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا جیسا کہ یہ مسئلہ ائمہ اربعہ اور فقہاء و محدثین کے درمیان بھی متفق علیہ ہے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی تصریح کے مطابق مصری (م ۲) وشامی (م ۲۶۴) قانون بھی اسی تناظر میں مرتب کیا گیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/۷۷۱۹)۔

شق نمبر ۴ کے متعلق عرض ہے کہ ہم اس معاملے میں تب ہی کچھ تجاویز پیش کرسکتے ہیں جبکہ ان ممالک میں وصیت ووراثت سے متعلق مروّج تفاصیل ہمارے سامنے موجود ہوں، لہذا مطلوبہ تفاصیل دستیاب ہونے کے بعد ہی قانونِ میراث کو جاری کرانے کیلئے مزید شکلیں یا آراء پیش کرنا ممکن ہے۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث اور وصیت سے متعلق چند احکام

مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی ☆

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا: ’’کتب علیکم إذا حضر أحدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة للوالدین و الأقربین بالمعروف ‘‘ (البقرۃ:۱۸۰) اس آیت کی بناء پر شروع اسلام میں جب تک میراث کے حصے مقرر نہیں ہوئے تھے، یہ حکم تھا کہ ترکہ کے ایک ثلث میں مرنے والا اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے لئے وصیت کرے، دراصل اس حکم کے تین اجزاء ہیں:

(الف) مرنے والے کے ترکہ میں اولاد کے سوا کسی دوسرے وارث کا حصہ مقرر نہیں ہے، ان لوگوں کے حصوں کی تعیین مرنے والے کی وصیت کی بنیاد پر ہوگا۔

(ب) اولاد کے علاوہ دیگر اقارب کے لئے وصیت کرنا فرض ہے۔

(ج) ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔

لیکن ان تین احکام میں سے پہلے دو احکام آیت میراث اور اجماع امت سے منسوخ ہو گئے ہیں، البتہ ثلث مال سے زیادہ میں وصیت جائز نہ ہونے کا حکم اب بھی باقی ہے، وارث کے لئے وصیت کا حکم منسوخ کرنے کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا تھا: ’’ان اللہ تبارک وتعالی قدأعطی لکل ذی حق حقہ فلا وصیة لوارث ‘‘ (سنن ترمذی، حدیث نمبر:۲۱۲۰) چنانچہ علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کے اس قطعی ارشاد کی بناء پر وارث کے لئے وصیت درست نہیں ہے، لیکن جن ممالک میں قانون میراث جاری نہیں اور وہاں پر بڑی تعداد میں مسلمان آباد ہیں، ایسے ممالک میں شرعاً تقسیم میراث ایک مسئلہ بن چکا ہے، اس پس منظر میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ممالک کے مسلمان شرعی طور پر اپنی میراث کس طرح تقسیم کریں؟ خاص طور پر وصیت کے ذریعہ ہر ایک وارث کو اس کا شرعی حصہ دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ زیر نظر سطور میں اس مسئلہ کا حل فقہاء شوافع کی دلائل کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، کرناٹک۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں، وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھوا دینا کہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے شرعی حصے مل جائیں جائز ہے، اس لئے کہ جہاں تک وصیت کے منسوخ ہونے کی بات ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وارثین کے حصے آیات میراث سے مقرر ہیں، اس لئے ان کے لئے وصیت کا کوئی فائدہ اور ضرورت نہیں رہی، چنانچہ علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں: "والوصية لكل وارث بقدر حصته لغو لأنه يستحقه بغير وصية" (مغنی المحتاج: ۴/ ۱۸۴)، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص وارثین کے حق میں ان کے حصہ کے بقدر وصیت کرے تو وہ گنہ گار نہیں ہوگا، چنانچہ علامہ زین الدین ملیباریؒ فرماتے ہیں: "والوصية لكل وارث بقدر حصته لغو؛ لأنه يستحقه بغير وصية ولا يأثم بذلك" (اعانۃ الطالبین مع فتح المعین: ۳/ ۲۴۱) اور علامہ دمیاطیؒ شیخ ابن حجر ہیتمی کے حوالہ سے اس کے گنہ گار نہ ہونے کی علت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "لأنه موكد للمعنى الشرعي لا مخالف له" (دیکھئے: حوالہ سابق) کہ اس نے شریعت کے منشا کو اور مؤکد کیا ہے، نہ کہ شرع کے مخالف کوئی کام کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ممنوع نہیں ہے، بلکہ قانون شریعت کی حفاظت کے نقطہ نظر سے ایسا کرنا مستحسن معلوم ہوتا ہے۔

قانون میراث کے نفاذ کی بناء پر وصیت کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اس کو لغو مانا گیا تھا، جیسا کہ اس کی وضاحت گذری، لیکن جب قانون میراث پر عمل دشوار ہو تو اس صورت میں تمام ورثہ کے حق میں ان کے حصہ کے بقدر وصیت کی "حاجت" ہوگی، لہذا اس کی گنجائش ہونی چاہئے، اس لئے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا: "الامر اذا ضاق اتسع" کہ معاملہ تنگ ہو جاتا ہے تو اس میں کشادگی اور گنجائش پیدا ہو جاتی ہے، البتہ یہ وصیت واجب نہیں ہے، اس لئے کہ میراث کی تقسیم کی ذمہ داری شریعت نے مرنے والے پر نہیں رکھی ہے۔

۲-۳- ایسے ممالک میں اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا حدیث "لا وصية لوارث" کے خلاف اور معارض نہیں ہے، کیوں کہ مذکورہ وصیت نامہ تمام وارثین کے حق میں ان کے حصہ کے بقدر ہوگا اور حدیث میں اس بات کی ممانعت ہے کہ کسی ایک وارث یا بعض ورثہ کے حق میں وصیت کر کے دوسرے ورثہ کے شرعی حصہ میں کمی نہ کی جائے جو ان کی تکلیف کا سبب نہ بنے، یہی وجہ ہے کہ وارث کے حق میں بھی وصیت دیگر ورثاء کی رضامندی کی صورت میں درست ہوتی ہے، اس لئے کہ حدیث کا آخری جملہ "إلا أن يجيز الورثة" کہ ورثہ اجازت دے تو وارث کے حق میں وصیت درست ہے، ورثہ کی رضامندی کی صورت میں وصیت کے درست ہونے پر دلالت کرتا ہے، چنانچہ علامہ مبارکپوریؒ نقل کرتے ہیں: "وفي هذه الزيادة دليل على أنها تصح وتنفذ الوصية للوارث إن أجازها الورثة (تحفۃ الاحوذی: ۵/ ۳۰۲)، لہذا فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کر دی ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں: "لو أوصى لأحد ورثته نصيبه من التركة أو بما

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دونه، وأجاز الباقون سلم له الموصى به والباقي مشترك بينهم ''کہ اگر کوئی اپنے ورثہ میں سے کسی ایک کو ترکہ میں سے اس کے حصہ کے بقدر یا اس سے کم کی وصیت کرے اور باقی ورثہ اس کی اجازت دے دیں تو اتنا مال اس وارث کو دیا جائے گا، اور باقی مال اس کے سمیت تمام کے درمیان شرعی طور سے تقسیم ہوگا (روضة الطالبین: ۵/۱۰۸)، اس سے پتہ چلا کہ جب تمام کے حق میں بغیر کسی کمی زیادتی کے ان کے حصہ کے بقدر وصیت کی جائے گی تو نہ کسی کو تکلیف کا اندیشہ ہے اور نہ کسی سے اجازت لینے کا مسئلہ ہے، اس لئے سوال میں مذکور وصیت کی عمومی صورت اس حدیث کے معارض نہیں ہوسکتی، کیونکہ حدیث سے صرف بعض ورثہ کو دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر وصیت کرنے کی ممانعت مراد ہے۔

۴- غیر مسلم ممالک میں قانون میراث کو جاری کرنے کی درج ذیل شکلیں ہوسکتی ہیں:

(الف): اگر ترکہ اشیاء کی شکل میں ہو یعنی زمین، گھر، موٹر وغیرہ، یا نقدی روپیوں کی شکل میں ہو اور اسے اشیاء میں تبدیل کردیا جائے، پھر تمام ورثاء کی رضامندی سے ہر ایک وارث کے حق میں اس کے حصہ کے اعتبار سے ان چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی وصیت کردی جائے تو یہ جائز ہے، علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں: '' الوصية لكل وارث بعين هي قدر حصته كأن أوصى لأحد ابنيه بعبدقيمته ألف وللآخربدار قيمتها ألف وهما مايملكه صحيحة.... ولكن تفتقر الى الاجازة في الاصح لاختلاف الاغراض بالاعيان ومنافعها ''(کہ ہر وارث کو اس کے حصہ کے بقدر کسی عین (چیز) کی وصیت کرنا جائز ہے، جیسے کسی نے دو بیٹوں میں سے ایک کے حق میں غلام کی وصیت کی جس کی قیمت ایک ہزار روپیئے ہے اور دوسرے کے حق میں گھر کی وصیت کی جس کی قیمت ایک ہزار روپے ہے اور وہ دونوں اس وصیت کی بناء پر اس چیز کے مالک ہوجائیں گے، لیکن اس طرح کرنے میں دونوں کی اجازت ضروری ہے، کیوں کہ چیزوں اور اس کے منافع کی اغراض جدا جدا ہوتی ہیں)، البتہ غیر اصح قول کے مطابق اگر کوئی شخص ان کی اجازت کے بغیر بھی اس طرح کی وصیت کرے تو درست ہے، اس لئے کہ ورثہ کا حق ترکہ کی قیمت میں ہوتا ہے نہ کہ ترکہ کی اشیاء میں: ''والثاني :لا يفتقر اليها، لأن حقوقهم في قيمة التركة لافي عينها ''(مغنی المحتاج: ۴/۱۸۴-۱۸۵)۔

(ب) جس طرح غیر ورثاء پر اپنے مال کو وقف کرنا جائز ہے، اسی طرح مورث اپنی زندگی میں ہر وارث کو اس کے حصہ کے بقدر مال وقف کرے اور یہ شرط لگائے کہ میرے مرنے کے بعد تم اس کے مالک ہوگے تو یہ صورت بھی جائز ہے، اور یہ بھی حقیقت میں ایک طرح کی وصیت ہے، جیسا کہ علامہ دمیاطیؒ فرماتے ہیں کہ وصیت کے معنی میں اپنے دارث کے قرض کو معاف کرنا یا اس کو کوئی چیز ہبہ کرنا اور اس پر وقف کرنا داخل ہے، اور یہ بقیہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگا، لیکن اگر کوئی شخص اپنے مال کا ثلث اپنے ہی تمام ورثا پر ان کے حصہ کے بقدر وقف کرنا چاہے تو کسی کی اجازت ضروری نہیں ہے، جیسا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ایک شخص کا گھر اس کے مال کا ثلث ہو اور اس کے ورثا میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو وہ اس گھر کے دو ثلث بیٹے پر اور ایک ثلث بیٹی پر وقف کرے تو وقف بغیر ورثہ کی اجازت کے نافذ ہوگا، اس لئے کہ اس میں کسی کو کوئی نقصان نہیں ہو رہا ہے اور اس لئے بھی کہ اگر اجنبی شخص پر وقف کیا جائے تو ورثہ کی اجازت ضروری نہیں ہوتی، اسی طرح یہاں پر بھی ضروری نہیں ہوگی: ''ومن الوصية أى ومن معنى الوصية للوارث ابراؤه من دين له عليه وهبته شيئاوالوقف عليه فيتوقف صحة ذلک على اجازة بقية الورثة نعم لو وقف عليهم ما يخرج من الثلث على قدر نصيبهم نفذ من غير اجازة ....وذلک كمن له ابن وبنت وله دار تخرج من ثلثه فوقف ثلثيها على الابن وثلثها على البنت نفذالوقف من غير احتياج الى اجازةبعض الورثة لبعضهم، لأنه لما لم يضر أحد الورثة لم تتوقف الصحة على الاجازة، ولأنه لو وقفها على أجنبى لم تتوقف على اجازتهم فكذا عليهم'' (اعانۃ مع فتح المعین: ۳/ ۲۴۰)۔

جس طرح ثلث مال کو ان کے حصہ کے بقدر وقف کرنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح پورا مال بھی ان کے حصہ کے بقدر ان پر وقف کر کے وراثت کی تقسیم کو آسان بنایا جا سکتا ہے، اور یہ وقف وصیت ہی کے معنی میں ہوگا، چنانچہ ابن الملقنؒ فرماتے ہیں: ''قال: وقفت دارى هذه على المساكين بعد موتى فالمختار أنه وصية'' (عجالۃ المحتاج: ۲/ ۹۶۹) (کوئی کہے کہ میں نے اپنے گھر کو ان مساکین پر اپنی موت کے بعد وقف کر دیا تو مختار قول یہ ہے کہ یہ وصیت ہے)، غرض ایسا وقف جس کا تعلق آدمی کی موت کے بعد سے ہو وہ وصیت میں شمار ہوتا ہے اور اس میں اس پہلو سے سہولت بھی ہے کہ اس کے لئے ورثاء کی اجازت درکار نہیں ہوتی ہے۔

(ج) مورث اپنے تمام ورثاء میں سے ہر وارث کے حق میں اس کے حصہ کے بقدر مال کی نذر مان لے اور اس نذر کو اپنی موت پر معلق رکھے تو اس صورت میں اس کے انتقال کے بعد اس کی نذر کی تکمیل کی جائے گی، اس طرح ہر وارث کو اس کے حصہ کے بقدر ترکہ مل جائے گا، جیسا کہ علامہ زین الدین ملیباریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے ورثاء میں سے اپنے اصل وفرع میں ایک کے علاوہ یعنی تمام کے لئے (کیوں کہ والدین اور اولاد میں سے صرف ایک کے لئے نذر ماننا مکروہ ہے) اپنے مال کی اپنی زندگی میں نذر مانے تو وہ اس مال کے بغیر کسی شریک کے مالک بن جائیں گے: ''لو نذر لغير أحد أصليه أو فروعه من ورثته بماله قبل مرض موته بيوم ملكه كله من غير مشارک'' (فتح المعین مع اعانۃ: ۳/ ۴۱۳)۔

(د) زندگی میں مورث اپنے کل ترکہ کی وصیت کسی نیک، عادل اور بھروسہ مند آدمی کے حق میں کر دے اور ہر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وارث کے لئے جتنا حصہ مقرر ہے اس اعتبار سے ایک تحریر بنا کر اس کے حوالہ کر دے اور اسے اس بات کا مکلّف بنا دے کہ اس تحریر کے مطابق میرے وارثین کے درمیان یہ ترکہ تقسیم کر دینا، مورث کے انتقال کے بعد سارے ورثا کل مال کی وصیت کے سلسلہ میں موصی لہ کو اجازت دیں، تا کہ یہ وصیت شرعاً درست ہو سکے، پھر موصی لہ وصی کی شرط پر عمل کرتے ہوئے ان کے درمیان وراثت تقسیم کر دے، چنانچہ علامہ رملیؒ فرماتے ہیں: '' والحيلة في أخذه من غير توقف على إجازة أن يوصي لفلان بألف أي وهو ثلث فأقل ان تبرع لولده بخمسمائة أو بألفين فاذا قبل وأدى للابن ماشرط عليه أخذ الوصية ولم يشارك بقية الورثة الابن فيما حصل '' (نہایۃ المحتاج:۶/۴۹)عبارت میں ثلث مال سے کم کی وصیت کا حکم ہے، جس میں ورثا کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، لیکن جب ثلث سے زیادہ کی وصیت غیر وارث کے حق میں ہو تو اس کے نفاذ کے لئے ورثاء کی اجازت ضروری ہوگی۔

۵- حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا: ''لا یرث المسلم الکافر ولاالکافر المسلم ''(صحیح بخاری، حدیث نمبر:۶۷۶۴) کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا اس بات پر تو صحابہ، تابعین وعلمائے امت کا اتفاق ہے، لیکن مسلمان کافر کا وارث ہوگا یا نہیں اس سلسلہ میں اختلاف ہے، جمہور صحابہ وعلمائے امت کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا، البتہ صحابہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں (دیکھئے: سنن ترمذی، حدیث نمبر:۳۷۹۱) اور حضرت عمرؓ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''من أراد الفقه فليأت معاذا''(تذکرہ:۲/۲۰) ان کی رائے اور اسی طرح حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اور بعض تابعین، نیز بعد کے علماء میں سے علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد خاص علامہ ابن قیمؒ کی رائے ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا، چنانچہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں: '' ذهب جماعة أئمة الفتوى بالأمصار إلى حديث أسامة وقالوا: لا يرث المسلم الكافرولاالكافر المسلم روى هذا عن عمر وعلي وابن مسعود .....وجمهورالتابعين وفي ذلك خلاف عن بعض السلف، روي عن معاذبن جبلؓ ومعاوية أن المسلم يرث الكافر ولا يرث الكافر المسلم، وذهب إليه سعيد بن المسيب وابراهيم النخعيؒ ومسروق''(شرح صحیح البخاری لابن بطال:۸/۳۷۸) اور صاحب شرح عمدۃ الاحکام نقل کرتے ہیں:''والمذهب الثاني:هو جريان التوارث بين المسلم والذمي يعني ان المسلم يرث الذمي ولا عكس،وهذا روى عن بعض أصحاب نبينا كمعاذ بن جبل وعمر ومعاويةوهذا المذهب اختاره شيخ الاسلام ووافقه وتابعه عليه تلميذه ابن القيم''(شرح عمدۃ الاحکام:۱/۱۱)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت معاذ بن جبلؓ اور ان کے ساتھ جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا، ان لوگوں کے دلائل درج ذیل ہیں:

(الف) حضرت یحیی بن یعمرؒ کے پاس دو بھائی ایک یہودی اور دوسرا مسلمان اپنا قضیہ لے کر آئے تو انھوں نے مسلمان کو یہودی کا وارث بنایا (دیکھئے: سنن ابوداؤد: ۲۹۱۴)۔

(ب) حضرت ابوالاسود کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے بیان کیا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا: ''الاسلام یزید ولاینقص'' (سنن ابوداؤد: ۲۹۱۴)۔

(ج) آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''الاسلام یعلو ولا یعلی علیه'' (المعجم الصغیر: ۲/۱۵۵)۔

(د) میراث کے مسئلہ کو نکاح پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح یہود ونصاری کی عورتوں سے ہمیں نکاح کرنا جائز ہے، اسی طرح مسلمانوں کے لئے کافر کا وارث بننا جائز ہے، اور اس کے برعکس جائز نہیں: ''وقد احتج للقول الثانی.......وبقیاس المیراث علی النکاح قالو: کما یجوز لنا أن ننکح نسائهم ولا یجوز لهم أن ینکحوا نسائنا، کذلک یجوز لنا أن نرثهم ولا یرثونا'' (المفهم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم: ۱۵/۲۵)۔

اگرچہ ان دلائل کا جمہور نے رد کرتے ہوئے جواب دیا ہے، امام نووی فرماتے ہیں: ''أجمع المسلمون علی أن الکافر لا یرث المسلم وأما المسلم فلا یرث الکافر أیضا عند جماهیر العلماء، وذهب طائفة الی توریث المسلم من الکافر ....واحتجوا بحدیث الاسلام یعلو ولا یعلی علیه، وحجة الجمهور هذا الحدیث الصحیح الصریح، ولا حجة فی حدیث الاسلام یعلو....لان المراد به فضل الاسلام علی غیره، ولم یتعرض فیه لمیراث فکیف یترک به نص حدیث: لا یرث المسلم الکافر، ولعل هذه الطائفة لم یبلغها هذا الحدیث'' (المنهاج فی شرح مسلم: ۵/۴۹۶) اور شیخ عبدالمحسن العباد اس دلیل کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''فالقیاس فاسد لأنه مخالف للنص'' (شرح سنن ابی داؤد)، لیکن جب بعض صحابہ اور تابعین اور دور حاضر کے علماء میں سے ابن تیمیہ وابن قیم جیسے حضرات مذکورہ دلائل کی بنیاد پر عام حالات میں مسلمان کو کافر کا وارث بننے کی اجازت دیتے ہیں تو پھر سوال میں مذکور جو صورت حال ہے، ایسی حالت میں مسلمان اس ملک کے قانون سے فائدہ اٹھا کر اپنے کسی کافر رشتہ دار کا ترکہ بحیثیت وارث لے سکتا ہے، کیوں کہ بہت سے مسائل میں شریعت کے مقاصد ومصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے غیر راجح اقوال پر عمل کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، ورنہ سوال میں ذکر کردہ اندیشہ کے مطابق مسلمان حرج وتنگی میں مبتلا ہو جائے گا۔

۲- وارث کے حق میں وصیت کی ممانعت کا اصل مقصد یہی ہے کہ ایک کو وصیت کرنے کی بناء پر دیگر ورثاء کو تکلیف نہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہو اور تکلیف کی بات اس وقت ہوگی جب دیگر ورثا کی اجازت نہیں ہوگی، کیوں کہ بغیر اجازت کے کسی ایک کے حق میں وصیت کرنا یہ اللہ تعالی کے حدود سے تجاوز کرنا ہے، شیخ ابن عثیمین فرماتے ہیں:" منع الاسلام الوصية للوارث، لأنه من تعدى حدود الله عزوجل فان الله عزوجل حدد الفرائض والمواريث بحدود قال فيها:" تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَاوَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ" "(موسوعة الاحکام والفتاوی الشرعیہ:۱۰۷۸) بظاہر ان کی بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیگر ورثا کی اجازت کے بغیر ایک وارث کے حق میں وصیت معصیت ہے، لیکن بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس طرح کے فعل کو معصیت کہنا محل غور ہے، اس لئے کہ بعض کے حق میں ہبہ اور وقف اگر چہ مورث بغیر کسی عذر کے کرے، درست ہوتا ہے تو پھر بعض ورثہ کے حق میں دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر وصیت کیوں معصیت ہوگی؟ اس سے پتہ چلا کہ بعض وارثین کے حق میں وصیت کرنا اور بعض کو محروم کرنا یہ معصیت نہیں ہے، چنانچہ علامہ دمیاطیؒ فرماتے ہیں:" يقع لكثيرين أنهم يقفون أموالهم فى صحتهم على ذكورأولادهم بذلك حرمان اناثهم، وقد تكرر من غير واحد الافتاء ببطلان الوقف حينئذ وفيه نظر ظاهر بل الوجه الصحة، أما أولا فلم نسلم أن قصد الحرمان معصية كيف وقد اتفق أئمتنا كأكثر العلماء على أن تخصيص بعض الولاد بماله كله أو بعضه هبة أو وقفا أو غيرهما لا حرمة فيه ولو لغير عذر وهذا صريح فى أن قصد الحرمان لا يحرم " (اعانۃ الطالبین:۲۳۶/۳)۔

غرض بعض ورثہ کے حق میں وصیت معصیت ہے یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے، لیکن جب تمام کے حق میں انصاف کے ساتھ وصیت کی جائے اور اس وصیت پر اس کی موت کے بعد عمل ہو جائے تو اس طرح کی وصیت معتبر ہوگی، کیوں کہ وصیت کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ وارث کے حق میں وصیت لازم نہیں ہوگی، لیکن جہاں پر ضرر نہ ہو وہاں اس طرح کی وصیت کا اعتبار کرنا چاہئے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ وارث کے حق میں وصیت کے درست نہ ہونے سے مراد صرف یہ ہے کہ اس کی وصیت لازم نہیں ہوگی، اسی لئے اکثر حضرات کے نزدیک ورثاء کی اجازت کی صورت میں وصیت درست ہوتی ہے:" والمراد بعدم صحة وصية الوارث عدم اللزوم ،لأن الأكثرعلى أنها موقوفة على إجازة الورثة" (فتح الباری:۳۷۲/۵)۔

۷،۹- وارث کے حق میں وصیت دیگر ورثا کی رضامندی کی صورت میں اور غیر وارث کے حق میں ثلث مال سے زیادہ کی وصیت تمام ورثاء کی اجازت کی صورت میں جائز ہے، لیکن وارثین کی رضامندی کا اعتبار مورث کی موت کے بعد ہوگا یا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مورث کی زندگی میں، اس سلسلہ میں اختلاف ہے، تابعین کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ مورث کی زندگی میں وارثین کی اجازت کا اعتبار ہوگا، لیکن اکثر تابعین وجمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ورثاء کی رضامندی کا اعتبار مورث کی موت کے بعد ہی ہوگا، لہٰذا اگر زندگی میں انھوں نے اجازت دی بھی ہو، لیکن مورث کی موت کے بعد اگر وہ اپنی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو رجوع کر سکتے ہیں، ابن منذرؒ نقل کرتے ہیں: ''واختلفوا اذا أوصى لبعض ورثة فأجازه بعضهم في حياته ثم بدا لهم بعد وفاته وقالت طائفة ذلک جائز عليهم وليس لهم الرجوع فيه ،هذا قول عطاء والحسن وابن ابي ليلى والزهري وربيعة والاوزاعي،وقالت طائفة: لهم الرجوع في ذلک إن أحبوا ،هذا قول ابن مسعود ....وهو قول الزهري وابي حنيفة والشافعي واحمد'' (شرح صحیح البخاری لابن بطال: ۸/ ۱۵۲) اور علامہ عمرانیؒ بیان کرتے ہیں: ''واذا مات الموصى فأجازورثته وصيته فيما زاد على الثلث أو أجازوا وصيته لوارثه صحت الإجازة ،وإن أجازوا ذلک قبل موت الموصى لم تصح الإجازة سواء أجازوا ذلک في صحة الموصى أو في مرض موته، وبه قال ابن مسعود وشريح وطاوس والثوري وأبو حنيفة وأصحابه وأحمد، وقال الحسن وعطاء والزهري وربيعة: تصح الإجازة، وقال مالک والأوزاعي وابن ابي ليلى: إن أجازوا ذلک في صحةالموصى لم تصح وإن أجازواذلک في مرض موته صحت إجازتهم، ودليلنا أنه لا حق للوارث قبل موت الموصى فلم تصح إجازته'' (البیان: ۸/ ۱۳۵)، لہٰذا راجح بات یہی ہے کہ مورث کی موت کے بعد ہی ورثاء کی رضامندی کا اعتبار ہوگا، لیکن اگر زندگی میں دستخط کے ذریعہ یا زبانی طور پر اپنی رضامندی کا اقرار کر دیا ہو اور موت کے بعد اپنی بات سے رجوع نہ کرے تو سوال میں مذکور وصیت نامہ کا اعتبار رہوگا، ورنہ نہیں ہوگا۔

۸- بیوہ کا حق محفوظ رکھنے اور اسے بے سہارا نہ کرنے کی غرض سے وصیت نامہ بنایا جائے تو اس کا اعتبار ہوگا، اور اس کا کوئی دوسرا وارث موجود نہیں ہے کہ اس سے اجازت لی جائے، لیکن اس طرح کے وصیت نامہ کا اعتبار اس جگہ پر یا اس ملک میں ہوگا جہاں اس کی ضرورت پیش آئے کہ اس کے بغیر اس بیوہ کو اپنے شوہر کے حق سے محروم ہونا پڑے، کیونکہ جب شرعی اعتبار سے وارث کو ترکہ کے حصول کے لئے قانون میراث موجود ہے اس کے باوجود وصیت کو اپنانا بظاہر عبث اور فاسد ہے۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث و وصیت سے متعلق بعض مسائل کا حل عقل و نقل کی روشنی میں

مفتی محمد ابو بکر قاسمی ☆

اگر کوئی شخص اپنا مال کسی کو دے کر اس کا مالک بنانا چاہے تو زندگی میں انتقال ملک کی بہت سی صورتیں ہیں کبھی اس کا عوض لے کر اور کبھی بلا عوض لئے کوئی انسان اپنے مال کا دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے، چنانچہ بیع، ہبہ، عطیہ، صدقہ وغیرہ اس کی متعدد صورتیں ہیں، اور اگر زندگی میں اپنا مال کسی کو نہ دینا چاہے بلکہ مرنے کے بعد دینا چاہے تو اس کے لئے شریعت نے وصیت کا قانون رکھا ہے، اور اگر کوئی شخص کسی کے لئے وصیت نہ کرے تو اللہ تعالی نے قانون میراث بیان کیا ہے، جس کی رو سے مرنے والے کے قریبی رشتہ داروں کو الاقرب فالاقرب کے اصول کے مطابق میت کے ترکہ میں سے حصہ دیا جاتا ہے، جس کی تفصیلات کو قرآن وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں حضرات فقہاء نے علم الفرائض، علم المیراث کے نام سے کتب فقہ و فتاوی میں مفصل تحریر کر دیا ہے، جن پر مسلم ملکوں میں عمل کرنا اور کرانا آسان ہے، لیکن جن ملکوں میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے اور وہاں کی لادینی حکومت اسلام کے قانون میراث کو نہ جانتی ہے اور نہ اس پر عمل درآمد کرانے پر تیار ہوتی ہے وہاں وصیت کو اہمیت حاصل ہو کہ اگر کسی نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے مستحق ورثہ کے حصص کے مطابق تقسیم ترکہ کی وصیت کر دی ہو تو وہاں کی حکومت اس وصیت نامہ کے مطابق مستحقین کو ان کا حصہ دینے دلوانے کے لئے تیار ہو جاتی ہو تو ایسی صورت میں مسلمانوں کو وصیت کرنے سے نہیں چوکنا چاہئے بلکہ قانون میراث کا اجراء بھی قرآن کریم کی صراحت کے مطابق ادائے دین اور تنفیذ وصیت کے بعد ہی مانا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"من بعد وصية يوصي بها"، "يوصين بها"، "توصون بها"، "يوصي بها او دين" (سورۂ نساء:۱۱، ۱۲)، اسی طرح اللہ تعالی نے قانون میراث کو "يوصيكم الله في اولادكم" کہہ کر ہی بیان فرمایا ہے، اور "للذكر مثل حظ الانثيين" کا قانون پہلے ذکر فرمایا ہے، اسی طرح سورہ بقرہ میں فرمان خداوندی ہے: "كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيرا الوصية للوالدين والاقربين" (سورۂ بقرہ:۱۸۰)۔

☆ مہتمم جامعہ رحیمیہ برہم پور، دربھنگہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لہذا مندرجہ آیات واحادیث نبوی کی روشنی میں سوالوں کا جواب تحریر کیا جاتا ہے:

۱-جن ممالک میں قانون میراث جاری نہیں ہے وہاں وصیت کا حکم:

غیر مسلم کی اکثریت والے ممالک میں یا غیر اسلامی حکومتوں میں رہنے والے مسلم باشندوں پر لازم ہے کہ اگر وہاں میت کے ورثہ کے درمیان تقسیم ترکہ کا قانون جاری نہ ہو تو جہاں حکومت کو متوجہ کر کے اس قانون کا احیاء کریں وہیں مسلمانوں پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنی زندگی میں اس طرح کا وصیت نامہ قانون شریعت کے ماہر علماء سے مشورہ کر کے تحریر کردیں تاکہ ان کی وفات کے بعد تمام ورثہ کو ان کا شرعی حصہ مل جائے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خير الوصية" (سورۂ بقرہ:۱۸۰)۔

عام طور سے مشہور ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، لیکن کافر والدین جو شرعی وارث نہیں بنتے ہیں ان کے متعلق وصیت کر سکتے ہیں، چنانچہ مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ نے قرآن محکم نامی رسالہ میں اس آیت کو محکم مانا ہے، ہاں آیت میراث کے حکم کے مقابلہ میں اس آیت کا حکم منسوخ ہے۔

۲-کیا وصیت نامہ لکھنا حدیث نبوی "لا وصية لوارث" کے خلاف ہے:

اگر کوئی شخص اپنے شرعی ورثہ کے لئے قانون ترکہ ہی کے مطابق وصیت نامہ اجمالی یا تفصیلی لکھوادے تو ایسا کرنا حدیث نبوی "لا وصية لوارث" کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ قانون میراث سے ہٹ کر اور اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے کسی شرعی وارث کو محروم کرنے یا کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زیادہ دینے کی وصیت کر جائے تو یہ وصیت شرعا نافذ نہ ہوگی، اور شرعا باطل ہوگی، ہاں اگر غیر وارث یا بوقت ضرورت وارث کے لئے وصیت تہائی مال تک کی کرے تو اس کا اعتبار ہوگا، اسی طرح اگر کسی خاص مصلحت سے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دے اور دیگر ورثہ کو بتا دے اور وہ وارثین باہم رضامندی سے اس کو مان لیں تو ایسی صورت میں بھی وصیت پر عمل کیا جاسکتا ہے، چنانچہ حدیث "لا وصية لوارث" میں امام دارقطنی نے یہ اضافہ نقل کیا ہے:"الا ان يشاء الورثة" (مشکوۃ ۱/۲۶۵)، اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے:"ان الرجل ليعمل والمرأة بطاعة الله ستين سنة ثم يحضرهما الموت فيضار ان في الوصية فتجب لهم النار ثم قرأ ابوهريرة من بعد وصية يوصى بها أو دين غير مضار" (مشکوۃ ۱/۲۶۵ رواہ احمد ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ)۔

مذکورہ روایات اور آیت محولہ کو سامنے رکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی وارث کو ضرر پہنچانے یا تمام ورثہ کی رضامندی کے خلاف کسی وارث کے لئے وصیت کرنا ممنوع ہے، رہا وارث یا غیر وارث کے لئے بوقت ضرورت تہائی مال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تک کی وصیت کرنے کا حکم تو حضرت سعد بن ابی وقاص کو حضور اکرم ﷺ نے دیا تھا، "اوص بالثلث والثلث کثیر" (مشکوۃ ۱/ ۲۶۵)، حضرت سعد نے اپنے کل مال کے فی سبیل اللہ خرچ کر دینے کی اپنے مرض الوفات میں وصیت کی تھی تو حضور پاک ﷺ نے ان کو اس سے منع فرما کر صرف تہائی مال تک کی وصیت کرنے کا حکم فرمایا، کما رواہ الترمذی مفصلا (مشکوۃ ۱/ ۲۶۵)۔

لہذا آیت میراث کے خلاف وصیت کرنا تو عندالمفسرین منسوخ و ناجائز ہے، لیکن جہاں قانون وراثت پر عمل ممکن نہ ہو اور وہاں وصیت کو اہمیت دی جاتی ہو تو ایسی جگہ قانون وراثت ہی کے مطابق تقسیم ترکہ کی تحریری وصیت کر دینی شرعاً واجب ہوگی۔

۳- حدیث لا وصیۃ لوارث کا مورد و مقصد:

حدیث "لا وصیۃ لوارث" یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس کا اعلان حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا، "عن ابی امامة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول فی خطبته عام حجة الوداع: ان الله قد أعطى كل ذی حق حقه فلا وصية لوارث رواه ابوداؤد ابن ماجه" (مشکوۃ ۱/ ۲۶۵)، وفی رواية الدارقطنی عن ابن عباس مرفوعا: "لا يجوز لوارث وصية الا ان يشاء الورثة"، "وعن عمرو بن خارجة قال: خطبنا رسول الله بمنى فقال: ان الله عز وجل قد قسم لكل انسان نصيبه من الميراث فلا يجوز لوارث وصية الامن الثلث" (رواہ الدارقطنی ۳/ ۸۷، کتاب الوصایا حدیث ۴۲۵۳، ۴۲۵۵، مشکوۃ ۱/ ۲۶۵)۔

اس روایت کے تمام طرق کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث کا مورد و مقصد اس وصیت کی ممانعت ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو جبکہ دیگر ورثہ رضامند نہ ہوں، رہی وہ وصیت جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو تو اس قسم کی وصیت کی ممانعت نہیں ہے، دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے: "الإضرار فی الوصية من الكبائر" (دارقطنی ۳/ ۸۶ حدیث ۴۲۴۹۷)، اور سوالنامہ کی مندرجہ صورت میں وصیت کے ذریعہ قانون میراث ہی کو مؤثر و منتفع بنانا ہے۔

۴- غیر مسلم ممالک میں قانون میراث کو جاری کرانے کی مزید شکلیں:

جن غیر مسلم ممالک میں قانون میراث جاری نہ ہو تو وہاں اولا حکومتی سطح پر قانون میراث کو جاری کرانے کی کوشش کی جائے اور جب تک اس پر عمل نہیں ہوتا اور حقوق کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں قانون میراث پر عمل کرانے کے لئے اس کو ملحوظ رکھ کر ہبہ عطیہ وصیت کے ذریعہ میراث دینے کی کوشش کی جائے، کیونکہ اللہ تعالی نے انسان کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلیفہ بنا کر بھیجا ہے، لہذا ابقائے نسل کے لئے اللہ تعالی نے عین اوراس کے منافع سے منتفع ہونے کے لئے بیع، ہبہ، وصیت اجارہ، اعارہ وغیرہ بہت سے ذرائع کو شروع کیا تا کہ ہر انسان اپنے کھانے پینے رہنے اور زندگی بسر کرنے سے متعلق اشیاء سے منتفع اور مستفید ہو، قال اللہ تعالی: ''خلق لكم ما في الارض جميعا الآية'' (سورۂ بقرہ:۲۹)، ''ولقد مكنا كم في الارض وجعلنا لكم فيها معايش'' (سورہ اعراف:۱۰)، ''هو الذى جعلكم خلائف في الارض'' (سورۂ فاطر:۳۹)، ''وانفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه'' (سورۂ حدید:۷)۔

۵-غیر مسلم مورث سے مسلمان وارث کا ترکہ لینا:

جمہور علماء کے نزدیک نہ مسلمان غیر مسلم کا وارث ہوسکتا ہے، اور نہ ہی کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے، چنانچہ حدیث نبوی ہے: ''عن اسامة بن زيد قال قال رسول الله ﷺ: لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم'' (متفق علیہ) (مشکوۃ ۱/ ۲۶۳)۔

لیکن اگر کسی غیر اسلامی حکومت میں کوئی حکومت کسی غیر مسلم کو مسلمان کے مال سے ترکہ دلواتی ہو تو ایسی صورت میں غیر مسلم کے مال سے اس کے قریبی مسلمان رشتہ دار بھی ترکہ لے سکتے ہیں یا نہیں، تو حضرات صحابہ میں سے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت امیر معاویہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ غیر مسلم تو مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، ہاں مسلمان غیر مسلم کا وارث ہوسکتا ہے (حاشیہ مشکوۃ ۱۵/ ۲۶۳)، لہذا اگر حکومت مسلمان کے مال سے کسی غیر مسلم کو ترکہ دلواتی ہو تو ایسی صورت میں غیر مسلم کے مسلمان وارث بھی حکومت سے مطالبہ کر کے اپنا حصہ وصول سکتے ہیں، نظیرہ في سورة الممتحنة: ''واسئلوا ما أنفقتم الآية'' (سورۂ ممتحنہ:۱۰)۔

۶-تقسیم ترکہ میں اختلاف کے خوف سے مورث کا ترکہ کے مطابق اپنی زندگی میں وصیت کرنا:

اگر کسی مورث کو اپنے ورثہ کے احوال سے خطرہ ہو کہ اس کے ورثہ ترکہ کی تقسیم میں باہم اختلاف کرلیں گے، ایسی صورت میں وہ باعتبار ترکہ کے حصہ رسدی کی اپنی زندگی ہی میں تحریری وصیت کر جائے تو شرعا ایسی صورت میں وصیت کر جانا شرعا درست ہے، سورہ بقرہ کی آیت (۱۸۰) کو اگر محکم مانا جائے تو وہ اسی قسم کی وصیت کے جواز و استحسان کو شامل ہے، ''قال الله تعالى: كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خيرالوصية''، مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ نے اپنے رسالہ قرآن محکم میں مذکورہ آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

۷-مورث کا اپنے خادم وارث کے لئے زیادہ دینے کی وصیت کرنا اور دیگر ورثہ کا رضامند ہونا:

کوئی مورث اگر اپنے خدمت کرنے والے یا کسی کمزور ورثہ کو اس کے حصہ رسدی سے زیادہ دینے کی وصیت اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیگر ورثہ کی باہمی رضامندی سے کرے تو یہ رضامندی مورث کی زندگی ہی میں ہو یا اس کے بعد شرعا دونوں کا اعتبار ہوگا، اور مورث کو شریعت نے جو تہائی مال میں وصیت کا اختیار دیا ہے تو یہ ورثہ غیر ورثہ سب کے لئے ہو سکتی ہے، چنانچہ امام دارقطنی نے حدیث "لا وصیة لوارث" کے سلسلہ میں جو تفصیل نقل کی ہے اس میں بروایت ابن عباس "الا ان یشاء **الورثة**" (حدیث:۴۲۵۳) اور بہ روایت عمرو بن خارجہ "الا من الثلث" کے الفاظ نقل کئے ہیں (ملاحظہ ہو حدیث ۴۲۵۵، ج ۳ ص ۸۷)۔

۸- لاولد شخص کا کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں بیوی کے لئے وصیت کرنا:

جو لوگ لاولد ہوں اور ان کو احساس ہو کہ میری وفات کے بعد دیگر ورثہ کے نہ ہونے کی صورت میں اس کی بیوی کہیں بے سہارا نہ ہو جائے اور مرنے کے بعد صرف ترکہ والے حصہ سے اس کی پرورش نہ ہو سکے گی تو وہ شخص بے سہارا بیوی کے سہارا کے لئے اس کے ترکہ والے حصہ سے زیادہ مال کی بھی وصیت اپنی بیوی کے لئے کر سکتا ہے۔

۹- کسی شخص کا اپنے دیگر ورثاء کی رضامندی سے تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا:

اگر کوئی شخص کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں اپنے دوسرے ورثاء کی رضامندی سے تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے، تو شرعا اس قسم کی وصیت کا بھی اعتبار ہوگا، جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں ہے: "**عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ: لا یجوز لوارث وصیة الا ان یشاء الورثة**" (رواہ الدارقطنی ۸۷/۳، حدیث ۴۲۵۳)۔

البتہ یہ ملحوظ رہے کہ وصیت کر کے اپنے وارث کو ضرر نہ پہنچائے، حدیث نبوی ہے: "**الا ضرار فی الوصیة من الکبائر**" (رواہ الدارقطنی ۸۶/۳، حدیث: ۴۲۴۹)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق چند احکام

حافظ کلیم اللہ عمری مدنی ☆

۱- صورت مسؤلہ میں ازروئے شرع کسی وارث کے لئے وصیت کرنا یا کسی وارث کو وراثت سے محروم کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے ہر حقدار کو اس کا حق مقرر فرما دیا ہے، لہذا کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے (سنن ابی داؤد: ۵۶۵ ۳ صحیح) مذکورہ وصیت شرعا قابل قبول نہیں ہے، البتہ جن ممالک کا جو حال بیان کیا گیا ہے، صورت حال وہی ہو تو ایسی مجبوریوں میں مذکورہ عہد نامہ شریعت کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق ہونے کی صورت میں قابل قبول ہوگا ورنہ نہیں، یا ایسے مقامات میں وصیت نامہ لکھنے کی بجائے ہبہ کی شرعی صورتیں اپنائی جائیں، بشرطیکہ وہ ہبہ کسی وارث کو نقصان پہنچانے کے لئے نہ ہو، زندگی میں جائیداد کی تقسیم کی دو صورتیں ممکن ہیں: ۱۔ مساویانہ تقسیم ۲۔ لڑکوں کو لڑکیوں کے مقابلہ میں دوگنا حصہ دینا، البتہ زندگی میں ہبہ کرنے کی صورت میں کسی وارث کو وراثت سے محروم کرنے کی نیت نہ ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إنما الأعمال بالنیات" (بخاری) یعنی اعمال کی قبولیت کا دار و مدار نیتوں پر موقوف ہے۔

۲- مذکورہ وصیت نامہ شریعت کے خلاف تو ہے مگر جہاں نظام میراث کلی طور پر قابل عمل نہ ہو تو اس وصیت کی حیثیت ایک عہد نامہ کی ہو جائے گی، اس عہد نامہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ شرعی حقوق کے موافق ہو، ورنہ اس عہد نامہ پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔

۳- مذکورہ حدیث کا پس منظر یہی ہے کہ ہر وارث کو اس کا شرعی حق مل جائے، جو اصحاب فرائض یا عصبات میں سے ہوں وہ اپنا شرعی حصہ پالیں، البتہ جو لوگ اصحاب فرائض میں سے نہ ہوں اور مورث ان کے لئے کچھ مال تقسیم کرنا چاہے تو شریعت نے اس کی حد بندی کردی کہ وصیت ایک ثلث مال میں ہی کی جائے، اور یہ وصیت صرف غیر وارث کے لئے ہو۔ نیز وصیت بسا

☆ استاذ ومفتی جامعہ دار السلام عمر آباد۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوقات مورث کے لئے صدقہ جاریہ بن جاتا ہے، گویا کہ مورث کو وصیت کے ذریعہ سے صدقہ جاریہ کا دروازہ کھولا جاتا ہے تو دوسری طرف مستحق ذوی الارحام کو استحساناً ان کا حق دلایا جاتا ہے۔

۴- ۱-غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کی ایک اہم صورت یہ ہوگی کہ مسلمان باقاعدہ پرسنل لا بورڈ کی تشکیل دیں، پھر اس کے ذریعہ سے اسلامی حقوق وواجبات حاصل کرنے کی مسلسل کوشش کریں تو بہتر ہوگا، تاکہ نظام شریعت ومیراث پوری طرح نافذ ہو۔

۲-جب تک مسلم پرسنل لاء بورڈ قائم نہ ہو اس وقت تک ہبہ کے اصولوں پر عمل کیا جائے۔

۳-وصیت نامہ جو شرعی وراثت کے عین مطابق ہو تیار کیا جائے اور اس کے مطابق کارروائی ہو۔

۴-حق وراثت پر تفصیلی پروگرام چلایا جائے اور عدل اسلامی کے نمونے پیش کرنے کی کوشش کی جائے، مسلسل ممکنہ کوشش جاری رکھی جائے، مسلم ممبران کو پارلیمنٹ میں اپنا حق منوانے کے لئے کوشش کرنا چاہئے۔

۵-قانونی/حکومتی کارروائی مکمل ہونے سے قبل مسلمان اپنے اسلامی مراکز سے رجوع کرتے ہوئے شریعت کے مطابق حق وراثت تقسیم کرلیں۔

۶-ایک صورت یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمان عدالت میں جانے کی بجائے اسلامی تحریکات وجمعیات یا جماعت کے ذریعہ وراثت تقسیم کرلیں، پھر مقسوم علیہ کو رجسٹریشن کے ذریعہ قانونی بنالیں۔

۵- مذکورہ صورت میں مسلمان کے لئے کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کا وارث بنے یا حق وراثت کے نام سے ترکہ پانے کی تگ ودو کرے، یا کسی غیر مسلم کے لئے حق وراثت ثابت کرے، اس لئے کہ موانع میراث متفق علیہ تین ہیں اور وہ یہ ہیں: غلامی، قتل اور دین کا اختلاف، اور تین موانع مختلف فیہ ہیں: ارتداد، اختلاف دارین، اور دور حکمی (ایسا اقرار جس کے نتیجے میں اقرار کرنے والا وراثت سے محروم ہو جائے۔ بعض شافعیہ کے یہاں زوجین کے درمیان لعان بھی مانع ارث ہے (موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ۳/۶۵)، ایسی صورت میں اختلاف دین ایک اہم سبب ہے، میراث کے احکام جاری نہ ہونے میں، لہذا غیر مسلم ممالک میں اس طرح کے حالات میں ہبہ کے ذریعہ کسی کو مالک بنانا درست ہوگا۔ جمہور فقہاء کرامؒ کی یہ دلیلیں ہیں: "یعنی لا یتوارث أهل ملل شتی" (سنن ابی داؤد، ۲۷۳۱، بروایۃ عبد اللہ بن عمروؓ) مختلف ملت والے ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، نیز یہ حدیث: "لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" (احمد، بخاری ومسلم) (یعنی مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا)۔

البتہ حضرات معاذ بن جبل، معاویہ بن ابی سفیان، حسن، محمد بن الحنفیہ، محمد بن علی بن حسین، اور مسروق رحمہم اللہ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نزدیک مسلمان کافر کا وارث ہوگا، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ "الاسلام یعلو ولا یعلی" (سنن الدارقطنی، ۳/ ۲۵۲، البیہقی ۶/ ۲۰۵، وحسنہ الالبانی فی صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ، رقم الحدیث، ۲۷۷۸)، البتہ امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ مسلمان اپنے آزاد کردہ کافر غلام کا وارث ہوسکتا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ "الولاء لمن أعتق" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۱۰/ ۷۷۱۹، المغنی ۶/ ۳۳۸)۔

۶- صورت مسؤلہ میں مذکورہ وصیت شرعی تقسیم (ترکہ) کے مطابق ہوتو اس وصیت پر عمل کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نظر نہیں آتی، ورنہ مذکورہ وصیت کالعدم قرار پائے گی اور از سرِ نو شرعی تقسیم ہوگی۔

۷- مذکورہ رضامندی مورث کی موت کے بعد قابل قبول ہوگی، اس لئے کہ ورثاء مورث کی زندگی میں اس میراث کے مالک نہیں ہیں جس کی وہ رضامندی ظاہر کررہے ہیں، مورث کی موت کے بعد ہی اولاد یا اصحاب الفرائض مال متروک کے وارث ہوں گے، اس وقت ان کی رضامندی کا اعتبار ہوگا، اس سے قبل جس چیز کے وہ مالک نہ ہوں، ایسی چیز پر ان کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

۸- مذکورہ صورت میں بھی وصیت قابل قبول نہ ہوگی، اور نہ ہی قابل تنفیذ ہوگی، البتہ ہبہ کرنا درست ہے مگر ہبہ میں بھی نیت شامل نہ ہو کہ دیگر اصحاب الفرائض یا ذوی الارحام یا عصبہ محروم ہوں، یعنی کسی عصبہ یا ذوی الارحام یا اصحاب الفرائض کو محروم کرنے کی نیت نہ ہوتو ہبہ کرنا درست ہوگا اور قرابت داروں کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے ان کے لئے بھی کچھ چھوڑنا حق اسلام اور حق قرابت داری ہے۔

۹- مذکورہ وصیت قابل عمل ہوگی بشرطیکہ اس وصیت کے تعلق سے تمام ورثاء مورث کی موت کے بعد راضی ہوں، اس لئے وارث مورث کی وفات کے بعد ہی مال موروث کا مالک ہوتا ہے، وارث جس چیز کا مالک ہو اس میں تصرف کرنا یا کسی کو اپنا حق ہبہ کردینا، یا اپنی ملکیت سے دستبردار ہونا وغیرہ صحیح ہوگا۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وارثین کے درمیان مورث کی زندگی میں جائداد کی تقسیم

مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی ☆

۱- وراثت کے سلسلہ میں وصیت کا اعتبار نہیں ہوتا، کیونکہ وراثت کا تعلق انتقال کے بعد سے ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''إن الله قد أعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث'' (نیل الأوطار: ۶؍ ۴۰) (اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیا ہے، پس وارث کے حق میں وصیت کا اعتبار نہیں)۔

لہٰذا اگر کوئی وصیت وارث کے حق میں کر رہا ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ وہ شریعت کی رو سے منع ہے۔

البتہ جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کے لیے زندگی ہی میں اس طرح کا ''وصیت نامہ'' لکھا دینا کہ وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں جائز ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ورثاء کے لیے وصیت اس مقصد سے کر رہا ہو کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق مل جائے، اس لیے کہ ملکی قانون کے سبب کئی اصحاب حقوق مثلاً عورتوں کو یہ حق نہیں مل پاتا، جبکہ اگر کوئی شخص وصیت کر جائے تو ملکی قانون اس وصیت کا احترام کرتا ہے، اور جن کے لیے وصیت کی گئی ہے ان کو وصیت کے مطابق دلا دیتا ہے تو کیا اس طرح وصیت کرنا جائز ہوگا؟ اس کے جواب کی طرف اوپر ذکر کردہ حدیث ہی میں اشارہ موجود ہے، اس لیے کہ اس میں وارث کے لیے وصیت باطل ہونے کی وجہ ہی یہی بتائی گئی ہے کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق مل چکا ہے، لہٰذا کسی وارث کے لیے وصیت کی جائے تو ان کے حقوق میں کمی بیشی ہو جائے گی، جبکہ اگر کوئی آیت میراث کے مطابق وصیت کرتا ہے تو اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ صاحب حق کو اس کا حق دلا دیا جائے، لہٰذا یہ وصیت جائز ہونی چاہیے، اس لیے کہ وہ شریعت کی منشاء کے مطابق ہے، اسی لیے حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی کی چوتھی جلد میں شامی کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

وارث کے لیے وصیت ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک کے لیے وصیت کی جائے تو باقی ورثاء کو تکلیف

☆ دار عرفات، رائے بریلی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اذیت ہوگی، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ اگر باقی ورثاء وصیت کی اجازت دے دیں تو جائز ہوجائے گی۔

"لا وصية لوارث إلا أن يجيز ها الورثة" (دارقطنی:۴/۹۸)(کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے الا یہ کہ ورثاء اس کی اجازت دے دیں)۔

۲- اور ظاہر بات ہے کہ جب شرعی حصوں اور سہام کے مطابق وصیت کی جائے تو یہ مانع نہیں رہے گا، لہٰذا عام حالات میں اس طرح وصیت کرنا جائز ہوگا، لیکن اگر صورت حال ایسی ہو کہ اس طرح وصیت کئے بغیر اصحاب حقوق کو ان کا حق نہیں مل سکے گا، صرف وصیت ہی کی صورت ان کو حق دلانے کے لیے متعین ہو تو اگر چہ اس کے متعلق صریح روایت نہیں ملتی، لہٰذا فتوی کے طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن کچھ دلائل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں وصیت کرنا واجب ہونا چاہیے، یہ دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

میراث کے احکام قرآن مجید میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، اس تفصیل کے مطابق تقسیم کرنے کو فرض قرار دیا گیا ہے، ان کو حدود اللہ قرار دے کر ان پر عمل کو جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ اور عمل نہ کرنے کو جہنم کی آگ میں داخل ہونے کا سبب قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے:

"لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً" (سورۃ النساء:۷)(مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑیں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑیں ماں باپ اور قرابت والے تھوڑا ہو یا بہت ہو حصہ مقرر کیا ہوا ہے)۔

پھر اس اجمال کی تفصیل آیت میراث ہے:

"يُوصِيكُمُ اللّهُ فِيْ أَوْلاَدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ ...الآية" کے بعد ارشاد ھے :"تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ وَمَن يُطِعِ اللّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ، وَمَن يَعْصِ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيْهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ" (سورۃ النساء:۱۳-۱۴)(یہ حدیں باندھی ہوئی اللہ کی ہیں اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے، اس کو داخل کرے گا جنتوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی ہے بڑی مراد ملنی، اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نکل جائے اس کی حدوں سے، ڈالے گا اس کو آگ میں، ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لیے ذلت کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عذاب ہے)۔

۳- حدیث: "لا وصیة لوارث" کا مورد و مقصد صرف وہ وصیت ہے، جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے کم یا زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو، اس حدیث کے دائرہ میں وہ وصیت نہیں آتی جس میں تمام ورثہ کو ان کے حصے شرعی طور پر دلانا مقصود ہو۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ مرنے والا اپنی زندگی میں اپنی پوری جائداد شریعت کے مطابق اپنے تمام ورثہ میں تقسیم کردے، اور اپنا حصہ اس شرط کے ساتھ مشروط کردے کہ جو میری خدمت کرے گا اور میرے اخراج، علاج و معالجہ وغیرہ کرے گا، وہ مرنے کے بعد میرا حصہ لے لے گا، اس طرح کرنے سے ترکہ بھی صحیح طور پر تقسیم ہو جائے گا اور اس (مرنے والے) کی پرورش و پرداخت اور دیکھ بھال صحیح طور پر ہو سکے گی۔

۵- صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نہ مسلمان غیر مسلم سے وراثت پا سکتا ہے نہ غیر مسلم مسلمان سے (بخاری و مسلم) چنانچہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ غیر مسلم کو مسلمان سے وراثت نہیں ملے گی، اور جمہور کے نزدیک مسلمان غیر مسلم سے بھی وراثت نہیں لے سکتا، البتہ حضرت معاذ ابن جبلؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرام کے نزدیک مسلمان غیر مسلم سے وراثت لے سکتا ہے، لیکن اس کے برعکس ان نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: میں کہوں گا اس کی مشروعیت اس لیے ہے تاکہ یہ دونوں کے درمیان کے مواسات کو ختم کردے، اس لیے کہ مسلمان کافر سے میل جول اس کے دین میں بگاڑ پیدا کردے گا۔

بہر حال جمہور کا مسلک واضح دلائل سے ثابت ہے، اس کے صحیح اور راجح ہونے پر کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان جلیل القدر حضرات کے اختلاف کی وجہ سے مسئلہ مجتہد فیہ ہو گیا ہے اور مجتہد فیہ مسائل میں ضرورت پڑنے پر مرجوح قول بھی اختیار کرنے کی مثالیں موجود ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ اسلام قبول کرنے والے کو اگر وراثت لینے سے روک دیا جائے جبکہ خود ورثاء اس کی موت واقع ہونے پر جبراً اس کے وارث بن جاتے ہیں اور ملکی قانون کا سہارا لیتے ہیں تو اس کا دل ٹوٹ سکتا ہے اور اسے دقتوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، لہٰذا موجودہ حالات میں اگر مسلمان اپنے غیر مسلم مورث کی وراثت حاصل کرلے تو اس کی اجازت ہونی چاہئے، دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- دوسرے ورثاء اس کو دینے پر راضی ہوں تو اس کو ہبہ قرار دیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ مسلمان کے لیے غیر مسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ہبہ لینا جائز ہے (ہندیہ ۴/۴۰۵،شامی ۴/۵۷۶)۔

۲- یا اس کو حکومت کی ایک امداد قرار دیا جائے، اس لیے کہ حکومت اس کے مرنے پر اس کی جائداد بھی اپنے قانون کے مطابق تقسیم کرتی ہے۔

۳-ضرورتاً مرجوح ہونے کے باوجود حضرت معاذ ابن جبل کا قول اختیا کرلیا جائے۔

جب وارث اور مورث میں دین کا اختلاف کفر واسلام کا ہو تو وراثت نہیں ملتی، اس لیے کوئی مسلمان غیر مسلم کا اور کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، سراجی موانع الارث میں مانع وراثت واختلاف الدین کے تحت لکھا ہے، اسی طرح فقہ کی عام کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، لقوله تعالیٰ: وَلَن يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً (النساء:۱۴۱)۔

اور آپ (ﷺ) کا ارشاد ہے: لا يتوارث أهل ملتين شتى (ابوداؤد)۔

۶- سوال نمبر ایک کے جواب میں یہ گذر چکا ہے کہ وراثت کے سلسلہ میں وصیت کا اعتبار نہیں ہوتا، کیونکہ وراثت کا تعلق انتقال کے بعد سے ہے، لہٰذا اگر کوئی وصیت وارث کے حق میں کر رہا ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ شریعت کی رو سے منع ہے، البتہ اگر وہ اپنی زندگی میں شرعی اعتبار سے حصے تقسیم کردیتا ہے، ناانصافی نہیں کرتا ہے، تو اس کی یہ تقسیم معتبر ہوگی۔

۷- ہر عاقل، بالغ اپنے مال یا اپنی جائداد کا کل یا جز کسی بھی شخص کو ہبہ کرسکتا ہے، اسی طرح ایسی وصیت جس پر تمام ورثہ راضی ہوں، جس کو وصیت کی جارہی ہے اس کے حق میں وصیت نافذ ہوجائے گی، اور یہ وصیت مورث کی موت کے بعد معتبر ہوگی، اس لیے کہ وصیت (جو یہاں میراث کے قائم مقام ہے) کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے۔ مورث کی زندگی میں اس کا اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ مورث نے ہبہ کیا ہو، اور اگر ہبہ نہیں کیا تو یہ وصیت ہے اور وصیت کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے:

"كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِيْنَ" (البقرة:۱۸۰)۔

(فرض کردیا گیا تم پر جب حاضر ہو تم میں سے کسی کو موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لیے انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں کے اوپر)۔

۸- اگر شوہر کے کوئی اولاد دلڑکا، لڑکی یا لڑکے کے کوئی اولاد یعنی پوتا، پوتی (نیچے تک) میں سے کوئی ہو تو بیوی کو ترکہ کا آٹھواں ملے گا، اور اگر وارثین میں کوئی نہ ہو تو چوتھائی حصہ ملے گا۔

"أما للزوجات فحالتان الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن، وإن سفل والثمن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مع الولد وولد الابن وإن سفل" (السراجی فی المیراث:۷-۸)۔

واقعتاً معاشرے میں یہی ہورہا ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد عام طور پر بیوی کا حق محفوظ نہیں رہتا ہے، دوسرے لوگ قابض ہوجاتے ہیں، ایسی صورت میں اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنی بیوی کے حق میں وصیت کرجاتا ہے تو اس وصیت کا اعتبار شرعاً ہونا چاہیے، اس لیے کہ مذکور سوال میں اس کا کوئی وارث موجود نہیں ہے، البتہ اگر وارثین موجود ہوں تب تو شریعت میں بیوی کا جو حصہ بتایا گیا ہے اسی کے مطابق اس کو حصہ ملے گا، ایسی صورت میں وصیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۱۰- وصیت صحت کی حالت میں کرے یا مرض الموت میں، عام حالات میں وصیت ایک تہائی مال میں نافذ ہوگی، اِلا یہ کہ موصی کا کوئی وارث نہ ہو، یا وارث ہو اور وہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کی اجازت دے دے۔

"(وتجوز بالثلث للأجنبي) عند عدم المانع (وإن لم يجز الوارث ذلک لا الزيادة عليه إلا أن تجيز بعد موته) ......" (الدرالمختار مع ردالمحتار کتاب الوصایا:۵/۶۴۷)۔

اگر کسی نے ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کردی، اور وصیت کرنے والے کا کوئی وارث نہیں تو یہ وصیت نافذ ہوگی، یا اگر کئی وارث ہیں اور انہوں نے ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کو بخوشی تسلیم کرلیا اور اگر کسی نے نہیں کیا تو صرف تسلیم کرنے والوں کے حق میں نافذ ہوگی، بقیہ ورثہ کے حق میں نافذ نہیں ہوگی۔

وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی۔ حدیث رسول (ﷺ) اس پر شاہد ہے: "لاوصية لوارث" (ترمذی: ۲۱۲۰) (وصیت وارث کے حق میں نافذ نہیں ہوتی)۔

وصیت غیر وارث کے حق میں ہوتی ہے، لہٰذا اگر کسی شخص نے کسی غیر وارث کے حق میں وصیت کی تو یہ وصیت نافذ ہوجائے گی۔

اگر کسی شخص نے کسی غیر وارث کے حق میں ایک تہائی یا اس سے زیادہ کی وصیت کی، تو اگر وارث تہائی وصیت سے زیادہ پر راضی ہوجاتے ہیں تو یہ وصیت معتبر ہوگی، اور اگر وارث تہائی سے زیادہ پر راضی نہیں ہیں تو صرف تہائی مال پر وصیت نافذ ہوگی، بقیہ پر نہیں، کیونکہ آپ (ﷺ) کا ارشاد ہے: "لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة" (ترمذی: ۲۱۲۱) (وارث کے لیے بلا اجازت (تہائی سے زیادہ) کی وصیت نافذ نہیں ہوگی)۔

مذکورہ سوال میں حدیث کی بنیاد پر تہائی سے زیادہ کی وصیت نافذ ہوجائے گی، اس لیے کہ دوسرے ورثہ تہائی سے زیادہ وصیت پر راضی ہیں۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وراثت ووصیت سے متعلق چند اہم پہلو

مولانا عبدالعظیم ندوی ☆

۱۔ عرض یہ ہے کہ ایسی صورت حال جس میں حق شرعی کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور ملکی قانون میں میت کی وصیت کو اہمیت بھی دی جاتی ہو وصیت نامہ لکھنا تا کہ تمام وارثین کو بعد الوفات ہر ایک کا حصۂ شرعی مل جائے جائز معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی مشہور زمانہ تصنیف ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں عنوان'' الوصية بقسمة التركة'' کے تحت مکتوب مندرجہ ذیل عبارت سے یہ بات مترشح ہوتی ہے:

''یری جمهور الفقهاء: أن هذا التقسيم لايلزم الورثة فلهم أن يقبلوه أو يرفضوه ، لأن القيمة المالية لأعيان التركة قد تكون متساوية ، لكن المصلحة فيها متغايرة ، فكما لايجوز ابطال حق الوارث في قدر حقه ، لايجوز ابطاله في عين هذا الحق أيضًا ۔

ويرى بعض فقهاء الشافعية والحنابلة : وان كان الأصح في المذهب هوالرأى السابق ۔ أن هذا التقسيم من المورث جائز ، ويلزم به الورثة ، مادامت القسمة عادلة . فخصص لكل وارث مايساوى قيمة نصيبه ، وبقدر حصته ، ولايفتقر التقسيم الى اجازة الورثة ، لأن حق كل وارث انما هو في القيمة، لا في عين معينة من أعيان التركة ، بدليل أن المورث لو باع في مرض موته التركة كلها بثمن المثل ،صح بيعه ونفذ'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۹۶)۔

البتہ شرط یہ ہے کہ مورث نے وصیت نامہ میں جن وارثوں کا حصہ شرعی مقرر کیا ہے وہ تمام کے تمام وصیت نامہ لکھنے والے کی وفات کے وقت زندہ ہوں اگر ان میں سے کوئی ایک بھی مورث کی وفات سے پہلے مرگیا تو وصیت نامہ میں مقرر کردہ حصص شرعیہ میں تبدیلی کرنی ہوگی ۔

☆ استاذ مدرسہ جامع العلوم۔دساڑہ ضلع سریندر نگر گجرات۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

۲- " لاوصیة لوارث " میں جس وصیت کو وارث کیلئے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے، وہ وصیت ہے جس سے کسی وارث کے حق شرعی میں کسی طریقہ سے ضرر کا اندیشہ ہو، چنانچہ قرآن پاک میں خداوند ذوالجلال نے آیت میراث میں ارشاد فرمایا ہے: " أو دين غير مُضارٍّ " ۔ اور وارث کو ضرر پہنچانے کے کئی طریقے ہیں، اس آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے وضاحت سے لکھا ہے۔ مفتی صاحب رقم طراز ہیں: '' دین یا وصیت کے ذریعہ ضرر پہنچانے کی کئی صورتیں ممکن ہیں، مثلاً یہ کہ قرض کا جھوٹا اقرار کرلے، کسی دوست وغیرہ کو دلانے کیلئے، یا اپنے مخصوص مال کو جو اس کا اپنا ذاتی ہے یہ ظاہر کردے کہ فلاں شخص کی امانت ہے، تاکہ اس میں میراث نہ چلے، یا ایک تہائی سے زائد مال کی وصیت کرے، یا کسی شخص پر اپنا قرض ہو اور وہ وصول نہ ہوا ہو، لیکن جھوٹ یہ کہہ دے کہ اس سے قرض وصول ہوگیا، تاکہ وارثوں کو نہ مل سکے، یا مرض الوفات میں ایک تہائی سے زیادہ کسی کو ہبہ کردے'' یہ صورتیں ضرر پہنچانے کی ہیں، اس سے ہر مورث کو احتیاط کرنا ضروری ہے، لیکن ہمارے زیر بحث مسئلہ میں ضرر تو دور کی بات ہے بلکہ مورث کا مقصد ہر وارث کو اسکا حق شرعی صحیح طریقہ سے مل جائے، اس کے لئے وہ وصیت نامہ لکھ رہا ہے، اس لئے بظاہر حدیث لاوصیة کے خلاف معلوم نہیں ہوتا۔

اسی طرح علامہ ابن قدامہ نے مذکورہ حدیث کے ذیل میں یہ بات لکھی ہے: " و لأن النبي ﷺ منع من عطية بعض ولده وتفضيل بعضهم على بعض في حال الصحة و قوة الملك وامكان تلافي العدل بينهم باعطاء الذي لم يعطه فيما بعد ذلك لما فيه من ايقاع العداوة والحسد بينهم "(المغنی لابن قدامہ ۶/ ۲)۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث پاک میں جس وصیت سے منع کیا گیا ہے، وہ وصیت ہے جس میں بعض وارثین کیلئے وصیت کر کے دوسرے ورثاء اور اپنی اولاد کے میراث کے حق میں کمی مقصود ہو۔

۳- "لاوصية لوارث "کا مورد ومحمل بظاہر وہ وصیت معلوم ہوتی ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصۂ شرعی سے زائد مال بذریعۂ وصیت دلانا ہو، جیسا کہ سوال نمبر ۲ کے جواب میں علامہ ابن قدامہ کی عبارت سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے. اس لئے مزید تشریح یہاں کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث جاری کرنے کے لئے اور حق میراث کو اس کے حقداروں تک پہنچانے کے سلسلہ میں مجھے دو شکلیں سمجھ میں آئیں:

(۱) غیر مسلم ممالک میں قیام پذیر مسلمان کو یہ خطرہ ہو کہ میرے مرنے کے بعد میری وراثت کی شرعی تقسیم نہیں ہو سکے گی تو ایسی صورت میں مورث کیلئے بہتر یہ ہے کہ زندگی ہی میں اپنی ضرورت کا ساز وسامان رکھ کر بقیہ سامان وملکیت کو بشکل ہبہ اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تمام اولاد اور وارثین کے درمیان تقسیم کردیں، تاکہ مورث کی وفات کے بعد خلاف شرع کوئی بات پیش نہ آوے۔

(۲) ہر ملک میں چند مسلمان ملکی سیاست میں حصہ لیتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ پارلیمنٹ تک پہنچ جاتے ہیں، جیسا کہ برطانیہ میں کئی مسلمان نمائندے ہیں، اس لئے ایسے ممالک میں مسلمان علماء، اور اہل سیاست کومل کر یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ملکی دستور میں مسلمانوں کے پرسنل لا میں کسی طرح کی خلاف شرع بات کو قانون میں شامل نہ کیا جائے، اگر ہوتو اسکے ازالہ کی سعی وتگ ودو اور جہد پیہم کرنی چاہئے، انشاءاللہ کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔ ان الله لا يضيع اجر المحسنين۔

جیسا کہ ہمارے ملک ہندوستان میں جب مسلمانوں کے پرسنل لاء کو خطرہ محسوس ہوا، تو بلاتفریق مذہب وملت تمام مسلمانوں نے مل کر ایک تنظیم بنائی مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نام سے، اور اس تنظیم نے اللہ کی توفیق سے ملکی دستور میں شامل کئی خلاف شرع احکام کو نکال کر شرعی احکام کے مطابق بل پاس کروایا، اس لئے دیگر ممالک کے مسلمانوں کو یہ تدبیر اختیار کرنی چاہئے، لیکن اس میں اتحاد واتفاق ضروری ہے اسکے بغیر کسی مسئلہ کا حل ممکن نہیں۔

۵- سوال نامہ میں فقہاء کرام کی متفقہ رائے کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا اور کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، اس سلسلہ میں اکیڈمی کا سوال یہ ہے کہ غیر مسلم ممالک میں جہاں خلاف شرع قوانین نافذ ہیں وہاں جو مسلمان قیام پذیر ہیں ان مسلمانوں کے انتقال کے بعد ان کے مال میں سے غیر مسلم رشتہ دار کو متروکہ دیا جاتا ہے. اسی طرح اگر مورث غیر مسلم ہو اور مسلمان رشتہ دار ہوتو قانون اسے ترکہ میں حق دلاتا ہے، اگر وہ نہ لے تو ترکہ دوسرے غیر مسلم رشتہ داروں میں تقسیم کردیا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں جبکہ مسلمان کے مال سے غیر مسلم کو ترکہ دیا جاتا ہو، مسلمان بھی اس قانون سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟

عرض یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو حدیث ہے: " لايرث المسلم الكافر ولايرث الكافر المسلم "(صحیح مسلم حدیث نمبر ۶۱۱۶ کتاب الفرائض) وہ متواتر درجہ کی ہے، ہمیشہ اور ہر زمانہ میں امت کا عمل اس پر رہا ہے اور ہمارے ائمہ اربعہ کی بھی یہی رائے ہے، اس لئے چاہے جیسے حالات ہوں نہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا۔

کافر مسلمان کا بالکل وارث نہیں ہوسکتا اس سلسلہ میں اجماع علماء امت ہے: "اماالكافر فانه لايرث المسلم بالاجماع-وبالحديث، وبقوله تعالى:ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً "(عمدۃ القاری ۱۶/ ۴۵)۔

اور مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اکثر صحابہ کرام کی رائے وارث نہ ہونے کی ہے اور یہی رائے احناف اور علماء شوافع کی ہے۔"وأماالمسلم فهل يرث من الكافر أم لا ؟ فقالت عامة الصحابة

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہم: لایرث ، وبه أخذ علماؤنا والشافعی ، وهذا استحسان "۔

اور بعض صحابہ کرام اور فقہاء کرام کی رائے ہے کہ وارث ہوسکتا ہے، ان کا مستدل ابوداؤد کی روایت "الاسلام یزید ولاینقص " ہے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: "والقیاس أن یرث وهو قول معاذ بن جبل و معاویة بن ابی سفیان وبه أخذ مسروق والحسن ومحمد بن الحنفیة ومحمد بن علی بن حسین "(عمدۃ القاری ۱۶ / ۴۵)۔

مذکورہ بالا دونوں رائیوں میں دلائل کے اعتبار سے قوی مستدل جمہور کا ہے، اور حضرت معاذ و معاویہ کی جو رائے ہے، اس کے بارے میں علماء نے بڑا کلام کیا ہے، جس کو مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے تکملہ فتح الملہم میں بڑے شرح و بسط کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ اس لئے ان سب تفصیلات کو مدنظر رکھتے ہوئے جمہور کی رائے زیادہ قوی اور ارجح معلوم ہوتی ہے، پس نہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے ۔

نیز قرآن پاک کی آیت والذین کفروا الخ سے بھی فقہاء نے اختلاف دینین کو ہر دو جانب سے مانع ارث ٹھہرایا ہے، چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں: اس کے ساتھ اسلام نے اس اہم مقصد کو بھی وراثت کی تقسیم میں سامنے رکھا جس کے لئے انسان کی تخلیق ہوئی یعنی اللہ تعالی کی اطاعت وعبادت اور اسکے لحاظ سے پورے عالم انسان کو دو الگ الگ قومیں قرار دے دیا: مؤمن اور کافر۔ آیت قرآن "خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن" کا یہی مطلب ہے۔

اسی دوقومی نظریہ نے نسبی اور خاندانی رشتوں کو میراث کی حد تک قطع کر دیا کہ نہ کسی مسلمان کو کسی رشتہ دار کافر کی میراث سے کوئی حصہ ملے گا اور نہ کسی کافر کو کسی مسلمان رشتہ دار کی وراثت میں کوئی حق ہوگا۔ آگے مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں اور یہ حکم دائمی اور غیر منسوخ ہے کہ اول اسلام سے لے کر قیامت تک یہی اسلام کا اصول وراثت ہے (معارف القرآن / ۴)۔

نیز عہد نبوی اور خلفاء راشدین کے ادوار میں ہمیں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ مسلمان کو کافر رشتہ دار کی وراثت کا مستحق ٹھرایا گیا ہو، جبکہ آغاز اسلام میں بیشتر لوگوں کا یہ حال تھا کہ کسی کا باپ مسلمان ہے تو بیٹا کافر ہے، بیٹا مسلمان ہے تو باپ کافر ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت علیؓ یا کسی صحابی نے حضور ﷺ سے سوال کیا "أتنزل فی دارنا بمکة غداً ؟ " جس کا جواب حضور ﷺ نے جو دیا اسکا مفہوم یہ ہے کہ ابو طالب کا ترکہ طالب اور عقیل میں جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے تقسیم کر دیا گیا۔ اب ہم اسمیں نہیں اتریں گے، اس لئے کہ وہ ہمارے دار نہیں ہیں، مذکورہ واقعہ میں حضرت علی اور جعفر جو اہل اسلام میں سے تھے ان کو وارث نہیں بنایا گیا، اس کی مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: رد المحتار (مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند والے نسخہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جلد نمبر ۸ کتاب الفرائض کا حاشیہ جدیدہ)۔

۶- مورث کے منشاء کے مطابق مکتوبہ وصیت نامہ میں مذکور حصوں کے مطابق تقسیم کرنے کی وصیت کا کیا اعتبار ہوگا اور ورثاء کے لئے اسکی رعایت ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں ہم نے سوال نمبر ا میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی عبارت نقل کی ہے جس میں دو رائیں مذکور ہیں: ایک رائے جمہور فقہاء کی ہے وہ یہ ہیکہ یہ تقسیم ورثہ کے لئے ضروری نہیں ہے، ان کے لئے اسکو قبول کرنا اور رد کرنا دونوں کی اجازت ہے،" أن هذا التقسيم لايلزم الورثة فلهم أن يقبلوه أو ير فضوه" دوسری رائے بعض فقہاء شافعیہ وحنابلہ کی ہے کہ مورث کی یہ تقسیم جائز ہے اور ورثہ پر اسکی پابندی ضروری ہے بشرطیکہ تقسیم عادلانہ ہو " أن هذاالتقسيم من المورث جائز ، ويلزم به الورثة مادامت القسمة عادلة "۔

ان دورایوں میں جمہور کی رائے زیادہ صحیح ہے، اور مورث کی یہ تقسیم بعد الوفات اسکو قبول کرنے اور نافذ کرنے کا بھی اختیار ہے اور رد کرنے کا بھی اختیار ہے، اس لئے وصیت کی یہ صورت معتبر وملزم نہیں ہوگی۔

۷- ورثاء کی رضامندی مورث کی موت کے بعد معتبر ہوگی، مورث کی زندگی میں رضامندی معتبر نہیں ہوگی، فقہ کا جزئیہ موجود ہے:

" ولاعبرة بردهم واجازتهم في حياة الموصي ، لأنه لايتحقق استحقاقهم قبل الموت لجواز أن يبرأ المريض أو يموتوا قبل موته ، ولو أجازوا بعد الموت وقبل القسمة فالصحيح لزومها " (عجالۃ المحتاج ۳/ ۱۰۸۴ لابن الملقن)۔

۸- سوال میں مذکور صورت حال میں اگر کوئی اپنی بیوی کیلئے کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں وصیت کر جائے تو اسکا اعتبار ہوگا۔

محیط برہانی میں ہے:"وكذلك لوأوصى لرجل بجميع ماله ، وليس له وارث نفذت الوصية في الكل ، ولايحتاج فيها إلى اجازة أحد" (۲۲/ ۲۵۲-۲۵۳)۔

۹- اجازت کی صحت کے لئے دوشرطیں ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ اجازتِ وارثین موصی کی موت کے بعد ہو، لہذا زندگی کی اجازت معتبر نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے زندگی میں وصیت کی اجازت دیدی اور وفات کے بعد اسکو رد کردیا، تو یہ رد کرنا صحیح ہے، اور وصیت باطل ہوجائے گی، چاہے یہ وصیت وارث کیلئے ہو یا اجنبی کے لئے ایک تہائی سے زائد کی ہو۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:" الثاني :أن تكون الإجازة بعد موت الموصي : فلاعبرة باجازة الورثة حال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حياة الموصي ، فلو أجازوها حال حياته ، ثم ردوها بعد وفاته صح الرد وبطلت الوصية ،سواء أكانت الوصية للوارث أم لأجنبي بمازاد عن ثلث التركة ۔ وهذا رأي الحنيفة والشافعية والحنابلة وكذلك قال المالكية "(الفقہ الاسلامی ۸/ ۴۸)۔

اورفتاوی تاتارخانیہ میں ہے: " وفي الخانية : رجل أوصى بجميع ماله للفقراء ، أو لرجل بعينه لاتجوز ذلك إلا من الثلث فان أجازه الورثة في حياة المورث لايعتبر اجازتهم وكان لهم الرجوع، وان أجازوا بعد موته صحت الاجازة ، ولو أوصى لوارثه و أجنبي صح في حصة الاجنبي وتتوقف في حصة الوارث على اجازة الورثة ، ان أجازوا جاز وان لم يجيزوا بطل "(۱۹/ ۳۸۱ کتاب الوصایا)۔

تاتارخانیہ کی عبارت کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں اگر کسی نے اجنبی کے لئے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی تو یہ وصیت معتبر ہے،لیکن صرف تہائی مال میں، چاہے مورث کی زندگی میں ورثاء نے رضامندی کا اظہار کیا ہو، اس لئے کہ مورث کی زندگی میں ورثاء کی رضامندی معتبر نہیں ہے بلکہ موت کے بعد اجازت ضروری ہے۔اور اگر وارث کے لئے وصیت کی تہائی مال میں یا اس سے زیادہ میں اور ورثاء نے مورث کی زندگی میں اس وصیت کو منظور کر دیا، پھر بھی یہ وصیت اس وقت صحیح اور نافذ العمل ہوگی جبکہ بالغ ورثاء مورث کی وفات کے بعد اس وصیت کے نفاذ پر رضامند ہوں.ورنہ ان کو رد کرنے کا بھی حق حاصل ہے۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق چند احکام

مفتی عبداللہ کاوی والا☆

۱- اس طرح وصیت کرنا حق تلفی سے بچانے کے لئے، دفع ظلم کے لئے، مورث کے لئے جب اس طرح کا خطرہ لاحق ہو وارثین کے زندہ رہنے کی شرط پر اور کسی وارث کی موت کی صورت میں کسی مفتی صاحب سے پوچھ کر ورثاء کے درمیان تقسیم میراث شریعت کے مطابق وصیت کرنا جائز اور بہتر ہے اور یقینی طور پر ظلم کا کسی وارث کے ساتھ علم ہو تو ایسی وصیت کرنا واجب رہے گا۔

۲- اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ شریعت کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے "**لا وصية لوارث**" کے خلاف نہیں رہے گا، وہ وصیت نامہ شریعت کے مطابق ہونے کی وجہ سے غیر معتبر نہ ہوگا، کیونکہ "**لا وصية لوارث**" میں اس وصیت کی نفی کی گئی ہے جس میں کسی وارث کے حق میں وصیت کر کے دیگر ورثاء کا نقصان پہنچانا مقصود ہو اور ورثاء اس کی اجازت نہ دیتے ہوں، ایسی وصیت کرنا (دفع ضرر کے لئے) ممنوع ہے، نہ کہ تمام ورثاء کو ان کے شریعت کے مطابق ترکہ میں سے مکمل حقوق ملتے ہوں ایسی وصیت کرنا ممنوع نہیں ہے۔

۳- صرف وہ وصیت کی نفی مقصود ہے، نہی مقصود ہے جس وصیت کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو اور اس کی دیگر بالغ ورثاء اجازت برضاء نہ دیتے ہوں۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کے لئے ایک تو وصیت وارثین کے حصص شرعیہ کے مطابق کرنا، دوسرے غیر مسلم حکومت سے مسلمانوں کے حق میں اس طرح کے قانون کا مطالبہ کرنا جس میں حصص شرعیہ کے مطابق تمام ورثاء کو حق مل جائے، تیسری صورت یہ ہے کہ مورث اپنی زندگی ہی میں ہونے والے ورثاء کے درمیان ان کے حصص شرعیہ کے مطابق ہبہ بالقبض کے ذریعہ ورثا کو مالک بنائے اور مورث اپنی زندگی کے گذارہ کے لئے کچھ باقی رکھ

☆ دارالعلوم عربیہ اسلامیہ، بھروچ، گجرات۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چھوڑے اور اس باقی رکھ چھوڑے ہوئے کے بارے میں ورثاء کے درمیان حصص شرعیہ کے مطابق وصیت کر جائے، مورث کے مرنے سے پہلے بقیہ ترکہ کے بارے میں وصیت تقسیم میراث کی کر جائے۔

۵- اگر غیر مسلم مورث کے ترکہ میں مسلم کو بھی کسی ملک کے قانون سے حق ملتا ہو جو شرعاً تباین دین کی وجہ سے مانع ارث ہے تو قبول نہیں کرنا چاہئے، چاہے غیر مسلم دیگر ورثاء کو وہ حصہ دے دیا جائے، ہاں غیر مسلم ورثاء برضاء ورغبت مسلم وارث کو حق دینا چاہے تو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں رہے گا، دین حق کے اصول پر قائم رہنے میں ہی صحیح دعوت دین کی طرف راغب ہوں گے، خلاف شرع کام کو ذریعہ دعوت وتبلیغ نہیں بنا سکتے ہیں، یہ بھی ایک قسم کی مداہنت فی الدین ہے جو ممنوع ہے۔

۶- مورث کی اولاد کے درمیان اختلاف نہ ہو، مورث اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان قانون تقسیم ترکہ کے مطابق حصے مقرر کر دے تاکہ مورث کی موت کے بعد اس تفصیل کے مطابق ترکہ تقسیم کیا جائے اور اس وصیت میں حق میراث کا تناسب ہی ملحوظ رکھا ہو اس کے مطابق ورثاء کو ہبہ بالقبض کر دے تو بہتر ہے، لیکن اگر ہبہ نہیں کرتا ہے اور اپنی موت کے بعد شریعت کے منشاء کے مطابق ترکہ کی تقسیم چاہتا ہے تو وصیت کی یہ صورت معتبر ہوگی جبکہ اس صورت میں اس کے کسی وارث کو نقصان پہنچانا مقصد نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان انصاف قائم کرنا مقصود ہے، یہ بہتر ہے کہ پختہ طریقہ سے اس پر عمل ہو، ایسا قانونی طور پر رکاوٹ نہ آئے اس طرح وصیت نامہ تیار کرے کہ تمام ورثاء کی دستخط اور گواہوں کی دستخط کروالی جائے۔

۷- ورثاء جب تک مورث کی موت نہ ہوگی وہ مالک نہیں بنتے ہیں، اس لئے قبل الموت ان کی رضامندی کسی وارث کو حق الخدمت کے طور پر اس کے حصہ شرعیہ سے زیادہ دینے پر رضامندی کا اعتبار نہ ہوگا، ہاں مورث کے موت کے بعد کی رضامندی کا اعتبار ہوگا، کیونکہ اب رضامندی اپنی ملک میں تصرف ہے، اب مورث کی وصیت نافذ ہوسکتی ہے، قبل الموت رضاء مندی پر بعد الموت باقی رہنا ضروری ہے تاکہ تصرف اس کا اپنی ملک میں ہو، اگر وہ بعد الموت یعنی مورث کی موت کے بعد عدم رضامندی کا اظہار کرے تو مورث کی وصیت کسی وارث کو زیادہ (حصہ شرعیہ) دینے کی وصیت پر عمل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اب حقیقی رضامندی ہونے نہ ہونے کا اعتبار ہے۔

۸- بیوہ کے حق میں لاولد شوہر جب کہ اس شوہر کا بیوی کے سوا کوئی بھی وارث ذوی الفروض، عصبہ، ذوی الارحام میں سے نہ ہو، اس کی بیوہ بے سہارا نہ ہو جائے تو بیوہ کے حق میں وصیت کرنا صحیح ہوگا، یہ وصیت ممنوعہ نہ ہوگی جو حدیث میں ''لا وصیة لوارث'' فرمایا ہے وہ دیگر ورثاء کی موجودگی میں دیگر ورثاء کے نقصان نہ پہنچائے اس غرض سے حکم ہے، یہاں اس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال ہوتا ہی نہیں، کیونکہ شوہر لاولد اور اس کا بیوی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے۔

۹- اگر مورث نے اپنی زندگی میں وارث یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت دوسرے ورثاء کی رضامندی سے کی ہو تو مورث کے مرنے کے بعد اس وصیت پر رضامند رہے تو معتبر ہوگی، اگر عدم رضامندی مورث کے موت کے بعد ظاہر کرے تو قبل الموت کی رضامندی کا اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ قبل الموت ورثاء کی ملکیت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا تصرف (رضامندی، عدم رضامندی کا) معتبر نہیں ہے۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق احکام ومسائل

مولانا عبدالحکیم پالنپوری ☆

آیت قرآنی: "یوصیکم اللہ في أولادکم "، "من بعد وصیة یوصي بها أو دین" سے ثابت میراث ووصیت شریعت مطہرہ کے وہ اہم باب ہیں جن کے تانے بانے باہم مربوط اور ملے ہوئے ہیں۔ چنانچہ صاحب الجوہرۃ النیرۃ نے فرمایا: "إن الوصیة أخت المیراث"، نیز علوم دینیہ وفروع فقہیہ میں غیر معمولی اہمیت کے حامل مسائل میں میراث کا مسئلہ بھی آتا ہے، یہ وہ فقہی مسئلہ ہے جس کی تبیین وتشریح آراء بشریہ پر موقوف نہیں رکھی گئی، بلکہ اللہ تعالی ہی نے اس کے کلیات وجزئیات کو بیان کرنے کے لئے پورا ایک رکوع نازل کیا، اس سے اس کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، اس لئے اسے جاری کرنے میں انسانوں کو بھی اسی اہتمام کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔

مختصر تمہید پر اکتفا کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱- اگر کوئی آدمی اس نیت سے وصیت نامہ تیار کرتا ہے کہ میری موت کے بعد وارثین کے درمیان کسی قسم کا نزاع اور اختلاف نہ ہو، اسی طرح کوئی وارث ملکی قانون کا سہارا لے کر کسی وارث کے حق میراث کا استحصال نہ کرے، نیز ہر وارث کے حصے کو لکھنے میں ذرا بھی شریعت کے مقررہ حدود سے تجاوز نہیں کیا ہے، بلکہ عدل وانصاف کی پوری پوری رعایت رکھی ہے اور اس طرح کی تحریری وصیت کے بعد شرعی ورثاء کو ان کا حصہ مل جانا متیقن اور لابدی ہو جاتا ہے، تو جمہور فقہاء کی رائے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ورثہ کو اس وصیت نامہ پر عمل کرنا کوئی ضروری نہیں قبول ورد دونوں کا حق ہے۔ وہبہ زحیلی اپنی کتاب "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں رقم طراز ہیں:

"قد یوصي الإنسان بوصیة تتضمن تقسیم الترکة بین الورثة، بمقدار نصیب کل واحد منهم في الترکة، لیضمن بالقسمة عدم وقوع خلاف أو نزاع بینهم، ولیحقق لکل واحد نصیبه بدون استغلال أو محاباة، فهل تعدهذه الوصیة ملزمة؟ یری جمهور الفقهاء: أن هذا التقسیم لا یلزم الورثة،

☆ دارالعلوم جامعہ نذیریہ، کاکوسی، گجرات۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فلهم أن يقبلوه أو يرفضوه......ويرى بعض فقهاء الشافعية والحنابلة وإن كان الأصح في المذهب هو الرأي السابق أن هذه التقسيم من المورث جائز، ويلزم به الورثة مادامت القسمة عادلة......وأخذ القانون المصري والسوري بالرأي الثاني"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۹۶)۔

یوں تو اصول فقہیہ کی رو سے جمہور فقہاء کی رائے کو اختیار کرنا چاہئے، مگر موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اور سوال کے پس منظر میں مناسب رائے ثانی پر عمل کرنا معلوم ہوتا ہے جو کہ فقہاء شافعیہ وحنابلہ کی رائے ہے، جس سے زندگی میں وصیت نامے کے لکھنے کا جواز مترشح ہوتا ہے، اس کتاب کے مذکورہ صفحہ کے حاشیہ میں شامی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ جواز کا قول شیوخ حنفیہ کا بھی ہے حتی کہ بعض نے اس پر فتوی بھی دیا ہے (اگر چہ حنفیہ کا ایک قول عدم جواز کا بھی ہے) اب تو وصیت نامہ کو زندگی میں تیار کر جانے کے جواز کا قول اختیار کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہوسکتا ہے، یہ عام حالات کی بات ہے۔

اور اگر کسی کو خدشہ ہو یا قوی خطرہ ہو کہ اگر حصص شرعیہ پر مشتمل وصیت نامہ نہیں لکھا جائے گا تو کوئی وارث ملکی قانون کا سہارا لے کر بطریق شرع تقسیم میراث میں حائل ہوسکتا ہے، پھر تو ایسا وصیت نامہ تیار کر جانا لازم اور ضروری ہوجاتا ہے۔

۲۔ ورثہ کی رضامندی مورث کے موت کے بعد معتبر ہوگی یا مورث کی زندگی میں بھی اس کا اعتبار ہوگا؟

اس جزیے کے جواب کے متعلق فقہی عبارتیں مندرجہ ذیل ہیں:

علامہ حصکفیؒ اپنی کتاب اور ابن عابدینؒ اپنے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:"ولا تعتبر اجازتهم حال حياته أصلاً بل بعد وفاته– قوله: ولا تعتبر الخ ، أي لأنها قبل ثبوت الحق لهم، لأن ثبوته عند الموت فكان لهم أن يردوه بعد وفاته، بخلاف الإجازة بعد الموت؛ لأنه بعد ثبوت الحق"(ردالمحتار علی الدر المختار ۱۰/۳۴۰)۔

صاحب محیط برہانیؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:"ثم في كل موضع جازت الوصية بإجازة الورثة يعتبر إجازتهم بعد موت الموصي، ولا يعتبر بإجازتهم قبل موته، حتى لو أجازوا قبل موته كان لهم أن يرجعوا عنها عند علماء ناوعامة العلماء"(۲۲/۲۵۸)۔

ابن ملقن اپنی کتاب" عجالۃ المحتاج إلی توجیہ المنہاج" میں فرماتے ہیں:"ولا عبرة بردهم وإجازتهم في حياة الموصي؛ لأنه لا يتحقق استحقاقهم قبل الموت، لجواز أن يبرأ المريض أو يموتوا قبل موته؛ ولو أجازوا بعد الموت وقبل القسمة فالصحيح لزومها"(۳/۱۰۸۳)۔

مذکورہ بالا متفرق فقہی عبارتوں سے مجموعی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ورثہ مورث کی زندگی میں ترکہ کے نہ حقیقتاً مالک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور نہ حکما، حقیقتاً ملکیت کا نہ ہونا ظاہر و باہر ہے، اور حکماً مالک نہ ہونا بایں وجہ کہ مورث کے ترکہ میں ورثہ کی ملکیت کا سبب مورث کی موت ہے۔

"إذا لم يوجد السبب وهو موت المورث فكيف يتحقق وجود المسبب وهو ملك الورثة تركة المورث"، اس سے معلوم ہوا کہ مورث کی زندگی میں ورثہ کی رضامندی ناکافی ہے، بلکہ نفاذ وصیت کے لئے مابعد الموت ورثہ کی رضامندی کا ہونا ضروری ہے۔

۳- لاولد شوہر کے لئے دوسرے ورثہ کی عدم موجودگی کی صورت میں اپنی بیوی کے لئے کل مال کی وصیت کرنے کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

صاحب محیط برہانی فرماتے ہیں: "وكذلك لو أوصى لرجل بجميع ماله وليس له وارث، نفذت الوصية في الكل، ولا يحتاج فيها إلى إجازة أحد" (۲۲/۲۵۲)۔

امام نوویؒ اپنی کتاب المجموع شرح مہذب میں لکھتے ہیں: "وقال ابو حنيفةؒ: وصية المورث إذا لم يكن له وارث نافذة في جميع ماله استدلالا بأن النبي ﷺ، لما منع سعدا من الزيادة على الثلث، قال: لأن تدع ورثتك أغنياء خيرا من أن تدعهم عالة يتكففون الناس أنه قال: لا وارث لمن وضع ماله حيث شاء، ولأنه لما كانت الصدقة بجميع ماله جازت وصيته بجميع ماله" (۱۵/۴۱۱)۔

مذکورہ عبارتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں اپنی بیوی (جو مابعد الموت بیوہ ہو جائے گی) کے لئے کل مال کی وصیت کرنا جائز ہوگا؛ کیونکہ وارث کے لئے وصیت کا عدم جواز دوسرے ورثہ کا حق اس مال سے متعلق ہونے کی وجہ سے تھا، اب جب کوئی وارث ہی نہ رہا تو اپنی بیوی کو کل مال کی وصیت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ایسا کرنا درست ہے، میرے نزدیک یہی بات قابل تقلید ہے۔

۴- اس جزیئے کے متعلق امام فریدالدین دہلوی ہندی "فتاوی تاتارخانیہ" میں لکھتے ہیں:

"وفي الخانية: رجل أوصى بجميع ماله للفقراء أو لرجل بعينه لا تجوز ذلك إلا من الثلث، فإن أجازه الورثة في حياة المورث لا يعتبر إجازتهم وكان لهم الرجوع، وإن أجازوا بعد موته صحت الإجازة" (۱۹۳۳۸۱)۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مورث اگر وارث یا غیر وارث کے لئے ثلث سے زیادہ کی وصیت کرے، اور اس کی زندگی ہی میں دیگر ورثہ راضی ہو گئے تھے، تو ان کی یہ رضامندی کافی نہیں ہوگی، وصیت کے معتبر ہونے کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لئے شرط یہ ہے کہ ورثہ کی رضامندی بعد الموت پائی جائے ،اس سلسلے میں دلائل اوپر گذر چکے ہیں۔

۵-توارث بین المسلم والکافر میں دو شقیں ہیں:

۱-غیر مسلم کا مسلمان سے وارث ہونا، اس پر تو سب ہی صحابہ، علماء وفقہاء کا عدم جواز پر اتفاق ہے، اس لئے اس پر کچھ کلام کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

جہاں تک دوسری شق یعنی مسلمان کا غیر مسلم سے وارث ہونا ہے، کا تعلق ہے تو اس بارے میں صحابہ میں سے حضرت معاویہ اور حضرت معاذ بن جبلؓ جواز کے قائل ہیں، ان کی دلیل: ''الإسلام یزید ولا ینقص، الإسلام یعلو ولا یعلی'' ہے، مگر چونکہ یہ دونوں روایتیں محتملہ ہیں، اس لئے ان سے استدلال کر کے جواز کا قول اختیار کرنا نامناسب معلوم ہوتا ہے، اس کے مقابل جمہور کی رائے عدم جواز کی ہے، ان کے دلائل اقوی اور واضح ہیں، نیز ائمہ اربعہ نے بھی کفر کو مانع ارث بتایا ہے خواہ مورث کی طرف سے ہو یا وارث کی طرف سے، اب جب مسلم غیر مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے ملکی قانون کا سہارا لے کر غیر مسلم کے ترکہ کے لئے تگ ودو اور کوشش کرنا بھی ناجائز عمل ہوگا۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصیت و میراث سے متعلق چند اہم مسائل

مولانا عبدالجبار طیب ندوی ☆

۱۔ جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی میں ہی اس طرح کا وصیت نامہ لکھدینا تاکہ وفات کے بعد تمام ورثاء کو ان کا حصص شرعیہ مل جائیں جائز ہونا چاہئے، اس کے لئے چند دلائل پیش ہیں: اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا وصية لوارث"۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موصی لہ کے لئے اپنے ورثاء کو وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اس حدیث کی رو سے مندرجہ بالا تجویز سرے سے جائز نہیں ہونا چاہئے. حالانکہ واقعہ اس کے برخلاف ہے، مذکورہ حدیث میں عدم جواز کا حکم ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے، یعنی اگر ورثاء دوسرے ورثاء کے حق میں وصیت کی اجازت دیدیں تو موصی کی وصیت معتبر ہوگی، اور جائز بھی؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک روایت ہے جس کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں نقل کیا ہے: "لا تجوز الوصية لوارث الا ان يشاء الورثة" (عمدۃ القاری ۱۴/ ۳۸)۔

پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ موصی ورثاء کو بھی وصیت کرسکتا ہے، البتہ وصیت کا اعتبار ورثاء کی رضامندی وعدم رضامندی پر موقوف ہوگا۔

تہائی مال سے زیادہ میں بھی ورثاء کے لئے وصیت کرنا جائز ہوگا، تاہم اس وصیت کے جواز ونفاذ کے لئے ورثاء کا ایک دوسرے کے حق میں وصیت کی اجازت دینا ضروری ہوگا، اگر ورثاء دوسرے کے حق میں اجازت نہیں دیتے ہیں تو پھر ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کا نفاذ نہیں ہوگا. چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے: "ولا تجوز بمازاد على الثلث الا ان يجيزه الورثة بعد موته" (ہندیہ: ۶/ ۹۰)۔

الغرض زندگی میں ہی حصص شرعی کے مطابق وصیت نامہ لکھدینا جائز ہوگا، تاہم موصی کے انتقال کے بعد تمام ورثاء کی اجازت ضروری ہوگی کہ اگر ورثاء اجازت دیں تو ظاہر ہے کہ جائیداد قانون میراث کے مطابق تمام ورثاء کو مل جائیں گی، لیکن یہ تقسیم تقسیم میراث نہیں ہوگی، بلکہ وصیت کی تقسیم ہوگی۔

☆ استاذ جامعۃ الصالحات للبنات کڑپا آندھراپردیش۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲، ۳- اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا حدیث: "لا وصية لوارث " کے خلاف نہیں ہے، کیوں کہ دوسری حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث مطلق نہیں ہے بلکہ ورثاء کی اجازت کے ساتھ مقید ہے؛ چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے: "لا تجوز الوصية لوارث الا ان يشاء الورثة" (عمدۃ القاری ۱۴/ ۳۸ ۷)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ورثاء کے حق میں بھی موصی کو وصیت کی اجازت ہے؛ لہذا وصیت نامہ لکھنا جائز ہوگا، نیز حدیث لاوصية لوارث کا مورد و مقصد صرف وہ وصیت ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا مقصود ہو، اس ممانعت میں وہ وصیت نہیں آتی ہے جس کا مقصد تمام ورثاء کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرنے کی مزید ایک شکل ہبہ کی ہوسکتی ہے، اس طور پر کہ مرنے والا شخص اپنی زندگی میں ہی تمام اولاد کو اپنی جائیداد ہبہ کردے اور ہبہ کا قاعدہ یہ ہے کہ تمام اولاد کو لڑکا ہو یا لڑکی از روئے حدیث وفقہ برابر دیا جائے، خلاصۃ الفتاوی میں ہے: "رجل له ابن وابنة واراد ان يهب لهما شيئاًفالأفضل أن يجعل للذكر مثل حظ الانثيين عند محمد وعند ابى يوسف بينهماسواء هوالمختار لورود الآثار" (خلاصۃ الفتاوی ۴/ ۴۰۰)۔

۵- بعض اوقات اس مقصد کے تحت کہ آئندہ مورث کی اولاد کے درمیان اختلاف نہ ہو مورث اپنی زندگی میں ہی اولاد کے درمیان حصے مقرر کردیتا ہے کہ اس کے گذرنے کے بعد اسی تفصیل کے مطابق ترکہ تقسیم کردی جائے، عام طور پر اس میں حق میراث کا تناسب ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے، لیکن اس حیثیت سے وصیت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ زندگی میں ورثہ کو ہبہ نہیں کرتا اور موت کے بعد اس کے منشاء کے مطابق ترکہ تقسیم کرنا چاہتا ہے، وصیت کی یہ صورت معتبر ہوگی، اور اس کی دلیلیں نمبر (۱) میں گذر چکی ہیں وہیں ملاحظہ ہوں۔

۶- وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں ہے، لیکن اس سے وہ صورت مستثنی ہے جس میں دوسرے ورثاء راضی ہوں تو اس سلسلہ میں دیگر ورثاء کی رضامندی مورث کی موت کے بعد ہی معتبر ہوگی، مورث کی زندگی میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، چنانچہ درمختار میں ہے: "ولا تعتبر اجازتهم حال حياته اصلاً بل بعد وفاته" (الدرمع الرد: ۱۰/ ۳۴۰)۔

ورثاء کی رضامندی مورث کی موت کے بعد ہی معتبر ہوگی، کیوں کہ وصیت میں موصی کی موت سے قبل موصی لہ (وارثین یا غیر وارثین) کا کوئی حق نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ جو صاحب حق ہی نہ ہو تو اس کی اجازت اور عدم اجازت کوئی معنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں رکھتی ہے، وہ اجازت دے جب بھی کوئی فائدہ نہیں اور نہ دے جب بھی کوئی فائدہ نہیں، اسی لئے تمام فقہاء کرام کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ اگر موصی لہ نے موصی کے انتقال کر جانے سے پہلے وصیت قبول کر لی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، چنانچہ درمختار میں ہے: ''اتفق الفقهاء على ان لا عبرة بقبول الموصى له بالوصية قبل موت الموصى'' (الدرمع الرد: ۱۰/۳۴۰)، لہٰذا ورثاء کی رضامندی موصی کی موت کے بعد ہی معتبر ہوگی۔

۷- جولوگ لاولد ہوتے ہیں، ان کو فطری طور پر اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ ان کے گذرنے کے بعد ان کی بیوی کا حق محفوظ رہے، اور وہ بے سہارا نہ ہو جائے، ایسی صورت میں اگر وہ اپنی بیوی کے لئے کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں وصیت کر جائے تو کیا اس کا اعتبار ہوگا، کیوں کہ فقہاء نے لکھا ہے اگر مرنے والے نے کوئی وارث نہیں چھوڑا ہے تو اس صورت میں مرنے والے کے لئے ثلث مال سے زیادہ یہاں تک کہ پورے مال کی وصیت کرنا صحیح ہوگا۔ چنانچہ البحرالرائق میں ہے: ''وأما اذا لم يترك وارثاً فتصح بمازاد على الثلث حتى بجميع ماله عندنا '' (البحرالرائق ۹/۲۱۲)، اسی طرح کوئی وارث نہ ہو اور موصی پر کسی طرح کا کوئی قرض بھی نہ ہو تو پورے مال کی وصیت کرنا اولی ہے: ''قال في الحاوي القدسي : من لا وارث له ولا دين عليه فالأولى ان يوصى بجميع ماله بعد التصدق بيده'' (الردمع الدر ۱۰/۳۴۱)۔

لہٰذا اپنی بیوی کے لئے کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں وصیت کرنا بدرجہ اولی صحیح ہوگا اور اس کا اعتبار ہوگا؛ چنانچہ ''الوصية على مذهب الامام ابى حنيفة النعمان'' میں ہے: '' للزوج ان يوصى للزوجته، وللزوجة أن توصى لزوجها ان لم يكن لأى منهما وارث آخر فان كان لأى منهما وارث آخر توقف نفاذ الوصية الصادرة عن اى منهما على اجازة ذالک الوارث'' (الوصیۃ علی مذھب الامام ابی حنیفۃ النعمان۔ اَ۔ نضال جمال جرادۃ حسب قانون الوصیۃ الفلسطینی رقم'' ۱۳ ''لسنۃ ۱۹۶۲ بشأن الوصیۃ الواجبۃ الماخوذ من المذھب الحنفی)۔

۸- اگر کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی جبکہ اس کی زندگی میں دوسرے ورثاء اس پر رضامند ہو گئے تو یہ وصیت معتبر نہیں ہوگی، کیوں کہ وصیت کے معتبر ہونے کے لئے ورثاء کی اجازت مرنے والے کی موت کے بعد معتبر ہوتی ہے۔ موت سے پہلے ورثاء کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، مذکورہ بالا تجویز میں چونکہ وارث مرنے والے کی زندگی میں ہی اپنی رضامندی ظاہر کر کے اجازت دے رہا ہے، اس لئے یہ وصیت معتبر نہیں ہوگی، چنانچہ تاتارخانیہ میں ہے: ''وفي الخانية رجل أوصى بجميع ماله للفقراء أو لرجل بعينه لا تجوز ذلک إلا من الثلث فان اجازه الورثة في حياة المورث لا يعتبر إجازتهم'' (تاتارخانیہ ۱۹/۳۸۱)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت کے بعض مسائل

مولانا عبدالرب-عبدالوہاب وانی سعادتی ☆

۱- تقریباً تمام ہی فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی کے اوپر قرضہ ہو، جو وارث کو معلوم نہ ہو یا اس کے پاس امانت ہو، یا نماز، روزے کا فدیہ باقی ہو، یا حج باوجود فرض ہونے کے نہ کر پایا ہو، تو اس کی وصیت کرنا واجب ہے، لیکن عام حالات میں وصیت واجب نہیں ہے، اس لیے کہ اکثر صحابہ کرامؓ سے وصیت منقول نہیں ہے، اگر واجب ہوتی تو وہ حضرات ضرور وصیت کرتے۔

"قال في إعلاء السنن:وأجمع العلماء في جميع الأمصاروالأعصارعلى جوازالوصية ولاتجب الوصية إلامن عليه دين أوعنده وديعة أوعليه واجب يوصى بالخروج منه" (اعلاء السنن:مطبوعہ پاکستان ۱۸/ ۲۹۹)۔

اوراگر مورث اس طرح کا وصیت نامہ لکھ جائے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں وارث کو اتنا، فلاں کو اتنا دینا، تو جائز ہے، بشرطیکہ ان کے حصۂ شرعی سے کم نہ ہو، جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اپنے فتاوی میں تحریر فرمایا ہے (امداد الفتاوی: ۴/ ۷ ۳۳)۔

لیکن جن ممالک میں اسلام کا قاعدۂ میراث جاری نہیں ہے اور اس طرح کا وصیت نامہ لکھ دینے کی وجہ سے (جس میں اپنے متوقع وارثین کیلئے ان کے شرعی حصوں کی صراحت کردی جائے) شرعی وارثین کو ان کا صحیح حصہ ملنا یقینی ہو جاتا ہو، تو بظاہر ایسے ممالک میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھ دینا واجب ہونا چاہیے، اس لیے کہ شریعت کے موافق میراث تقسیم کرنا واجب اور ضروری ہے اور مسلمہ اصول ہے:" مقدمة الواجب واجب" ۔

۲- اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھ دینا، تا کہ مورث کی وفات کے بعد ان کے شرعی حصے ان کو مل جائیں، حدیث "لاوصية لوارث" کے خلاف نہیں ہے، اس لیے کہ دارقطنی نے بروایت ابن عباس اس پر اضافہ نقل کیا ہے:"إلاأن

☆ جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، بھروچ، گجرات۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یشاء الورثة"اورذھبی نے "میزان" میں اس روایت کی سند کے متعلق لکھاہے: "وأسنادجید"اورابن حجر نے "الدراية"میں لکھاہے:"رجاله لابأس بهم"(اعلاءالسنن:۱۸/۳۰۱)۔

یہ زیادتی دلیل ہے کہ اگرورثاء اجازت دیں تووارث کے حق میں بھی وصیت درست ہے،معلوم ہوا کہ یہ روایت"لاوصية لوارث"اپنے عموم پرنہیں ہے،بلکہ محمول ہے،ورثاء کےاجازت نہ دینے پر۔

قال العثماني:"وقال الجصاص روي عن النبيﷺ أنه قال:" لاوصية لوارث إلا أن يجيزهاالورثة" وفيه أن الأخبارالواردة بأن لاوصية لوارث من غيرذكر الإجازة محمولة علىٰ أن الورثة لم يجيزوها"(اعلاءالسنن:۱۸/۳۰۱)۔

۳- حدیث نبوی:"لاوصية لوارث" کامورودموقف وہ وصیت ہے، جس کے ذریعہ کسی وارث شرعی کوضرر پہنچانامقصود ہو،جیسا کہ اس پرنصوص دال ہیں،مثلاًباری تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں:

"من بعد وصية يوصى بها أودين غيرمضار"(سورۂ نساء:/۱۲)۔

ملاعلی قاری لکھتے ہیں:"أي غيرموصل الضرر إلى ورثته بسبب وصية"(مرقاۃ:مطبوعہ پاکستان۶/ ۱۸۴)۔

اورحدیث میں ہے:"عن أبي هريرةؓ عن رسول الله ﷺ أنه قال: إن الرجل ليعمل والمرأة بطاعة الله ستين سنة، ثم يحضرهماالموت فيضارّان في الوصية فتجب لهماالنار"(مشکوٰۃ:مطبوعہ ہند ۱/ ۲۶۵)۔

معلوم ہوا کہ اس حدیث کا مورودوہ وصیت نہیں ہےجس کا مقصدتمام وارث کواس کا حصہ شرعی طور پردلانا ہو۔

۴- غیرمسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کوجاری کرانے کی فی الوقت وہی شکل ذہن میں ہے، جوورقۃ السوالات میں مذکور ہے کہ مسلمان اس طرح کاوصیت نامہ لکھ دیں،تا کہ ان کی وفات کے بعدتمام وارثین کوان کے حصص شرعیہ مل جائیں۔

اوربعدمیں بندہ نے اپنے بعض اساتذہ(جومدت سےتقریباً ہرسال برطانیہ تشریف لے جاتے ہیں)سے اس سلسلہ میں تفتیش کی توانہوں نے بھی یہی بات بتلائی کہ ہم لوگوں کواس کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

میرے خیال میں اس کی یہ بھی شکل ہوسکتی ہے کہ غیرمسلم ممالک میں رہنےوالےمسلمان اپنے علماء کےواسطے سے اسلام کےقانون میراث کی خوبیاں اپنےملکوں کے امراءہوں اورقانون دانوں کےسامنے پیش کریں اوراس کےعلاوہ اسلام کے قانون میراث کاایک خاکہ مرتب کر کے بھی پیش کریں(جیسا کہ غالباًجنوبی افریقہ کے مسلمانوں کے لیے مرتب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا تھا اور اسے منظوری بھی ملی تھی) اور اسے منظور کرانے کی سعی مسلسل کرتے رہیں۔

۵- ائمہ اربعہ اور جمہور کا تقریباً اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا، اسلئے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: "لایرث المسلم الکافر ولایرث الکافر المسلم" (صحیح بخاری: رقم الحدیث ۶۷۶۴)۔

البتہ حضرت معاذؓ اور حضرت معاویہؓ کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے، لیکن کافر مسلم کا وارث نہیں بن سکتا۔

قال الدکتوروھبة الزحیلی: "اختلاف الدین بین المورث والوارث بالإسلام وغیرہ مانع من الإرث باتفاق المذاهب الأربعة فلایرث المسلم کافرا ولاالکافرمسلما، سواء بسبب القرابة أوالزوجیة لقوله علیه السلام: "لایرث المسلم الکافر ولاالکافر المسلم".......وذهب معاذومعاویة والحسن وابن الحنفیة ومحمدبن علي بن الحسین ومسروق إلی أن المسلم یرث من الکافرولایرث منه" (الفقہ الاسلامي وأدلتہ: ۸/ ۲۶۲)۔

ان صریح نصوص کے ہوتے ہوئے کوئی مسلمان کس طرح غیر مسلم کا وارث ہوسکتا ہے؟ اور کس طرح جائز قرار دیا جاسکتا ہے، خواہ قانون کی رو سے اس کی گنجائش ہو، خاصۃً جبکہ حضرت معاذؓ اور حضرت معاویہؓ کے قول کی تاویل فقہائے کرام نے یہ فرمائی ہے کہ یہ من باب التوریث نہیں ہے، بلکہ من باب التالیف ہے۔

"وفي تکملة فتح الملهم: وأوّل شیخنا العثماني في اعلاء السنن بأن الکافر إذالم یترک وارثا من أهل دینه وترک قریباً له مسلماً فترکته لبیت مال المسلمین وللإمام أن یصرفه باجتهاده ورأیه حیث شاء، فرأی معاذومعاویة أن صرفه إلی قریبه المسلم أولیٰ تالیفاً لقلوب الداخلین في الاسلام ولم یکن ذلک من باب التوریث بل من باب التالیف" (تکملۃ فتح الملہم: مطبوعۃ دارالقلم دمشق ۲/ ۱۱)۔

اس لیے وقتی مصالح کی وجہ سے اس کی گنجائش نکالنا بظاہر بعید معلوم ہوتا ہے۔

۶- اگر مورث اپنے ترکہ میں اس طرح وصیت کر جائے کہ فلاں وارث کو فلاں چیز اور فلاں وارث کو فلاں چیز دی جائے، بشرطیکہ وہ اس کے شرعی حصے سے کم نہ ہو تو جائز ہے اور اگر کم ہو تو ناجائز ہے، کیونکہ اس میں وارث کے لیے وصیت ہے جو کہ ناجائز ہے، اس لیے مورث کو چاہیے کہ سب وارثوں کے لیے ان کے شرعی حقوق کے موافق الگ الگ حصے بنا کر وصیت لکھ دے کہ اس کے موافق تقسیم ہو، جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے (امدادالفتاوی ۴/ ۳۴۴)۔

اور اگر زندگی میں اولاد کو کوئی چیز دی جائے تو وہ ہبہ ہے، اور اپنی اولاد میں سے ایک کو دینا اور ایک کو محروم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کردینا، یا ایک کو زیادہ اور ایک کو کم دینا گناہ ہے، اس کو حدیث میں جور وظلم قرار دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:
"اتقوا الله في أولادکم واعدلوا في أولادکم" (صحیح مسلم: کتاب الهبات، باب کراهیة تفضیل بعض الأولاد في الهبة۔ رقم: ۴۱۷۷)۔

البتہ فقہاء کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ عدل وتسویہ سے حدیث میں کیا مراد ہے؟ امام محمدؒ بن حسن شیبانی اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہما کی رائے یہ ہے کہ حق میراث کا تناسب ملحوظ رکھا جائے، یعنی "للذکر مثل حظ الانثیین" کے طریق پر دیا جائے، لیکن امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ مذکر ومؤنث کو برابر سرابر دیا جائے، اس لیے کہ بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: "سوّوا بين أولادكم في العطية فلو كنت مفضّلا احدًا الفضلت النساء" حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

لہٰذا دلیل کے اعتبار سے جمہور کا مسلک ہی راجح ہے کہ زندگی میں اگر دینا ہے تو برابر سرابر دیا جائے، لیکن غالباً یہ اس وقت جبکہ باپ کا مقصود ہبہ ہو، اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنی جائیداد واملاک کو اپنی حیات میں ہی اولاد کے درمیان تقسیم کردے، تاکہ مرنے کے بعد ان کے درمیان نزاع نہ ہو، تو اگرچہ وہ فقہاء کی اصطلاح کے اعتبار سے ہبہ ہے، لیکن چونکہ مقصود میراث میں تنازع سے بچانا ہے، اس لیے امام محمدؒ اور امام احمدؒ کے قول کے مطابق للذكر مثل حظ الانثيين کے اعتبار سے دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی تکملۂ فتح الملہم میں یہی رائے ہے۔

قال الشيخ تقي العثماني في تكملة فتح الملهم:" اختلف العلماء في طريق هٰذا العدل والتسوية فقال أحمدبن حنبل –رحمه الله–: إن التسوية المطلوبة بين الأولاد أن يقسم عليهم حسب قسمة الميراث–للذكرمثل حظ الانثيين، وهوقول عطاء، وشريح وإسحاق ومحمدبن الحسن من الحنفية، وقال أبوحنيفة ومالك والشافعي وابن المبارك يعطى الأنثى مايعطى الذكرهٰذاملخص مافي المغني لابن قدامة مع الشرح الكبير"۔

استدل أهل القول الأول بأن مايهبه الوالد في حياته لأولاده استعجال لمايكون بعدالموت، فيقسم بينهم حسب قسمة الميراث، ولهٰذاقال عطاء:"ماكانوايقسمون إلاعلى كتاب الله تعالى" ذكره الموفق في المغني۔

واستدل الحنفية والشافعية والمالكية بحديث بشيربن سعدرضى الله عنه في الباب حيث أمره النبي ﷺ بالتسوية بين الأولادوعلله بقوله:"أيسرك أن يكونوا إليك في البرسواء" فدل على أنه لافرق بين الذكروالأنثى لأن البنت كالإبن في استحقاق برّها۔

واستدلوا أيضابماأخرجه البيهقي في سننه الكبرى(۶/۱۷۷) عن ابن عباس –رضي الله

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عنه–قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”سوّوابين أولادكم في العطية فلوكنت مفضلاأحدًالفضلت النساء“.وقال الحافظ في الفتح: (۵/۱۵۷) ”وإسناده حسن“وذكره أيضًاالهيثمي في مجمع الزوائد (۴/۱۵۳) بطريق آخر(لعله عن الطبرانى) وقال:”فيه عبدالله بن صالح كاتب الليث قال عبدالملک بن شعيب ثقة مأمون،ورفع من شأنه وضعفه أحمدوغيره۔

وإن هذاالحديث نص في التسوية بين الذكروالأنثى، لأن النبى صلى الله عليه وسلم منع فيه من أي تفضيل وذكرأنه لوكان التفضيل بين الذكروالأنثى جائزالكانت الأنثى أحق به، وأجاب عنه ابن قدامة بأن الصحيح أنه مرسل،ولم يظهرلي وجه كونه مرسلا،وإنمااخرجه البيهقى من طريق عكرمة عن ابن عباس ولوثبت كونه مرسلاً فا لمرسل حجةً عندناوعندكثيرمن المحدثين۔

قال العبدالضعيف عفا الله عنه:قدثبت بماذكرناأن مذهب الجمهورفي التسوية بين الذكروالأنثى في حالة الحياة أقوى وأرجح من حيث الدليل ولكن ربمايخطربالبال أن هذافيماقصدفيه الأب العطية والصلة، وأماإذا ارادالرجل أن يقسم املاكه فيمابين أولاده في حياته لئلايقع بينهم نزاع بعدموته فإنه وإن كان هبة في الاصطلاح الفقهي،ولكنه في الحقيقة والمقصوداستعجال لمايكون بعدالموت وحينئذينبغي أن يكون سبيله سبيل الميراث،فلوقسم رجل في مثل هٰذه الصورة للذكرمثل حظ الأنثيين على قول الإمام أحمدومحمدبن الحسن– رحمهماالله– فالظاهرأن ذلک يسع له ولم أرذلک صريحا في كلام الفقهاء غيرأنه لايبدوخارجاعن قواعدهم“(تکملۃ فتح الملہم:مطبوعہ دارالقلم دمشق ۲/۴۸-۴۹)۔

مذکورہ بالا تفاصیل کو پیش نظر رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی مورث اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان اس لیے حصہ مقرر کر دیتا ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد اس تفصیل کے مطابق ترکہ تقسیم کرایا جائے، اور اولاد کے درمیان نزاع نہ ہو، کسی شرعی وارث کو ضرر پہنچانا مقصود نہیں، تو ایسی وصیت شرعاً معتبر ہے۔

۷– مذکورہ بالاصورت میں دیگر ورثاء کی رضامندی مورث کی موت کے بعد معتبر ہوگی، مورث کی زندگی میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا، اور اس کی موت کے بعد بھی نابالغ ورثاء کی رضامندی معتبر نہیں، اس لیے کہ موصی کی زندگی میں ان کا حق مال میں ثابت ہی نہیں ہوا، ان کا حق تو وفاتِ موصی کے بعد ثابت ہوگا، لہٰذا ان کی رضامندی اور اجازت کا اعتبار موتِ موصی کے بعد ہوگا اور اس پر حضور ﷺ کا فرمان ”لاوصية لوارث إلاأن يجيزهاالورثة“ دال ہے، اس لیے کہ وہ مورث کی زندگی میں ورثہ نہیں ہیں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

وفي الهندية:" ولاتجوزالوصية للوارث عندناإلاأن يجيزها الورثة...... ولاتعتبر إجازتهم في حياة الموصى حتى كان لهم الرجوع بعدذلک"(فتاویٰ ہندیہ ۶/۹۰)۔

وفي التاتارخانية: "فإن أجازه الورثة في حياة المورث لايعتبرإجازتهم وكان لهم الرجوع، وإن أجازوابعدموته صحت الإجازة"(فتاویٰ تاتارخانیہ:مطبوعہ زکریا بکڈپو۱۹/۳۸۱)۔

قال الدكتوروهبة الزحيلي:"يرى أئمة المذاهب الأربعة أن الإجازة لاتكون مقبولة وملزمة إلابعد موت الموصي، فلوأحدثت الإجازة أوالردّفي حياة الموصي لم يعتبرذلک، لأن ملک التركة لايثبت للورثة إلاّ بعد موت المورث، فتعتبرإجازتهم وردّهم بعدثبوت الملک لهم"(الفقہ الاسلامي وأدلتہ:۸/۱۰۲)۔

حضرت تھانویؒ رقمطراز ہیں:'' دوسرے ورثہ کی اجازت وہ معتبر ہے جو بعد موت موصی کے ہواور وقت وصیت کی اجازت معتبر نہیں ہے''(امدادالفتاویٰ:۴/۳۳۳)۔

"وفي إعلاء السنن: وقال الجصاص:روي عن النبيﷺ أنه قال:"لاوصية لوارث إلاّ أن يجيزهاالورثة......ويدل أيضاعلى أن اجازة الورثة معتبرة بعدالموت، لأنهم في حال حياته ليسوابورثة،وإنماتحصل لهم هذه السمة بعدموت المورث"(اعلاءالسنن:مطبوعہ پاکستان ۱۸/۳۰۲)۔

۸۔ اگر موصی کا کوئی وارث نہیں، نہ ذوی الفروض میں سے، نہ عصبات میں سے، اور نہ ذوی الارحام میں سے، تو حنفیہ کے قول مختار کے مطابق اس کی وصیت ثلث سے زائد میں بھی نافذ ہوگی، خواہ کل مال کی وصیت کی ہو، اس لیے کہ ممانعت کا سبب ورثاء کا حق تھا اور وہ موجود نہیں ہے۔

قال في التاتارخانية:"وكذلک لوأوصىٰ لرجل بجميع ماله وليس له وارث تنفذالوصية في الكل ولايحتاج فيهاإلىٰ إجازة أحد"(التاتارخانیہ:مطبوعہ زکریا۱۹/۳۸۱)۔

وفي الدرالمختار:"وصحت بالكل عندعدم ورثته ولوحكماكمستأمن لعدم المزاحم"(شامی: مطبوعہ زکریا۱۰/۳۴۱)۔

حنفیہ کی دلیل مصنف عبدالرزاق میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اثر مذکور ہے:يامعشرأهل اليمن!إممايموت الرجل منكم لايعلم أن أصله من العرب،ولايدري ممن هوفمن كان كذلک، فحضره الموت فانه يوصى بمال كله حيث شاء"(مصنف عبدالرزاق:۹/۶۹-۷۰/رقم:۷۴-۱۶۳-بحوالہ تکملہ فتح الملہم دارالقلم دمشق ۲/۶۵)۔

وقال الدكتوروهبة الزحيلي:"وإذالم يكن للموصي وارث، نفذت الوصية في رأي الحنفية بالزوائدولوكان الموصى به جميع المال، لأن المنع كان لحق الورثة"(الفقہ الاسلامي وأدلتہ ۸/۱۰۱)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ''اور اگر کسی کے کوئی وارث نہ ہوں، تو اس کو پورے مال کی بھی وصیت کردینا درست ہے، اور اگر صرف بیوی ہے تو تین چوتھائی کی وصیت درست ہے اور اگر کسی کے صرف میاں (شوہر) ہیں تو آدھے مال کی وصیت درست ہے (بہشتی زیور/۵۹-بحوالہ حقوق المال یعنی مال خرچ کرنے کے طریقے افادات: حضرت تھانویؒ-ترتیب: مفتی محمد زید مظاہری ص/۵۳)۔

وفي الدرالمختار: ''وشرائطها كونه غيروارث وقت الموت، وقال ابن عابدين تحته: ''أي إن كان ثمّة وارث اٰخروإلاّتصح، كمالواوصى أحدالزوجين للاٰخرولاوارث غيره'' (شامی زکریا۱۰/۳۳۷)۔

وفي الموسوعة الفقهية: ''أماإذالم يكن للموصى وارث فإن الوصية بأكثرمن الثلث تكون عندالحنفية والحنابلة صحيحة نافذة ولوكان الموصى به جميع المال'' (الموسوعۃ الفقہیۃ ۴۳/۲۵۹)۔

مذکورہ بالاعبارات فقہاء سے معلوم ہوا کہ اگر مرنے والا اپنی بیوہ کے لیے کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں وصیت کرے، تو وہ شرعاً معتبر ہوگی۔

۹- ورثاء کی رضامندی اور اجازت کا اعتبار مورث کی حیات میں نہیں ہوگا، بلکہ ان کو رجوع کا اختیار ہوگا، ہاں اگر مورث کی وفات کے بعد راضی ہوجائیں اور اجازت دیں تو اس کا اعتبار ہوگا، اس لیے کہ مورث کی حیات میں ورثاء کا حق ثابت ہی نہیں ہوا، اس لیے معتبر نہیں، البتہ بعد الموت چونکہ ان کا حق ثابت ہوگیا، اس لیے معتبر ہے۔

وفي التاتارخانية: '' رجل أوصى بجميع ماله للفقراء أولرجل بعينه،لاتجوزذلک إلاّ من الثلث فإن أجازه الورثة في حياة المورث لايعتبراجازتهم وكان لهم الرجوع ، وإن أجازوابعدموته صحت الاجازة'' (الفتاویٰ التاتارخانیۃ مطبوعہ-زکریا دیوبند۱۹/۳۸۱)۔

وفي الدرالمختار:''وتجوزبالثلث للأجنبي عندعدم المانع وإن لم يجزالوارث ذلک لاالزيادة عليه إلاّ أن تجيزورثته بعدموته ولاتعتبراجازتهم حال حياته أصلاً بل بعدوفاته''۔

وقال الشامي:'' لأنهاقبل ثبوت الحق لهم،لأن ثبوته عندالموت فكان لهم أن يردوه بعدوفاته، بخلاف الاجازة بعدالموت، لأنه بعدثبوت الحق'' (شامی زکریا: ج۱۰/ص۳۳۹-۳۴۰)۔

تنبیہ: اور پھر موت مورث کے بعد اجازت معتبر، تو ہمارے نزدیک مُجازلہ اس کا مالک موصی کی جانب سے ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک مجیز کی جانب سے۔

قال الشامي:تنبيه: ''وإذاصحت الاجازة بعدالموت يتملكه المجازله من قبل الموصي عندناوعندالشافعيؒ من قبل المجيز كمافي الزيلعي'' (شامی زکریا:۱۰/۳۴۰)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق چند اہم مسائل

مفتی اکمل یزدانی قاسمی ☆

۱۔ جن ممالک میں اسلام کے قانون میراث کا جاری ہونا ممکن نہ ہو اور اس بات کا غالب گمان ہو کہ مال متروکہ خورد برد ہو جائے گا اور ہمارے وارثین کو وہ مال نہیں مل پائے گا تو ایسی صورت میں اس طرح وصیت نامہ تحریر کرنا کہ ان کے وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں، واجب ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:"كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت ان ترك خيرا الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف حقا على المتقين"(سورۂ بقرہ:۱۸۰)(یعنی تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے اور اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو، تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے معروف طریقے سے وصیت کرے، یہ حق ہے متقی لوگوں پر)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"ما حق امری مسلم، له شئ يوصى فيه يبيت ليلتين إلا ووصيته مكتوبة عنده" (بخاری شریف، کتاب الوصایا، باب نمبر ا، حدیث نمبر ۲۷۳۸)۔لہذا جہاں مال متروکہ کی شرعی تقسیم ممکن نہ ہو وہاں مورث پر مال متروکہ کے لئے وصیت کرنا واجب ہے تاکہ ضیاع اموال لازم نہ آئے۔

۲۔ اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا حدیث "لا وصية لوارث" کے خلاف نہیں ہونے کی وجہ سے ایسی وصیت شرعا معتبر ہے۔

۳۔ جس وصیت کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو ایسی وصیت حدیث نبوی "لا وصية لوارث" میں داخل نہیں ہے، حدیث نبوی "لا وصية لوارث" کا مورد محض وہ وصیت ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو، جیسا کہ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے بہت ہی قریب تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"ان الله قد اعطى كل ذى حق حقه، ألا لا وصية

☆ نوڈل آفیسر، مدھیہ پردیش وقف بورڈ، بھوپال۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوارث" یعنی اللہ تعالی نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرمادیا ہے، لہذا کوئی مورث اپنے کسی وارث کے لئے محض اس نیت سے وصیت نہ کرے کہ اسے دیگر ورثاء کے مقابلہ میں زیادہ مل جائے کیونکہ اللہ تعالی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا ہے، جس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نقل کی ہے:"أی وصیة لوارث إلا ان یشاء الورثة" (دارقطنی) جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث:"لا وصیة لوارث" کے دائرہ میں ایسی وصیت نہیں آتی جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو؟ بلکہ اس کے تحت محض وہ وصیت آتی ہے جس سے دیگر ورثاء کو نقصان پہنچانا مقصود ہو۔

۴- اسلام کے قانون میراث کو غیر مسلم ممالک میں جاری کرانے کی مزید شکلیں اپنائی جاسکتی ہیں جو بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں:

الف-مسلمان سب سے پہلے میراث کی اہمیت کو حکومت کے سامنے رکھے اور حکومت سے مانگ کرے کہ حکومت اپنے قوانین میں مسلمانوں کے میراث کے قانون کو شامل نہ کرے، مسلمانوں کو اپنی شریعت کے مطابق قانون میراث کو جاری کرنے کی اجازت دے۔

ب-حکومت اگر اس بات کے لئے تیار نہ ہو تو مسلمان اپنے طور پر علماء اور دانشوروں کی ایک کونسل قائم کرے جو مسلمانوں کے میراث سے متعلق مسائل کا حل پیش کرے اور عام مسلمان اسے بسر وچشم قبول کرے۔

ج-آج کل چونکہ زیادہ تر ممالک سیکولر اور جمہوری ہیں، جہاں ہر مذہب کو اپنے دین کے اصول وضوابط کے ساتھ جینے کا حق حاصل ہے، اسی کے تحت ہندوستان کے کئی شہروں میں مسلمانوں نے اپنے شرعی مسائل کے حل کے لئے دارالقضا قائم کیا ہوا ہے، جو میراث وغیرہ کے مسائل کے بھی حل پیش کرتے ہیں اور اس کا مثبت نتیجہ بھی سامنے آرہا ہے، جیسا کہ آج کل بھوپال میں دارالقضا موجود ہیں جو اس طرح کے مسائل کے حل پیش کرتے ہیں، ایسا ہر جمہوری ملک میں کیا جاسکتا ہے، البتہ جن ممالک میں قانون میراث بالکل جاری ہو ہی نہیں سکتا اور مسلمان کو خود اپنی کونسل قائم کر کے میراث کے قانون جاری کرنے کی صورت میں حکومت اس میں مداخلت کرے تو ایسی صورت میں مورث وصیت کے ذریعہ اس مسئلہ کا حل اپنی زندگی میں ہی کردے، چونکہ وصیت کے نفاذ میں تقریبا سارے ہی ممالک ایک جیسی رائے رکھتے ہیں۔

۵- صورت مسئولہ میں جبکہ مسلمان مورث کے مال سے غیر مسلم وارث کو ترکہ حکومتی قانون کی بنیاد پر دلایا جاتا ہے اور یہ غیر مسلم ممالک کے آئین وقوانین میں ہے تو ایسی صورت میں مسلمان وارث کو بھی غیر مسلم مورث کے ترکہ سے فائدہ اٹھانا اور آئین سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الف-اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اختلاف دین موانع ارث میں سے ہے، لیکن چونکہ حالات ہی اب دوسرے ہیں جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے کہ اگر مورث مسلم ہے اور وارث غیر مسلم تو ایسی صورت میں نص کے مطابق کافر کو اس مسلم مورث کا وارث نہیں بنایا جا سکتا، لیکن جس ملک میں رہ رہے ہیں، وہاں کے قوانین کے مطابق کافر وارث مسلم مورث کے متروکہ مال کا حصہ دار ہوتا ہے اور نہ دینے کی صورت میں حکومت اس کافر وارث کو ترکہ دلاتی ہے اور حکومتی آئین سے بغاوت کرنا اس کے اختیار میں بھی نہیں ہے تو مسلم وارث کے لئے بھی روا ہوگا کہ وہ اس قانون کا فائدہ اٹھائے اور کافر مورث کے مال متروکہ کا حصہ دار بنے۔

ب-اگر مسلم وارث اپنا حق نہ لے تو اس کے حق کو اس مورث کافر کے دیگر کافر وارثین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، ایسی صورت میں اگر مسلم وارث اس کا فائدہ نہ اٹھائے تو لازم آئے گا کہ وہ غیر مسلم وارثین کو اپنا حق چھوڑ کر ان کی طاقت کو بڑھا رہا ہے جو کہ تعاون علی الاثم ہے۔

ج-ترکہ لینے کی صورت میں دعوتی نقطہ کی بھی رعایت ہے، چونکہ آج کے حالات صحابہ اور خیر القرون کے زمانے سے بالکل الگ ہیں۔

د-البتہ مسلم وارث کافر مورث کے مال متروکہ میں اپنی وراثت کا مطالبہ حکومت سے خود نہ کرے اور نہ ہی جد و جہد کرے، البتہ اگر حکومت دے دے تو اسے بسر و چشم قبول کر لے، کیونکہ اس میں اپنی مالی حالت میں تقویت بھی ہے اور غیر مسلم وارثین کی بے جا امداد سے احتراز بھی۔

۶- صورت مسئولہ میں مورث کی موت کے بعد وارثین کی رضامندی کو ملحوظ رکھا جائے گا، اگر حق میراث کا تناسب ملحوظ رکھتے ہوئے مورث اپنی حیات میں ہی اپنی اولاد کے درمیان حصے مقرر کر دیتا ہے تاکہ بعد میں نزاع نہ ہو اور اس میں کسی وارث کو نقصان بھی نہ ہوتا ہو تو ایسی وصیت کو معتبر مانا جائے گا، چونکہ ایسی وصیت کے نافذ کرنے میں کسی وارث کو کوئی حرج لازم نہیں آتا، چونکہ وارث کے لئے وصیت کی ممانعت اس وقت ہے جب ایسی وصیت سے دیگر ورثاء کو نقصان پہنچانا مقصود ہو، چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

”ولو أوصى لبعض ورثته، فأجاز الباقون، جازت الوصية، لأن امتناع الجواز كان لحقهم لما يلحقهم من الاذى والوحشة بايثار البعض، ولا يوجد ذلك عند الاجازة، وفي بعض الروايات عنه عليه الصلوة والسلام انه قال:”لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة“ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الوصایا، فصل: فی شرائط رکن الوصیۃ: الشرط الذی یرجع الی الموصی لہ)۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

چونکہ صورت مذکورہ میں کسی وارث کو حق میراث سے محروم کرنا نہیں ہے اور نہ ہی کسی وارث کے حق میں کوئی کمی کرنا لازم آتا ہے، لہذا ایسی وصیت کرنا جائز ہے، چونکہ صورت مذکورہ میں مورث کی محض یہ چاہت ہے کہ اس کے مرنے کے بعد ورثاء میں میرا متروکہ مال ٹھیک طور پر تقسیم ہو جائے اور ان میں باہم کوئی نزاع پیدا نہ ہو۔

۷۔ مورث کی زندگی میں ورثاء کی رضامندی کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ مورث کی موت کے بعد بھی وارثین کی رضامندی ضروری ہوگی تب ہی وصیت کو نافذ کیا جانا ممکن ہوگا، لہذا اگر مورث کی موت کے بعد بھی ورثا نے اپنی رضامندی سے مورث کی وصیت کو نافذ کر دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ ہدایہ کتاب الوصایا میں ہے: "ولا يعتبر باجازتهم في حال حياته لانها قبل ثبوت الحق" (الہدایہ کتاب الوصایا)۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ وصیت کی دو صفتیں ہیں: ایک قبل الوجود اور دوسری بعد الوجود، قبل الوجود واجب ہے اور بعد الوجود غیر لازم ہے، یہی وجہ ہے کہ مورث وصیت کرنے کے بعد اپنی حیات میں کی گئی وصیت سے رجوع کر سکتا ہے، علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: "واما صفة هذه العقد فله صفتان، احداهما قبل الوجود، والاخرى بعد الوجود، أما التى هى قبل الوجود فهى أن الوصية بالفرائض والواجبات واجبة وبما وراء ها جائزة الخ"، اور آگے لکھتے ہیں: "وأما التى هى بعد الوجود فهى ان هذا عقد غير لازم فى حق الموصى حتى يملك الرجوع عندنا مادام حيا" (بدائع الصنائع، کتاب الوصایا، فصل: فی صفۃ عقد الوصیۃ)۔

۸۔ صورت مذکورہ میں کسی دوسرے وارث کی عدم موجودگی کی صورت میں شوہر کا اپنی بیوی کے لئے وصیت کرنا شرعاً معتبر ہے، علامہ حصکفی فرماتے ہیں: "حتى لو أوصى لزوجته ولم يكن له وارث تصح الوصية" (الدرالمختار، کتاب الوصایا)۔

۹۔ اگر کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کر دی اور اس کی حیات میں دوسرے ورثاء اس وصیت سے رضامند تھے تو ایسی وصیت اس شرط پر معتبر مانی جائے گی، جبکہ مورث کے مرنے کے بعد بھی ورثاء رضامند ہوں، قبل موت المورث وارثین کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ تب مورث کے مال میں وارث کا حق ہی ثابت نہیں تھا، فتاوی عالمگیری میں ہے: "ولا يجوز (الوصية) بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته" (عالمگیری ۶/۹۰) اسی طرح علامہ مرغینانی فرماتے ہیں: "ولا يعتبر باجازتهم فى حال حياته لانها قبل ثبوت الحق" (الہدایہ کتاب الوصایا)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غیر مسلم ممالک میں وراثت کی نفاذ کے لیے وصیت لکھنا اور اس کی شرعی حیثیت

مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی☆

اجمالی یا تفصیلی وصیت حدیث شریف کے خلاف یا موافق:

"لاوصیة لوارث" یہ حدیث شریف سنن دار قطنی میں مختلف سندوں کے ساتھ اس طرح مروی ہے (۴۲۵۱) لا تجوز الوصية لوارث الا ان يشاء الورثة (۴۲۵۲) لا وصية لوارث الا ان يجيز الورثة (۴۲۵۳) لا يجوز لوارث وصية الا ان يشاء الورثة (۴۲۵۴) لا وصية لوارث ولا اقرار بدين (سنن الدار قطنی جلد ۴/ ۸۶ کتاب الوصایا) اور ابوداؤد شریف میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے "عن ابی امامة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: ان الله قد اعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث" (ابوداؤد شریف ۲/ ۳۹۶ باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث) ترمذی شریف میں ہے: "عن ابی امامة الباهلی قال سمعت رسول الله ﷺ يقول فی خطبته عام حجة الوداع: ان الله تعالى قد اعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث الخ (باب ماجاء لا وصیۃ لوارث ابواب الوصایا ۲/ ۳۲) اور" سنن الكبرى للبيهقي "میں ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے (۱۲۵۳۴) لا تجوز الوصية لوارث الا ان يشاء الورثة (۱۲۵۳۵) لا تجوز وصية لوارث الا ان يشاء الورثة (۱۲۵۳۶) لا وصية لوارث (۱۲۵۳۷) ان الله جل ثناؤه قد اعطى كل ذي حق حقه فلاوصية لوارث (۱۲۵۳۹) ان الله قسم لكل انسان نصيبه من الميراث فلا يجوز لوارث (۱۲۵۴۰) لا وصية لوارث الا ان يجيز الورثة (۱۲۵۴۱) ان الله عز وجل قد اعطى كل ذي حق حقه ولا وصية لوارث (السنن الکبری للبیہقی جلد ۶/ ۵۰۲ باب نسخ الوصیۃ للوالدین والاقربین الوارثین)۔

ان تمام سندوں سے مروی حدیث شریف سے دو باتیں سامنے آتی ہیں کہ اللہ تعالی نے خود ہی وارثوں کا حصہ متعین فرمادیا ہے اور ان کو وراثت سے حصہ دے دیا ہے، لہذا وصیت کی ضرورت نہیں، دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے وارثین اقربین کا حصہ تو متعین فرمادیا ہے، لیکن کوئی شخص پھر بھی کسی وارث کے حق میں وصیت کردے تو وہ ورثہ کی

☆ مدرسہ فیض العلوم، خانقاہ بوڑیہ، یمنانگر، ہریانہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اجازت پر موقوف ہوگی اگر وہ اجازت دیں گے تو اس کو وراثت کے ساتھ وصیت والا حصہ بھی دے دیا جائے گا، اگر منع کر دیں تو اس کو صرف وراثت سے حصہ ملے گا، اگر کچھ لوگ اجازت دیں تو صرف ان کے حصہ کے بقدر اس کو وصیت میں سے حصہ ملے گا، بہر حال اس حدیث کی تمام سندوں سے مروی جملوں پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غیر مسلم ممالک میں رہنے والا آدمی اگر ورثاء کے درمیان اس طرح میراث تقسیم کرے جو اس کا حصہ شرعی ہے تو یہ وارث کے حق میں زیادتی کی وصیت نہیں ہے کہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہو اور اس حدیث "لا وصیة لوارث" کے خلاف ہو بلکہ یہ وصیت تو حقیقی معنی میں اس حدیث کے موافق ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان اللہ عز وجل اعطی کل ذی حق حقه" کیونکہ اس میں ہر وارث کو اس کا وہ حق دلانا ہے جو اللہ نے اس کے لیے متعین کیا ہے اور اس کو حکومت کافرہ اور دوسرے ورثہ کی طرف سے محروم کرنے کے اندیشہ سے بچانا ہے، لہذا یہ وصیت اس حدیث کی وجہ سے نہ غیر معتبر ہوگی اور نہ غیر شرعی بلکہ شرعی اور معتبر قرار پائے گی، نیز ان تصریحات سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ حدیث نبوی ﷺ "لاوصیة لوارث" کا مورد و مقصد صرف وہ وصیت ہے، جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو، وہ وصیت اس ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی ہے، جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد "ان اللہ عز وجل اعطی کل ذی حق حقه" اور" الا ان یجیز الورثة" اس بات کے اوپر دال ہے کہ ہر ایک کو اللہ تبارک وتعالی کا متعین کردہ حق دینا ہے اور وہی ان کو دیا جا رہا ہے اور اگر زیادہ دینا ہے تو ورثہ کی اجازت ضروری ہے اور اس صورت میں زیادہ دیا ہی نہیں جا رہا ہے، لہذا یہ صورت ممانعت میں نہیں آئے گی۔

غیر مسلم ممالک میں میراث کے اجراء کی صورت:

غیر مسلم ممالک میں میراث کے اجراء کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ (۱) مورث اپنی ضرورت کی بقدر رکھ کر بقیہ اپنے ورثاء کو ہبہ کر دے اور اس کا مالک بنا دے اور قبضہ دلا دے، لیکن اس صورت میں ہر وارث کو برابر حصہ دینا ہوگا خواہ مذکر ہو یا مؤنث، البتہ کسی وارث کی نیکی اور دینداری کی وجہ سے اس کے حصہ میں اضافہ کر سکتا ہے۔

(۲) مورث کوئی کمیٹی مسلمان علماء کی بنا دے اور ان کے نام یہ وصیت کر دے کہ میرے مرنے کے بعد شرعی طور پر میرے وارثوں کے درمیان مال متروکہ کو تقسیم کر دیا جائے (۳) مورث جس ملک میں رہتا ہو اس ملک کے جج (مجسٹریٹ) کے نام وصیت لکھ دے کہ میری ملکیت میرے ورثہ کے درمیان شرعی حصص کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔ (۴) چوتھی وہی صورت ہے جو سوال میں مذکور ہے کہ حصص شرعیہ کے مطابق وصیت کر جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا مسلمان کسی غیر مسلم کا یا کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے؟

دارالاسلام میں یا ایسے ملکوں میں جہاں اسلام کے عائلی مسائل پر عمل کرنے کا مسلمانوں کو حق دیا گیا ہے اور وہاں مسلمان عمل کرتے بھی ہیں، کسی کافر رشتہ دار کو حکومت مسلمان کا وارث نہیں بناتی ہے تو وہاں نہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا اور نہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث ہوگا، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:"واختلاف الدين ايضا يمنع الارث والمراد به الاختلاف بين الاسلام والكفر بقوله ﷺ: "لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم " (البحر الرائق جلد ۳۸۶/۹ کتاب الفرائض)۔

اس بات پر تو امت کا اجماع ہے کہ کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا، البتہ کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث ہو گا یا نہیں؟ یہ مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور سے مختلف فیہ رہا ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں علامہ بدرالدین عینیؒ عمدۃ القاری میں رقم طراز ہیں:"قوله ﷺ: "لايرث المسلم الكافر ولا يرث الكافر المسلم ' اما الكافر فانه لا يرث المسلم بالاجماع وبالحديث ،و بقوله تعالى: "لن يجعل الله للكٰفرين على المؤمنين سبيلا "(النساء :۱۴۱) وفي الميرا ث اثبات السبيل للكافر على المسلم والمراد منه نفي السبيل من حيث الحكم لا من حيث الحقيقة ليتحقق حقيقة السبيل .واما المسلم فهل يرث من الكافر ام لا؟ فقالت عامة الصحابة رضى الله تعالى عنهم :لايرث ،وبه اخذ علمائنا والشافعيؒ وهذا استحسان ،والقياس ان يرث وهو قول معاذ بن جبل و معاوية بن أبي سفيان وبه اخذ مسروق والحسن ومحمد بن الحنفية و محمد بن علي بن الحسين (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۱۶/ ۴۵ باب لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم، کتاب الفرائض)، اسی طرح اس حدیث کی تشریح علامہ ابن حجرؒ فتح الباری میں اس طرح کرتے ہیں' ذهب الجمهور الى الاخذ بما دل عليه عموم حديث اسامة يعني المذكور في هٰذا الباب عن اسامة بن زيدؓ ان النبي ﷺ قال: "لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم"إلا ما جاء عن معاذ قال : يرث المسلم من الكافر من غير عكس ،واحتج بانه سمع رسول الله ﷺ يقول "الاسلام يزيد ولا ينقص" وهو حديث اخرجه ابو داؤد و صححه الحاكم من طريق يحيى بن يعمر عن ابى الاسود الدؤلي عنه، قال الحاكم: صحيح الاسناد ،وتعقب بالانقطاع بين ابى الاسود و معاذ ولكن سماعه ممكن "۔

ان تمام عبارتوں سے قدر مشترک یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان کا وارث کافر نہیں ہو سکتا، اس پر اجماع ہے، البتہ مسلمان کسی کافر کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں تو اس سلسلہ میں دو نقطہ نظر ہیں: صحابہ کی عام جماعت اور ائمہ اربعہ میں سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہ اوران کے ساتھی (امام ابویوسف ،امام محمد،امام زفر) امام شافعی ،امام مالک اورامام احمد رحمہم اللہ،صحابہ میں سے حضرت ابوبکر،عمر،عثمان،علی ،اسامۃ بن زید،جابر رضی اللہ عنہم ،اورتابعین میں سے عمروبن عثمان ،عروۃ ،زہری ،عطاء، طاوس،حسن ،عمر بن عبدالعزیز ،عمروبن دینار ،ثوری رحمہم اللہ اسی بات کے قائل ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو گا"(۴۹۴۶) قال: ولا یرث مسلم کافرا ولا کافر مسلما ،الا ان یکون معتقا فیأخذ ماله بالولاء. اجمع اهل العلم علی ان الکافر لایرث المسلم ،وقال جمهور الصحابة والفقهاء: لایرث المسلم الکافر ،یروی هذا عن ابی بکر و عمر وعثمان وعلی واسامة بن زید وجابر رضی الله عنهم ،وبه قال عمر وبن عثمان وعروة والزهری وعطاء وطاوس والحسن وعمر بن عبدالعزیز وعمر وبن دینار والثوری وابوحنیفة واصحابه ومالک والشافعی وعامة الفقهاء ،وعلیه العمل "(المغنی لابن قدامہ جلدنمبر ۷/۱۶۶،۱۶۷)۔

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا اوراس کے قائلین حضرت عمر،معاذ اورمعاویہ رضی اللہ عنہم ،تابعین میں سے محمد بن الحنفیۃ ،علی بن الحسین ،سعید بن المسیب ،مسروق ،عبداللہ بن معقل ،شعبی ،نخعی ،یحیی بن یعمر ،اسحاق اورھشام بن عبدالملک رحمہم اللہ ہیں" وروی عمر ومعاذ ومعایة رضی الله عنهم،انهم ورثو المسلم من الکافر ولم یورثو الکافر من المسلم ،وحکی ذالک عن محمد بن الحنفیةو علی بن الحسین وسعید بن المسیب ومسروق وعبدالله بن معقل والشعبی والنخعی و یحیی بن یعمر واسحاق رحمهم الله"(المغنی لابن قدامہ جلدنمبر ۷/۱۶۶۔۔۱۶۷)۔

فریق اول کی دلیل:

عام صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلیل حضرت اسامۃ بن زید والی حدیث ہے "قال النبی ﷺ: لایرث الکافر المسلم ولا المسلم الکافر اورعمر وبن شعیبؓ کی حدیث:" قال رسول الله ﷺ: لایتوارث اهل ملتین شتی"(رواہ ابوداؤد) اسی طرح فرمان باری تعالی: "لن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلا"(سورہ نساء:۱۴۱)۔

فریق ثانی کی دلیل:

حضرت معاذ کی حدیث قال رسول الله ﷺ :"الاسلام یزید ولاینقص "اسی طرح حضرت معاویہ کا عمل ہے،نیز یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ جیسے ہم اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کرتے ہیں اوروہ ہماری عورتوں سے نہیں کر سکتے ،اسی طرح ہم ان کے وارث ہوں گے اوروہ ہمارے نہیں ہوں گے۔

بہرحال جمہور امت نے اس دوسرے قول کو اختیار نہیں کیا ہے،اس لیے کہ یہ نص صریح کے مقابلہ میں ہے اوران

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی دلیل اس سلسلہ میں صریح نہیں ہے، اس لیے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ اس دین میں فضیلت کی زیادتی ہے دوسرے ادیان کے مقابلہ میں، نیز اہل کتاب سے شادی والی دلیل کو علامہ ابن حجرؒ نے یہ کہتے ہوئے رد کیا ہے کہ ذمی مسلمان کا وارث ہوتا ہے اور اس لیے کہ وہ ہمارے یہاں شادی کرتا ہے اور عام فقہاء کی طرف سے علامہ نے یہ دلیل دی ہے کہ میراث ورثہ کو ولایت کی وجہ سے ملتا ہے اور مسلمان اور کافر کے درمیان کوئی ولایت کا تعلق نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی نے کافروں کی دوستی سے اور حمایت سے منع فرمایا ہے "لا تتخذوا الیھود والنصاری اولیاء ،بعضھم اولیاء بعض" (فتح الباری بشرح البخاری جلد ۱۵/ ۲۹۲، کتاب الفرائض باب لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم)۔

مورث کا اپنی زندگی ہی میں وارثوں کا حصہ مقرر کرنا:

وراثت کی اجراء کا تعلق موت کے بعد ہے، اس لئے اس کو اسی وقت کے لئے چھوڑنا چاہیے لیکن مقصد یہ ہو کہ آئندہ مورث کی اولاد کے درمیان اختلاف نہ ہو اور اس میں ورثہ کو نقصان پہنچانے کی نیت نہ ہو، ان کے درمیان انصاف قائم رکھنا مقصود ہو تو اس طرح کی وصیت کرنا کہ فلاں کو اتنا فلاں کو اتنا حصہ دے دیا جائے اور اس حصہ میں حق میراث کا تناسب ہو تو ایسی وصیت کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے جیسا کہ مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں: " آپ کے سوال کا جواب یہ ھیکہ اگر آپ کی وفات کے وقت یہ سب بہن بھائی زندہ ہوں تو بھائی کو دونوں بہنوں کے برابر حصہ ملے گا، گویا چار میں سے دو حصے بھائی کے ہوں گے اور ایک ایک دونوں بہنوں کا۔ آپ چاہیں تو ابھی تقسیم کر دیں' (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد سوم ر ۳۴۷ مورث کی زندگی میں جائداد کی تقسیم) مفتی صاحب اس مسئلہ میں زندگی میں مورث کو تقسیم کرنے کا حق دیتے ہیں تو وصیت تو بدرجہ اولی جائز ہوگی۔

ورثاء کی رضامندی وراثت کے سلسلہ میں مورث کی زندگی میں معتبر ہوگی یا نہیں؟

مورث اگر کسی وارث کی حق میں وصیت کر جائے تو یہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی اور اجازت موت کے بعد کی معتبر ہوگی، اگر زندگی میں اجازت لیکر دستخط کرالئے اور مرنے کے بعد کسی نے انکار کر دیا تو وہ وصیت اس کے حق میں نافذ نہیں ہوگی، البتہ مرنے کے بعد جو اجازت دے گا اس کے حق میں معتبر ہوگی اور اس کے حصہ سے موصی لہ کو دیا جائے گا" قال: إلا أن یجیزھا الورثة بعد موته وھم کبار، لأن الامتناع لحقھم وھم أسقطوہ ولا معتبر باجازتھم فی حال حیاته، لانھا قبل ثبوت الحق إذالحق یثبت عندالموت فکان لھم أن یردوہ بعد وفاته بخلاف مابعد الموت، لانه بعد ثبوت الحق فلیس لھم أن یرجعوا عنه، لان الساقط متلاش،...ولان الحقیقة تثبت عندالموت وقبله یثبت مجرد الحق فلو استند من کل وجه ینقلب حقیقة قبله والرضاء ببطلان الحق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لایکون رضا ببطلان الحقیقة، و کذا ان کانت الوصیة للوارث واجازت البقیة فحکمه ماذکرنا ہ“

(ہدایہ جلد ۴/۶۳۹ کتاب الوصایا، باب فی صفۃ الوصیۃ مایجوز من ذالک وما یستحب منہ وما یکون رجوعا عنہ)۔

اگر کوئی وارث نہ ہو تو لاولد کا اپنی بیوی کے لئے وصیت کرنا:

اگر کوئی آدمی لاولد ہو اور بیوی کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کو اس کا شرعی حصہ دینے کے بعد جو بچے گا متأخرین حنفیہ کے یہاں اسی پر لوٹا دیا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے، جیسا کہ شامی میں ہے:”قوله لفساد بیت المال علة لقوله اجماعا وثا یظهر، لأن المشهور من مذهب مالکؒ انه لبیت المال وان لم یکن منتظما وهو مذهب الشافعی وروی عن مالک کقولنا وبه افتی متأخرا الشافعیة اذا لم ینتظم امر بیت المال افاده فی غررالافکار ...وقوله فی الاشباه الخ قال فی القنیة و یفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال وفی الزیلعی عن النهایة ما فضل عن فرض احدالزوجین یرد علیه“ (ردالمحتار علی الدرالمختار جلد ۵/۵۵۶ باب العول، کتاب الفرائض) جب شرعی طور پر بھی مال لاولد کی بیوہ کو کسی وارث کے نہ ہونے کی صورت میں ملتا ہے تو اگر وہ وصیت کر جائے تو اس کا اعتبار ہوگا، اس لیے کہ وصیت اور شرعی تقسیم وراثت دونوں میں معاملہ یکساں ہے، اس لئے اس وصیت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مورث کا ایک تہائی سے زیادہ میں وصیت اور ورثاء کی اجازت:

اگر مورث نے وارث یا غیر وارث کے لیے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی اور ورثہ نے اجازت دے دی تو یہ وصیت جائز ہوگی، لیکن یہ اجازت موت کے بعد دی ہو پہلی اجازت کافی نہیں ہوگی اور ورثہ کا بالغ ہونا بھی ضروری ہے، نابالغ کی اجازت معتبر نہ ہوگی، جیسا کہ ہدایہ کے حاشیہ میں صاحب ہدایہ کہ قول ”الا ان یجیزهاالورثة بعد موته وهم کبار“ کے تحت ہے: ”قال شیخ الاسلام علاء الدین الاسبیجابی فی شرح الکافی: ولو اوصی باکثر من الثلث لم یجز الفضل علی الثلث الا ان یجیز الورثة بعد موته“ بہرحال ثلث سے زیادہ کی وصیت ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگی اور اجازت موت کے بعد کی معتبر ہوگی اور ورثاء کا بالغ ہونا بھی ضروری ہے۔

☆☆☆

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مسلم وغیر مسلم کے درمیان وراثت کی تقسیم سے متعلق چند مسائل

مولانا محمد صادق مبارک پوری☆

اسلام میں علم فرائض یا علم میراث کی بڑی اہمیت وفضیلت ہے، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے تقسیم میراث کی ذمہ داری کسی مقرب فرشتہ کے حوالہ نہیں کی، اور نہ کسی نبی اور رسول کے، بلکہ وارثین کے حصص کی تعیین خود فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں سورۂ نساء کی ابتدائی اور آخری آیات میں علم فرائض کا بیان فرمایا ہے، اور مختلف ورثۂ میت کے حصص کی تعیین کرتے ہوئے ان کو حدود سے تعبیر فرمایا ہے اور ان فرائض کی اطاعت پر جنت کا وعدہ فرمایا ہے اوران سے روگردانی پر جہنم اور رسوا کن عذاب کی دھمکی و وعید سنائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ فرماتے چلیں: "یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الانثیین من بعد وصیة یرصی بھا أو دین غیر مضار وصیة من اللہ واللہ علیم حلیم تلک حدود اللہ ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا وذلک الفوز العظیم ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدافیھا ولہ عذاب مھین" (الآیۃ: ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ سورۃ النساء)۔

(اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ دولڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے: وصیت نکالنے کے بعد جس کی وصیت کردی جائے یا دین کے بعد بشرطے کہ کسی کو ضرر نہ پہونچائے، یہ حکم کیا گیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے، اوراللہ تعالیٰ خوب جاننے والے حلیم ہیں، یہ سب احکام مذکورہ خداوندی ضابطے ہیں، اور جو شخص اللہ ورسول کی پوری اطاعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ایسی بہشتوں میں داخل کردیں گے، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے، اور جو شخص اللہ ورسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل اس کے ضابطے سے نکل جائے گا، اس کو آگ میں داخل کریں گے، اس طور سے کہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اوراس کو ایسی سزا ہوگی، جس میں ذلت بھی ہے)۔

☆ استاذ حدیث وناظم تعلیمات جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، اعظم گڈھ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، ایسے ممالک میں اسلام کے قانون میراث کے جاری ہونے کا تنہا یہی راستہ بچتا ہے کہ دنیا سے جانے والا شخص ایسا وصیت نامہ تحریر کردے یا کرادے، جس میں متوقع وارثین کے لیے ان کے حصص شرعیہ کی صراحت کردی جائے، ایسا وصیت نامہ تیار کرنا اور کرانا مناسب معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ایسے وصیت نامہ کی تیاری کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی قانون کے مطابق ورثہ کو ترکہ مل سکے۔

۲- اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا حدیث ''لاوصية لوارث'' کے خلاف نہیں، کیوں کہ وصیت نامہ لکھانے کا مقصد یہ ہوگا کہ ورثہ اسلامی قانون کے موافق میراث میں سے حصہ پاسکیں، پس حدیث پاک ''لاوصية لوارث'' کے معارض نہیں ہوسکتا، کیوں کہ ''لاوصية لوارث'' کا مقصد یہ ہے کہ کسی وارث کے لیے وصیت کرنے کی بنا پر مقررہ حصہ سے زیادہ ہوجانے کی وجہ سے دوسرا وارث اپنے حصہ سے محروم نہ ہوجائے، دوسرے ورثہ کو محرومی سے بچانے کے لیے وارث کے حق میں وصیت ممنوع قرار دی گئی ہے، جس کا وجود یہاں نہیں ہے۔

۳- وہ وصیت بھی اس میں داخل ہے، جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلامی قانون میراث جاری کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان ممالک میں مسلم پرسنل لا یا اس جیسی کمیٹی کے قیام کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔

۵- مسلمان غیر مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا، اس کے لیے کوشش بھی جائز نہیں ہے اور نہ قبول کرنا جائز ہے، الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے: ''ذهب جمهور الفقهاء الى أن المسلم لايرث الكافر ''(ج ۳ ص ۱۹) (جمہور فقہاء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا)۔

اسی کتاب میں آگے درج ہے:

''استدل الأئمة الأربعة على مذهبهم لقوله ﷺ: لايتوارث أهل ملل شتى''(أخرجه أبوداؤد ج ۳ ص ۸۵)۔

''ولقوله عليه السلام :لايرث المسلم الكافر ولاالكافر المسلم ''(رواه البخاري ومسلم وأحمد) (ائمہ اربعہ نے اپنے مسلک پر حضور ﷺ کے ارشاد: مختلف ملت کے لوگ وارث نہیں ہوسکتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے ارشاد مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا، سے استدلال کیا ہے)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

المستدرک علی الصحیحین (ج ۴ ص ۳۸۴۰) میں ہے:

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن عبد الله بن عمر ورضي الله عنهما عن رسول الله ﷺ قال: لايرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم" (دارالکتب العلمیۃ بیروت)(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا)۔

۶- وصیت کی یہ صورت معتبر نہیں ہے، حدیث شریف میں وارد ہے:" ان الله قدأعطى كل ذي حق حقه فلاوصية لوارث" (مشکوۃ شریف بحوالہ ابوداؤد شریف ص ۲۶۵)(بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دیدیا، پس کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے)۔

زندگی میں جب کہ ہبہ کی صورت نہیں پائی گئی تو وصیت مانی جائے گی اور وصیت ورثہ کے لیے جائز نہیں ہے۔

۷- مورث کی موت کے بعد ورثہ کی رضامندی معتبر ہوگی، مورث کی زندگی میں معتبر نہیں ہوگی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:"ولاتجوز الوصية بمازاد على الثلث إلاأن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار ولامعتبر باجازتهم في حال حياته كذا في الهداية" (ج ۶ ص ۹۰ کتاب الوصایا دارالکتاب دیوبند)(تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس (مورث) کی وفات کے بعد بالغ ورثہ اس کی اجازت دیں، اس کی زندگی میں ورثہ کی اجازت معتبر نہیں ہے، ایسا ہی ہدایہ میں ہے)۔

۸- جو لوگ لاولد ہوں، ان کے مرنے کے بعد بیوی کے علاوہ کوئی وارث نہ ہو تو اگر وہ اپنی بیوی کے لیے وصیت کر جائیں تو یہ وصیت معتبر ہونی چاہئے، کیوں کہ تہائی سے زیادہ میں وصیت کا عدم نفاذ حق ورثہ کی بنیاد پر تھا، پس اس کے علاوہ کوئی وارث کا وجود نہیں، تو بقیہ مال میں بیوی کے لیے وصیت کا نفاذ ہو جاچئے،"نظيره في الفتاوى العالمكيرية: ولوأوصى بجميع ماله وليس له وارث نفذت الوصية، ولايحتاج الى إجازة بيت المال كذافي خزانة المفتيين" (ج ۶ ص ۹۰ دارالکتاب دیوبند)(اس کی نظیر فتاویٰ عالم گیری میں ہے: اور اگر وصیت کیا تمام مال کی اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے، تو وصیت نافذ ہوجائے گی، اور بیت المال سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، ایسا ہی خزانۃ المفتیین میں ہے)۔

جب غیر وارث کے لیے پورے ترکہ میں وصیت نافذ ہوتی ہے تو کسی دوسرے وارث کی عدم موجودگی میں بیوی کے لیے وصیت کا جواز ہونا چاہئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درمختار میں علامہ علائی حصکفیؒ "ولاوصية لوارث إلا أن يجيزهاالورثة" حدیث نقل کر کے تحریر فرمایا ہے کہ "يعني عند وجود وارث آخر"(ج ۵ ص ۴۶۴ کتاب الوصایا رشیدیہ کوئٹہ)۔

اس سے مترشح ہوتا ہے کہ وارث کے لیے وصیت کا عدم نفاذ حق ورثہ کی بنا پر ہے، جب کوئی وارث نہیں ہے تو وصیت کا نفاذ ہونا چاہئے۔

ان عبارتوں کے نقل کرنے کے بعد درمختار میں اس مسئلہ سے متعلق نہایت واضح عبارت درج ذیل نظر آئی:

"لو أوصى لزوجته أو هي له ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية"(ج ۵ ص ۴۶۴ کتاب الوصایا رشیدیہ کوئٹہ)۔

۹- اگر وارث یا غیر وارث کے لیے مرنے والے نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کردی، ورثہ مورث کی زندگی میں اس پر راضی تھے، اور مورث کے انتقال کے بعد اس وصیت پر راضی نہیں ہیں، تو یہ وصیت معتبر نہیں ہوگی، کیوں کہ مورث کی وفات کے بعد ورثاء کی رضامندی معتبر ہوتی ہے اور یہاں اس کا وجود نہیں ہے۔ درمختار میں ہے:

"ولاتعتبراجازتهم حال حياته أصلا بل بعد وفاته وهم كبار. وفي الشامي (قوله :ولاتعتبر الخ) أي لأنها قبل ثبوت الحق لهم لأن ثبوته عند الموت فكان لهم أن يردوه بعد وفاته بخلاف الاجازة بعد الموت، لأنه بعد ثبوت الحق وتمامه في المنح وفي البزازية: تعتبرالاجازة بعدالموت لاقبله هذا في الوصية"(ج ۵ ص ۴۶۰ کتاب الوصایا رشیدیہ کوئٹہ)۔

(اس (مورث) کی زندگی میں ان (ورثہ) کی اجازت کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ اس کی وفات کے بعد جب کہ وہ بالغ ہوں اور شامی میں ہے: (ان کا قول و لاتعتبر الخ) اس لیے کہ یہ ان کے حق کے ثبوت سے پہلے ہے، اس لیے کہ اس کا ثبوت موت کے وقت ہوتا ہے، پس ان کو اختیار ہے کہ وفات کے بعد اس کو لوٹا دیں، برخلاف موت کے بعد کی اجازت کے، اس لیے کہ یہ حق کے ثابت ہونے کے بعد ہے، تمام کی تمام منح میں ہے اور بزازیہ میں ہے کہ موت کے بعد کی اجازت کا اعتبار ہوگا، نہ کہ اس سے پہلے کی، یہ وصیت کے سلسلہ میں ہے)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصیت اور میراث کے کچھ اہم مسائل

مولانا عبید اللہ ☆

حکم شرعی کے اعتبار سے وصیت کی چار اقسام ہیں:

۱-وصیت واجبہ جیسے کہ ودیعت اور دیون مجہولہ کی وصیت، یا حج، کفارہ، فدیہ صوم وصلاۃ یا زکوۃ وغیرہ کی وصیت۔

۲-وصیت مستحبہ: جیسے ورثہ کے علاوہ دیگر اقارب کے لئے یا جہات خیر میں، محتاجین یا اہل علم و اہل اصلاح وغیرہ کے لئے وصیت کرنا۔

۳-وصیت مباحہ: جیسے اجانب (غیر رشتہ دار) اور اقارب میں سے اغنیاء کے لئے وصیت کرنا۔

۴-مکروہ تحریمی: اہل معاصی اور فساق کے لئے وصیت کرنا جبکہ غالب گمان ہو کہ وہ معصیت میں خرچ کرے گا، لیکن اگر ان کے راہ راست پر آنے کی امید ہو تو مکروہ تحریمی نہ ہوگی۔

نیز وصیت کبھی حرام بھی ہوتی ہے، مثلاً کلیسا کی تعمیر یا ترمیم، یا توریت وانجیل کی کتابت کی وصیت، یا شراب کی وصیت، یا کتب ضلال، فلسفہ یا علوم محرمہ کی طباعت وغیرہ کی وصیت، یہ سب حرام ہیں (ردالمحتار ۶/ ۶۴۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۲۱)۔

وارث کے لئے وصیت کے وجوب وعدم وجوب کے بارے میں علماء کی آراء:

اقارب کے لئے وصیت کرنا آیت میراث کے نزول سے قبل واجب تھا، قرآن پاک کی اس آیت کی وجہ سے "كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خيران الوصية للوالدين والأقربين بالمعروف حقا على المتقين" (سورۂ بقرہ: ۱۸۰) (فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو تم میں سے کسی کو موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر)۔

لیکن جب آیت میراث "للرجال نصيب مما ترك الوالدان والأقربون"، نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ

☆ استاذ حدیث وادب دار العلوم ماٹلی والا گجرات۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوگیا، البتہ غیر وارث کے حق میں اس کا استحباب اب بھی باقی ہے، چنانچہ ملا علی قاریؒ حدیث شریف:"**إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث**"(ابوداؤد، کتاب الوصایا رقم: ۲۸۷۰، ابن ماجہ ۲۷۱۳، ترمذی ۲۱۲۰، مشکوۃ کتاب الوصایا ۳۰۷۳)(اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے اب وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے)، اور حدیث"**لا وصية لوارث إلا أن يشاء الورثة**" (مشکوۃ کتاب الفرائض والوصایا ر ۳۰۷۴، تحقیق ناصر الدین الالبانی)(کسی وارث کے لئے وصیت درست نہیں ہے الا یہ کہ دیگر ورثہ اجازت دے دیں) کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:"**فيه إشارة إلى آية المواريث، وكانت الوصية قبل نزول الآية واجبة للأقربين، وهو قوله تعالى: كتب عليكم إذا حضر احدكم الموت......الخ ثم نسخت باية الميراث**"(مرقاۃ المفاتیح ۶ر ۱۸۳)ان احادیث میں آیت مواریث کی طرف اشارہ ہے اور وصیت آیت میراث کے نزول سے قبل اقارب کے لئے واجب تھی، اللہ تعالیٰ کا فرمان:"**كتب عليكم......**" کی وجہ سے، پھر یہ حکم آیت میراث سے منسوخ ہوگیا۔

خلاصہ یہ کہ علماء میں کوئی بھی وارث کے لئے وصیت کے وجوب کا قائل نہیں ہے اور دین وشریعت کے نام پر اس کا وجوب ثابت کرنے کی کوئی گنجائش کسی مدعی اجتہاد کے لئے نہیں ہے بلکہ بقول علامہ زاہد الکوثری: اس طرح کی کوشش مسیلمہ کذاب جیسے دجال کے اتباع کی طرف سے ہی ہوسکتی ہے(مقالات الکوثری رص ۶۲۲، ۶۳)۔

البتہ جواز وعدم جواز کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے جمہور فقہاء کے نزدیک اجنبی کے لئے ثلث سے زیادہ اور وارث کے لئے مطلقا وصیت حرام اور باطل ہے، الا یہ کہ دیگر ورثہ اجازت دے دیں، چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:"**وإنما تبطل الوصية للوارث في قول أكثر أهل العلم من أجل حقوق سائر الورثة فإذا أجازوها جازت كما إذا أجازوا الزيادة على الثلث للأجنبي جاز**"(مرقاۃ ۶ر ۱۸۳)(وارث کے لئے وصیت کرنا اکثر اہل علم کے قول کے مطابق باطل ہے، اس لئے کہ اس سے تمام ورثہ کے حقوق متعلق ہیں، ہاں! اگر وہ اجازت دیدیں تو جائز ہوگا، جیسے کہ وہ اجنبی کے لئے ثلث سے زائد کی اجازت دے دیں تو جائز ہوتا ہے)۔

مالکیہ، اصحاب ظواہر اور امام مزنی فرماتے ہیں؛ اگر ورثہ اجازت دے بھی دیں تو بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے زبانی اس سے منع فرمایا ہے، لہذا ورثہ کو اس کی اجازت کا حق نہ ہوگا، چنانچہ حافظ منذری اور ابو سلیمان خطابی تحریر کرتے ہیں:"**وذهب بعضهم إلى أن الوصية للوارث لا تجوز بحال، وإن أجازها سائر الورثة، لأن المنع منها إنما لحق الشرع، فلو جوزناهالكناقد استعملنا الحكم المنسوخ، وذلك غير جائز، كما أن الوصية للقاتل غير جائز، وإن أجازها الورثة**"(مختصر ابی داؤد للحافظ المنذری، ومعالم السنن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

للخطابی ۴/ ۱۵۰ تحقیق احمد محمد شاکر مصری)(اور بعض علماء کی رائے ہے کہ وارث کے لئے وصیت کسی حال میں درست نہیں ہے، اگر چہ تمام ورثا اجازت دے دیں، کیونکہ منع حق شرع کی وجہ سے ہے، اگر ہم نے اس کو جائز قرار دیا تو گویا کہ ہم نے ایک حکم منسوخ کو استعمال کیا اور یہ درست نہیں ہے، جیسے کہ قاتل کے لئے وصیت جائز نہیں ہے اگر چہ ورثا اس کی اجازت دے دیں)، اگر ورثہ نے اجازت دے دی تو یہ ابتداء عطیہ تصور کیا جائے گا۔

وجہ اختلاف:

ائمہ کے درمیان اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ وارث کے لئے وصیت سے منع ورثہ کے اندر کسی علت کی وجہ سے ہے یا عبادۃ ہے؟ جن فقہاء نے اسے عبادت مانا ہے وہ عدم جواز کے قائل ہیں، اور جنہوں نے ورثہ کے اندر علت مانا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ورثہ کی اجازت سے جائز ہے۔

حدیث "لا وصية لوارث" کا مفہوم اور حکمت:

"عن أبي أمامة قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث" (ابوداؤد کتاب الوصایا رقم: ۲۸۷۰، ابن ماجہ ۲۷۱۳، ترمذی ۲۱۲۰، مشکوۃ کتاب الوصایا ۳۰۷۳)۔

(حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: اللہ تعالی نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے، لہذا وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے)۔

"وعن ابن عباسؓ عن النبي ﷺ قال: لا وصية لوارث إلا أن يشاء الورثة" (مشکوۃ کتاب الفرائض والوصایا ۳۰۷۴) (حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وارث کے لئے وصیت درست نہیں ہے الا یہ کہ ورثا اجازت دے دیں)۔

ان احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ وارث کے لئے وصیت کا نفاذ مطلقاً نہیں ہوگا، موصی بہ کی مقدار خواہ جتنی بھی ہو، الا یہ کہ دیگر ورثا اجازت دے دیں (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۴۸)۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ مرقاۃ میں ان احادیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں: "كان المعنى إن الله هو الذى قسم أنصباء الورثة بنفسه فأعطى بعضنا الكثير وبعضنا القليل وحجب البعض وحرم البعض ولا يعرف حساب ذلك وحكمته لا يعلم الا هو فلا تبدلوا النص بالوصية للوارث" (مرقاۃ ۶/ ۱۸۳) (اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے بذات خود ورثہ کے حصص تقسیم کر دیئے ہیں، چنانچہ ہم میں سے بعض کو زیادہ دیا اور بعض کو کم دیا، بعض کو محجوب کر دیا اور بعض کو محروم کر دیا، اور اس کا حساب وحکمت صرف وہی جانتا ہے، لہذا تم نص کو وارث کے حق میں وصیت کر کے تبدیل نہ کرو)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکمت:

اس کی حکمت یہ ہے کہ بعض ورثہ کو بعض پر بغیر دوسروں کی رضامندی کے، ترجیح دینا آپس میں حسد، بغض، ایک دوسرے سے نفرت اور قطع رحمی وغیرہ کا سبب بنتا ہے۔

۲-اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ "لاو صیة لوارث" کے خلاف نہیں ہے، لہذا وہ حدیث کے معارض ہونے کی بناء پر غیر معتبر اور غیر شرعی قرار نہ پائے گا۔

۳-حدیث نبوی: "لاو صیة لوارث" کا مورد و مقصد صرف وہ وصیت ہے جس سے دوسرے ورثہ کو ضرر پہنچانا مقصود ہو، چنانچہ مفتی شفیع صاحبؒ "غیر مضار وصیة من الله" (سورۂ نساء:۱۲) کی تفسیر میں ضرر کی صورتیں بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: یہ قید اگرچہ صرف اسی جگہ مذکور ہے، لیکن اس سے پہلے جو دو جگہ وصیت اور دین کا ذکر ہے وہاں پر بھی معتبر اور معمول بہ ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ مرنے والے کے لئے وصیت یا دین کے ذریعہ وارثوں کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے، وصیت کرنے یا اپنے اوپر قرض کا اقرار کرنے میں وارثوں کو محروم کرنے کا ارادہ ہونا اور اس ارادہ پر عمل کرنا سخت ممنوع ہے، اور گناہ کبیرہ ہے، دین یا وصیت کے ذریعہ ضرر پہنچانے کی کئی صورتیں ممکن ہیں، مثلاً یہ کہ قرض کا جھوٹا اقرار کرلے، کسی دوست وغیرہ کو دلانے کے لئے، یا اپنے مخصوص مال کو جو اس کا اپنا ذاتی ہے یہ ظاہر کردے کہ فلاں شخص کی امانت ہے تاکہ اس میں میراث نہ چلے، یا ایک تہائی سے زائد مال کی وصیت کرے، یا کسی شخص پر اپنا قرض ہوا اور وہ وصول نہ ہوا ہو، لیکن جھوٹ میں یہ کہہ دے کہ اس سے قرض وصول ہوگیا، تاکہ وارثوں کو نہ مل سکے، یا مرض الوفات میں ایک تہائی سے زیادہ کسی کو ہبہ کردے، یہ صورتیں ضرر پہنچانے کی ہیں، ہر مورث جو دنیا سے جارہا ہے اسے زندگی کے آخری لمحات میں اس طرح کے اضرار سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے (معارف القرآن، سورہ نساء)۔

اور یہاں چونکہ موصی کی نیت تمام ورثہ کو ان کا حق دلانا ہے، اس لئے وہ ممانعت اور اضرار کے دائرے میں نہیں آئے گی، نیز فقہ کا اصول ہے: "الأمور بمقاصدها" (شرح المجلة ۱/۱۷، مادہ:۲) (تمام امور میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے)۔

۴-غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کی درج ذیل شکلیں ہیں:

الف-ایک شکل تو یہی وصیت کی۔

ب-ایسے ممالک میں علماء و مفتیان اور ارباب حل وعقد دار القضا یا شرعی پنچایت کا قیام عمل میں لائیں اور عوام میں تحریک چلائیں کہ وہ اپنے مسائل خصوصاً میراث کے یہیں حل کرائیں۔

ج-با اثر مسلم تنظیمیں ارباب حکومت سے ملاقات کریں، اور انہیں مسئلہ کی نوعیت سمجھائیں اور ان سے یہ منظور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرائیں کہ مسلمانوں میں میراث ان کے مذہب وشریعت کے مطابق تقسیم کی جائے۔

د- ائمہ وخطباء مساجد اور دیگر دینی مجالس ومجامع میں میراث کی اہمیت اور تاکیدی حکم پر بیانات کریں اور میراث کی شرعی تقسیم نہ کرنے پر وعید سنائیں اور عوام میں اس تعلق سے خوف خدا پیدا کریں۔

۵- تمام فقہاء کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا اور کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا ہے، کیونکہ نص قطعی سے یہ مسئلہ ثابت ہے، چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے: "لن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلا" (سورۂ نساء: ۱۴۱)۔

نیز حضور ﷺ نے حدیث میں فرمایا: "لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم" (بخاری کتاب الفرائض باب لا یرث المسلم...... ابوداؤد کتاب الفرائض، باب ہل یرث المسلم الکافر، ترمذی کتاب الفرائض، باب ابطال المیراث بین المسلم والکافر) (مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا) نیز فقہاء نے موانع ارث میں جو چھ چیزیں شمار کرائی ہیں ان میں سے ایک اختلاف دین بھی ہے۔لیکن صحابہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اور تابعین میں سعید بن المسیب، محمد بن الحنفیہ، محمد بن علی بن الحسین، ابوجعفر باقر اور مسروق بن الأجدع، حسن اور علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے، ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- "الاسلام يزيد ولا ينقص" (ابوداؤد کتاب الفرائض ۲۹۱۲، ۲۱۱/۳) (اسلام بڑھتا ہے گھٹتا نہیں ہے)، نیز دوسری حدیث ہے: "الاسلام يعلو ولا يعلى عليه" (اسلام غالب وبلند ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا)۔

۲- ان حضرات نے میراث کو غیر مسلم عورتوں سے نکاح پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح ان کی عورت کو اپنے نکاح میں لانا درست ہے، لیکن اپنی عورتوں کو ان کے نکاح میں دینا درست نہیں ہے، اسی طرح ان سے میراث لے سکتے ہیں، لیکن دے نہیں سکتے۔

۳- نیز انہوں نے اس خون کے قصاص پر بھی قیاس کیا ہے جس کی مکافاۃ نہیں ہوسکتی ہے۔

۴- نیز المجلس الأوربي للفتاوى والبحوث (یوروپی کونسل) نے اپنے چھٹے سمینار منعقدہ آئر لینڈ میں بھی یہی فیصلہ کیا ہے "کونسل کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے غیر مسلم اقرباء کی میراث اور وصیت سے محروم نہ کیا جائے یہ حدیث صحیح "لا يرث المسلم الكافر......" کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کو حربی کافر پر محمول کیا جاسکتا ہے، چنانچہ صدر اسلام میں مسلمان اپنے غیر مسلم اقرباء کی میراث سے محروم نہیں ہوئے، صحابہ میں سے حضرت معاذ بن جبلؓ اور معاویہؓ، تابعین میں سے محمد بن الحنفیہ، ابوجعفر الباقر، اور مسروق بن الأجدع، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن القیم نے بھی اس کو ترجیح دی ہے (مسلم اقلیتوں کے مسائل اور ان سے متعلق معاصر فقہاء کے اجتماعی فیصلے اور فتاوی رص۸۱)۔
راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ سوال نامہ میں مذکور صورتحال کے پیش نظر ان فقہاء معاصر کے فیصلے اور فتاوی پر عمل کرنا درست ہوگا۔

۶-اس سلسلے میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

جمہور فقہاء کے نزدیک یہ تقسیم ورثہ کے لئے لازم نہیں ہے، ان کو اس بات کا اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ قبول کریں چاہے رد کریں، اس لئے کہ اعیان ترکہ کی مالی قیمت کبھی مساوی ہوتی ہے، لیکن اس میں مصلحت متفاوت ہوتی ہے تو جس طرح وارث کے مقدار حق میں اس کے حق کا ابطال درست نہیں، اسی طرح اس حق کے عین میں بھی اس کا ابطال درست نہیں۔

بعض فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ مورث کی طرف سے یہ تقسیم جائز اور درست ہے اور ورثہ کے لئے لازم ہوگا، اگرچہ ان کے مذہب میں بھی اصح رائے سابق ہی ہے، شیوخ حنفیہ کے دو قول میں سے ایک قول یہ بھی ہے اور بعض نے اس پر فتوی بھی دیا ہے، راقم الحروف کی ناقص رائے بھی یہی ہے کہ وصیت کی یہ صورت معتبر اور درست ہوگی۔

۷-ورثہ کی اجازت کی دو شرطیں ہیں:

الف-مجیز اہل تبرع میں سے ہو اور موصی بہ (جس چیز کی وصیت کی گئی ہے) کو جانتا ہو مثلاً عاقل بالغ ہو وغیرہ، لہذا ایسے وارث کی اجازت درست نہیں جو موصی بہ کو نہ جانتا ہو۔

ب-اجازت موصی کی وفات کے بعد ہونی چاہئے، لہذا اگر ورثہ نے موصی کی زندگی میں اجازت دی تو معتبر نہ ہوگی، یا اگر زندگی میں اجازت دی اور بعد وفات رد کر دیا تو رد معتبر ہوگا اور وصیت باطل ہو جائے گی، یہی حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے۔ اس لئے کہ ترکہ کی ملکیت مورث کے انتقال کے بعد ہی ورثہ کے لئے ثابت ہوگی، لہذا ان کی رضامندی وعدم رضامندی اجازت ورد کا بھی اعتبار ثبوت ملک کے بعد ہوگا، چنانچہ علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں:

"ولا تنفع إجازتهم في حال حياته بل لا بد من الإجازة بعد موته، فإذا أجاز واحال حياته كان لهم الرجوع" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۳؍۳۲۰) (موصی کی حیات میں ورثہ کی اجازت معتبر نہ ہوگی، بلکہ موت کے بعد اجازت ضروری ہے اگر ورثہ نے اس کی حیات میں اجازت دے دی تو ان کو رجوع کا حق ہوگا)۔

۸-اس بارے میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

۱-مالکیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ اگر ثلث سے زیادہ کی وصیت کی اور کوئی وارث موجود نہیں ہے تو ثلث میں وصیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحیح ہوگی اور باقی میں باطل ہوگی، کیونکہ اس کا مال (عدم ورثہ کی صورت میں) مسلمانوں کی میراث بن گیا ہے اور ان کی طرف سے کوئی اجازت دینے والا نہیں ہے، لہذا باطل ہوگی۔

۲- حنفیہ کے نزدیک اگر موصی کا کوئی وارث نہیں ہے تو ثلث سے زیادہ کی وصیت بھی درست اور نافذ العمل ہوگی خواہ موصی بہ جمیع مال ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ ثلث سے زائد میں نفاذ وصیت میں مانع یہ امر تھا کہ اس سے ورثہ کا حق متعلق تھا، لہذا بغیر ان کی رضا و اجازت کے وصیت نافذ نہیں ہوسکتی تھی اور صورت مسئولہ میں موصی کا کوئی وارث ہی نہیں ہے، لہذا کسی کا حق ہی متعلق نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس کی وصیت کا اعتبار ہوگا، چنانچہ رد المحتار میں ہے: "حتی لو أوصی لزوجته أو هي له ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية" (ردالمحتار ۶/۶۵۶) (یہاں تک کہ اگر شوہر اپنی بیوی یا بیوی اپنے شوہر کے لئے وصیت کر جائے اور کوئی دوسرا وارث موجود نہ ہو تو وصیت جائز اور درست ہوگی)۔

نیز علامہ عبد الرحمٰن جزیری اپنی کتاب ''کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ'' میں رقم طراز ہیں: "إذا أوصى الرجل لزوجته لكل ما له وليس له وارث سواها فإن الوصية تصح وتأخذ كل المال، ومثله ما إذا أوصت المرأة لزوجها" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۳/۳۲۰)۔

(اگر شوہر اپنی بیوی کے لئے کل مال کی وصیت کرے اور اس کے سوا اس کا کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو وصیت درست ہوگی اور عورت تمام مال کا حقدار ہوگی، اور یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ عورت اپنے شوہر کے لئے وصیت کرے)۔

۹- نہیں، کیونکہ رضامندی و عدم رضامندی، اجازت و رد کا اعتبار موت کے بعد ہوتا ہے، جیسا کہ تفصیل سوال نمبر ۷ میں گذر چکی ہے۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل

مولانا محمد انیس ندوی ☆

علم میراث پر بے شمار نصوص موجود ہیں، بطور نمونہ کے چند نصوص پیش کرتا ہوں:

"یوصیکم الله في أولادکم" (سورۂ نساء:۱۱) اللہ تعالی نے اس آیت میں تقسیم وراثت سے متعلق جو احکام دیئے ہیں ان کو وصیت سے تعبیر فرمایا ہے، وصیت کا صحیح مفہوم عربی زبان میں یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر یہ ذمہ داری ڈالے کہ جب فلاں صورت پیش آئے تو وہ فلاں طریقہ یا فلاں طرز عمل اختیار کرے، اس میں وصیت کرنے والے کی پیش بینی، خیر خواہی اور شفقت کا پہلو بھی مضمر ہوتا ہے اور اس کے اندر ایک عہد اور معاہدے کی ذمہ داری بھی پائی جاتی ہے۔

یہ آیت دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے بلکہ "أم من أمهات الآیات" ہے، کیونکہ فرائض کا علم اس قدر اہم ہے کہ اسے ثلث علم کہا گیا ہے اور بعض روایتوں میں تو نصف العلم بیان کیا گیا ہے، دارقطنی نے حضرت ابوہریرہؓ کے حوالے سے نقل کیا: "أن النبي ﷺ قال: تعلموا الفرائض وعلموه الناس، فإنه نصف العلم وهو أول شئ ینسی وهو أول شیئ ینتزع من أمتي" (حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرائض کا علم سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ بھی، کیونکہ یہ نصف علم ہے، یہی پہلا علم ہے جو سب سے پہلے بھلایا جائے گا اور جسے سب سے پہلے میری امت سے اٹھا بھی لیا جائے گا)۔

ان تمام نصوص سے علم میراث کی اہمیت بخوبی واضح ہو جاتی ہے اور ہمارے ملک ہندوستان میں میراث کی تقسیم کا جو حال ہے وہ کسی صاحب فقہ وفتاوی سے پوشیدہ نہیں ہے اور خاص طور سے والد کے انتقال کے بعد بہنوں کی میراث کا مسئلہ تو بہت ہی کسمپرسی کے عالم میں ہے، کہ بہن نے اگر والد کی میراث سے اپنا حصہ مانگا تو اس کا مقاطعہ کر دیا جاتا ہے، اور حکومت کی طرف سے بھی اس مسئلہ میں کوئی توجہ نہیں دی جاتی بلکہ جن کی نیتیں خراب ہوتی ہیں وہ سرکاری کورٹوں میں وکیلوں کا سہارا لے کر بہنوں، پھوپھیوں کا حصہ ہڑپ کر جاتے ہیں، اور اگر وہ بھی کورٹ میں جا کر اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہیں تو اتنی لمبی

☆ استاذ فقہ جامعہ اسلامیہ انوار العلوم، رحیمیہ مسجد، اورنگ آباد مہاراشٹرا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ بازی ہو جاتی ہے کہ جتنا حصہ ملنا ہوتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ اس مقدمہ بازی میں خرچ ہو جاتا ہے، لہذا لوگ عافیت اسی میں سمجھتے ہیں کہ خاموش ہی رہا جائے، اور آج کل کورٹ میں مقدمہ دائر کرنا بہت ہی تکلیف دہ ہے، لہذا ملک میں ان حالات کے پیش نظر میراث کی عادلانہ تقسیم کی گنجائش بھی ہو، اس کو فراہم کرنا ارباب فقہ وفتاوی کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔

وہ ممالک جن میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمان اگر اپنی زندگی میں ہی ایسا وصیت نامہ تیار کر دیتے ہیں جس سے ان کے گذرنے کے بعد تمام ورثہ کو ان کے حصہ شرعی پورے طور پر مل جائیں اور اس وصیت نامہ سے کسی کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو، بلکہ ان کے درمیان انصاف قائم رکھنا مقصود ہو تو علامہ کاسانی کی یہ حکایت اس مسئلہ میں بڑی چشم کشا ہے:

"أن سليمان بن الأعمش کان مريضا فعاده أبو حنيفة فوجده يوصي لابنيه" (بدائع الصنائع ۶/ ۴۳۳)۔

(سلیمان بن اعمش جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے استاذ ہیں، ایک مرتبہ بیمار تھے، امام صاحب ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے بیٹوں کو وصیت فرما رہے تھے)، اس وقت امام صاحب نے فرمایا کہ آپ کا یہ عمل جائز نہیں ہے، کیونکہ آپ ہی نے ہم سے حضور ﷺ کی یہ حدیث بیان کی ہے "لا وصية لوارث" کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں، اس وقت سلیمانؒ نے فرمایا کہ:

"لو جوزنا الوصية للورثة لکان للموصي أن يوثر بعض الورثة، وفيه إيذاء البعض وإيحاشهم فيؤدي إلى قطع رحم، وإنه حرام، وما أفضى إلى الحرام فهو حرام دفعا للتناقض" (بدائع الصنائع ۶/ ۴۳۳)۔

(حضور ﷺ نے ورثہ کے لئے وصیت کو اس لئے جائز قرار نہیں دیا کہ کہیں وصیت کرنے والے بعض ورثہ کو بعض پر ترجیح نہ دینے لگے، کیونکہ اس کے اندر بعض ورثہ کو تکلیف دینا لازم آئے گا، جو ورثہ کے مابین قطع رحمی کا سبب ہوگا، اور قطع رحمی حرام ہے، اور یہ اصول ہے کہ جو چیز "مفضی إلی الحرام" یعنی حرام تک پہنچانے والی ہو وہ خود بھی حرام ہو جایا کرتی ہے)،

لہذا اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ تیار کرنا جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو نہ تو حدیث "لا وصية لوارث" کے معارض ہوگا اور نہ ہی یہ وصیت اس ممانعت کے دائرہ میں آئے گی، کیونکہ حضور ﷺ نے اس حدیث میں کسی وارث کے حق میں وصیت کرنے سے منع فرمایا ہے، اس کا مقصد اصلا یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی وارث کو وصیت کے ذریعہ سے اس کے شرعی حصہ سے زائد مال نہ دے، کیونکہ اس میں بعض ورثہ کو بعض پر فوقیت دینا لازم آئے گا، جس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے بقیہ ورثہ کو تکلیف بھی ہوگی اور آپس میں نا اتفاقی اور قطع رحمی بھی ہوگی، جو کہ حرام ہے، اسی لئے یہ بات بھی فقہاء نے بیان کی ہے کہ اگر دوسرے ورثہ اس وصیت پر راضی ہیں تو یہ وصیت جائز ہے، کیونکہ جو ممانعت اس حدیث کے اندر بیان کی گئی ہے وہ انہیں ورثہ کے حق کے لئے کی گئی ہے، اگر وہی اجازت دے دیتے ہیں تو اب کوئی دشواری ہی نہیں رہی، اس لئے آپ ﷺ نے ایک حدیث میں یہ بات ارشاد فرمائی: "لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة" (دارقطنی ۴/ ۹۸، ۱۵۲، البیہقی ۶/ ۲۶۳) (کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں الا یہ کہ دوسرے ورثہ اس کی اجازت دے دیں)۔

علامہ کاسانیؒ نے فرمایا: "ولو أوصى لبعض ورثته فأجاز الباقون جازت الوصية، لأن امتناع الجواز كان لحقهم لما يلحقهم من الأذى والوحشة بإيثار البعض، ولا يوجد ذلك عند الإجازة" (بدائع الصنائع ۶/ ۴۴۴) اور فقیہ عبد الرحمٰن بن محمد نے بھی "لا تصح الوصية لوارثه" کی تشریح کرتے ہوئے ممانعت کی مذکورہ علت ہی بیان کی ہے: "لأن بقية الورثة يتأذون بإيثار بعضهم، ففي تجويزه قطيعة الرحم إلا بإجازة الورثة" (مجمع الأنہر ۴/ ۴۱۸)۔

لہذا مذکورہ دلائل کی روشنی میں احقر کی رائے یہ ہے کہ زیر بحث وصیت نامہ جائز ہے، نہ تو اس حدیث کے خلاف ہے اور نہ ہی اس ممانعت میں داخل ہے، کیونکہ اس کا مقصد اس حدیث کے مورد سے ہٹ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام ورثہ کو ان کا شرعی حق مکمل طور پر مل جائے، لہذا یہ وصیت نامہ غیر شرعی نہیں ہوگا۔

۶- اگر کوئی شخص اپنی کسی اولاد کو اس کی کوئی مجبوری دیکھتے ہوئے اس کے حق میں کچھ وصیت کر جائے اور اس کے دوسرے ورثہ اس پر راضی بھی ہوں تو یہ وصیت معتبر ہوگی، لیکن ورثہ کی رضامندی موت سے پہلے معتبر ہوگی یا موت کے بعد؟ اس سلسلے میں علامہ کاسانی نے عام فقہاء کا قول نقل کیا ہے کہ یہ رضامندی موت کے بعد ہی کی معتبر ہوگی، زندگی کی رضامندی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ اگر ورثہ نے زندگی میں رضامندی کا اظہار کیا اور اجازت دے دی تو ان کو موصی کی موت کے بعد اس سے رجوع کرنے کا اختیار رہے گا، چاہیں تو وصیت کے مطابق اس کو زائد مال دیں اور چاہیں تو نہ دیں، لہذا علامہ کاسانیؒ نے فرمایا:

"ثم وقت الإجازة هو بعد موت الموصي ولا تعتبر الإجازة حال حياته حتى أنهم لو أجازوا في حياته، لهم أن يرجعوا عن ذلك بعد موته، وهذا قول عامة الفقهاء رضى الله عنهم" (بدائع الصنائع ۶/ ۴۸۲-۴۸۳)۔

اسی طرح دیگر فقہاء نے بھی یہی بات نقل کی ہے: "ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته" (فتح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

القدیر ۱۰/ ۴۴۸)، "ولا تعتبر إجازتهم حال حياته أصلا بل بعد وفاته" (ردالمحتار ۱۰/ ۳۴۰)۔

لہٰذا مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں احقر کی رائے یہ ہے کہ دوسرے ورثہ کی رضامندی کا اعتبار موت کے بعد ہوگا نہ کہ زندگی میں، کیونکہ وصیت کا تعلق بھی موت کے بعد ہی سے ہوتا ہے۔

اب رہی بات ان لوگوں کے تعلق سے جن کے اولاد یں نہیں ہیں وہ لوگ عام طور پر فکر مند ہوتے ہیں کہ ان کی بیوہ کا حق محفوظ رہے اور وہ دربدر کی ٹھوکریں نہ کھائے، ایسی صورت میں اگر خاوند نے اپنی بیوی کے حق میں اپنے پورے مال کی وصیت کر دی اور بیوی کے سوا اس کا کوئی وارث بھی نہیں ہے، تو یہ وصیت درست ہے اور بیوی پورا مال وصول کرلے گی، یہی حکم اس صورت میں ہوگا جبکہ بیوی اپنے خاوند کے حق میں وصیت کر دے (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ۳/ ۳۰۳)۔

فقیہ عبدالرحمٰن بن محمد نے بھی اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے یہ نقل کیا ہے کہ وارث کے حق میں ہر وہ وصیت درست ہوگی جہاں پر کسی قسم کی مزاحمت و دشواری پیش نہ آتی ہو، "ومفاده صحة الوصية للوارث حيث لا مزاحم" (مجمع الانہر ۴/ ۴۹۷)۔

لہٰذا مذکورہ دلائل کی روشنی میں احقر کی رائے یہ ہے کہ لاولد حضرات دوسرے ورثہ کی عدم موجودگی میں اگر اپنی بیوی کا حق محفوظ رکھنے اور بے سہارا چھوڑنے کے لئے وصیت کر دیں تو بالکل جائز ہے، کیونکہ ہزاروں واقعات ایسے پیش آرہے ہیں کہ شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا اور دربدر بھٹکتی پھرتی ہے۔ اب مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں مرنے والے نے ایک تہائی سے زائد مال کی وصیت کر دی اور اس کی زندگی میں دوسرے ورثہ اس پر راضی ہو گئے تھے تو یہ وصیت درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہر وہ چیز جس کا جواز ورثہ کی اجازت پر موقوف ہو وہ وصیت دوسرے ورثہ کے اجازت دے دینے کے بعد معتبر تو ہو جاتی ہے اس لئے کہ جو چیز اس کے جواز سے مانع تھی وہ ختم ہوگئی جیسا کہ فقیہ عبدالرحمٰن بن محمد فرماتے ہیں: "اعلم أن كل ماجاز بإجازة الورثة يملكه المجاز له من قبل الموصي عندنا والإجازة رفع المانع" (مجمع الانہر ۴/ ۴۹۷)۔

لیکن پیچھے مذکورہ دلائل کی روشنی میں ورثہ کی اس اجازت کا اعتبار موصی کی موت کے بعد کیا جائے گا، کیونکہ اصلا رضامندی کا اعتبار فقہاء نے موت کے بعد کیا ہے، اور مذکورہ مسئلہ میں ورثہ حضرات صرف زندگی میں راضی ہو گئے تھے، لہٰذا احقر کی رائے ان دلائل کی روشنی میں یہ ہے کہ اگر یہ ورثہ صرف زندگی میں رضامند ہو گئے تھے اور موت کے بعد نہیں تو اس کی یہ وصیت معتبر نہیں ہوگی، ہاں اگر موت کے بعد بھی وہ اسی طرح راضی رہے تب تو اس وصیت کا اعتبار کیا جائے گا، اور موصی لہ اپنے حق کا مالک ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے جو بڑی ہی اہمیت کا حامل ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ آج جبکہ لوگ کثرت سے اسلام کی طرف راغب ہورہے ہیں، اور جوق در جوق اسلام میں داخل ہورہے ہیں، ان کے سلسلے میں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر کسی کو پتہ چل جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے سے ہم اپنے والد کے ترکہ سے محروم کردیئے جائیں گے، تو مادیت کے غلبہ سے کم از کم سخت معاشی تنگی کے خوف سے وہ اسلام میں داخل ہونے سے اپنے آپ کو روک لے گا، اور اس وقت تو خاص طور پر ہندوستان میں لوگ ایسے نومسلم شخص سے اپنی لڑکی کی شادی کرنے سے بھی گریز کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سب کچھ ٹھیک ہے اور ہر چیز پسند ہے لیکن ہماری لڑکی اس کے پاس معاشی تنگی سے دوچار ہوگی، اس لئے کہ ہر آدمی یہی چاہتا ہے کہ اس کی لڑکی جہاں رہے راحت و آرام کے ساتھ زندگی گذارے، لہٰذا نومسلموں کا ایک بڑا طبقہ ایسا ہے جن کو لوگ صرف باپ کے ترکہ سے محروم کردیئے جانے کی وجہ سے اپنی لڑکی دینے سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں، ایسی بہت سی مشکلات ہیں جو اسلام قبول کرنے والوں کے لئے پیش آتی ہیں، ان ساری چیزوں کو دیکھ کر وہ اپنے قدم روک لیتا ہے اور بسا اوقات یہ خیال بھی یہ ذہن میں آتا ہے کہ اسلام کی وجہ سے ہم مغلوب ہوجائیں گے۔

یہی واقعہ یمن میں معاذ بن جبلؓ کے سامنے پیش آیا کہ ایک یہودی کا انتقال ہوگیا اور اس نے اپنے ایک مسلمان بھائی کو ترکہ میں چھوڑا، تو معاذ بن جبلؓ نے یہ حدیث بیان فرمائی: "الإسلام یزید ولا ینقص " (رواہ البیہقی فی السنن عن معاذ ہو حدیث حسن، رد المحتار ۱۰/۵۰۵) اور اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ مسلم کافر شخص کا وارث ہوگا اور آپ نے مسلمان کو ایک یہودی کا وارث بنایا، اسی طرح علامہ شامیؒ نے حضرت معاذؓ اور حضرت معاویہؓ اور دیگر فقہاء و محدثین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مسلمان کتابی کافر کا وارث ہوگا: "وقال معاذ و معاویة والإمامیة وحکي ذلک عن محمد بن الحنفیة وابن المسیب ومسروق وإسحاق أنه یرث المسلم من الکافر الکتابي" (رد المحتار ۱۰/۵۰۵)۔

نیز علامہ شامیؒ نے حضور ﷺ کے حوالے سے تین طرح کی روایتیں ذکر فرمائی ہیں:

۱-"الاسلام یزید ولا ینقص"، ۲-"الإسلام یعلو ولا یعلی"، ۳-"نرثهم ولا یرثونهم"۔

پھر اس کے بعد فرمایا کہ تینوں روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسلمان اپنے علو شان اور اپنے بلند مرتبے کی وجہ سے کافر سے زیادہ کا مستحق ہوگا اور یہ مذکورہ احادیث اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ مسلمان ان تمام لوگوں کے وارث ہوں گے جو مذہب میں ان کے مخالف ہوں۔"دلت هذه الروایات الثلاثة علی المسلم لعلو شأنه یستحق أن یکون زائدا عن الکافر، وذلک یقتضي أن یرث المسلم ممن خالفه في الملة" (رد المحتار ۱۰/۵۰۵)۔

نیز بخاری شریف کی یہ روایات "الإسلام یعلو ولا یعلی علیه" (صحیح بخاری ۱/۱۸۰) (اسلام غالب ہوتا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے مغلوب نہیں کیا جائے گا)، ایک تو یہ حدیث ہے اور دوسری طرف اسلام قبول کرنے والوں کو محض اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اس غیر مسلم ملک میں ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اسی حدیث سے قیاس کرتے ہوئے فقیہ عبدالرحمٰن بن محمد نے امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کافر اگر ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے اسلام قبول کرلے تو اس کو وارث بنایا جائے گا، اور حضرت معاویہؓ ومعاذؓ مسلمان کو غیر مسلم کا وارث بنایا کرتے تھے، نیز انہوں نے محمد بن الحنفیہ اور دیگر فقہاء کا بھی یہی قول نقل کیا ہے:"قال أحمد: إذا أسلم الكافر قبل قسمة التركة ورث، وكان معاذؓ و معاوية يورثان المسلم من الكافر وبه أخذ الحسن و محمد بن الحنفية"(مجمع الأنہر ۴/۴۹۷-۴۹۸)۔

لہذا مذکورہ بالا احادیث اور صحابہ وفقہاء کی آراء کی روشنی میں احقر کی رائے یہ ہے کہ مسلمان بھی غیر مسلم کے ترکہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اس کے لئے وہ کوشش بھی کرسکتا ہے۔

اخیر میں ایک سوال اور ہے کہ غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرنے کی مزید کیا شکلیں ہوسکتی ہیں؟ تو احقر کے ذہن میں ایک شکل یہ آرہی ہے کہ آج کل ہندوستان میں "بخشش نامہ" کا عام چلن ہے، خاص کرکے وہ شخص جس کے پاس ایک بیٹی ہے یا دو لڑکے ہیں، لیکن ان میں سے ایک باپ کی بہت خدمت کرتا ہے اور دوسرا قریب نہیں آتا، تو ایسی صورت میں باپ خدمت گذار لڑکے کے لئے بخشش لکھ دیتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ جائداد فلاں بچہ کے نام ہوگی، اور کورٹ میں بھی اس کی ایک اہمیت ہے، لیکن یہ اس کا مناسب استعمال نہیں ہے، اگر اس طریقے کو وارثین کے درمیان صحیح تقسیم کے لئے استعمال کیا جائے تو نہایت موزوں رہے گا، اور عدالتیں بھی اس کو منظور کرتی ہیں۔

خلاصہ:

۱- مسلمانوں کے لئے زندگی میں وصیت نامہ لکھا دینا جائز ہے۔

۲- اس طرح کا وصیت نامہ حدیث "لا وصية لوارث" کے خلاف نہیں ہوگا اور نہ ہی غیر شرعی قرار دیا جائے گا۔

۳- یہ وصیت حدیث نبوی میں ممنوع شدہ قضیہ کے دائرہ میں نہیں آئے گی۔

۴- میں نے "بخشش نامہ" کی ایک شکل بیان کی ہے۔

۵- مسلمان بھی غیر مسلم کے ترکہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اس کے لئے کوشش بھی کرسکتا ہے، جائز ہے۔

۶- مورث کا اپنی اولاد کے درمیان اختلاف پیدا ہونے سے بچانے کے لئے اپنی زندگی ہی میں حصے مقرر کردینا جائز ہے، اور اس کی یہ وصیت معتبر ہوگی۔

۷- دوسرے ورثہ کی رضامندی موت کے بعد معتبر ہوگی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸-اپنی بیوہ کو دوسرے ورثہ کی عدم موجودگی میں وصیت کرنا جائز ہے اور وہ پورے مال کی حقدار ہوگی۔

۹-ایک تہائی سے زائد کی وصیت کرنا دوسرے ورثہ کی رضامندی کے ساتھ جائز ہے، اگر وہ سب موت کے بعد بھی راضی ہیں تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غیر مسلم ممالک میں میراث ووصیت سے متعلق چند احکام

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی ☆

۱-زندگی میں وصیت نامہ:

اپنی زندگی ہی میں اپنے ہر وارث کو اس کا شرعی حق دینے کی وصیت کرنا مستحب وافضل ہے، وہ ممالک جہاں اسلام کا قانونِ میراث رائج نہیں ہے، وہاں اگر اس طرح کا وصیت نامہ تحریر کیا جائے کہ میرے مرنے کے بعد میرے وارث فلاں اور فلاں ہوں گے، اس لئے میرے پورے ترکہ میں فلاں کے اتنے اور فلاں کے اتنے حصے ہوں گے، جو انہیں دے دیئے جائیں، اور اس وصیت نامہ کا مقصد یہ ہو کہ ہر وارث کو اس کا پورا حق حاصل ہو جائے اور کسی پر کوئی ظلم نہ ہو، اس مقصد سے ایسا وصیت نامہ تیار کرنا جائز ہے؛ بلکہ اگر مورث کو غالب گمان ہو کہ بعد میں کچھ ورثہ دوسروں پر ظلم کریں گے تو پھر ایسا وصیت نامہ تیار کرانا مستحب وافضل ہے، البتہ یہ واجب نہیں ہے؛ اس لئے کہ مورث کے مال سے ورثہ کا حق مورث کی موت کے بعد متعلق ہوتا ہے؛ لہٰذا یہ مورث کے ذمہ میں کوئی ایسا حق نہیں ہے جو واجب ولازم ہو، جب کہ وصیت واجب اس حق کی ہوتی ہے جو مرنے والے کے ذمہ میں لازم اور فرض ہو، مثال کے طور پر اگر کسی کے ذمہ نمازیں یا روزے باقی ہوں تو ان کے فدیہ کی وصیت لازم ہوگی۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

”قال بعضهم: إن كان عليه حج أو زكوٰة أو كفارة أو غير ذٰلک من الواجبات فالوصية بذٰلک واجبة، وإن لم يكن فهي غير واجبة؛ بل جائزة“(بدائع الصنائع ۶/ ۴۲۴ زکریا)۔

۲-وصیت نامہ حدیث کے خلاف نہیں ہے:

اس طرح کا وصیت نامہ حدیث نبوی: ”لا وصية لوارث“ کے خلاف نہیں ہوگا؛ بلکہ یہ تو اہل حق کو ان کے حقوق

☆ شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پہنچانے میں تعاون ہے، اور فی الواقع یہ وصیت نہیں؛ بلکہ وارث کو اس کا حق دلوانا ہے۔ بقول امام قرطبیؒ: "وإن أوصی لوارثٍ فإنه یرجع میراثا" (الجامع لأحکام القرآن ۳/۵۰ بیروت)۔

حدیث نبوی: "لا وصیة لوارث" کا مورد و مصداق صرف وہ وصیت ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو اور اس میں دوسرے ورثہ کا نقصان ہو۔ تفسیر مظہری میں ہے:

"ویحرم من الوصیة ما فیه مضار للورثة أو قصد الإضرار بهم" (تفسیر مظہري ۲/۴۵۳ زکریا)۔

۳- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانونِ میراث کو جاری کرانے کی شکلیں:

غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانونِ میراث کو جاری و نافذ کرنے کے لئے ایک تدبیر حکومتی ذمہ داروں سے اس موضوع پر گفت و شنید، اسلام کے قانونِ میراث کے مصالح و حکم کی مؤثر اسلوب میں وضاحت اور اسے قانونی و آئینی حیثیت دیئے جانے کا مطالبہ ہے۔

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ خود مسلم معاشرہ میں اس حوالہ سے بیداری مہم چھیڑی جائے، اسلام کے قانونِ میراث سے مسلمانوں کو باخبر کرایا جائے، بطور خاص بہنوں کے حق میراث میں جو ظلم و حق تلفی مروج ہے، اس کی قباحتوں سے واقف کرایا جائے۔

۴- مسلمان کے غیر مسلم کا وارث ہونے کا مسئلہ:

یہاں مسئلہ کی چار صورتیں ہیں، جن میں ابتدائی تین متفق علیہ ہیں، ان میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۱- مسلمان اپنے مسلمان مورث کا ورث ہوگا، بشرطیکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو۔

۲- غیر مسلم اپنے غیر مسلم مورث کا وارث ہوگا۔

۳- کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔

شامی میں ہے:

"لا نعلم خلافاً بین الفقهاء في أن المسلم یرث من مورثه المسلم ما لم یکن ثم مانع من قتل أو رق أو نحوهما، کما أن الکافر یرث من الکافر علی خلافٍ في أن الکفر کله ملة واحدة أو ملل مختلفة، وأیضاً اتفقوا علی أن الکافر لایرث من المسلم، وذلک المیراث یعتمد الولایة، ولا ولایة بین المسلم والکافر" (شامی ۱۰/۵۰۵ زکریا)۔

۴- جمہور صحابہ و ائمہ اربعہ کے نزدیک کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا۔ اس کی دلیل حضرت اسامہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن زید کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**لا یرث المسلم الکافر**" (صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب لا یرث المسلم الکافر)۔

صحابہ میں سے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما، اور تابعین میں سے حضرت مسروق، ابن الحنفیہ، محمد بن علی بن حسین رحمہم اللہ نے مسلمانوں کو غیر مسلم کا وارث قرار دیا ہے، یہ حضرات حدیث نبوی: "**الإسلام یعلو ولا یعلیٰ**"۔ (الفقہ الإسلامي وأدلتہ ۸/ ۲۶۲، بحوالہ: دارقطنی) اور ارشادِ رسول: "**الإسلام یزید ولا ینقص**" (تکملۃ فتح الملہم ۸/ ۱۴، بحوالہ: ابوداؤد شریف) سے استدلال کرتے ہیں۔

جمہور کی طرف سے ان دونوں حدیثوں کا جواب یہ ہے کہ ان کا تعلق وراثت سے نہیں؛ بلکہ اِن میں سے پہلی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام دلائل وبراہین کے ذریعہ دیگر مذاہب پر ہمیشہ غالب رہے گا کبھی مغلوب نہیں ہوگا۔ بقول ڈاکٹر وہبہ زحیلی: "**ورد علیهم بأن المراد العلو بحسب الحجة أو بحسب القهر والغلبة أي النصرة في العاقبة للمسلمین**" (الفقہ الإسلامي ۸/ ۲۶۲)۔

اور دوسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام میں اس کے متبعین کے ذریعہ عددی اضافہ ہوتا رہے گا، اور مرتدین کے ذریعہ کوئی کمی نہیں آئے گی؛ اس لئے کہ ان کی تعداد کم ہوگی۔ چنانچہ شامی میں ہے:

"**یحتمل أن یکون معناه الإسلام یزید بمن أسلم من المشرکین ولا ینقص بالمرتدین؛ لأنهم قلیلون**" (شامی ۱۰/ ۵۰۵ زکریا)۔

مشہور محدث علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے حضرت معاذ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے اس قول کی یہ تاویل فرمائی ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جب غیر مسلم مورث کا کوئی غیر مسلم وارث موجود نہ ہو۔ ایسی صورت میں غیر مسلم مورث کا مال بیت المال میں جانا چاہئے؛ لیکن ان دونوں صحابہ نے تالیف قلب کے پیش نظر اس کا مال قریبی مسلم قرابت دار کو دینا مناسب سمجھا، یعنی غیر مسلم کا مال مسلمان کو بطور میراث نہیں؛ بلکہ بطور تالیف قلب دیا گیا؛ لیکن پھر جب لوگ اسے میراث ہی سمجھنے لگے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس حکم کے بجائے جمہور کا متفق علیہ حکم صادر فرمادیا (ملاحظہ ہو: تکملہ فتح الملہم ۸/ ۱۴)۔

حاصل یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا، غیر مسلم ممالک میں تالیف قلب کے پیش نظر بھی غیر مسلم مورث کا مال مسلمان کو نہیں دیا جاسکتا۔

سوال نامہ میں جن خدشات: (مثلاً معاشی بدحالی اور مسلمانوں کے مال پر غیر مسلموں کا قبضہ وغیرہ) کا ذکر کیا گیا ہے، وہ عہد رسالت میں بھی موجود تھے، جس کی مثال یہ ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے موقع پر آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ سے پوچھا کہ آپ کہاں قیام کریں گے؟ اس موقع پر بعض صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آبائی گھر کا تذکرہ کیا، تو آپ نے فرمایا کہ کیا عقیل (جو اس وقت تک غیر مسلم تھے) نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا ہے؟ اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا: "لا یرث المؤمن الکافر ولا الکافر المومن" (بخاری کتاب المغازی، باب أین رکز النبی)۔

لہٰذا ان خدشات کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۵-مورث کی طرف سے ورثہ کے حصص کی وصیت:

مورث کی طرف سے اپنی زندگی میں ورثہ کے حصص کی وصیت معتبر اور نافذ ہوگی۔ واضح رہے کہ مورث کی طرف سے زندگی میں ورثہ کے حصے مقرر کرنے کی دو شکلیں ہیں:

۱-اجمالی:- مثلاً یہ طے کر دینا کہ میرے ورثہ میں فلاں کا نصف، فلاں کا ثلث، فلاں کا ربع وغیرہ ہے، یہ شکل جائز ہے؛ بلکہ بعد میں اگر کچھ ورثہ کی طرف سے کچھ کی حق تلفی کا خدشہ ہو تو افضل و مستحب ہے۔

۲-تفصیلی:- مثلاً یہ طے کر دینا کہ میرے ترکہ اور جائیداد میں فلاں کی یہ زمین اور یہ مکان ہے، اور فلاں کی یہ جائیداد اور مکان ہے، یہ شکل بھی جائز ہے، بشرطیکہ تمام ورثہ کے حصوں میں تناسب باقی ہو، اور ہر وارث کو اس کے حق کی مالیت کے برابر حصہ حاصل ہو رہا ہو۔ اس کی تفصیل ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے لکھی ہے (ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۹۶-۹۷)۔

البتہ یہ وصیت مورث کے ذمہ واجب نہیں ہے، اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں وہ گنہگار نہیں ہوگا۔

۶-زندگی میں کسی ایک وارث کے لئے وصیت کا مسئلہ:

اگر کسی شخص نے اپنی زندگی میں اپنے ورثہ میں سے کسی ایک کے لئے کسی خاص وجہ (خدمت یا مجبوری وغیرہ) سے وصیت کر دی، اور دیگر وارثوں سے اس وصیت پر رضامندی کے دستخط کرا لئے تو یہ کافی نہیں ہے؛ بلکہ مورث کی موت کے بعد تمام ورثہ کی طرف سے اس کی اجازت ضروری ہے؛ اس لئے کہ مورث کی موت کے بعد ہی اس مال سے ورثہ کا حق متعلق ہوگا، مورث کی زندگی میں اجازت ورضامندی حق کے ثابت ہونے سے پہلے کا عمل ہے، جو کافی نہیں ہے۔ شامی میں ہے:

"ولا تعتبر أي لأنها قبل ثبوت الحق لهم؛ لأن ثبوته عند الموت فكان لهم أن يردوه بعد وفاته بخلاف الإجازة بعد الموت؛ لأنه بعد ثبوت الحق، وتمامه في المنح، وفي البزازية: تعتبر الإجازة بعد الموت لا قبله هذا في الوصية" (ردالمحتار ۱۰/۳۴۰ زکریا)۔

۷-بیوی کے لئے وصیت کا مسئلہ:

مرنے والے شخص کا کسی اور وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں اپنی بیوہ کے لئے اس کے اصل حصہ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علاوہ بقیہ مال کی وصیت جائز و درست ہے۔

درمختار میں ہے: "حتى لو أوصى لزوجته ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية" (درمختار مع ردالمحتار ۱۰/۳۴۷)۔

۸- ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت:

اگر مرنے والا وارث یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کردے اور اپنی زندگی میں دوسرے ورثہ سے اجازت اور رضامندی بھی حاصل کرلے، تو بھی موصی کے مرنے کے بعد یہ وصیت معتبر نہ ہوگی، الا یہ کہ تمام ورثہ دوبارہ اجازت نہ دے دیں۔ شامی میں ہے: وفي البزازية: "تعتبر الإجازة بعد الموت لا قبله هذا في الوصية" (ردالمحتار ۱۰/۳۴۰ زکریا)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث و وصیت سے متعلق بعض مسائل

مولانا محمد جہانگیر حیدر قاسمی ☆

۱- عرب میں ظہور اسلام سے پہلے اظہار فخر ومباہات کے لئے لوگ اقارب ورشتہ داروں کو چھوڑ کر اجنبی لوگوں کے حق میں اپنے مال وجائداد کی وصیت کیا کرتے تھے، مگر اسلام نے دیگر شعبوں کی طرح اس شعبہ کی بھی اصلاح کی اور ابتداء میں اولاد، والدین اور خویش واقارب کے حق میں پورے مال کی وصیت کو ضروری اور واجب قرار دیا اور قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

"کتب علیکم إذا حضرأحدکم الموت إن ترک خیرا الوصیة للوالدین والأقربین بالمعروف حقا علی المتقین" (سورۂ بقرہ:۱۸۰)۔

پھر جب آیت میراث نازل ہوئی اور ورثین کے حقوق کی تفصیلات ذکر کی گئیں تو وارثین کے حق میں بلا اجازت ورثہ اور اجنبی کے حق میں ثلث مال سے زائد کی وصیت کو ممنوع قرار دیا گیا۔

حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے اعلان فرمایا: "إن اللہ قد أعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیة لوارث" (ترمذی ۲/۳۵۹)۔

ایک دوسری حدیث ہے: "لا تجوز وصیة لوارث إلا أن یشاء الورثة" (نسائی/۱۱۳)۔

حضرت سعد بن وقاصؓ نے جب محض اکیلے بیٹے ہونے کی وجہ سے اپنے مال میں کل یا نصف کی وصیت کرنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "الثلث" ایک تہائی مال کی وصیت کرو اور تہائی وصیت ہے (صحیح بخاری ۱/۳۸۳ کتاب الوصایا)۔

یعنی ایک تہائی سے زائد حصہ ورثہ کا حق ہے، لہذا اس میں ان کی اجازت کے بغیر وصیت درست نہیں ہوگی۔

"اما الزائد عن الثلث فھو من حق الورثة لا ینفذ تصرف المورث فیہ إلا لموافقتھم ورضاھم" (الفقہ الاسلامی وادلتہ/ص ۸)۔

☆ شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ انوار الہدیٰ حیدرآباد۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح اجنبی اور غیر وارث کے لئے ثلث مال میں وصیت کرنے کی اجازت باقی رہی اور وہ حضرات جو قلیل العیال اور کثیر المال ہوں، ان کے لئے وصیت مندوب ومستحب ٹھہری، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"إن الله تبارک و تعالی تصدق علیکم بثلث أموالکم فی آخر أعمارکم زیادة علی أعمالکم فضعوه حیث شئتم" (أخرجہ احمد ۶/۴۴۱ والبیہقی ۶/۲۶۹ کتاب الوصایا بالثلث، والدارقطنی ۴/۱۵۰، ابن ماجہ فی الوصایا، باب الوصیة بالثلث)۔

مگر ورثہ کے حق میں وصیت کو اصولی طور پر ممنوع قرار دیا گیا کہ ان کے حقوق شریعت میں متعین کر دیے گئے ہیں، اور جواز کی یہ شرط رکھی گئی کہ دیگر ورثہ اس کی اجازت دیں اور کسی وارث کے حق میں وصیت سے اتفاق کریں، تا کہ انہیں ضرر نہ پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث" (رواہ الخمسة الا ابا داؤد عن عمرو بن خارجة وصححہ الترمذی، ورواہ الخمسة الا النسائی عن ابی أمامة، نیل الاوطار ۶/۳۹-۴۰)۔

ایک اور حدیث میں ہے: "لا تجوز وصیة لوارث إلا أن یشاء الورثة" بالفاظ دیگر "لا وصیة لوارث إلا أن یجیز الورثة" (رواہما الدارقطنی، الاول عن ابن عباس والثانی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، نیل الاوطار ۶/۴۰)۔

مذکورہ بالا احادیث کی بنیاد پر فقہاء نے ورثہ کے حق میں ثلث یا ثلث سے زائد اور غیر وارثین کے حق میں ثلث سے زائد کی وصیت کو باقی ورثہ کی اجازت سے درست قرار دیا ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"یشترط لنفاذ الوصیة أن لا یکون الموصی له وارثا للموصی عند موت الموصی اذا کان هناک وارث آخر لم یجز الوصیة ، فإن أجاز بقیة الورثة الوصیة لوارث نفذت الوصیة فتکون الوصیة للوارث موقوفة علی إجازة بقیة الورثة......لأن فی إیثار بعض الورثة من غیر رضا الآخرین مایؤدی إلی الشقاق والنزاع وقطع الرحم واثارة البغضاء والحسد بین الورثة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۴۱)۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ اجنبی لوگوں کے حق میں ثلث مال سے زائد کی وصیت اور کسی وارث کے حق میں مطلق وصیت کی صورت میں دوسرے ورثہ متاثر ہوتے ہیں، ان میں شقاق ونزاع، باہمی چپقلش، قطع رحم اور بغض و حسد کا ماحول پیدا ہوتا ہے، اس لئے بلا رضامندی ورثہ اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

اور اگر ورثہ کی رضامندی حاصل ہو تو مورث کے لئے ثلث مال سے زائد یا کسی وارث کے حق میں وصیت جائز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوگی، کیونکہ اس صورت میں عدم جواز کی مذکورہ بالا وجوہات نہیں پائی جاتیں اور فقہاء کا اصول ہے: "إذا زال المانع عاد الممنوع"۔

لہذا جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے اور حکومتی سطح پر اسے نافذ کرنے کی کوئی سبیل بھی نہیں ہے تو وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھا دینا (تا کہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں) جائز ہوگا خواہ ورثہ راضی ہوں یا نہ ہوں، کیونکہ اس وصیت نامہ کا مقصد ورثہ کو ان کا جائز حق دلانا ہے نہ کہ انہیں محروم کرنا اور نہ ہی ضرر پہنچانا اور وقت کی ضرورت بھی ہے "وتصح وصية لكل وارث بمعين بقدر إرثه ولو لم تجز الورثة" (التوضیح فی الجمع بین المقنع والتنقیح ۲/ ۸۵۳)۔

علامہ کاسانیؒ جواز وصیت کی مصلحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وهذه العقود ماشرعت إلا لحوائج العباد فإذا مست حاجتهم الى الوصية وجب القول بجوازها" (بدائع ۶/ ۴۲۳)۔

عدم وصیت کی صورت میں یہ ممکن ہے کہ ورثہ مورث کی وفات کے بعد اسلامی قانون میراث کے مطابق ترکہ باہم عدل وانصاف سے تقسیم کرلیں، اس لئے مذکورہ صورت کو واجب بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

رہا یہ سوال کہ مورث کی وفات کے بعد اس طرح کا وصیت نامہ ورثہ کے حق میں لازم ہوگا یا نہیں، تو جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ اگر موت کے بعد وصیت سے حاصل مقدار میراث کل مالیت اور مصالح میں فرق نہ آئے یا ترکہ کا تعلق دین سے ہوتو بین الورثہ یہ وصیت لازم ہوگی ورنہ ورثہ کو اختیار ہوگا کہ وہ اسی تقسیم کو قبول کریں یا حق میراث کے مطابق بلحاظ مالیت دوبارہ تقسیم عمل میں لائیں (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۹۶)۔

اس کے برعکس بعض شافعیہ، بعض حنابلہ اور کچھ حنفیہ کی رائے ہے کہ مورث کی یہ تقسیم بطریق وصیت جب عدل و انصاف پر مبنی ہے اور اسلامی قانون میراث سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے تو ورثہ کے حق میں لازم ہوگی اور ان کی رضامندی ضروری نہ ہوگی۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے لکھا ہے کہ مصر وشام کے ملکی قانون میں اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے، اور بعض حنفیہ نے اسی پر فتوی دیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۹۶-۹۷)۔

لہذا احقر کی رائے ہے کہ فی زمانہ عام طور پر ترکہ کا تعلق دین وعین دونوں سے ہوتا ہے اور تقسیم کے عمل میں مالیت کی ہی رعایت ہوتی ہے، اس لئے یہ تقسیم ورثہ کے حق میں لازم ہونا چاہئے تا کہ جس اختلاف ونزاع کے سد باب کے لئے یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صورت اختیار کی گئی ہے پھر اس کی نوبت نہ آئے۔

۲- وارث کے حق میں وصیت کی ممانعت اس پس منظر میں ہے کہ ورثہ کے حقوق شریعت مطہرہ نے آیت میراث میں بیان کر دیے ہیں، اور اب وصیت کی حاجت نہیں رہ جاتی پھر بھی وصیت کرنا کسی وارث کو باقی ورثہ پر بلا وجہ ترجیح دینا اور دوسروں کی حق تلفی ہے، عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے: "الإضرار في الوصية من الكبائر" (رواہ الدار قطنی بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۱۱)۔

لہذا ورثہ کے حق میں ایسی وصیت جس کا مقصد شرعی حصص کے مطابق ورثہ کو حقوق دلانا ہو، حدیث "لا وصية لوارث" کے خلاف و معارض نہیں ہے۔

بطور خاص جب کہ حدیث میں اس صورت کا استثناء ہے کہ مورث اگر کسی وارث کے لئے زائد مال کی وصیت کرے اور باقی ورثہ راضی ہوں تو یہ درست ہے، حدیث کے الفاظ ہیں: "لا تجوز وصية لوارث الا أن يشاء الورثة"، "لا وصية لوارث إلا ان يجيز الورثة" (نیل الاوطار ۶/۴۰)۔

تو جب زائد نہیں بلکہ واجب حقوق کے لئے وصیت کی جائے تو یہ بدرجہ اولی ممنوع صورت سے مستثنی ہوگی۔

۳- حدیث: "لا وصية لوارث" کا مقصد و مورد صرف وہ وصیت ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو اور اس کے لئے دوسرے ورثہ راضی نہ ہوں، وہ وصیت اس ممانعت کے دائرے میں نہیں آتی جس کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہو، "وتصح وصية لكل وارث بمعين بقدر إرثه ولو لم تجز الورثة" (التوضیح فی الجمع بین المقنع والتنقیح ۲/۸۵۳)۔

یا ورثہ کی رضامندی سے کسی خاص وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال دلانا ہو، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "لا وصية لوارث الا أن يجيز الورثة" (نیل الاوطار ۶/۴۰)۔

صاحب بدائع تحریر فرماتے ہیں: "ولو أوصى لبعض ورثته فأجاز الباقون جازت الوصية، لأن امتناع الجواز كان لحقهم لما يلحقهم من الأذى والوحشة بإيثار البعض ولا يوجد ذلك عند الإجازة" (بدائع الصنائع ۶/۳۳۴)۔

یا کسی اور وارث کی عدم موجودگی میں ایک ہی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال دلانا ہو۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"ومنها التقدير بثلث المال إذا كان هناك وارث، ولم يجز الزيادة فلا تجوز الزيادة على

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الثلث الاباجازة الوارث الذی ھو من أھل الاجازة"(بدائع ۶/۴۸۱)۔

"اذا کان ھناک وارث" کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا وارث نہ ہو کہ جس کی حق تلفی کا امکان ہو تو مورث اس تنہا وارث کے لئے اس کے حصہ شرعی سے زائد یا ایک بھی وارث نہ ہونے کی صورت میں غیر وارث کے لئے ثلث سے زائد یا جمیع مال کی وصیت کرسکتا ہے، چنانچہ صاحب بدائع تحریر فرماتے ہیں:

"وان لم تکن له وارث أصلا تصح من جمیع المال......لأن امتناع الزیادة علی الثلث لحق الورثة"(بدائع ۶/۴۳۰)۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرانے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً:

۱- ہندوستان کی طرح وہاں بھی مسلم پرسنل لا کو قانونی طور پر تسلیم کرلیا جائے۔

۲- قانون میراث کے مطابق ورثہ کے حق میں وصیت کردی جائے۔

۳- علماء و ارباب حل و عقد مسلمانوں کی اس بابت کی کونسلنگ کریں تاکہ ان میں اسلامی قانون میراث کو رضاکارانہ طور پر تسلیم کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا صادق جذبہ بیدار ہو۔

۴- ایسے ممالک کے علماء اپنے طور پر مسلم پنچایتیں تشکیل دیں، امیر المسلمین اور قضاۃ کا انتخاب کریں اور مسلمانوں کو ان شرعی پنچایتوں سے رجوع ہونے کی تلقین کریں تاکہ قانون میراث کے مطابق ورثہ میں ترکہ کی تقسیم آسان ہو۔

۵- ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا اور کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، اس میں کوئی تفصیل نہیں کہ مورث یا وارث خاندانی اور پشتینی مسلمان ہو یا وہ ابھی نئے مسلمان ہوں، حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" (رواہ الجماعۃ الا النسائی عن اسامہ بن زید، نیل الاوطار ۶/۷۳)۔

ایک دوسری حدیث ہے: "لا یتوارث اھل ملتین شتی" (رواہ احمد وابوداؤد، ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو، والترمذی مثلہ عن جابرؓ، نیل الاوطار ۶/۷۳)۔

فقہاء نے مذکورہ بالا احادیث اور مسلمان اور غیر مسلم کے بیچ عدم موالاۃ کی وجہ اس رائے کو راجح قرار دیا ہے اور فی زمانہ مصر و شام کے عدالتی قانون میں بھی اسی رائے کو قبول کیا گیا ہے، علامہ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: "وھذا ھو الراجح، لأن الولایة منقطعة بین المسلم والکافر، وبه أخذ القانون المصری(م۶) والقانون السوری(م۲۶۴)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لاتوارث بین مسلم و غیر مسلم"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۲۶۳)۔

لہذا غیر مسلم ممالک میں اگر ایسا قانون کام کرتا ہے کہ مسلمان مورث کے ترکہ سے غیر مسلم رشتہ دار کو حق میراث دیا جاتا ہے، تو اس پر مسلمان ورثہ قانونی اضطرار کے سبب مسئول وماخوذ نہیں ہوں گے، اور نہ ہی ان پر شرعی احکام کی خلاف ورزی کا الزام آئے گا، انہیں اپنے ساتھ ہوئی زیادتی پر صبر کرنا چاہئے۔

رہا یہ مسئلہ کہ قانونی طور پر مسلمان بھی غیر مسلم مورث کے ترکہ سے حصہ پا جاتا ہے، تو اس بارے میں میری رائے یہ ہے کہ مسلمان کے لئے میراث کا مطالبہ اور اس کے لئے قانونی کوشش کرنا درست نہ ہوگا، کیونکہ یہ صریح حدیث اور جمہور کی رائے کے خلاف ہے، محض اس وجہ سے کہ مسلمان کے ترکہ سے غیر مسلم کو حق دیا جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ غیر مسلم کے ترکہ سے مسلمان کے حصہ نہ لینے کی صورت میں کسی غیر مسلم وارث کو یہ حصہ مل جائے گا، مسلمان کے لئے غیر مسلم کے ترکہ سے قانونی طور پر حصہ کا مطالبہ جائز نہیں ہوسکتا۔

جہاں تک ان حضرات کا سوال ہے جو دامن اسلام سے وابستہ ہو چکے ہیں اور معاشی تنگی کا سامنا کر رہے ہیں یا وہ اسلام کی طرف راغب ہیں، مگر اقتصادی بدحالی کے خوف سے پریشان ہیں تو دراصل یہی ان کے لئے امتحان وآزمائش کی مشکل گھڑی ہے، جس پر صبر وشکر کرنا اور حالات سے مقابلہ کرنا ہی حقیقی کامیابی ہے، اسی طرح اس قسم کے لوگوں کو سہارا دینا اور ان کے دکھ درد کو بانٹنا ملت کے صاحب ثروت افراد کا مذہبی واخلاقی فریضہ ہے، یہ ذمہ داری ان حکومتوں کی بھی ہے جو اسلام کا دم بھرتی ہیں اور قدرت کے خزانے ان کے لئے خوب کھلے ہیں، الحمدللہ بعض مسلم ممالک اس سمت میں بے حد جوش وخروش سے کوشاں اور میدان عمل میں سرگرداں ہیں۔

لہذا ان حالات میں مسلمان کے لئے غیر مسلم کے ترکہ سے حصول میراث کی کوشش کو درست نہیں ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

البتہ ملک کا قانون یا دیگر ورثہ خود دیں تو اسے قبول کرنے کی گنجائش ہے کہ یہ ہبہ کی صورت ہے بطور خاص اس پس منظر میں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ، معاویہ ابن ابی سفیانؓ، حسن بن علیؓ، محمد بن حنفیہؒ، محمد بن علی بن حسینؒ اور مسروقؒ نے مسلمان کو غیر مسلم کا وارث قرار دیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۲۶۳)۔

۶- شریعت میں کسی وارث کے لئے وصیت، باقی ورثہ کی اجازت کے بغیر اس لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے ورثہ کے درمیان ناانصافی ہوگی اور بعض کو بعض پر فوقیت دینا ہوگا، جس سے ورثہ کے بیچ بغض وحسد اور عداوت ودشمنی پیدا ہوگی اور یہ قطع رحم کا باعث ہوگا جو حرام ہے، علامہ کاسائیؒ تحریر فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"ولأ نالوجوزنا الوصية للورثة لكان للموصي أن يؤثر بعض الورثة وفيه ايذاء البعض وايحاشهم فيؤدي الى قطع الرحم وإنه حرام، وما أفضى الى الحرام فهو حرام دفعاللتناقض" (بدائع ۶/ ۳۳۴)۔

لہٰذا کسی وارث کے حق میں ایسی وصیت جس پر باقی ورثہ راضی ہوں یا تمام ورثہ کے حق میں ایسی وصیت جو تقسیم میراث کے طریقہ پر ہو اور جس کا مقصد کسی وارث کو محروم کرنا یا ضرر پہنچانا نہ ہو بلکہ ان کے درمیان انصاف قائم کرنا اور آپسی اختلاف ونزاع اور زور وبالادستی کا خاتمہ ہو "لاوصية لوارث" کی ممانعت سے مستثنی ہے۔

پس مورث کا زندگی ہی میں میراث کے تناسب سے ورثہ کے لئے حصے مقرر کردینا تاکہ موت کے بعد اسی نہج پر ترکہ کی تقسیم عمل میں آئے درست ہوگا۔

اس طرح کی وصیت کے جواز میں تو کوئی کلام نہیں، لیکن مورث کی وفات کے بعد ورثہ کے حق میں اس وصیت کے لزوم وعدم لزوم کی بابت فقہاء نے اختلاف کیا ہے، جس کی پوری تفصیل سوال نمبر ا کے جواب میں گذر چکی ہے۔

۷- اگر کسی شخص نے اپنی کسی اولاد کے حق میں تمام ورثہ کی رضامندی سے وصیت نامہ تحریر کردیا اور اس پر تمام ورثہ سے دستخط لے لئے، لیکن ہبہ نہیں کیا تو مورث کی موت کے بعد یہ وصیت معتبر نہیں ہوگی، الا یہ کہ باقی ورثہ اس سے اتفاق کریں، یعنی مورث کی زندگی میں ورثہ کے قبول ورد کا اعتبار نہیں ہوگا، اصل اعتبار موت کے بعد کی رضامندی کا ہے۔

"ولا تعتبر إجازة الورثة في حال حياة الموصي حتى كان لهم أن يرجعوا بعد موت الموصي" (مجمع الانہر ۴/ ۴۱۹)۔

۸- ایک تہائی سے زائد کی وصیت کے عدم جواز کی وجہ ورثہ کے حقوق کا تحفظ ہے، لہٰذا ورثہ کی رضامندی سے یا وارث نہ ہونے کی صورت میں تہائی سے زائد یا جمیع مال کی وصیت اجنبی کے حق میں درست ہے، تو بدرجہ اولی بیوی کے حق میں صحیح ہوگی، کہ اسے اکیلے وارث ہونے کا شرف حاصل ہے۔

"وإن لم يكن له وارث أصلا تصح من جميع المال......لأن امتناع الزيادة على الثلث لحق الورثة" (بدائع ۶/ ۴۳۰)۔

۹- اگر مرنے والے نے وارث یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کردی تو یہ اس شرط پر صحیح ہوگی کہ مورث کی موت کے بعد باقی ورثا اسے منظور کریں اور اس کی تصدیق کریں، خواہ زندگی میں انہوں نے اسے قبول کیا ہو یا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ کیا ہو۔

”وفی أکثر من الثلث لا یجوز إلا بإجازۃ الورثة“ (مجمع الانہر ۴/ ۴۹۵)۔

ورثا اگر مورث کی زندگی میں رضامند ہو جائیں تو شرعا اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور ضروری ہوگا کہ مورث کی موت کے بعد ورثا اسے قبول کریں ورنہ وصیت غیر معتبر ہوگی۔

”ولا تعتبر إجازۃ الورثة فی حال حیاۃ الموصی حتی کان لهم أن یرجعوا بعد موت الموصی“ (مجمع الانہر ۴/ ۴۱۹)۔

☆☆☆

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

غیر مسلم ممالک میں میراث ووصیت سے متعلق بعض مسائل

مفتی جنید بن محمد پالنپوری ☆

۱- جن ممالک میں اسلام کا قانونِ میراث جاری نہیں ہوتا بلکہ حکومت کے اپنے قوانین بنائے ہوئے ہوتے ہیں، مثلاً میت کی صرف مذکر اولاد میراث کی حقدار ہوگی اور مؤنث اولاد کو محروم کر دیا جائے یا یہ کہ میت کی اولادِ صلبیہ نہ ہونیکی صورت میں اس کی ملکیت کا متعین حصہ حکومت اپنی ملک میں لے لیتی ہو، البتہ اگر میت نے وصیت کر دی ہوتو اس کی وصیت کے مطابق ملکیت تقسیم ہونے کا قانون ہو کہ مؤنث اولاد کو بھی وصیت کی صورت میں حق ملتا ہو اور حکومت قبضہ نہ کر کے وصیت کے مطابق عمل کرتی ہو تو ایسے ممالک میں مورث کے ذمے اپنے ورثاء کے حقوق کی حفاظت کی خاطر شرعی حصصِ میراث کے اعتبار سے وصیت کر جانا ضروری معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ اس کے ذمے باقی رہ جانے والے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی وصیت واجب ہے اور جیسا کہ شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک اولادِ صغار کے موجود ہوتے ہوئے کسی اجنبی کے لئے وصیت نہ کرنا افضل ہے، نیز امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اولاد بڑی ہوں اور مال کم ہوتو بھی اجنبی کے لئے وصیت نہ کرنا مناسب ہے کہ حدیث کی رو سے ان کے حقوق کی حفاظت اور ان کو غنی چھوڑنا بہت بہتر ہے ان کو فقیر اور تنگدست چھوڑنے سے۔

"في البدائع :الوصية بما عليه من الفرائض و الواجبات كالحج و الزكوة و الكفارات واجبة اهـ.... وفي المواهب تجب على مديون بما عليه لله تعالى او للعباد ....الخ" (شامی، کتاب الوصایا ۵/ ۶۸ ۵)۔

"و في الخانية :إذا أراد الرجل أن يوصى و له أولاد صغار عن أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما الله إن ترك المال لاولاده يكون أفضل، ولو كان الاولاد كبارا و المال قليل، قال ابو حنيفة رحمه الله: لا ينبغي له ان يوصى " (الفتاوی التاتارخانیۃ ۱۹/ ۳۶۸، ۳۶۹)۔

☆ خادم دار الافتاء والارشاد، مدرسہ انوارِ محمدی، اسکوائرس کالونی، ملاڈ، ممبئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واضح رہے کہ وصیت نامے میں شرعی حصصِ میراث بیان کر کے ایک شق ضرور تحریر کی جائے کہ اس وصیت نامہ میں بیان کردہ حصصِ شرعیہ کی تائید و تصدیق کسی اہلِ سنت والجماعت سے منسلک دارالافتاء سے جو کتاب و سنت اور فقہی اصول کی روشنی میں جوابات جاری کرتا ہو، سے کروانے کے بعد ہی اس وصیت کا نفاذ کیا جائے۔

۲- شروع اسلام میں جب تک میراث کے حصے شرع سے مقرر نہ ہوئے تھے، یہ حکم تھا کہ ترکہ کے ایک ثلث میں مرنے والا اپنے والدین اور دوسرے رشتے داروں کے لئے جتنا جتنا مناسب سمجھے وصیت کر دے، اتنا تو ان لوگوں کو حق تھا باقی جو کچھ رہتا وہ سب اولاد کا حق ہوتا تھا، مندرجہ ذیل آیت میں یہ حکم مذکور ہے: "کتب علیکم إذا حضر أحدکم الموت إن ترک خیراً الوصیة للوالدین و الأقربین بالمعروف حقاً علی المتقین" (سورۃ البقرۃ:۱۸۰)۔

بعد میں جب آیتِ میراث نازل ہوئی تو یہ حکم ختم ہو گیا، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت میں اس کی یہ تفصیل ہے کہ آیاتِ میراث نے ان لوگوں کی وصیت کو منسوخ کر دیا جن کا میراث میں حصہ مقرر ہے، دوسرے رشتہ دار جن کا میراث میں حصہ نہیں ان کے لئے حکمِ وصیت اب بھی باقی ہے (جصاص، قرطبی، معارف القرآن ج ا ص ۴۳۸، ۴۳۹ ملخصاً)۔

"عن ابن عباسؓ قال: کان المال للولد و کانت الوصیة للوالدین فنسخ اللہ من ذلک ما أحب فجعل للذکر مثل حظ الأنثیین، و جعل للابوین لکل واحد منھما السدس و جعل للمرأۃ الثمن و الربع و للزوج الشطر و الربع" (صحیح البخاری)۔

(حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شروع میں مال اولاد کا ہوا کرتا تھا اور وصیت والدین کے لئے ہوا کرتی تھی، یعنی یہ حکم تھا کہ جو کچھ بھی بچے گا وہ اولاد میں تقسیم ہوگا اور اگر مرنے والا چاہے تو والدین کے حق میں کچھ وصیت کر جائے، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس میں سے جو چاہا منسوخ فرما دیا، اب آگے مستقل یہ اصول بیان کر دیا کہ "للذکر مثل حظ الانثیین" با قاعدہ فرائض مقرر کر دیے گئے۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ فرائض کے نازل ہونے سے یہ حکم منسوخ ہو گیا) (انعام الباری ج ۷ ص ۱۰۰)۔

ترمذی کی روایت ہے: "إن اللہ أعطی لکل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث" (اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر ایک حق والے کو اسکا حق دے دیا ہے، اس لئے اب کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں) (ترمذی)۔

صورت مسئولہ میں وارثین کے لئے ان کے شرعی حق میراث کی بہ قدر وصیت نامہ تحریر کروانا گویا آیاتِ میراث پر عمل کروانے کی وصیت ہے جو فی نفسہ مندوب عمل ہے اور اس سے ورثاء کے حقوق کی حفاظت بھی ہے، لہذا یہ عمل حقیقی اور معنوی اعتبار سے "لا وصیة لوارث" کے خلاف نہیں ہے اور اس حدیث کے معارض سمجھ کر غیر معتبر نہیں کہا جائیگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳- حدیث "لا وصیة لوارث" کا مورد اور مقصد صرف وہ وصیت ہے جو آیاتِ میراث میں بیان کردہ شرعی حصص کے خلاف ہو، کیونکہ آیاتِ میراث کے نزول سے حق تعالیٰ نے تمام ورثاء کے حقوق متعین طور پر بتلا دیئے، اب آیاتِ میراث میں بیان کردہ شرعی حصص کے خلاف وارث کے لئے وصیت معتبر نہ ہوگی۔

البتہ اگر مورث نے کسی وارث کے لئے کوئی وصیت کی اور تمام ورثاء بالغ و عاقل ہوں جو اپنی رضامندی سے اس وصیت کی تنفیذ چاہیں تو اسکا ان کو اختیار ہے اور پھر وہ وصیت نافذ ہوگی۔

"عن عطاء عن عكرمة عن ابن عباسؓ ان النبي ﷺ قال: لا تجوز وصية لوارث الا أن تشاء الورثة" (نصب الرایہ للزیلعی ۴؍۴۰۴)۔

"و لا لوارثه وقاتله مباشرة إلا باجازة ورثته لقوله عليه السلام: لا وصية لوارث إلا أن يجيزها الورثة ....اه وهم كبار عقلاء فلم تجز اجازة صغير و مجنون" (الدرالمختار مع ردالمحتار ج۶ ص۶۵۵، ۶۵۶)۔

۴- الف- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہوتا وہاں کے مسلمانوں کو چاہئے کہ متحد ہو کر مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لئے عدالتِ عظمیٰ سے رجوع کریں۔

ب- امن و امان کا خیال رکھ کر حکومتِ وقت کے سامنے احکام میراث کی وضاحت اور حکمتیں تقریراً و تحریراً رکھیں اور حتی الامکان اپنے مطالبات منوانے کی کوشش کریں۔

ج- وارثین کے حصصِ شرعیہ کے مطابق وصیت نامہ تحریر کردے۔

د- مورث اپنی حیات ہی میں اپنی ضروریات کی بقدر رکھ کر کہ بقیہ زندگی کسی کا محتاج نہ رہے، باقی جائیداد ورثاء میں ان کے حصصِ میراث کے اعتبار سے تقسیم کردے۔

ح- Power Of Attorney (حق تصرف، مختار نامہ) اپنے نام رکھ کر تمام جائیداد ورثاء کے حصصِ شرعیہ کے اعتبار سے ان کے نام کردے کہ مورث کے انتقال کے بعد ہر وارث کا حصہ خود بخود انکو منتقل ہو جائے گا۔

و- ورثاء کے حصصِ شرعیہ کے مطابق بیع نامہ (Sale Agreement) تحریر کردے اور اپنے پاس ہی رکھے، اب مورث کے انتقال پر 'سیل ایگریمنٹ' کی بنیاد پر ورثاء کا حصہ ان کو خود بہ خود منتقل ہو جائے گا۔

۵- غیر مسلم اختلاف ملت کفر کے باوجود ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، جیسا کہ مسلمان باہم وارث ہوتے ہیں، لیکن کافر کسی مسلمان کا وارث رشتہ سببی یا نسبی کی وجہ سے نہیں ہو سکتا، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، البتہ مسلمان کا کافر مورث کی میراث پانے سے متعلق فی الجملۃ اختلاف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمہور صحابہ، تابعین اور فقہاء نیز ائمہ اربعہ کے نزدیک مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہو سکتا لیکن صحابہ میں سے حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہؓ اور تابعین میں سے حسن بصریؒ، محمد بن حنفیہؒ، محمد بن علی بن حسینؒ اور مسروق تابعیؒ کے نزدیک مسلمان غیر مسلم کا وارث ہوگا۔

میراث کے قائلین اپنے دلائل میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ''الاسلام یعلو و لا یعلی علیه'' پیش کرتے ہیں کہ وراثت حاصل کرنا بھی ایک قسم کی برتری ہے، اس لئے اسلام کفر پر غالب ہے جو مذکورہ حدیث کی رو سے مسلمان کا حق ہے۔

دوسری دلیل: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''**الاسلام یزید و لا ینقص**'' کہ اسلام (حقوق کی زیادتی) کا ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ انکی کمی کا، چنانچہ غیر مسلم اپنے غیر مسلم قرابت دار سے میراث پانے کا پہلے سے حقدار تھا، اب مسلمان ہونے کے بعد اس کو کس طرح محروم قرار دیا جا سکے گا، کیونکہ اس سے لازم آئیگا کہ اسلام اس کے حق کی کمی کا سبب بنا۔

تیسری دلیل: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''**نرثهم و لا یرثونا**'' کہ ہم ان کے وارث ہوں گے اور وہ ہمارے وارث نہ ہونگے۔

تینوں روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسلمان اپنے علوشان کی وجہ سے کافر پر برتری پانے کا مستحق ہے۔

علاوہ ازیں ارث کا استحقاق کبھی عام سبب سے پیدا ہوتا ہے اور کبھی خاص سبب سے پیدا ہوتا ہے، چنانچہ جس طرح سبب عام کی وجہ سے مسلمان غیر مسلم کا وارث ہوتا ہے جیسا کہ ذمی کا ترکہ، اگر دارالاسلام میں اسکا کوئی وارث نہ ہوتو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا ہے جو مسلمانوں کا حق ہوتا ہے۔ اسی طرح مسلمان سبب خاص (سببی و نسبی رشتہ) کی وجہ سے کافر کا وارث ہوگا جبکہ کافر مسلمان کا نہ سببِ عام سے وارث ہوگا نہ سببِ خاص سے۔

جمہور فقہاء اور ائمہ اربعہ اپنے قول کی دلیل میں قرآن کریم کی آیت پیش کرتے ہیں ''**والذین کفروا بعضهم أولیاء بعض**'' (القرآن) (کہ کفار آپس میں بعض کے ولی ہیں)، اس سے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ولایت کی نفی کی گئی ہے، اب اگر اس ولایت سے مخصوص طور پر وراثت مراد ہو تو مسئلہ بالکل واضح ہے اور اگر ولایت سے ولایت عام مراد ہے تو یہ واضح ہے کہ وراثت ولایتِ عام کا ایک فردِ خاص ہے اور وارث اپنے مورث کا بہ حیثیت مالک ہونے اور قابض ہونے کے تصرفات میں قائم مقام ہوتا ہے، اب دین کے مختلف ہونے سے ایک دوسرے پر خلیفہ ہونے کی حیثیت سے کس طرح ولایت حاصل ہوگی؟

دوسری دلیل: ''**عن أسامة بن زیدؓ ان النبی ﷺ قال: لایرث المسلم الکافر و لا یرث الکافر المسلم**'' (مسلم شریف) (کہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا)۔ اس باب میں یہ صریح اور صحیح روایت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیسری دلیل: ابوطالب کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے عقیل اور طالب (جو غیر مسلم تھے) ان کے وارث ہوئے اور حضرت جعفرؓ اور حضرت علیؓ مسلمان ہونے کی وجہ سے انکے وارث نہ ہوئے۔

چوتھی دلیل: حضور اکرم ﷺ کی روایت ہے: "ولا یتوارث اهل ملتین شتی" (دوملت والے باہم وارث نہ ہوں گے)، اور ملتِ اسلام ملتِ کفر سے مختلف ہے۔

جمہور فقہاء کی طرف سے قائلینِ میراث کے دلائل کا مدلل جواب دیا گیا ہے (ملاحظہ فرمائیں فتح الملہم ج ۸ ص ۱۳ تا ۱۵، دراسۃ وتحقیق وتعلیق علی رد المحتار ج ۱۰ ص ۵۰۵، ۵۰۷)۔

دعوتی نقطہ نظر سے واقعی یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ مادیت کے غلبہ کی وجہ سے میراث سے محرومی اس کے قبول اسلام میں رکاوٹ بن سکتی ہے کہ قبول اسلام کے بعد اس کو اس کے والد کی میراث سے کچھ نہ ملیگا، اب اگر اس کو اس کے کافر مورث کا وارث بنایا جائے تو یہ رکاوٹ دور ہوسکتی ہے، مگر اس کے برخلاف صحیح صریح روایات موجود ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث نہ ہوگا جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔ لہذا دعوتی نقطہ نظر کی بنیاد پر بھی ان صحیح صریح روایات کا ترک مشکل نظر آتا ہے۔

اور پھر جو شخص مادیت کا نقصان سوچ کر قبول اسلام سے رکا رہے گویا اس نے ایمان و اسلام کی حقیقت کو جانا ہی نہیں ورنہ مادیت اس کے آڑے نہ آتی۔

۶- ورثاء کے حقوق کی حفاظت کی خاطر ان کے شرعی حصص کے بقدر وصیت نامہ تحریر کردینا بہتر ہے کہ یہ میراث سے متعلق احکامات قرآن پر عمل کروانے میں مدومعاون ہے، جبکہ اسمیں ہر ایک کو اسکا حق پہنچ رہا ہے۔

البتہ وصیت نامہ میں مذکور حصص شرعیہ کی تائید وتصویب کسی مستند دار الافتاء سے کروانے کی شق ضرور ڈالے کہ ہو سکتا ہے کہ حصص کی تحریر میں چوک ہوگئی ہو یا یہ کہ مورث سے پہلے کسی وارث کا انتقال ہو اور پھر فوراً مورث کا انتقال ہو کہ وصیت نامے میں مذکور حصص شرعیہ کی تبدیلی کا موقع ہی نہ ملے۔

۷- مورث کی حیات میں ورثاء کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اگر رضامندی کا اظہار کردیا تو بھی مورث کی موت کے بعد اپنی رضامندی سے رجوع کر کے وصیت باطل کرنے کا حق رکھتے ہیں، اگر وصیت نامے پر دستخط ثبت کردیئے ہوں، پھر بھی مورث کے انتقال کے بعد رضامندی ضروری ہے، اس کے بغیر وہ وصیت نافذ نہ ہوگی۔

"و في الكافي : و إن كانت الوصية للوارث وأجازت البقية، ان اجاروا بعد الموت ليس لهم أن يرجعوا عنها، و إن أجازوا في حال الحياة فلهم أن يرجعوا بعد الموت......الخ" (الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۱۹ ص ۳۸۷، کتاب الوصایا)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸- حضور اکرم ﷺ کے ارشاد: "لا وصية لوارث" میں وارث سے سببی اور نسبی دونوں مراد ہیں لہذا بیوی کے لئے بھی وصیت کرنا درست نہ ہوگا۔ اگر اولاد کے علاوہ بھی کوئی وارث نہیں ہے تو پورا کا پورا مال بیوی کو ہی ملے گا، لہذا وصیت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے (فتاوی رحیمیہ ۱۰: ۲۵۷)۔

۹- وارث کے لئے ثلث سے کم یا زیادہ کی وصیت کی ہو یا غیر وارث کے لئے ثلث سے زیادہ کی وصیت کی ہو اور دیگر ورثاء نے مورث کی حیات میں رضامندی کا اظہار کیا ہو تب بھی مورث کی موت کے بعد ورثاء کو وارث کے لئے وصیت سے مطلقاً اور غیر وارث کے لئے ثلث سے زائد میں اپنی رضامندی سے رجوع کا اختیار ہوگا۔ البتہ اگر موت مورث کے بعد اجازت دیدی اور رضامندی کا اظہار کر دیا تو اب وصیت نافذ ہو جائے گی۔

"و في الكافي : وان كانت الوصية للوارث وأجازت البقية إن أجازوا بعد الموت ليس لهم أن يرجعوا عنها و إن أجازوا في حال الحياة فلهم أن يرجعوا بعد الموت.......الخ" (الفتاوی التاتارخانیۃ ۱۹: ۳۸۷، کتاب الوصایا)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث اور وصیت فقہی نقطہ نظر سے

مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی☆

۱- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں پر مسلمان کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھ دینا (تا کہ ان کی وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائے) واجب ہوگا۔

آیت میراث کا مقصد حکم نازل ہونے سے پہلے ابتداء اسلام میں والدین، اعزہ و اقارب کے لئے وصیت کا حکم فرض تھا، ارشاد ربانی ہے:"كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خيرا الوصية للوالدين والأقربين بالمعروف حقا على المتقين" (سورۂ بقرہ:۱۸۰) (جب موت کا وقت قریب ہو جائے تو تمہارے او پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ اگر تم نے کچھ مال چھوڑا ہے تو اپنے والدین اور اعزہ و اقارب کے لئے معقول طریقے پر وصیت کر جاؤ، یہ ضروری ہے، خدا سے ڈرنے والوں پر)۔

لیکن جب سورۂ نساء میں میراث کا مفصل حکم نازل ہو گیا تو مذکورہ حکم دو قید سے مقید کر دیا گیا: ۱- وارثین کے لئے وصیت کو دوسرے ورثاء کی اجازت پر موقوف قرار دیا گیا، ۲- اور وصیت کی وسعت کو ۱/ ۳ کے اندر محدود کر دیا گیا کہ مرنے والا اپنی جائداد میں صرف ۱/ ۳ کے اندر وصیت کر سکتا ہے۔

اس آیت سے شریعت کا منشاء صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ورثاء کو کسی بھی طریقہ پر تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے اور ابتداء اسلام میں ورثاء کا خیال کرتے ہوئے وصیت کو واجب قرار دیا گیا تا کہ صورت کے بعد وہ دردر کی ٹھوکریں کھا کر اپنی زندگی کی عافیت نہ کھودیں، اور وراثت کا جب حکم نازل کر دیا گیا تب بھی ورثاء کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے وصیت کی آیت کو مقید کر دیا گیا، معلوم یہ ہوا کہ دونوں آیتوں میں شریعت نے ورثاء کی بہت زیادہ رعایت کی ہے اور ان کا خوب خیال فرمایا ہے، اور اگر مسلمان کسی ایسے ملک میں بستے ہوں جہاں پر انہیں میراث کے قانون کی نفاذ کی وصیت کے علاوہ کوئی صورت نہ ہو تو پھر دوبارہ وصیت والی آیت پر عمل برقرار رکھتے ہوئے انہیں وصیت نامہ لکھنا واجب قرار دیا جائے گا تا کہ کسی کا

☆ دارالافتاء والارشاد (چونا بھٹی مسجد)، ممبئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی حصہ شرعیہ فوت نہ ہو اور وصیت والی آیت کو آیت میراث کا بدل قرار دیا جائے گا۔

''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں ہے:''وجاء الإسلام فصحح وجهة الوصية على اساس الحق والعدل، فالزم الناس اصحاب الأموال قبل تشريع الميراث بالوصية للوالدين والأقربين فكانت الوصية في مبدأ الاسلام واجبة بكل المال للوالدين والاقربين بقوله تعالى: كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترک خيرا الوصية للوالدين والأقربين بالمعروف حقا على المتقين''(بقرہ:۱۸۰)۔

''......نزلت آيات سورة النساء بتشريع المواريث تفصيلا قيدت الوصية المشروعة في الاسلام بقيدين الاول: عدم نفاذ للوارث إلا باجازة الورثة قال عليه السلام في خطبة عام حجة الوداع: ان الله قد أعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث، اما الوالدين مضار لهما نصيب مفروض من التركة وصارت الوصية مندوبة بغير الوارثين.

الثاني: تحديد مقدار......بالثلث: لقوله عليه السلام لسعد بن ابى وقاص الذى أراد الا يصاء بثلثى ماله أو بشطره اذ لا يرثه إلا ابنة له: الثلث، والثلث كثير انک ان تذر ورثتک أغنياء خيرمن أن تدعهم عالة يتكففون الناس''۔

اور صاحب نیل الاوطار نے ایک حدیث ذکر فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دو راتیں ایسی بسر کرے اور اس کے پاس کوئی چیز ایسی ہو جس میں وصیت کرنا ضروری ہو اور اسکے سرہانے وصیت نامہ موجود نہ ہو،''ما حق امرى مسلم يبيت ليلتين وله شيء يريد أن يوصى فيه إلا وصيته مكتوبة عند رأسه''(نیل الاوطار ۶/ ۳۳، بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ)۔

صاحب بدائع اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ مرنے والے کے ذمہ جو بھی فرائض ہیں جیسے حج، زکوۃ اور کفارے وغیرہ ان سب کی وصیت لکھ کر جانا واجب اور ضروری ہے (ترجمہ بدائع الصنائع ۷/ ۵۹۷)۔

لہذا جب ایک شخص ایسے ملک میں اپنی زندگی گذار رہا ہو اور اس کو یقین ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری اولاد کو ان کا حق نہیں ملے گا بجز اس کے کہ میں ان کے لئے وصیت نامہ لکھ دوں تو پھر اسے وصیت نامہ لکھنا ضروری ہوگا۔

۲-پوری حدیث یوں ہے:''إن الله قد أعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث''(رواہ ابوداؤد و الترمذی، ابن ماجہ، احمد، النسائی) بلکہ بعض علماء ربانیین نے اس حدیث کو متواتر قرار دیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/ ۷۴۳۹) تو یہ حدیث وصیت نامہ کے لکھنے کے معارض نہیں بلکہ معاون ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس لئے کہ مسلمان ایسے ملک میں بسے ہوئے ہیں جہاں پر ان کی اولاد کو ان کا حق نہیں مل رہا ہے، اور حق دلوانے کی ایک صورت یہ ہے کہ وصیت نامہ لکھ دیا جائے، تو لا وصیۃ لوارث کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا۔

۳- حدیث نبوی میں جو "لا وصیة لوارث" کے الفاظ آئے ہیں، اس سے مقصد ورثا کے لئے مطلقا وصیت ممنوع ہے، اس لئے کہ شریعت نے ان کا حصہ مقرر کر دیا ہے، لیکن اگر ایسی وصیت ہو جس کے ذریعہ تمام ورثاء کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر مل رہا ہو اور اس کے علاوہ کوئی صورت نہ ہو تو پھر یہ "لا وصیة لوارث" کے خلاف نہیں ہوگا، اور یہ وصیت ممنوع نہیں ہوگی، البتہ حصہ شرعی سے زائد کی اجازت نہ ہوگی، اس لئے کہ اسی طرح ملتی جلتی ایک اور حدیث دارقطنی میں موجود ہے، جس میں ورثاء کی اجازت کے الفاظ آئے ہیں کہ اگر ورثا اجازت دے دیں تو پھر اگر مرنے والے نے اپنے وارث کے لئے بھی وصیت کی ہو تو پھر اس وصیت کو برقرار رکھا جاسکتا ہے، "وفي رواية: لا وصية لوارث إلا ان تجيزها الورثة" (دارقطنی ۴/ ۹۸، الاختیار لتعلیل المختار ۵/ ۷۸)۔

۴- علماء ربانیین اور ائمہ کرام اپنی تحریر اور تقریر کے ذریعہ عوام کو اسلام کے قانون میراث سے روشناس کروائیں۔ اسی طرح اہل سیاست میں جو سمجھ دار حضرات ہوں وہ بھی قانون کی شکل میں مدون کر کے اسے فناء کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

۵- میراث کے حقدار ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی بات نہ پائی جائے جو شرعا میراث کا حقدار ہونے میں رکاوٹ ہو، جن اسباب کی وجہ سے آدمی حق میراث سے محروم ہو جاتا ہے وہ موانع ارث کہلاتے ہیں اور وہ چار چیزیں ہیں اور ان چار میں سے ایک اختلاف دین بھی ہے، بس مسلم کسی غیر مسلم کا اور غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔

مجموعہ قوانین اسلامی میں ہے: اختلاف دین کی بنیاد پر کسی مسلمان مورث کے ترکہ سے اس کے کافر وارثوں کو وراثت نہیں ملے گی، خواہ ان وارثوں کا یہ کفر پیدائشی ہو یا ارتداد کے سبب دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے ہوں، اسی طرح کافر مورث کا کوئی مسلمان وارث نہیں ہوسکتا، مگر شرط یہ ہے کہ مورث کا کفر پیدائشی ہو، لیکن اگر مورث پہلے مسلمان تھا بعد میں مرتد ہو گیا تو جس مال کا وہ ارتداد سے پہلے مالک تھا وہ مال مسلمان وارثوں میں تقسیم ہوگا، اور اگر عورت مرتد ہو جائے تو اس کا کل مال خواہ ارتداد سے پہلے کا ہو یا بعد کا اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوگا (ص ۳۴۱)۔

۶- اگر مورث اپنی زندگی میں اپنی اولاد کے درمیان اس طرح حصے مقرر کر دیتا ہے کہ اس میں حق میراث کا تناسب ملحوظ رکھتا ہے اور کسی بھی وارث کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا تو شرعا یہ وصیت کی صورت معتبر ہوگی اور اس کی موت کے بعد شریعت کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفصیل کے مطابق ورثاء کے درمیان بقدر حصص شرعیہ تقسیم ہوگی۔

۷۔ اگر وصیت کنندہ نے وارث کے لئے مطلقا ثلث سے کم یا زائد کی وصیت کی اور اس پر دوسرے ورثاء راضی بھی ہیں اور وصیت کنندہ نے وصیت نامہ پر تمام ورثا سے بخوشی دستخط بھی کروالیا تو ورثاء کی اس رضامندی کا اعتبار نہیں ہوگا اور وصیت کنندہ کی زندگی میں ورثا کا راضی ہونا معتبر نہیں سمجھا جائے گا، بعد وفات کے بعد کی رضامندی کا اعتبار ہوگا، اور اگر کچھ نابالغ ورثا ہیں تو وفات کے بعد بھی رضامند ہونا کافی نہیں ہوگا، اس لئے کہ نابالغ ورثا کی رضا کا کوئی اعتبار نہیں، اور اگر کچھ ورثا بالغ ہوں اور کچھ نابالغ یا بعض اس کے نافذ کرنے پر رضامند ہوں اور بعض نہیں تو بالغوں میں اور ان لوگوں پر جو رضامند ہیں، کے مال میں ان کے حصے کی نسبت سے وصیت نافذ ہوگی (قاموس الفقہ: ۵/ ۲۷۵)۔

۸۔ جولوگ لاولد ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کی بیوہ کا حق محفوظ رہے اور مورث کا اولاد کے علاوہ کوئی دوسرا وارث بھی نہیں ہے تو کل مال کی بیوہ کے حق میں ازروئے شریعت وصیت معتبر ہوگی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:"ولو أوصى بجميع ماله وليس له وارث نفذت الوصية، ولا يحتاج إلى إجازة بيت المال كذا في خزانة المفتين"(۹۰/۶)۔

۹۔ اگر مورث کسی وارث یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ وصیت کرنا چاہتا ہے تو اس بارے میں یہ تفصیل ہے کہ وارث کے لئے تو مطلقا ثلث سے کم یا زائد اور غیر وارث کے لئے ثلث سے زائد کردی اور ورثاء نے اس کی زندگی میں رضامندی کا اظہار کربھی دیا تو زندگی میں رضامندی کا اعتبار نہیں ہوگا اور یہ وصیت غیر معتبر ہوگی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:"ولا تجوز بما زاد على الثلث إلا أن تجيزه الورثة بعد موته وهم كبار ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته" (۹۰/۶)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق چند احکام

مفتی محمد مقصود علی فرقانی ☆

۱، ۲، ۳- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کے لئے وارثین کے حق میں ان کے حصص شرعیہ کا وصیت نامہ لکھا دینا جائز ہے واجب نہیں ہے اور نہ ممنوع ہے اور یہ وصیت نامہ لکھا دینا حدیث: "لا وصیۃ لوارث" کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کا مقصد تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی پورے طور پر دلانا ہے، عالمگیری (مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ ۴/۲۲۳) پر ہے: "ولا تجوز الوصية للوارث عندنا الا ان يجيزها الورثة، ولوأوصى لوارثه ولأجنبي صح في حصة الاجنبي ويتوقف في حصة الوارث على اجازة الورثة ان اجازوا جاز،وإن لم يجيزوابطل، ولا تعتبر اجازتهم في حياة الموصي حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك"۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرنے کے لئے ایک شکل یہ ہوسکتی ہے کہ وہاں کے مسلمان اپنی رضامندی سے ایک قاضی مقرر کریں اور وہ قاضی مسلمانوں کے مسائل کو طے کرے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کی اطاعت کریں اور اپنے مسائل طے کرائیں، شامی (ص ۷۵۴) پر ہے: "عن المبسوط: البلاد التي في ايدي الكفار بلاد الاسلام لا بلاد دارالحرب لانهم لم يظهروا فيها حكم الكفر بل القضاة والولاة مسلمون يطيعونهم عن ضرورة او بدونها وكل مصرفيه وال من جهتهم يجوز له اقامة الجمع والأعياد والحد، وتقليد القضاة لاستيلاء المسلم عليهم فلوالولاة كفارا يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين، ويجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما "، اور شامی (۳/۳۵۰) پر ہے: "كل مصرفيه وال مسلم من جهة الكفار يجوز منه اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج وتقليد القضاة وتزويج الايامى لاستيلاء المسلم عليهم، واما طاعة الكفرة فهي موادعة ومخادعة واما في بلد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب

☆ نائب مفتی جامع العلوم فرقانیہ، رامپور۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علیهم طلب وال مسلم"۔

(مبسوط سے منقول ہے وہ شہر جو کفار کے قبضہ میں ہیں وہ اسلامی شہر ہیں، حربی شہر نہیں ہیں، اس لئے کہ ان شہروں میں کفار نے کفر کے احکام ظاہر نہیں کئے ہیں بلکہ قاضی اور والی مسلمان کفار کی ضروری اور غیر ضروری باتوں میں اطاعت کرتے ہیں اور ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے والی ہو تو اس کے لئے جائز ہے جمعوں اور عیدوں کا قائم کرنا اور حد کا جاری کرنا اور قاضیوں کا مقرر کرنا بوجہ غالب ہو جانے مسلم کے کفار پر پس اگر والی کفار ہوں تو مسلمانوں کے لئے جائز ہے جمعہ کا قائم کرنا اور ہو جائے گا قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی اور واجب ہوگا مسلمانوں پر والی مسلم کا تلاش کرنا)۔

۵- شریعت مطہرہ میں یہ جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا اور کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا یہ بالکل درست اور صحیح ہے اور یہ بات قانون الٰہی کے اعتبار سے ہے، لیکن اگر کسی ملک اور کسی صوبہ میں دنیوی قانون کے اعتبار سے کسی مسلمان کو اس کے غیر مسلم مورث کے ترکہ سے فائدہ پہنچ رہا ہے تو بظاہر اس میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی اور دعوتی نقطہ نظر سے وہ ترکہ مسلمان کے لئے لینا اسلام کی اشاعت و ترویج کے لئے مفید تر ثابت ہوگا، اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کے لئے اپنے غیر مسلم مورث کے ترکہ کے لینے کی کوشش کرنا اور اگر کسی جگہ قانون ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا اور اس ترکہ کو قبول کرنا جائز ہوگا، البتہ اسے شرعی حصہ یا شرعی تقسیم سمجھ کر نہ لے، المبسوط للعلامۃ السرخسی (۱۶۸/۵) پر ہے: "واختلاف الدين يمنع التوارث، ولهذا يرث المسلم الكافر بالسبب العام دون السبب الخاص، لأن الولاية تثبت للمسلم على الكافر بالسبب العام دون السبب الخاص ولا يرث الكافر المسلم بحال، لان الولاية لا تجب للكافر على المسلم بحال"، اور ص (۲۶) پر ہے: "ثم لا خلاف ان الكافر لا يرث المسلم بحال، وكذا لا يرث المسلم للكافر فى قول اكثر الصحابة وهو مذهب الفقهاء، وروى عن معاذ و معاوية رضى الله عنهم قال: يرث المسلم الكافر لقوله عليه الصلاة والسلام: الاسلام يعلو ولا يعلى عليه"۔

حضرت معاذ اور حضرت معاویہؓ کا مذہب ہے کہ مسلم کافر کا ولایۃ وارث ہوگا اور دلیل میں یہ حدیث اور ایک دوسری حدیث پیش کرتے ہیں کہ "الاسلام يزيد ولا ينقص"، اور مسلمان کا کافر کے ترکہ کا وارث ہونا ولایۃ بالسبب العام ان حضرات کے مذہب کے مطابق ہے، مگر ہمارے فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے: "لا يتوارث اهل ملتين شتى لا يرث المسلم الكافر ولا يرث الكافر المسلم" اور قرآن کریم کی آیت کریمہ "والذين كفروا بعضهم اولياء بعض" اور دوسری آیت "والذين آمنوا ولم يهاجرو مالكم من ولايتهم من شئ حتى يهاجروا"، یہ دونوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیات دلالت کرتی ہیں کفار اور مسلمین کے درمیان توارث نہ ہونے پر، لہذا ہمارے فقہاء کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے کہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، لیکن چونکہ بعض صحابہ کرامؓ کے مذہب کے مطابق مسلمان کافر کا ولایۃ وارث ہوسکتا ہے جیسے ذمی کا کافر دارالاسلام میں انتقال ہوجائے اور اس کا دارالاسلام میں کوئی وارث نہ ہوتو مسلمان اس کے وارث ہوں گے، مبسوط کی عبارت ہے:"فان الذمی الذی لاوارث له فی دارالاسلام یرثه المسلمون"، پس اس عبارت کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کسی مسلمان کو اس کے کافر قرابت دار سے از روئے وراثت فائدہ پہنچ سکتا ہے تو ایسے مسلمان کو کافر قرابت دار کے ترکہ سے فائدہ حاصل کرنا اور اس کے لئے قانونی کوشش کرنا جائز و درست ہوگا۔

۶، ۷ — اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ والدین اگر اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان اپنی ملکیت تقسیم کرنا چاہیں تو لڑکے اور لڑکی کو برابر دیں اور دونوں کے درمیان برابر تقسیم کریں اور امام محمدؒ کے نزدیک وراثت کے طریقہ پر تقسیم کی جائے گی، یعنی لڑکے کو دوگنا اور لڑکی کو اکہرہ دیا جائیگا مگر فتوی امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، لہذا والدین کو چاہئے کہ اپنی زندگی میں اگر وہ حصے مقرر کریں تو لڑکے اور لڑکی کے حصے برابر مقرر کریں بلکہ اگر ہبہ کردیں اور قبضہ بھی کرادیں تو یہ زیادہ بہتر ہے تاکہ بعد میں جھگڑا نہ ہو اور اگر کوئی شخص لڑکے اور لڑکی کے درمیان بطور وراثت حصے مقرر کردیتا ہے یا ہبہ کردیتا ہے تو یہ بھی جائز ہوگا مگر مفتی بہ قول کے خلاف ہوگا، کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک اس طرح بھی تقسیم جائز ہے، جیسا کہ المبسوط للسرخسی (۶/ ۵۰)، عالمگیری (۳/ ۳۹۴)، شامی (۴/ ۷۰۲) میں ہے۔

رہا مسئلہ مذکورہ صورت میں وصیت کی شکل کے ہوجانے کا تو وصیت کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ مورث کو وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر مورث وارث کے لئے وصیت کردے اور دوسرے وارث اس وصیت پر راضی ہوجائیں اور اس کی اجازت دے دیں تو وہ نافذ ہوجائے گی اور جو وصیت کسی وارث کے لئے دوسرے ورثہ کو محروم کرنے کے لئے ہو اس کا یہ حکم ہے کہ جائز نہیں ہے، پس اگر والدین میں سے کوئی ایک وارثوں کے لئے ان کے حصہ مقرر کردے اور مورث کے مرنے کے بعد وہ اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کرلیں اور مورث کے منشاء کے مطابق تقسیم کرلیں تو یہ جائز ہے اور اگر مورث کی اس تقسیم پر رضامند نہ ہوں تو پھر مورث کے منشاء کے مطابق تقسیم کرنا واجب نہیں ہے بلکہ جو شرعی وراثت کی تقسیم ہے اس کے اعتبار سے کرسکتے ہیں اور مورث کے منشاء کے مطابق جو وصیت کی شکل میں ہے عمل کرنا لازم نہیں ہوگا جیسا کہ عالمگیری (۴/ ۲۲۳) پر ہے:

"ولا تجوز الوصیة للوارث عندنا، الاأن یجیزها الورثة، ولوأوصی لوارثه ولأجنبی صح فی حصة الاجنبی و یتوقف فی حصة الوارث علی اجازة الورثة ان اجازوا جاز،وان لم یجیزوا بطل، ولا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعتبر اجازتهم في حيوة الموصي حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك"۔

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کسی وارث کے حق میں وصیت پر دوسرے وارثوں کی رضامندی مورث کی زندگی میں معتبر نہیں ہوگی بلکہ مورث کے مرنے کے بعد ان کی اجازت معتبر ہوگی، لہذا اگر ایک شخص نے کسی وارث کے حق میں تمام ورثہ کی رضامندی سے وصیت نامہ بنا دیا اور اس پر دوسرے ورثہ کے دستخط کرا لئے تو اس رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں ہے، عالمگیری میں واضح جزئیہ ہے: "ولاتعتبر اجازتهم في حيوة الموصي حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك"۔

۸- شریعت مطہرہ میں وراثت کی تقسیم کے سلسلہ میں جو ترتیب بیان کی گئی ہے کہ پہلے ترکہ ذوی الفروض کو دیا جائے گا اس کے بعد عصبات کو دیا جائے گا اور ان دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو پھر ذوی الارحام کو دیا جائے گا اور ان میں سے کوئی نہ ہو تو بیت المال میں جمع کیا جائے گا، لہذا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے لئے اس کے حصہ سے زیادہ وصیت کرے تو ذوی الفروض اور عصبات کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ذوی الارحام کی اجازت کا اعتبار ہوگا اور اس میں بھی وہی حکم ہوگا جو پہلے گزر چکا کہ مورث کی زندگی میں ان کی اجازت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ مورث کے مرنے کے بعد کی اجازت کا اعتبار ہوگا۔

المبسوط (۱۵/۳) پر ہے: "اجمع اصحاب رسول الله ﷺ غير زيد بن ثابت على توريث ذوى الارحام ولا يعتد بقوله بمقابلة اجماعهم"، اور فقہ کی کتابوں میں مطلقا بیان کیا گیا ہے کہ وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے اور اگر وصیت کر دی تو پھر دیگر ورثہ کی رضامندی کا اعتبار مورث کے مرنے کے بعد ہوگا، لہذا اس میں ذوی الفروض یا عصبات اور ذوی الارحام کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ ورثہ عام لفظ ہے پس جو حکم ذوی الفروض اور عصبات کا ہوگا وہی ذوی الارحام کا ہوگا، ہاں اگر تینوں قسموں میں سے کوئی نہ ہو تو پھر وارث کے حق میں وصیت معتبر ہوگی۔

۹- اس کا جواب اوپر کے جوابات میں آچکا کہ وارث کے حق میں وصیت کا اعتبار مورث کے مرنے کے بعد ہوگا، اسی طرح غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ وصیت کا اعتبار مورث کے مرنے کے بعد ہوگا، یعنی دیگر ورثہ کی اجازت مورث کی موت کے بعد معتبر ہوگی، مورث کی زندگی میں ورثہ کی اجازت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وارثین کے لئے وصیت خصوصی تناظر میں

مولانا محمد منصف بدایونی ☆

۱- ہر وارث کو اس کا شرعی حق دینے کی وصیت کرنا جائز بلکہ مستحب ہے، جن ممالک میں اسلام کا قانون وراثت جاری نہیں ہے، وہاں مرنے والا (مورث) اگر اس طرح کی وصیت لکھتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے فلاں فلاں وارث ہوں گے، لہذا میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ جملہ ترکہ میں مثلاً فلاں کا ثمن اور فلاں کا سدس، اس کے بعد جو مال باقی بچے اس میں سے دو تہائی بیٹے کا اور ایک تہائی بیٹی کا ہے، اور یہ وصیت نامہ اس لئے تیار کرتا ہے تا کہ ہر وارث کو اس کا حق مل جائے اور کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے۔

اس مقصد کے لئے اس طرح کا وصیت نامہ تیار کرانا جائز ہے بلکہ اگر مورث کو ظن غالب ہو کہ بعض ورثہ دیگر بعض پر ظلم کریں گے تو پھر اس کا وصیت نامہ تیار کرانا مستحب ہے واجب نہیں ہے، واجب اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ مورث کے مال سے ورثہ کا حق مورث کے مرنے کے بعد ہوتا ہے، مرنے سے پہلے نہیں ہوتا، لہذا یہ مورث کے ذمہ میں کوئی ایسا حق نہیں ہے جو واجب ہو اور وصیت کرنا واجب اس حق کی ہوتی ہے جو مرنے والے کے ذمہ واجب اور فرض ہو، مثلاً اس کے ذمہ اگر نماز اور روزہ باقی ہو تو ان کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے۔

"وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقة أو حكما كمفقود" (شامی کتاب الفرائض ۱۰/۴۹۱ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

"قال بعضهم: ان كان عليه حج أو زكوة أو كفارة أو غير ذلک من الواجبات فالوصية بذلک واجبة وإن لم يكن فهي غير واجبة بل جائزة"

"أما الكلام في الاستحباب فقد قالوا إن كان ماله قليلا وله ورثة فقراء فالأفضل أن لا يوصي" (بدائع الصنائع ۶/ ۴۲۴ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

☆ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲- یہ وصیت نامہ حدیث: ''لا وصیة لوارث'' کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ مستحقین کو ان کے حق دلانے میں ایک مدد اور تعاون ہے اور درحقیقت یہ وصیت نہیں بلکہ وارث کو اس کا حق میراث دلانا ہے، ''وإن أوصی لوارث فإنه یرجع میراثا'' (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۳/ ۵۰ مکتبہ دارالفکر بیروت)۔

۳- ''لا وصیة لوارث'' کا مصداق وہ وصیت ہے جس میں کسی وارث کو اس کے حق شرعی سے زیادہ دلانا ہو اور دیگر ورثہ کا اس میں ضرر ہو۔ ''ویحرم من الوصیة ما فیه مضار للورثة أو قصد الإضراربهم'' (تفسیر مظہری ۲/ ۳۴۵ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

۴- الف- ہندوستان جیسے جمہوری ممالک میں اسلام کا قانون وراثت کو جاری کرانے کے لئے حکومت کے سامنے مسلمانوں کی طرف سے علماء کرام کی ایک نمائندہ جماعت تجویز رکھے اور اس تجویز میں اسلامی قانون وراثت کے فوائد بھی ذکر کئے جائیں اور حکومت وقت سے اسے قانونی درجہ دینے کی درخواست کی جائے۔

ب- خود مسلمانوں کے درمیان اسلام کے قانون وراثت کو متعارف کرایا جائے اور اس پر عمل کرنے کی صورت بھی بیان کی جائے کہ اس پر عمل کرنے کی شکل میں جہیز جیسے لعنت سے چھٹکارا مل سکتا ہے ورنہ تو جہیز بھی دینا پڑتا ہے اور آخرت میں حق تلفی کا گناہ الگ ہوگا، اگر وراثت میں بہنوں کو حصہ نہ دیا گیا ہو۔

۵- الف: ایک مسلمان اپنے مسلمان مورث کا وارث ہوگا جبکہ کوئی مانع شرعی (قتل، رقیت وغیرہ) موجود نہ ہو۔

ب- اسی طرح کافر اپنے کافر مورث کا وارث ہوگا۔

ج- کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، یہ تینوں مسئلہ متفق علیہ ہیں ان میں کسی مجتہد کا اختلاف نہیں ہے، ''لا نعلم خلافا بین الفقهاء فی أن المسلم یرث من مورثه المسلم مالم یکن ثم مانع من قتل أورق أونحوهما کما أن الکافر یرث من الکافر علی خلاف فی أن الکفر کله ملة واحدة أو ملل مختلفة وأیضا إتفقوا علی أن الکافر لا یرث من المسلم وذلک المیراث یعتمد الولایة ولا ولایة بین المسلم والکافر '' (التعلیق علی ردالمحتار ۱۰/ ۵۰۵، شامی مکتبہ زکریا دیوبند)۔

ج- کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں بن سکتا، یہ مسئلہ بھی جمہور صحابہ و ائمہ اربعہ (ابوحنیفہ، مالک، شافعی، امام احمدؒ) کے نزدیک متفق علیہ ہے، ''أما میراث المسلم من الکافر فجمهور الصحابة والتابعین والفقهاء علی نفیه، أیضا'' (التعلیق علی الدرشامی ۱۰/ ۵۰۵)۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

دلیل:"عن أسامة بن زيدؓ أن النبی ﷺ قال:لا یرث المسلم الکافر" (صحیح مسلم باب لا یرث المسلم الکافر کتاب الفرائض)۔

البتہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت معاویہؓ نے مسلمانوں کو کافر کا وارث قرار دیا ہے، اور حضرت حسنؒ، ابن الحنفیہ، محمد بن علی بن الحسین اور مسروق علیہم الرحمہ سے بھی یہی مروی ہے۔

دلیل:"الاسلام یزید ولا ینقص" (رواہ ابوداؤد بحوالہ تکملہ فتح الملہم ۸/ ۱۴ کتاب الفرائض) اور "الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ" (رواہ الدارقطنی والبیہقی بحوالہ الفقہ الاسلامی ۸/ ۲۶۲ باب المیراث)۔

ان دونوں روایتوں کا جواب جمہور امت کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ یہ دونوں روایتیں وراثت کے مسئلہ میں نص نہیں ہیں، جمہور نے ان کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اسلام میں اس کے ماننے والوں کے ذریعہ اضافہ ہوتا رہے گا اور مرتدین سے اس میں کمی نہیں آئے گی، کیونکہ وہ قلیل مقدار میں ہوں گے۔

"ونوقش بأن قوله ﷺ:" الاسلام یزید ولا ینقص"یحتمل أن یکون معنا الاسلام یزید بمن أسلم من المشرکین ولا ینقص بالمرتدین، لأنهم قلیلون أو یحتمل أن ملکهم یزید بما یفتح من البلاد" (تعلیق علی الشامی ۱۰/ ۵۰۵ شامی مکتبہ زکریا دیوبند)۔

اور دوسری روایت:"الاسلام یعلو ولا یعلی" کا مطلب یہ ہے کہ اسلام دلائل وحجج کے ذریعہ دیگر مذاہب پر غالب رہے گا کبھی مغلوب نہیں ہوگا۔

"ورد علیهم بأن المراد العلو بحسب الحجة أو بحسب القهر والغلبة أی النصرة فی العاقبة للمسلمین" (الفقہ الاسلامی ۸/ ۲۶۲، المیراث مکتبہ الہدی انٹرنیشنل دیوبند)۔

حضرت معاذ بن جبل وحضرت معاویہؓ کے عمل وفتوی کی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بہترین تاویل فرمائی ہے کہ حضرت معاذ اور حضرت معاویہؓ کا یہ عمل اس صورت پر محمول کرنا چاہئے جبکہ مرنے والے کا فر مورث کا کوئی کافر وارث موجود نہ ہوتو ضابطہ میں اس کا مال بیت المال میں داخل ہونا چاہئے تو ان دونوں حضرات نے بیت المال میں نہ داخل کر کے تالیف قلب کے طور پر وہ مال اس کے قریبی مسلمان رشتہ دار کو دینا بہتر سمجھا بطور میراث عطا نہیں کیا، پھر جب لوگ اس کو اپنی میراث سمجھنے لگے تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالی نے اس حکم کو ختم کر کے پہلا حکم صادر فرمادیا (تکملہ فتح الملہم ۸/ ۱۴ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)۔

الغرض کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں بن سکتا اور ہندوستان جیسے غیر مسلم ممالک میں تالیف قلب کے طور پر بھی نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ یہ کام امیر المؤمنین کا ہے نہ کہ خود اس غیر مسلم کے قریبی مسلم رشتہ دار کا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نیز وراثت کا مدار ولایت اور تولیت پر ہے اور مسلمان و کافر کے درمیان کوئی ولایت نہیں ہے "وينقضه قياس آخر وهو أن يتعلق بالولاية ولا ولاية بين المسلم والكافر" (تکملہ فتح الملہم ۸ / ۱۴ مکتبہ اشرفیہ دیوبند) اور جن خدشات (معاشی تنگی یا غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے مال پر غیر مسلموں کا قبضہ کرنا وغیرہ) کا اظہار سوال میں کیا گیا ہے ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ یہ خدشات تو آپ ﷺ کے زمانہ میں آج سے زیادہ مضبوط تھے، فتح مکہ کے موقع پر حضرت اسامہ بن زیدؓ نے آپ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ آپ کل کہاں اتریں گے؟ بلکہ بعض صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے کہا کہ کل کو ہم آپ کے گھر میں اتریں گے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عقیل (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا ہے؟ اسی موقع پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: "لا يرث المؤمن الكافر ولا الكافر المؤمن" (صحیح بخاری، المغازی باب این رکز النبی ﷺ الرایۃ یوم الفتح)۔

۶- مورث کا زندگی میں ورثہ کے حصص کی وصیت کرنا جائز و معتبر اور نافذ ہوگی، اگر مورث اپنی زندگی میں ورثہ کے حصص مقرر کردے تو اس کی دو شکلیں ہیں:

۱- اجمالاً حصص مقرر کرنا، مثلاً ربع فلاں کا، سدس فلاں کا وغیرہ یہ شکل جائز ہی نہیں بلکہ ورثہ کی طرف سے بعض پر اگر زیادتی کا ظن غالب ہو تو یہ مستحب ہے۔

تفصیلاً حصص مقرر کرنا مثلاً فلاں وارث کا فلاں مکان ہے اور فلاں کا فلاں پلاٹ ہے، اس شکل میں اگر ورثہ کے حصص کا تناسب ملحوظ ہو اور ہر وارث کو اس کے حصہ کی مالیت کے برابر مل رہا ہو تو یہ شکل بھی جائز ہے، "قد يوصى الانسان بوصية تتضمن تقسيم التركة بين الورثة بمقدار نصيب كل واحد منهم فى التركة ليضمن بالقسمة عدم وقوع خلاف أو نزاع بينهم...... يرى جمهور الفقهاء وإن هذا التقسيم لا يلزم الورثة فلهم أن يقبلوه أو يرفضوه، لأن القيمة المالية لاعيان التركة قد تكون متساوية لكن المصلحة فيها متفاوتة.

ويرى بعض فقهاء الشافعية والحنابلة وإن كان الأصح فى المذهب هو الرائ السابق إن هذا انتقسيم من المورث جائز ويلزم به الورثه مادامت القسمة عادلة......لأن حق كل وارث انما هو فى القيمة لا فى عين معينة من أعيان التركة بدليل ان المورث لو باع فى مرض موته التركة كلها بثمن المثل صح بيعه ونفذ" (الفقہ الاسلامی ۸/ ۹۶-۹۷)۔

اور ہندوستان جیسے غیر مسلم ممالک میں دوسری رائے پر عمل کر لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ورثہ کے لئے حصص کی وصیت کرنا واجب نہیں ہے:

ورثہ کے لئے حصص کی وصیت کرنا مورث کے ذمہ لازم نہیں ہے، یعنی اگر مورث نے وصیت نہیں کی تو وہ گنہگار نہیں ہوگا، کیونکہ وراثت کا تعلق مورث کی موت کے بعد ہے، اس کی زندگی سے متعلق نہیں ہے۔

"وشروطه ثلاثة موت مورث حقيقة أو حكما كمفقود "(شامی ۱۰/۴۹۱ مکتبہ زکریا دیوبند، اول کتاب الفرائض)۔

۷- مورث کی موت سے پہلے ورثہ کی اجازت معتبر نہیں ہے، اگر مورث نے اپنی زندگی میں کسی ایک وارث کے لئے وصیت کی اور دیگر ورثہ سے اس وصیت پر رضامندی حاصل کر کے وصیت نامہ پر دستخط کرا لئے ہوں تو اس وصیت کے لئے یہ رضامندی کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ مورث کی موت کے بعد ورثہ اس کی اجازت دیں، کیونکہ مورث کی زندگی میں اجازت ورثہ کے حق کے ثابت ہونے سے پہلے ہے، ورثہ کا حق مورث کی موت کے بعد ثابت ہوتا ہے۔

"ولا تعتبر أى لأنها قبل ثبوت الحق لهم لأن ثبوته عند الموت فكان لهم أن يردوه بعد وفاته بخلاف الاجازة بعد الموت، لأنه بعد ثبوت الحق وتمامه فى المنح، وفى البزازية: تعتبر الاجازة بعد الموت لا قبله هذا فى الوصية" (ردالمحتار ۱۰/۳۴۰ کتاب الوصایا مکتبہ زکریا دیوبند)۔

۸- زوج اور زوجہ کا ایک دوسرے کے لئے وصیت کرنا جائز اور معتبر ہے، دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کے وقت۔

مرنے والے شخص کا اپنی بیوہ کے لئے دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کے وقت اس کے حصہ کے علاوہ بقیہ مال کی وصیت کرنا جائز ہے۔

"أولم يكن له وارث سواه كما فى الخانية أى سوى الموصى له القاتل أو الوارث حتى لو أوصى(تفريع على قوله "اوالوارث)لزوجته أوهى له ولم يكن ثمة وارث آخر تصح الوصية ابن كمال، وزاد فى المجبية فلو أوصت لزوجها بالنصف كان له الكل"(درمختار مع ردالمحتار ۱۰/۳۴۷ کتاب الوصایا مکتبہ زکریا دیوبند)۔

۹- وارث یا غیر وارث کے حق میں ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت اگر مرنے والے نے کی ہو اور اپنی زندگی میں دوسرے ورثہ سے اجازت و رضامندی بھی حاصل کر لی ہو تب بھی موصی کے مرنے کے بعد اس وصیت کا اعتبار نہ ہوگا، جب تک کہ ورثہ مورث و موصی کے مرنے کے بعد دوبارہ اجازت نہ دے دیں۔ "وفى البزازية تعتبر الاجازة بعد الموت لا قبله هذا فى الوصية" (شامی ۱۰/۳۴۰ کتاب الوصایا مکتبہ زکریا دیوبند)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق بعض احکام

مولوی شاہد بن عبد الصمد☆

۱- بڑھتی ہوئی دینی تنزلی کے ساتھ مادی منفعت کی حرص آج مسلمانوں کو احکام شرعیہ سے دور کر کے تخریب آخرت کی راہ پر کھینچے جارہی ہے، مزید برآں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ایسے ممالک میں آباد ہیں جہاں خصوصا اسلامی قانون میراث جاری نہیں ہے اور ان ممالک کے قانون ملکی کے مطابق میراث تقسیم کی جاتی ہے، لہذا شریعت کا ایک اہم حکم جس پر دوسرے بہت سارے احکام شرعیہ فرعیہ مرتب ہوتے ہیں؛ متروک ومہجور ہو کر رہ جاتے ہیں، بایں وجہ سوال میں مذکور صورت یعنی جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی ہی میں اس طرح کا وصیت نامہ لکھا دینا جس کی وصیت سے وفات کے بعد تمام وارثین کو ان کے حصص شرعیہ مل جائیں جائز ہی نہیں، بلکہ کافی حد تک ضروری ہے، کیونکہ اس طرح کرنے میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ تمام ہی غیر مسلم ممالک میں مرنے والے کی وصیت کو اہمیت واولیت حاصل ہے اور اس پر عمل درآمد کیا جاتا ہے، لہذا اس طرح کی تحریری اور قانونی وصیت کے بعد یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ شرعی وارثین کو ان کا حصہ صحیح طور پر مل جائے گا۔

نیز اس طرح کی راہ اختیار کرنے میں فرمان نبوی ﷺ "ان الله تعالى اعطى كل ذى حق حقه" پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے، نیز عند اللہ خلاف شرع تقسیم میراث سے بھی لوگ بچ سکیں گے جس پر بڑی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

مفتی اسماعیل کھولوی نے اپنے فتاوی مسمی "فتاوی دینیہ" میں ایک سوال کا جواب تحریر فرمایا ہے:

"صورت مسئولہ میں آپ اپنی حیات میں لڑکے اور لڑکیوں کو جائداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو میراث کے حصص کے مطابق تقسیم نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ حق مرنے کے بعد ورثاء کو ملتا ہے، حیات میں جو دیا جاتا ہے وہ بخشش کے زمرے میں آتا ہے اور اس میں لڑکے اور لڑکیوں کو برابر بخشش ہونی چاہئے۔ اچھی صورت یہ ہے کہ آپ ویل یا وصیت نامہ لکھوائیں اور اس میں یہ لکھوائیں کہ میری ملک میں یہ چیزیں ہیں (جس میں مکان، بینک بیلنس وغیرہ کا تذکرہ ہو) اس میں سے میرے مرنے

☆ دارالافتاء جامعہ ڈابھیل، گجرات۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بعد میرے کفن، دفن کے خرچہ کو ادا کر کے جو کچھ بچے اس کل کے ۹۶ حصے بنائے جائیں اور اس میں سے میری زوجہ کو ۱۲ حصص اور ہر لڑکے کو ۱۴ حصص اور ہر لڑکی کو ۷ حصص دیئے جائیں، آپ کے مرنے کے بعد اس ویل کے مطابق عمل گا تو شریعت کا تقاضہ بھی پورا ہوگا اور ویل ہونے کی وجہ سے جھگڑا بھی نہیں ہوگا۔

نیز اس فتوی کی تائید فقہاء کی ذکر کردہ امام محمدؒ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ اگر کوئی آدمی حین حیات ہی میں اپنی اولاد کے ساتھ تبرع کرتے ہوئے ملکیت تقسیم کرنا چاہے تو افضل یہ ہے کہ ان کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق تقسیم کرے۔

"قال في الظهيرة:رجل له ابن وبنت اراد ان يبرهما بشيئ فالافضل ان يجعل للذكر مثل حظ الانثيين عند محمدؒ"(رسائل ابن عابدین ۲/ ۲۳، فی رسالتہ المسمی بالعقود الدریۃ فی قولہم علی الفریضۃ الشرعیۃ، نیز دیکھئے: خلاصۃ الفتاوی ۴/ ۴۰۰، الفتاوی بزازیہ بہامش ہندیہ ۶/ ۲۳۷)۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ حیات میں جائداد تقسیم کرنے کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں: "یہ سہام اگر چہ میراث کے ہیں اور میراث کا اعتبار ہندہ کی موت کے بعد ہوگا کہ کون وارث اس وقت موجود ہے اور کون نہیں، تاہم اگر وہ اپنی زندگی میں تقسیم کردے تو اس حساب سے کرسکتی ہے اور اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ چاہے تو پانچوں وارثوں میں برابر تقسیم کردے (کفایت المفتی، کراچی ۱۳/ ۶۳ جدید ایڈیشن)۔

۲، ۳- رہا دوسرا سوال کہ اس طرح کا اجمالی یا تفصیلی وصیت نامہ لکھنا حدیث "لا وصية لوارث" کے خلاف تو نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وصیت نامہ "لا وصية لوارث" کے خلاف نہیں ہے کہ اس کو غیر معتبر ٹھہرایا جائے، کیونکہ حدیث شریف کا مورد و مقصد صرف وہ وصیت ہے جس کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال بذریعہ وصیت دلانا ہو اور دوسرے کو نقصان پہنچانا یا بالکل محروم کرنا ہو اور طریقہ مذکور میں کسی بھی وارث کو نقصان پہنچانا یا محروم کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ تمام ورثاء کو مورث کی وفات کے بعد ان کے شرعی حقوق کے مطابق میراث مل جائے اس کی سعی حسن ہے، لہذا یہ وصیت اس ممانعت کے دائرہ میں نہیں آئے گی۔

"ولأنالوجوزنا الوصية للورثه لكان للموصي أن يؤثر بعض الورثة وفيه إيذاء البعض وإيحاشهم فيؤدي إلى قطع الرحم وأنه حرام وما أفضى إلى الحرام فهو حرام دفعا للتناقض"(بدائع الصنائع ۱۰/ ۴۹۱)۔

"قال رحمه الله: (ولا تصح بما زاد على الثلث ولا لقاتله ووارثه إن لم تجز الورثة)......وأما

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الثلث فلقوله عليه الصلاة والسلام:"إن الله تعالى أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث"ولأن البعض يتأذى بإيثار البعض ففي تجويزه قطيعة الرحم"(تبیین الحقائق ۶/ ۱۸۲)۔

نیز ورثاء کے لئے وصیت کی ممانعت کی دوسری وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ وصیت ومیراث دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ،تو صورت مسئولہ میں مذکور تجویز میں وصیت و میراث دونوں کو جمع نہیں کیا جا رہا ہے، بلکہ وصیت کے عنوان کے تحت ورثاء کو ان کا حق میراث دیا جا رہا ہے۔

"إن الوصية للوالدين لما نسخت وأثبت الميراث لهما بدلا من الوصية علم أنه لا يجمع لهما بين الوصية والميراث وإذا كان لهما كذلك فمن دونهما أولى بأن لا يجمع له بينهما"(عمدۃ القاری ۱۴/ ۵۴، فتح الباری ۵/ ۳۷۲)۔

۴- غیر مسلم ممالک میں اسلامی قانون میراث کو جاری کرنے کی مزید شکلیں:

الف- قبل از وفات مورث بذات خود اپنی تمام جائداد کو تمام ورثاء کے مابین ان کے حصص شرعیہ کے مطابق تقسیم کر کے ہبۃ ہر ایک کو اس طرح دے دے کہ وہ اس پر قابض ومتصرف ہو جائے ، جیسا کہ او پر خلاصۃ الفتاوی، فتاوی بزازیہ اور عقود دریہ کے حوالہ سے امام محمدؒ کی روایت گذری، جس میں امام محمدؒ نے اس طرح تقسیم کرنے کو افضل قرار دیا ہے۔

ب- ان ممالک کے حکمراں سے وہاں کے بااثر اور ذی رسوخ علماء اپنے ساتھ عوام کو اپنا ہمنوا بنا کر گفتگو کریں ،اور ملک کے آئین ہی میں یہ بات طے کروالیں کہ مسلمان اپنی میراث قوانین اسلام کی روشنی میں تقسیم کریں اور اس سلسلہ میں حکومتی پیمانہ پر اجازت لے لی جائے جیسا کہ قربانی کے لئے قربان گاہ بنانا، بعد وفات میت کو غسل دینا اور شرعی طور پر تدفین کرنا اور علانیہ اذان دینا وغیرہ مسائل میں حکومتی قوانین کے ماتحت رہ کر ان کی اجازت سے انتظام کیا جاتا ہے۔

ج- سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں دین داری کو عام کیا جائے اور احکام شرعیہ کی اہمیت بتائی جائے اور اتباع شرع متین کے فوائد اور خلاف ورزی کے مضرات سے ان کو آگاہ کیا جائے اور فکر آخرت کی طرف ان کی توجہ کو مبذول کرائی جائے تا کہ وہ از خود شرعی قوانین کے مطابق میراث کو تقسیم کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور کسی طریقہ کو اس پر ترجیح نہ دیں۔

۵- صورت مسئولہ میں دو مسئلے علاحدہ علاحدہ ہیں:۱-"لا يرث الكافر من المسلم" ۲-"لا يرث المسلم من الكافر"اول الذکر صورت پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا اور ثانی الذکر صورت میں عند الجمہور مسلمان کافر کا وارث نہ ہوگا، البتہ بعض حضرات کے نزدیک مسلمان کافر کی میراث کا حقدار ہوگا؛ جیسے کہ حضرت معاذ بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جبلؓ، حضرت معاویہؓ، سعید بن میسبؒ، محمد بن حنفیہؒ، مسروق بن اجدعؒ، یحیی بن یعمرؒ، اسحاق بن راہویہؒ اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ابن قیم رحمہم اللہ تعالی وغیرہم۔

ذیل میں ان حضرات کے مستدلات اور جمہور کی طرف سے ان کے جوابات، نیز جمہور کے دلائل ذکر کئے جاتے ہیں:

"عن أبي الأسود الدؤلي قال: كان معاذ بن جبلؓ باليمن فارتفعوا إليه في يهودي مات وترك أخاه مسلما فقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: الإسلام يزيد ولا ينقص وروى ابن شهاب عن دائود بن أبي هندؒ قال قال مسروقؒ: ما حدث في الإسلام قضية أعجب من قضية قضاها معاويةؓ قال: كان يورث المسلم من اليهودي والنصراني ولا يورث اليهودي والنصراني من المسلم قال فقضى بها أهل الشام قال دائود فلما قدم عمر بن عبد العزيزؒ ردهم إلى الأمر الأول" (احکام القرآن للجصاص الرازی ۲/۱۰۱، اعلاء السنن ۱۸/۳۲۸)۔

"ويجاب عنه وأما حديث معاذؓ فانه ليس بنص فى الوراثة ولا ظاهر فيها فكيف يصح ابطال النص بما هو ليس بنص ولا ظاهر" (اعلاء السنن ۱۸/۳۶۶)۔

"وأما قول مسروقؒ ما أحدث في الإسلام قضية أعجب من قضية قضى بها معاويةؓ في توريث المسلم من الكافر فإنه يدل على بطلان هذا المذهب لإخباره أنها قضية محدثة في الإسلام وذلك يوجب أن يكون قبل قضية معاويةؓ لم يكن يورث المسلم من الكافر وإذا ثبت أن من قبل قضية معاويةؓ لم يكن يورث المسلم من الكافر فان معاويةؓ لا يجوز أن يكون خلافا عليهم بل هو ساقط القول معهم وأؤيد ذلك أيضا قول دائود بن أبي هندؒان عمر بن عبد العزيزؒ ردهم إلى الأمر الأول والله أعلم" (اعلاء السنن ۱۸/۳۲۹، احکام القرآن للجصاص ۲/۱۰۲)۔

"وقال الشوكانيؒ فى كتاب المسمى "بنيل الأوطار" بان الحديث صريح على ان المسلم لا يرث من الكافر، من غير فرق بين ان يكون حربيا او ذميا فلا يقبل التخصيص الا بدليل" (اختلاف الدارین، ص ۳۰۹)۔

"ولذا يقول الامام احمدؒ: ليس بين الناس اختلاف فى ان المسلم لا يرث الكافر" (ایضا، ص ۳۰۴)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"وان قياس الميراث به باطل لمعارضته بالنص الصحيح الذى رواه اسامة بن زيدؓ (كما تقدم آنفا) فكيف يترک الحديث الصحيح المتفق عليه بحديث مجمل وغير متفق على صحته"(ایضا رص۳۰۸)۔

خلاصہ کلام یہ کہ فقہاء نے اختلاف دین کو بہر دوصورت موانع ارث میں سے شمار کیا ہے۔

"واختلاف الدين ايضا يمنع الارث والمراد به الاختلاف بين الاسلام والكفر"(ہندیہ ۶؍۴۵۴، تبیین الحقائق ۶؍۲۴۰، البحر الرائق ۸؍۵۵۷، الدر المختار مع رد المحتار ۶؍۷۹۷)۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں ذکر کردہ دونوں شکلیں نصوص شرعیہ وفقہیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کے لئے کوشش کرنا لغواور بیکار ہے اور اس کو قبول کرنا ناجائز وحرام ہے۔

۶- اس کا جواب بالتفصیل اوپر گذر چکا ہے۔

۷- "ولا تجوز الوصية للوارث عندنا إلا أن يجيزها الورثة، ولو أوصى لوارثه ولأجنبي صح في حصة الأجنبي ويتوقف في حصة الوارث على إجازة الورثة إن أجازوا جاز وإن لم يجيزوا بطل ولا تعتبر إجازتهم في حياة الموصي حتى كان لهم الرجوع بعد ذلك كذا في فتاوى قاضي خان"(ہندیہ ۶؍۹۰، نیز دیکھئے: فتاوی ولوالجیۃ ۵؍۳۴۰، ۳۳۹، حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ۶؍۱۸۲)۔

مذکورہ بالا نصوص فقہیہ کو دیکھنے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ وارث کے لئے کی گئی وصیت کا نفاذ دیگر ورثاء کی رضامندی پر موقوف رہے گا اور ان کی یہ رضامندی بعد وفات مورث ہو تو معتبر ہے ورنہ حیات میں ورثاء کا اجازت دینا اور رضامندی کا اظہار کرنا یا دستخط کردینا عندالشرع غیر معتبر ہوگا؛ حتی کہ حیات میں دی ہوئی اجازت اور اظہار رضامندی کے باوجود ورثاء کو رجوع کا حق رہے گا۔

رہی بات کسی اولاد کی خدمت یا مجبوری کو دیکھ کر تمام ورثاء کی اجازت ورضامندی سے اس کے حق میں وصیت نامہ لکھ دینا اور دیگر ورثاء کا دستخط کردینا؛ لیکن مورث کا ہبہ نامہ نہ بنانا؛ تا کہ وہ شئی اس کے اختیار سے خارج نہ ہو، تو اس طرح کی رضامندی کافی نہ ہوگی، نہ ہی یہ وصیت نافذ ہوگی، اور جب شریعت نے کسی مصلحت کے پیش نظر (مثلاً کوئی وارث زیادہ متدین، خدمت گذار یا محتاج حوائج ہو) مورث کو اپنی حیات میں ہی بذریعہ ہبہ اس وارث کو کچھ دینا چاہے تو اجازت دی ہے تو اس اجازت سے فائدہ نہ اٹھا کر کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا جو عندالشرع غیر معتبر وناجائز ہو اپنی عاقبت خراب کرنے کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندیہ میں ہے:"ولو وهب رجل شيئا لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض......وروي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين وإن كانا سواء يكره وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار وإن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطي الابنة مثل ما يعطي للابن وعليه الفتوى هكذا في فتاوى قاضي خان وهو المختار، كذا في الظهيرية"(فتاوی ہندیہ ۳۹۱/۴)۔

فتاوی محمودیہ میں ہے: قصد اضرار نہ ہونے کی صورت میں کسی کے ضرورت مند ہونے یا کمانے سے عاجز ہونے یا زیادہ دیندار ہونے کی وجہ سے اس کو زیادہ دیا جائے تو یہ ممنوع نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کیا ہے:"وعنه يجوز التفاضل ان كان له سبب كأن يحتاج الولد لزمانته او نحو ذلك دون الباقين".

امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا ہے:"وتجب التسوية ان قصد بالتفضيل الاضرار".

جمہور کا قول نقل کیا ہے:"وذهب الى ان التسوية مستحبة فان فضل بعضاً، صح وكره واستحبت المبادرة الى التسوية او الرجوع فحملوا الامر على الندب والنهي على التنزيه"(فتح الباری ۵/۵۹)۔

۸- صورت مسئولہ میں شوہر اپنی بیوی کے لئے اتنے حصہ کی وصیت کر جائے جو اس کی موت کے بعد شرعی رو سے اس کی بیوی کو ملنے والا تھا، تو یہ درست ہے، جیسا کہ اس کی مکمل وضاحت اوپر گذر چکی، رہی بات حصہ مفروضہ دینے کے بعد جو مال بچا اس کی وصیت کی؟ تو اس سلسلہ میں ''معین الفرائض'' میں لکھا ہے کہ ''اگر مذکورہ بالا مستحقین میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر عام کتب فقہیہ میں لکھا ہے کہ میت کا ترکہ بیت المال کو دیا جائے؛ مگر متأخرین علماء نے جب دیکھا کہ فی زمانانہ کوئی شرعی بیت المال موجود ہے اور نہ اس قسم کے اموال کو وہ شرعی مصارف میں صرف کرتے ہیں، اس لئے اگر زوجین میں سے کوئی موجود ہو اور ان کے حصہ سے باقی ماندہ مال کے لئے مستحقین مذکورہ بالا میں سے کوئی موجود نہ ہو تو وہ باقی ماندہ حصہ بھی اسی (احد الزوجین) کو دیا جائے گا (معین الفرائض رص ۱۴)۔

بلکہ ابن کمال پاشاؒ کی تصریح کے مطابق بیت المال ہونے کے باوجود اگر زوج، زوجہ کے لئے یا زوجہ، زوج کے لئے وصیت کرنا چاہے تو اس کی گنجائش ہے، جبکہ دوسرا کوئی شرعی وارث نہ ہو۔

"وصحت بالأمة......او لم يكن له وارث سواه كما في الخانية: اى سوى الموصى له القاتل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

او الوارث حتی لو اوصی لزوجته او هی له ولم یکن ثمة وارث آخر تصح الوصیة، ابن کمال" (الدر المختار ۱۰ / ۳۴۷، مطبوعہ زکریا)۔

۹- اس کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے کہ مورث کی حیات میں دی ہوئی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں، بعد وفات مورث اگر ورثاء میں سے کوئی اپنی اجازت سے رجوع کرنا چاہے تو اس کو اختیار رہے گا۔

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وارثین کے لئے وصیت نامہ شرعی تناظر میں

مولانا محمد اخلاق قاسمی ☆

۱- ایسی وصیت جس کے ذریعہ ورثاء کے درمیان ترکہ کو قانون میراث جاری کر کے تقسیم کرانا ہی مقصود ہو تو وہ وصیت حدیث "لا وصیة لوارث" کی ممانعت کے دائرہ میں نہیں آئے گی، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وارث کے لئے وصیت کے جائز نہ ہونے کی حکمت کے سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اقول لما كان في الجاهلية يضارون في الوصية ولا يتبعون في ذالك الحكمة الواجبة فمنهم من ترك الأحق والأوجب مواساته واختار الأبعد برأيه الابتر، وجب ان يسد هذا الباب ووجب عند ذالك ان يعتبر المظان الكلية بحسب القرابات دون الخصوصيات الطائرة بحسب الاشخاص فلما تقرر امر المواريث قطعا لمنازعتهم وسدا لضغائنهم كان من حكمه ان لا يسوغ الوصية لوارث اذ في ذالك مناقضة للحد المضروب" (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲/۱۱۶)۔

(جب لوگ زمانہ جاہلیت میں وصیت میں ایک دوسرے کو ضرر پہنچاتے تھے اور اس سلسلہ میں حکمت لازمہ کی پیروی نہیں کرتے تھے، پس ان میں سے بعض وہ تھے جو زیادہ حقدار کو چھوڑ دیتے تھے، حالانکہ اس کی غم خواری زیادہ ضروری تھی اور اپنی ناقص رائے سے دور والے کو ترجیح دیتے تھے، تو ضروری ہوا کہ یہ دروازہ بند کر دیا جائے، پس جب میراث کا معاملہ طے ہو گیا ان کے آپسی نزاعات کو ختم کرنے کے لئے اور ان کے دلوں کے غیظ کو بند کرنے کے لئے تو اس کے حکم میں سے تھا کہ کسی بھی وارث کے لئے وصیت جائز نہ رکھی جائے کیونکہ اس میں مقررہ (نظام توریث) کو توڑنا ہے) (رحمۃ اللہ الواسعہ جلد ۴/۶۱۷-۶۱۸)۔

حضرت شاہ صاحبؒ وارث کے لئے وصیت کے جائز نہ ہونے کی وجہ یہ مانتے ہیں کہ اگر وارث کے لئے وصیت کو جائز رکھا جاتا تو اس سے شریعت کا نظام توریث درہم برہم ہو جاتا، ورثا کے حقوق کے اتلاف کا دروازہ کھل جاتا اور

☆ خادم التدریس والافتاء مدرسہ اسلامیہ قرآنیہ فیض العلوم خانقاہ بوڑیہ، یمنا نگر ہریانہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شریعت میں احکام میراث کے ذکر کا مقصد ہی فوت ہو جاتا، تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی موقع پر وصیت ہی نظام توریث کی حفاظت اور اجراء احکام میراث کا ذریعہ بن رہی ہو تو ایسی وصیت نہ صرف یہ کہ ممتنع نہ ہوگی، بلکہ مستحسن قرار پائے گی، اور وہ وصیت حدیث: "لا وصیة لوارث" کے خلاف بھی نہ ہوگی، اور سوال بالا ایسی صورت ہی کے پس منظر میں ہے کہ جہاں وصیت احکام میراث کے جاری کرنے ہی کے لئے ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں وصیت حدیث "لا وصية لوارث" کے خلاف ہو کر غیر معتبر نہیں ہوگی، علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں باب "لا وصية لوارث" کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں: "وقال المنذری: انما يبطل الوصية للوارث في قول اكثر اهل العلم من اجل حقوق سائر الورثةفاذاا جازوها ،جازت كما اذا اجاز وا الزيادة على الثلث" (عمدۃ القاری جلد ۱۰/۲۱) اس عبارت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ وارث کے لئے وصیت کے باطل ہونے کی وجہ وارثوں کے حقوق کی حفاظت ہے۔

لہٰذا اگر کسی وصیت سے وارثوں کے حقوق ضائع تو نہ ہو رہے ہوں بلکہ وہ وصیت ورثاء کے حقوق کی ایک گونہ محافظ بن رہی ہو تو ایسی وصیت کے جائز ہونے میں کوئی کلام نہ ہوگا۔ صاحب فتح الباری نے "باب لا وصية لوارث" کے تحت لکھا ہے: "والمراد بعدم صحة وصية الوارث عدم اللزوم لأن الاكثر على انها موقوفة على إجازة الورثة كما سيأتي بيانه" (فتح الباری جلد ۷/۴۷۸/حدیث نمبر ۲۷۴۷) (علامہ ابن حجر عسقلانیؒ وارث کے لئے وصیت کے صحیح نہ ہونے کا یہ مطلب بیان کر رہے ہیں کہ وارث کے لئے اگر وصیت کر بھی دی گئی تو وہ وصیت لازم نہیں ہوگی، لہٰذا ان کے نزدیک اس حدیث سے وارث کے لئے نفس وصیت کا عدم جواز ثابت نہیں ہوتا بلکہ وصیت جائز ہے، ہاں اس کا نفاذ ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گا)۔

۲- حدیث "لا وصية لوارث" کا مورد و مقصد:

حدیث پاک میں جو وارث کے لئے وصیت کو منع کیا گیا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ مورث وصیت کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر نہ دے، ورنہ تو اگر ورثاء اجازت دے دیں تو وہ وصیت نہ صرف یہ کہ معتبر ہوگی بلکہ موصی لہ کے لئے اس کا نفاذ بھی ہوگا، اس کی تائید دارقطنی کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں "لا وصية لوارث" کے ساتھ "الا ان يشاء الورثة" کے الفاظ کا اضافہ ہے (حوالہ بالا) ابوداؤد کی روایت: "ان الله قد أعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث" (حوالہ بالا) ہے "ان الله قد أعطى كل ذى حق حقهٗ" کی تشریح ملا علی قاری نے "اى بين حظه و نصيبه الذى فرض له" (مرقاۃ جلد ۶/۲۳۲) سے اور صاحب بذل المجهود نے "اشارة الى آيات المواريث لانه سبحانه تعالى عين حقوق الورثة" (بذل المجهود جلد ۴/۹۶) کے الفاظ سے کی ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ وارث کے لئے وصیت اس لئے نہیں ہے کیونکہ ہر وارث کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا حصہ شرعی بیان کر دیا ہے، لہذا وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد مال وصیت کے ذریعہ دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر نہیں دیا جائیگا اور اس طرح کی وصیت درست نہ ہوگی، البتہ اگر وصیت کا مقصد تمام ورثاء کو ان کا حصہ شرعی ہی پورے طور پر دلانا مقصود ہو تو ایسی وصیت '' لا وصية لوارث '' کے دائرہ میں نہیں آئے گی اور وہ وصیت ممنوع بھی نہ ہوگی (واللہ اعلم)۔

۳-غیر مسلم ممالک میں اسلام کا قانون میراث:

غیر مسلم ممالک میں اسلام کے قانون میراث کو جاری کرنے کے لئے مختلف شکلیں اختیار کی جاسکتی ہیں:

(۱) پہلی بات تو یہی ہے کہ مرنے والا مرنے سے قبل ایک وصیت نامہ اپنے تمام ورثاء کے نام تحریر کر دے جس میں یہ لکھا جائے کہ میرے مرنے کے بعد میرے ترکہ کو اللہ تعالیٰ کے بیان فرمائے ہوئے قانون میراث کے مطابق ہی تقسیم کیا جائے اور اس سلسلہ میں بھی اللہ رب العزت کی حاکمیت کو تسلیم کیا جائے، اس طرح کا وصیت نامہ بھی قانون میراث کے مطابق ترکہ کی تقسیم میں معاون ثابت ہوگا، کیونکہ مرنے والے کی وصیت کو ورثاء نجی طور پر بھی بڑی اہمیت دیتے ہیں اور وصیت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۲) اور اگر یہ لگے کہ میرا ترکہ قانون میراث کے مطابق تقسیم نہیں ہوگا تو پھر مرنے والا مرنے سے پہلے اپنے متوقع ورثاء کے لئے ان کے حصص شرعیہ کے مطابق ان کے لئے اپنے مال میں سے حصے متعین کر کے وصیت نامہ تحریر کر دے تا کہ اس کے مرنے کے بعد مستحقین ورثاء میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ مل جائے۔

(۳) مرنے والا مرض الموت سے قبل اپنے مال کو (اپنی ضرورت تجہیز و تکفین کے لئے بچا کر) اپنے متوقع ورثاء کے درمیان ہبہ کر دے اور موہوب لھم کو اس پر قابض بنا دے، مگر اس صورت میں موہوب لہم کو برابر برابر حصہ دیا جائے گا، یہ شکل اگر چہ ہبہ کی ہے مگر جہاں قانون میراث جاری نہ ہوتا ہو تو وہاں مستحقین ورثاء کو یہ شکل اختیار کر کے بھی ان کو انکا حق پہنچایا جاسکتا ہے۔

کیا کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث ہوسکتا ہے؟

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا ''قوله: لا یرث الکافر المسلم هذا مما اجمع علیه الفقهاء'' (تکملۃ فتح الملہم جلد ۸، ۱۴)''اجمع المسلمون علی ان الکافر لایرث المسلم ''(نووی حاشیہ مسلم شریف جلد دوم ص ر ۳۳)، البتہ مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں، عامۃ الصحابہ اور ائمہ اربعہ تو اس بات کے قائل ہیں کہ مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوسکتا ''واما المسلم فلایرث الکافر ایضا عند جماهیر العلماء من الصحابة

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

والتابعين ومن بعدهم" (نووی حاشیہ مسلم جلد دوم ص ر ۳۳) ان حضرات کی دلیل حضرت اسامہؓ کی روایت: "ان النبی ﷺ قال : لا يرث المسلم الكافر ولاالكافر المسلم " (بخاری جلد دوم ر ۱۰۰۱) ہے جو اس باب میں صریح حدیث ہے، "وحجة الجمهور هذا الحديث الصريح " (نووی حاشیہ مسلم شریف جلد دوم ص ر ۳۳) مگر ان کے برخلاف حضرت معاذ بن جبل، حضرت معاویۃ، حضرت عمر رضی اللہ عنھم، امام مالکؒ، مسروق، حسن، محمد بن الحنفیہ اور محمد بن علی بن حسین ان حضرات کا مسلک یہ ہے کہ وارث ہوسکتا ہے: " وذهبت طائفة إلى توريث المسلم من الكافر وهو مذهب معاذ بن جبل و معاوية وسعيد بن المسيب ومسروق وغيرهم" (نووی حاشیہ مسلم شریف جلد دوم ص ر ۳۳) "وروى عن عمر ومعاذ ومعاوية رضى الله عنهم انهم ورثوا المسلم من الكافر ولم يورثوا الكافر من المسلم" (المغنی لابن قدامہ جلد ۷ ر ۱۶۷) "ثم لاخلاف ان الكافر لا يرث المسلم بحال وكذالك لا يرث المسلم الكافر في قول اكثر الصحابة وهو مذهب الفقهاء" (کتاب المبسوط للسرخسی جلد ۳۰ ر ۳۶) "وأما المسلم فهل يرث من الكافر أم لا؟ فقالت عامة الصحابةؓ لا يرث وبه اخذ علمائنا والشافعي، وهذا استحسان والقياس أن يرث وهو قول معاذ بن جبل ومعاوية بن ابى سفيان، وبه أخذ مسروق والحسن ومحمد بن الحنفية ومحمد بن على بن حسين" (عمدۃ القاری جلد ۱۶ ر ۴۵)۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ وغیرہ کا مستدل حدیث رسول ﷺ "الاسلام يزيد ولا ينقص " " الإسلام يعلو ولا يعلى عليه " ہے، "احتج بانه سمع رسول الله ﷺ يقول: الاسلام يزيد ولا ينقص" (فتح الباری جلد ۱۵ ر ۲۹۱) "وذهب معاذ بن جبل و معاوية وسعيد بن المسيب و مسروق رحمهم الله وغيرهم الى انه يرث من الكافر واستدلوا بقوله عليه الصلوه والسلام: "الاسلام يعلو ولا يعلى عليه" (مرقات شرح مشکوۃ، ج ۶ ر ۲۰۹)، حضرت معاذ بن جبل تو اپنے اسی مسلک کے مطابق فیصلے بھی فرمایا کرتے تھے، "وأخرج مسدد عنه ان اخوين اختصما اليه مسلم ويهودى مات ابو هما يهوديا فحازابنه اليهودى ماله فنازعه المسلم فورث معاذ المسلم" (فتح الباری جلد ۱۵ ر ۲۹۱) صاحب تکملۃ فتح الملہم نے حضرت معاذ بن جبل و حضرت معاویہ کے اس مسلک کے ساتھ علامہ ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے بروایت ابن ابی شیبۃ حضرت عبداللہ بن معقل کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: "مارأيت قضاء أحسن من قضاء قضى به معاوية ،نرث أهل الكتاب ولا يرثونا كما يحل النكاح فيهم ،ولا يحل لهم" (حوالہ بالا) مگر ان حضرات کا یہ مسلک حدیث صریح "لا يرث المسلم الكافر ولا يرث الكافر المسلم " (بخاری جلد دوم ر ۱۰۰۱) کے مقابلہ میں ہے جو جمہور کے یہاں معتبر نہیں۔ رہ گئی بات ان حضرات کے مستدل کی تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ان حدیثوں کا تعلق وراثت سے نہیں ہے، بلکہ ان سے تو اسلام کی دیگر ادیان پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فضیلت ثابت ہوتی ہے، لہذا حدیث صریح کے مقابلہ میں ان کو اور قیاس کو پیش کرنا معتبر نہیں ہے " وحجة الجمهور أنه قياس في معارضة النص وهو صريح في المراد ولا قياس مع وجوده، وأما الحديث فليس نصا في المراد بل هو محمول على انه يفضل غيره من الأديان ولا تعلق له بالإرث" (فتح الباری ج ۱۵/ ۲۹۲) بہر حال حضرت معاذؓ وغیرہ کا مسلک حدیث صریح کے خلاف ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں ہے۔ حضرت معاذؓ کے اس قول کے بارے میں صاحب تکملة فتح الملهم نے اعلاء السنن کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ بات دراصل یہ ہے کہ مرنے والے کافر کا اگر کوئی کافر ہی وارث نہ ہو، البتہ اس کا کوئی قریبی مسلمان ہو تو مرنے والے کا ترکہ بیت المال کے لئے ہوگا اور حاکم وقت کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اس مال کو اپنی رائے سے جہاں چاہے خرچ کرے تو حضرت معاذ وحضرت معاویہؓ نے مرنے والے کے لئے قریبی مسلمان کو مرنے والے کے مال کو دینا زیادہ بہتر سمجھا اور ان کی دلجوئی کے لئے مرنے والے کافر کا مال مسلمان کو دیدیا، تو ان دونوں حضرات کا مسلمان کو کافر کا مال دینا تالیف قلب کے لئے تھا بطور وراثت کے نہ تھا (تکملہ فتح الملہم جلد ۸/ ۱۴، اعلاء السنن جلد ۱۸/ ۳۳۷)۔

مورث کا اپنی زندگی ہی میں ورثاء کے حصے مقرر کرنا:

اگر مورث نے اپنی زندگی میں ہی متوقع ورثاء کے لئے حصہ مقرر کردینے کے بعد اسی کے مطابق ترکہ کو تقسیم کرنے کی وصیت کی، تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ مورث کے مرنے کے بعد مورث نے ورثاء کے لئے جو مال کے حصے مقرر کئے ہیں تو کیا قانون میراث جاری کرکے بھی ان کے حصہ میں اتنا ہی مال آتا ہے یا کم یا زیادہ؟ اگر کمی یا زیادتی کی صورت پیش آتی ہے تو اس وصیت کا نفاذ ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گا" قال: إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار الخ ولامعتبر بإجازتهم في حال حياته" (ہدایہ ۴/ ۶۳۹)، اور اگر احکام میراث جاری کرنے کے بعد بھی ہر وارث کو وہی حصہ ملتا ہے کہ جو وصیت نامہ میں اس کے لئے رکھا گیا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ اس وصیت نامہ کے نفاذ میں کوئی خرابی نہیں اور اس صورت میں مورث کے مال کی تقسیم درحقیقت قانون میراث کے مطابق ہی ہوگی۔

وارث کے لئے وصیت کے نفاذ میں دوسرے ورثہ کی کس وقت کی اجازت کا اعتبار ہوگا؟

وارث کے لئے کی جانے والی وصیت کا نفاذ دوسرے ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اور وہ اجازت معتبر ہوتی ہے کہ جو موصی کے مرنے کے بعد ورثاء دیں، اگر موصی کے مرنے سے پہلے ورثاء راضی ہوں اور موصی کے مرنے کے بعد وہ راضی نہ رہیں تو پھر وارث کے لئے کی جانے والی وصیت کا اس وقت تک کوئی اعتبار نہ ہوگا جب تک ورثاء اس وصیت کے نفاذ کی نئی اجازت نہ دیدیں۔ "وعن ابراهيم في الرجل يستأذن ورثته في الوصية فيأذنون له ثم يرجعون بعد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موته قال :لهم ذالک ان شاؤ ارجعوا وبه نأخذ فإن الإجازة من الورثة معتبرة فی الوصية بما زاد علی الثلث او فی الوصية للوارث، وانما تعتبر إجازتهم بعد موت الموصی فاما فی حياته فلا تعتبر" (المبسوط للسرخسی جلد ۲۷/ ۱۵۰)۔

مذکورہ بالا فقہی عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وصیت کے معتبر ہونے اور اس کے نفاذ کیلئے ورثاء کی اس اجازت کا اعتبار ہوگا جوانہوں نے موصی کے مرنے کے بعد دی ہوگی اور اگر زندگی میں اجازت دی اور مرنے کے بعد اس اجازت کو باطل نہ کیا تو پھر اسی اجازت پر وصیت کو نافذ کر دیا جائے گا۔

کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں بیوی کے لیے وصیت:

اگر میاں بیوی کے علاوہ میت کا کوئی دوسرا وارث نہ ہوتو بیوہ بیوی کیلئے کل مال کی وصیت درست ہے: "واذا أوصی الرجل لزوجته بكل ماله وليس لها وارث سواه فان الوصية تصح و تاخذ كل المال ومثله ما إذا أوصت المرأة لزوجها" (کتاب الفقہ جلد ۳/ ۲۸۲)۔

"قال فی القنية: ويفتی بالرد علی الزوجين فی زماننا لفساد بيت المال الخ وفی المستصفی: الفتوی اليوم علی الرد علی الزوجين عند عدم المستحق لعدم بيت المال اذالظلمة لا يصرفونه" (رد المختار جلد ۵/ ۵۵۶)۔

تہائی سے زائد کی وصیت:

یہاں تین صورتیں ہیں: اول یہ کہ مرنے والے نے وارث کے لئے تہائی سے زائد کی وصیت کر دی اور دوسرے ورثاء مورث کی زندگی میں اس وصیت پر رضامند بھی تھے، تو پھر بھی اس وصیت کا نفاذ مورث کے مرنے کے بعد دوسرے ورثاء کی اجازت پر ہی موقوف رہے گا (حوالہ بالا)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر غیر وارث کے لیے تہائی سے زائد مال کی وصیت کی تو تہائی مال تک تو موصی لہ کے لئے وصیت معتبر ہوگی، ورثاء اجازت دیں یا نہ دیں اور تہائی سے زائد مال میں وصیت ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر وہ اجازت دیں تو نافذ ہوگی ورنہ نہیں ہدایہ میں ہے: "ثم تصح للاجنبی فی الثلث من غير إجازة الورثة لما روينا" (ہدایہ جلد ۴/ ۶۳۸) "ومن احکام الاسلام ان الوصية بما زاد علی الثلث من له وارث تقف علی إجازة وارثه" (بدائع الصنائع ۶/ ۴۳۰)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور تیسری صورت یہ ہوگی کہ مورث نے اجنبی اور وارث دونوں کے لئے تہائی مال سے زائد کی وصیت کی تو اس صورت میں اگر بقیہ ورثاء اجازت دیدیں تو دونوں کے لئے وصیت جائز ہوگی اور جتنے مال کی وصیت کی گئی ہوگی وہ دونوں (وارث اور اجنبی) کو دیدی جائے گی" (ولا تجوز) ای الوصیة (بما زاد علی الثلث) وھذا عند وجود الورثة باجماع أهل العلم عند عدم إجازة الورثة ویجوز عند اجازتھم" (البنایۃ شرح الہدایۃ جلد ۱۳/۳۹۱)۔

اور اگر مورث نے وارث اور اجنبی دونوں کے لئے ثلث مال کی وصیت کی تو اس صورت میں اگر بقیہ ورثاء اجازت دیدیں تو وہ وصیت دونوں کے لئے جائز ہوگی اور تہائی مال دونوں کو نصف نصف مل جائے گا اور اگر ورثاء اجازت نہ دیں تو مورث کی وصیت اجنبی کے حق میں صحیح ہوگی اور وارث کے حق میں باطل ہو جائے گی "ولو أوصی بثلث ماله لبعض ورثته ولأ جنبی فان أجاز بقیة الورثة جازت الوصیة لهما جمیعا وکان الثلث بین الاجنبی وبین الوارث نصفین، وإن ردوا جازت فی حصة الأجنبی وبطلت فی حصة الوارث "(بدائع الصنائع جلد ۶/۴۴۴)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت کے بعض مسائل

مولانا نعیم اختر قاسمی☆

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "ان اللہ تبارک و تعالی قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث" (ترمذی ۲/ ۳۲) (یعنی اللہ تعالی نے ہر صاحب حق کا حق آیت میراث میں متعین فرمادیا ہے، لہٰذا اب کسی وارث کے لئے وصیت درست نہیں)۔

علماء مفسرین نے اس حدیث کو آیت وصیت: "کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت إن ترک خیراً الوصیۃ" (بقرہ:۱۸۰) کے لئے ناسخ مانا ہے جس میں والدین اور دیگر رشتہ داروں کے لئے وصیت کو واجب قرار دیا گیا تھا (بدائع الصنائع ۶/ ۳۴۴)۔

مذکورہ حدیث کے دونوں اجزاء پر غور کیا جائے تو آسانی یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ آیت میراث میں ورثہ کا حق متعین ہوجانا کسی وارث کے حق میں وصیت کے غیر معتبر ہونے کی علت ہے، بالفاظ دیگر کسی وارث کے لئے وصیت کرنا اس لئے ممنوع ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ کے بیان کردہ قانون میراث میں تبدیلی لازم آئے گی، اور دوسرے ورثہ کی حق تلفی ہوگی، صاحب ہدایہ کے الفاظ ہیں:

"ولأنہ یتاذی البعض بایثار البعض ففی تجویزہ قطیعۃ الرحم" (ہدایہ ۴/ ۶۳۹) (کیونکہ کسی وارث کو ترجیح دینے میں دوسرے ورثہ کو اذیت پہنچے گی چنانچہ اسے جائز مانا جائے تو اس سے قطع رحمی لازم آئے گی)۔

یہی وجہ ہے کہ اگر دوسرے ورثہ راضی ہوں تو علت نہ پائے جانے کی وجہ سے وارث کے لئے بھی وصیت جائز ہے، علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"لأن امتناع الجواز کان لحقھم لما یلحقھم من الأذی والوحشۃ بایثار البعض ولا یوجد ذلک عند الإجازۃ" (بدائع الصنائع ۶/ ۳۴۴) (وارث کے لئے وصیت ورثہ کے حق کی رعایت کی وجہ سے ناجائز تھی، کیونکہ

☆ مدرسہ عربیہ مصباح العلوم، کوپا گنج، مئو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی وارث کو ترجیح دینے میں انہیں اذیت اور وحشت لاحق ہوتی، اجازت کی صورت میں یہ خرابی لازم نہیں آتی)۔

چنانچہ بعض روایات میں "إلا أن يجيزها الورثة" کا اضافہ بھی ثابت ہے (حوالہ سابق)۔

اب اگر کوئی شخص کسی خاص وجہ سے اپنے متوقع وارثین کے لئے اسی تناسب سے مال کی وصیت کرے اور وصیت نامہ مرتب کرے جو انتقال کے بعد انہیں ملنے والا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی وصیت "لا وصية لوارث" کے معارض نہ ہوگی، کیونکہ اس کی وجہ سے شرعی قانون میراث میں کوئی تبدیلی ہوگی اور نہ ورثہ کی حق تلفی لازم آئے گی، بلکہ اس کی وجہ سے شرعی قانون میراث میں مزید استحکام پیدا ہوگا۔

مذکورہ وصیت جائز ہے یا واجب؟

دار الاسلام جہاں مسلمانوں میں اسلامی قانون نافذ کرانے والے قاضی اور حکام ہوں اور وہاں اسلام کا قانون میراث جاری ہوتا ہو وہاں اس قسم کا وصیت نامہ تحریر کرنا تحصیل حاصل ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، البتہ مرنے والے کی وصیت کو مطلقا (شرعی قانون وصیت سے قطع نظر) قانونی حیثیت حاصل ہے وہاں اسلام کے قانون میراث کو روبہ عمل لانے کا یہ آسان اور قریب تر راستہ ہے کہ اس قسم کی وصیت کا سہارا لیا جائے جس میں مورث اپنے متوقع وارثین کے لئے ان کے حصص شرعیہ کی صراحت کردے۔

البتہ چونکہ ہر شخص کے خاندانی حالات الگ الگ نوعیت کے ہوتے ہیں، بعض لوگ اپنے ورثہ کی دیانتداری سے مطمئن ہوتے ہیں اور ان کے اندر اتباع شریعت کا اتنا جذبہ محسوس کرتے ہیں کہ مورث کے مرنے کے بعد وہ اپنے ذاتی نفع و نقصان سے اوپر اٹھ کر اپنے اوپر اسلام کے قانون میراث کو بخوشی جاری کرلیں گے تو ایسی صورت میں اس قسم کی وصیت محض جائز اور مباح ہوگی۔

اور اگر مورث کو قوی اندیشہ اور ظن غالب ہو کہ اس کے ورثہ تقسیم وراثت کے وقت باہم دست وگریباں ہوں گے، عدل وانصاف پامال ہوگا اور طاقتور کمزور کو دبائے گا اور رفع نزاع کی کوئی اور صورت نہ ہو تو چونکہ متوقع ظلم و ناانصافی کو روکنے کا ایک امکانی راستہ اسکے سامنے موجود ہے، اس لئے "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده" الحدیث کی روشنی میں ایسے ملک میں مذکورہ وصیت نامہ کا سہارا لینا مرنے والے پر واجب ہوگا۔

البتہ اگر ملک میں مذکورہ وصیت کو کوئی قانونی حیثیت حاصل نہ ہو اور نہ ہی اسلام کا قانون میراث جاری ہو پھر بھی مورث اگر اپنے جملہ متوقع وارثین کے لئے اپنے مال و جائداد کی اس انداز سے وصیت مرتب کرے جس میں ورثہ کے درمیان ان کے حالات پر نظر کر کے عدل وانصاف کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہو اور ورثہ اس پر راضی بھی ہوں تو ایسا کرنا بہتر اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مستحسن ہے، کیونکہ یہ نیک نیتی پر مبنی ہے اور یہ متوقع ورثہ کے درمیان صلح وسمجھوتے کی ایک شکل ہوگی، والصلح خیر۔ ورنہ عموما دیکھا جاتا ہے کہ ورثہ میں تقسیم ترکہ کو لے کر کافی ناچاقی اور نااتفاقی پیش آتی ہے اور طاقتور کمزور کو دبانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتا، نیز بعض دشواریوں کی بنا پر محلے اور گاؤں کی پنچایتیں بھی اسے حل کرنے میں ناکام ہوجاتی ہیں اور اگر بڑوں کے دباؤ سے ترکہ تقسیم بھی ہوجاتا ہے تو دلوں میں کدورت اور دوری باقی رہ جاتی ہے، جس سے کئی نسلیں متاثر ہوتی ہیں۔ اس لئے آدمی مرنے سے پہلے ہی ورثہ کو راضی کر کے ایک وصیت نامہ مرتب کر دے تو بہتر ہے۔

البتہ اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ورثہ کی طرف سے ایک وعدہ کی ہوگی جس پر ثواب وعقاب تو مرتب ہوسکتا ہے مگر اس کی کوئی شرعی وقانونی حیثیت نہ ہوگی، کیونکہ وارث کے لئے وصیت اگرچہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے، مگر یہ اجازت موصی کی زندگی میں معتبر نہیں، موصی کی موت کے بعد ورثہ اس وصیت کو رد بھی کر سکتے ہیں۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: "ولا تعتبر الإجازة حال حياته، حتى انهم لو أجازوا في حياته لهم أن يرجعوا عن ذلک بعد موته" (بدائع الصنائع ۶/ ۴۸۳)۔

کیونکہ مورث کی زندگی میں اس کے مال میں کسی وارث کا حق ہی ابھی متعین نہیں ہوا کہ اس کی اجازت معتبر ہو (ہدایہ ۴/ ۶۳۸: کتاب الوصایا) جمہور فقہاء بشمول ائمہ اربعہ اسی کے قائل ہیں (اعلاء السنن ۱۸/ ۲۹۵)۔

البتہ امام مالکؒ کے نزدیک اگر موصی اپنے مرض الموت میں وصیت کرے اور ورثہ اجازت دیں تو پھر انہیں رجوع کا حق نہ ہوگا (حوالہ سابق)۔

اس کے برخلاف کچھ دوسرے فقہاء کی رائے میں موصی کی زندگی میں ورثہ کی اجازت موصی کی موت کے بعد بھی نافذ ہوگی اور انہیں رجوع کا حق نہ ہوگا، ان فقہاء میں حضرت حسن بصری، عطاء، حماد بن ابی سلمان، عبد الملک بن یعلی، زہری، ربیعہ، اوزاعی اور ابن ابی لیلی کا نام لیا جاتا ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ورثہ جب خود اپنا حق چھوڑنے پر راضی ہوگئے تو ان کا حق بھی ساقط ہوجائے گا، "كما لو رضى المشترى بالعيب" (اعلاء السنن ۱۸/ ۲۹۵)۔

تاہم محض وعدہ ہی کی حیثیت پر اپنی زندگی میں ورثہ کی رضامندی سے اس طرح کا وصیت نامہ مرتب کرنا خیر سے خالی نہیں، کیونکہ ورثہ پر کوئی قانونی نہیں مگر ایک اخلاقی اور معاشرتی دباؤ بہرحال بنا رہے گا جو اتحاد واتفاق کو باقی رکھنے میں معاون بن سکتا ہے۔

اختلاف دین مانع ارث ہے:

وراثت اسباب ملک میں سے ایک سبب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مورث کے مرنے کے بعد حقوق متقدمہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ادائیگی کے بعد بقیہ مال کے مالک اس کے شرعی ورثہ ہیں، اگر کوئی وارث کسی مانع کی وجہ سے ترکہ سے محروم یا محجوب ہوتو اسے ترکہ میں کوئی ملکیت حاصل نہیں ہوتی اور چونکہ اختلاف دین بھی مانع ارث ہے حدیث: "لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" (بخاری ۲/۱۰۰۱) کی وجہ سے ،لہذا مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے ،یعنی مسلمان مورث کے مال کا کافر وارث مالک نہیں بنے گا اور کافر مورث کا مال مسلمان وارث کی ملکیت میں نہیں آئے گا۔

لیکن اگر کسی غیر مسلم ملک کے قانون میں اختلاف دین کو مانع ارث نہ سمجھا جاتا ہو اور طرفین میں سے ایک کو دوسرے کا وارث تسلیم کیا جاتا ہو تو حکومت کی مداخلت کی بنا پر یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد اس کے جملہ ترکہ کی مالک حکومت ہوگئی ،اب وہ بلا تفریق مذہب جن ورثہ کو متروک میں سے حصہ دے وہ حکومت کی طرف سے عطیہ ہے، لہذا ایسی صورت میں مسلمان بھی اپنے غیر مسلم مورث کے مال کا وارث اور مالک بن جائے گا ،وہ اسے قبول کرسکتا ہے اور اس کے حصول کی کوشش بھی کرسکتا ہے۔

البتہ جن ممالک کا قانون ایسا نہیں ہے وہاں براہ راست مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

چونکہ مذکورہ حدیث: "لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم" اختلاف دین کے مانع ارث ہونے کے تعلق سے بالکل صریح ہے ،اسی لئے جمہور صحابہ وائمہ مجتہدین کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا ،صحابہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت معاویہؓ کی رائے ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے ،ان حضرات نے اس کے مطابق بعض فیصلے بھی کئے، "لأن الإسلام یزید ولا ینقص، ولأن الإسلام یعلوولا یعلی علیه" اور اہل شام نے بھی حضرت معاویہؓ کی تقلید کی مگر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں اس فیصلہ کو تبدیل کیا اور مسلمان کو کافر کا وارث بننے سے روک دیا (اعلاء السنن ۱۸/۳۲۸) علامہ نوویؒ کے بقول ان حضرات کو شاید مذکورہ حدیث صریح نہیں پہنچی (شرح مسلم ۲/۳۳)۔

بیوی کے لئے وصیت:

بعض لا ولد حضرات جنہیں اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی بیوہ کا حق محفوظ رہے اور وہ بے سہارا نہ ہوجائے تو اگر کوئی دوسرا وارث موجود نہ ہو تو بیوی کے لئے کل مال کی وصیت جائز ہے ،درمختار میں ہے: "اولم یکن له وارث سواہ...... حتی لو اوصی لزوجته اوهی له ولم یکن ثمة وارث آخر تصح الوصیة" (درمختار علی الرد ۵/۴۲۰) (اگر شوہر نے بیوی کے لئے یا بیوی نے شوہر کے لئے وصیت کی اور کوئی دوسرا وارث موجود نہیں ہے تو وصیت درست ہے)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میراث ووصیت سے متعلق چند مسائل

مفتی ریاست علی قاسمی ☆

قرآن وحدیث کی نصوص میں بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ میراث ووصیت کے احکام ومسائل بیان کئے گئے ہیں اور شرعی ورثہ کے حصص کی تعیین اور وضاحت فرمائی گئی ہے، حتی کہ آیت میراث کے نزول سے قبل والدین اور اعزہ و اقارب کے لئے قریب المرگ شخص پر اپنے مال متروکہ میں وصیت کرنا فرض قرار دیا گیا تھا۔ "كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خيرا الوصية للوالدين والأقربين بالمعروف حقا على المتقين" (بقرہ:۱۸۰)۔

اس کے بعد آیت میراث کے نزول کے بعد وصیت کی فرضیت کا حکم منسوخ ہوگیا اور ورثہ کے لئے وصیت ناجائز اور ممنوع ہوگئی اور حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں انتہائی وضاحت اور صراحت کے ساتھ اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالی نے ہر حقدار کا حق اس کے مورث کے مال میں متعین فرمادیا ہے، لہذا اب وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔

"عن ابن امامة قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول في خطبته عام حجة الوداع: ان الله قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث" (مشکوۃ شریف ۱/ ۲۶۵، ترمذی شریف ۲/ ۳۲) ان تمام نصوص سے اور اس کے علاوہ متعدد نصوص سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وصیت اور میراث کے احکام اسلامی شریعت کا اہم ترین حصہ ہیں اور ان کی اہمیت اور قطعیت کو بیان کرنے کے لئے ارشاد ربانی "فريضة من الله" (سورۂ نساء) جیسے الفاظ وارد ہیں۔

کسی بھی مسلمان شخص کے انتقال کے بعد اس کے مال متروکہ میں شرعی میراث جاری کرنا اور حصص شرعیہ کے مطابق ورثہ میں تقسیم کرنا خود وارث کی ذمہ داری ہے اور احکام میراث سے عدم واقفیت کی صورت میں علماء کرام سے استفتاء حاصل کرکے تعاون بھی کرنا ضروری ہے، اور اگر کوئی وارث یا غیر وارث ترکہ کی تقسیم میں مانع اور رکاوٹ بن رہا ہو تو حکومت وقت سے مدد طلب کرنا اور حکومت کا اس ترکہ میں تقسیم شرعی جاری کرنا بھی شرعا لازم اور ضروری ہے، موجودہ دور میں مسلمانوں کی بھاری تعداد ایسے ممالک میں رہتی ہے جہاں اسلامی قانون میراث جاری نہیں ہے اور احکام میراث سے عدم

☆ جامع مسجد امروہہ (یوپی)۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واقفیت اور دینی جذبہ کے فقدان کی وجہ سے از خود بھی تقسیم شرعی سے قاصر رہتے ہیں، اس لئے مختلف النوع سوالات سامنے آتے رہتے ہیں، اسی نوع کے متعدد سوالات کا شرعی حل پیش کیا جا رہا ہے۔

ورثہ کے درمیان شرعی تقسیم کی وصیت کرنے کا حکم:

اگر مورث کو شرعی ورثہ کے درمیان شرعی تقسیم نہ ہونے اور ورثہ کے اپنے حق سے محروم ہو جانے کا ظن غالب یا یقین ہے تو اس طرح کا وصیت نامہ لکھنا کہ تمام ورثہ کو ان کا حصہ شرعی حاصل ہو جائے اور کوئی وارث محروم نہ رہے، شرعاً واجب اور ضروری ہے اور اگر ورثہ کے اپنے حق سے محروم رہنے کا ظن غالب نہ ہو تو مذکورہ طرز کا وصیت نامہ لکھنا صرف جائز ہے واجب اور ضروری نہیں ہے اور اس طرح کا وصیت نامہ لکھنا یا لکھوانا حدیث شریف "لاوصیة لوارث" کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ حدیث شریف کا مورد اور محمل صرف وہ وصیت ہے جس میں کسی وارث کو اس کے حصہ شرعی سے زائد دلوانا مقصود ہو جس کے نتیجہ میں دوسرے ورثہ کا حصہ شرعی جزوی طور سے کم ہو جائے اور جس وصیت کا مقصد شرعی ورثہ کو ان کا شرعی حصہ مکمل طور سے دلانا مقصود ہو وہ وصیت نامہ تمام ورثہ کو شرعی سہام کے پہنچانے میں معاون اور مددگار ثابت ہوگا جو مزاج شریعت اور مقصد شریعت کے عین مطابق ہے، یہ وصیت نامہ حدیث شریف کے مفہوم کے معارض اور متضاد نہیں ہے، "ویحرم من الوصیة ما فیه مضار للورثة او قصدالاضرار بهم" (تفسیر مظہری ۲/۲۴۵)۔

بلاد غیر میں اسلامی قانون میراث کو نافذ کرانے کی شکلیں:

جن ممالک میں حکومت اور اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے، ایسے ممالک میں مسلمانوں پر لازم اور ضروری ہے کہ پر امن طریقہ سے جمہوری انداز میں ارباب حکومت سے مطالبہ کریں کہ مسلمانوں کے درمیان اسلام کے قانون میراث کو نافذ اور جاری کرنے کا قانون بنایا جائے تاکہ ترکہ کی تقسیم شرعی ورثہ کے درمیان سہولت اور آسانی سے ہو سکے۔

مسلم اور غیر مسلم کے درمیان توارث کا مسئلہ:

زمانہ ماضی کی طرح دور حاضر میں بھی بالاتفاق مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان توارث شرعاً جائز نہیں ہے، نہ مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ دار کے انتقال پر اس کے مال کا وارث قرار دیا جائے گا اور نہ ہی مسلمان شخص کے انتقال پر اس کا غیر مسلم قرابت دار وارث ہوگا، کیونکہ موانع ارث میں سے اختلاف دینین بھی ہے، البتہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے دور میں کافر کے انتقال کے بعد اس کے ترکہ سے اس کے قریبی مسلمان شخص کو تالیف قلب کے لئے مال دے دیا جاتا تھا، لیکن جب عام لوگ اس کو از قبیل توریث قرار دینے لگے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو ختم کر دیا، خلاصہ کلام یہ ہے کہ صرف تالیف قلب کے لئے مسلمانوں کو کافر کے ترکہ سے مال دینا درست ہے، اسی طرح اگر کافر کو بھی تالیف قلب اور اس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام قبول کرنے کی توقع کرتے ہوئے تمام ورثہ کی رضامندی سے مسلمان کے ترکہ کا کچھ مال دے دیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن اس کو توارث شرعی کے قبیل سے شمار کرنا درست نہیں ہوگا، کیونکہ مسلمان کا وارث وہ شخص ہوتا ہے جس کو مسلمان پر ولایت حاصل ہو اور کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ غیر مسلم کو مسلمان کا اور مسلمان کو غیر مسلم کا وارث قرار دینے میں نص صریح اور اجماع فقہاء کی مخالفت لازم آئے گی، لہذا مسلمان اور غیر مسلم باہمی طور سے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے اور رہا یہ مسئلہ کہ بعض غیر مسلم ممالک میں قانونی طور سے غیر مسلم کو مسلمان کا اور مسلمان کو غیر مسلم کا وارث قرار دیا جاتا ہے اور ہر ایک کو دوسرے کے ترکہ سے میراث دلوائی جاتی ہے، اگر کوئی مسلمان اس قانون سے مستفید نہ ہونا چاہے تو اس کا حصہ دوسرے غیر مسلم ورثہ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تو ایسے ممالک میں وہاں کے رہنے والے مسلمانوں کو اس طرح کے ظالمانہ غیر شرعی قانون کو ختم کرنے اور کالعدم قرار دینے کا پرامن اور جمہوری طریقہ سے مطالبہ کرنا چاہئے، لیکن اس کے باوجود اگر مسلمان شخص کو غیر مسلم قریبی رشتہ دار کی میراث قبول کرنے پر حکومت قانونی اعتبار سے مجبور کرے تو مسلمان کو وہ میراث کا مال قبول کر لینا چاہئے، کیونکہ مسلمان کے قبول نہ کرنے کی صورت میں ممکن ہے کہ وہ مال مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جائے، اس کی نظیر سرکاری بینک کا سود ہے کہ اس کو اگر مسلمان بینک میں چھوڑ دے گا تو ممکن ہے اس کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا، اس لئے اس کو بینک سے نکال کر بلا نیت ثواب فقراء پر خرچ کر دیا جائے۔

اولاد کے حصص مقرر کر کے اس کے نفاذ کی وصیت کرنا:

اگر مورث کو اس بات کا اندیشہ اور خوف ہو کہ اس کے مرنے کے بعد اولاد کے درمیان تقسیم ترکہ میں اختلاف کا امکان ہے تو ایسی صورت میں اولاد کے حصص شرعی مقرر کر کے اگر ان کے نفاذ کی وصیت کرتا ہے تو اس طرح وصیت کرنا بھی درست ہے، اور شرعاً یہ وصیت معتبر ہوگی، کیونکہ اس وصیت میں ورثہ کو ضرر پہنچانا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ وصیت درحقیقت اسلام کے قانون میراث پر عمل کرنے کی ہی ایک مفید اور کامیاب کوشش ہے "**ويحرم من الوصية ما فيه مضار للورثة أو قصد الاضرار بهم**" (مظہری ۲/۳۴۵)۔

وارث کے حق میں دیگر ورثہ کی رضامندی سے وصیت کا حکم:

اگر مورث کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت کرے اور دوسرے ورثہ اس وصیت کی تنفیذ کی اجازت نہ دیں اور اس پر راضی ہوں تو شرعاً یہ وصیت معتبر اور قابل تنفیذ ہوگی مگر مورث کی زندگی کی ورثہ کی رضامندی معتبر نہ ہوگی، بلکہ مورث کے انتقال کے بعد کی رضامندی کا اعتبار ہوگا، لہذا مورث کے انتقال کے بعد زندگی کے زمانہ کی ورثہ کی رضامندی کی وجہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے یہ وصیت نافذ نہ ہوگی، کیونکہ مورث کے انتقال سے پہلے وہ ورثہ شرعی ورثہ نہیں ہیں "ولان الامتناع لحقهم فتجوز باجازتهم" (ہدایہ ۴/۶۴۱)۔

"ولا لوارثه–الاباجازة ورثته" (الدرالمختار علی ردالمحتار ۱۶/۷)۔

بیوی کے لئے وصیت کا حکم:

اگر مورث کا بیوی کے علاوہ دوسرا کوئی وارث موجود نہ ہو تو بیوی کے لئے وصیت شرعا درست اور صحیح ہے، "حتى لو أوصى لزوجته أوهي له ولم يكن ثمة وارث اخر تصح الوصية" (الدرالمختار علی ردالمحتار ۷/۳۴۷)۔

ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کا حکم:

اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں وارث یا غیر وارث کے لئے ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کردے تو یہ وصیت ورثہ کی اجازت سے معتبر اور قابل تنفیذ ہوگی، مگر مورث کی زندگی کے وقت تمام ورثہ کی اجازت اور رضامندی معتبر نہ ہوگی، لہذا محض زندگی کے وقت کی رضامندی سے وہ وصیت معتبر نہ ہوگی، البتہ اگر یہ رضامندی مورث کی موت کے بعد بھی برقرار رہتی ہے اور تمام ورثہ بالغ اور اجازت کے اہل ہوں تو رضامندی اور وصیت دونوں معتبر ہوگی، کیونکہ مورث کی موت سے پہلے ورثہ مال متروکہ کے مالک نہیں تھے، بلکہ مورث کی موت کے بعد مالک ہوئے ہیں۔

"رجل أوصى بجميع ماله للفقراء أو لرجل بعينه لا تجوز ذلك إلا من الثلث فإن أجازه الورثة في حياة المورث لا يعتبر اجازتهم وكان لهم الرجوع، وان أجازوابعد موته صحت الاجازة" (تاتارخانیہ ۱۹/۳۸۱)۔

☆☆☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چوتھا باب

اختتامی امور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مناقشہ :

میراث ووصیت

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حضرات! ابھی آپ حضرات نے بڑے اہم سوالات اور اس پر مقالہ نگاروں کی آراء اور عارضین کی ترجیحات کو سنا ہے، ان مسائل کی اہمیت یہ ہے کہ یہ کثیر الوقوع مسائل ہیں، اور ہمارے معاشرہ میں دن رات اس طرح کے مسائل پیش آتے رہتے ہیں، جن لوگوں کا افتاء وقضاء سے تعلق ہو، میں سمجھتا ہوں کہ ان کو اس کا خوب تجربہ ہوتا ہے، تو یہ بڑا اہم مسئلہ ہے اور بڑے فاضلانہ عرض آپ لوگوں نے سنے، اس سے پہلے کے مناقشہ شروع ہو ایک دو باتیں بطور تمہید کے ذہن میں آتی ہیں اور وہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں، ان میں ایک بات یہ ہے کہ ہمیں ان مسائل پر اصول ومقاصد کی روشنی میں بھی غور کرنا چاہئے، شریعت میں جتنے احکام ہیں ان میں اشکال کو بھی اہمیت دی گئی ہے اور مقاصد کو بھی اہمیت دی گئی ہے۔عبادات میں شکل کی اہمیت زیادہ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''صلوا کما رأیتمونی أصلی''، حج کے بارے میں فرمایا: ''خذوا عنی مناسککم''، آپ ﷺ نے اس کی جو شکل متعین فرمادی وہ شکل قیامت تک پتھر کی لکیر ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، لیکن عبادات کے علاوہ جو احکام ہیں ان میں کچھ تعبدی بھی ہیں اور کچھ مفہوم المعنی بھی ہیں، اور معلول من العلۃ بھی ہیں، جیسے جتنے شرعی مقادیر ہیں وہ تعبدی ہیں، ان میں اجتہاد اور قیاس کو دخل نہیں ہے، جیسے یہی حصہ میراث متعین کیا گیا ہے ان میں قیاس کی وجہ سے کمی بیشی نہیں کی جاسکتی، لیکن مثلاً میراث اور وصیت کا جو قانون ہے اس قانون کے تمام مسائل تعبدی نہیں ہیں، بہت سے مسائل ہیں جو علت پر اور مصلحت پر مبنی ہیں اور ہم اور آپ سب اس سے واقف ہیں کتابوں میں اس کی مثالیں موجود ہیں، ہمارے یہاں ایک اہم اصل ''فقہی استحسان'' ہے، آپ سب جانتے ہیں کہ استحسان اسی کا نام ہے کہ کسی حکم کی جو علت ہو علت معروفہ، علت مستنبطہ، اگر کہیں اس سے بڑی مصلحت اس سے مزاحم ہوجائے تو استثنائی طور پر کہیں کہیں علت پر اس کو ترجیح دی جاتی ہے جن کو آپ استحسان بالمصلحہ، استحسان بالضرورہ اور استحسان بالقیاس الفقہی کہتے ہیں تو ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اس وقت جو مسائل ہمارے سامنے ہیں کیا اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں کہیں استحسان کا بھی دخل ہوسکتا ہے؟

اسی طرح ہم سب جانتے ہیں کہ ایک اہم ماخذ حکم کا ''ذریعہ'' بھی ہے اور علماء نے ''ذریعہ'' کی دو قسمیں کی ہیں، فتح ذریعہ اور سد ذریعہ بھی۔

شریعت کے کسی مطلوب حکم تک پہنچنے کے لئے جس عمل سے گزرنا ہو، اس کو انجام دینا ہو وہ فتح ذریعہ ہے، جیسے اللہ تعالی نے فرمایا: ''إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله''، تو سعی الی ذکر اللہ فی نفسہ واجب نہیں ہے، لیکن ذکر اللہ میں شرکت کے لئے سعی واجب ہے، یہ فتح ذریعہ ہے، تو اگر کوئی چیز واجب ہو اس کو حاصل کرنے کے لئے کوئی عمل کرنا پڑے اس ذریعہ کا کیا حکم ہوگا، کتاب میں ہم پڑھتے ہیں کہ جو حکم مفضی الیہ کا ہے وہ مفضی کا بھی ہے، مالکیہ نے تو ذریعہ کو ایک مستقل اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے، لیکن اس کی بعض شکلوں کے بارے میں اختلاف ہے، فی الجملہ ذریعہ کے معتبر ہونے اور بہت سے احکام شرعیہ میں اس کے موثر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرا پہلو سد ذریعہ ہے، سد ذریعہ کی چار قسمیں مالکیہ کے یہاں ہیں، ایک میں اختلاف ہے ایک معتبر نہیں ہے، دو پر سب کا اتفاق ہے، ہمیں اس بحث میں نہیں جانا ہے، اس سے فی الجملہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ احکام شرعیہ میں ذریعہ بھی موثر ہوتا ہے، شریعت کے کسی امر مطلوب کو انجام دینے کا جو ذریعہ ہوتا ہے اس میں اختیار کرنا ہے اور شریعت میں امر ممنوع کے لئے جو چیز ذریعہ بنتی ہو چاہے وہ فی نفسہ مباح ہو، لیکن اس کا سد کرنا اس کی راہ کو مسدود کرنا ضروری ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں جو مسائل زیر بحث آئے ہیں ان میں بعض مسائل کا تعلق اصول فقہ کی اسی اصل سے ہے۔

تیسری ایک بات میرے دل میں آتی ہے یہ کوئی رائے نہیں ہے، لیکن اپنی اصلاح کے لئے آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ یہ جو توریث کا مسئلہ ہے، ہمارے ہندوستان میں یا مسلم اقلیتی ممالک میں مسلمان کے غیر مسلم کا وارث ہونے کا مسئلہ، جتنے مقالہ نگار حضرات ہیں انہوں نے جمہور کی رائے اور اس کے مقابل میں ایک دوسری رائے جو حضرات صحابہ کے دور سے آرہی ہے، لیکن بہر حال وہ رائے شاذ ہے، ان دونوں پر اپنی رائے کی بنیاد رکھی ہے، اور جن لوگوں نے اس شاذ رائے کو ترجیح دی ہے وہ مصلحت کی تائید کی وجہ سے، ایک پہلو ایسا ذہن میں آتا ہے کہ غیر مسلم کا جو مال مسلمان کو حاصل ہو اس کی دو شکلیں فقہاء نے ذکر کی ہیں، ایک وہ صورت ہے جس میں حرب کے ذریعہ دوسرے کا مال حاصل کیا جاتا ہے وہ مال غنیمت ہے اور دوسری صورت جو ہے وہ صلح کے ذریعہ، امن کے ماحول میں مال حاصل کیا جائے وہ فئی ہے تو جب ہمارے ملک کا قانون ایک مسلمان کو اس کے غیر مسلم باپ سے میراث دلاتی ہے، ہمارے ملک کا قانون ہے تو کیا ہم اس کو فیئ پر محمول نہیں کر سکتے؟ یہ سوال میرے ذہن میں آیا، اس لئے میں نے سوچا کہ آپ حضرات کے سامنے پیش کردوں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوچنے کی ایک جہت یہ بھی ہوسکتی ہے۔ اب ہم اس کے بعد اس موضوع پر مناقشہ کا سلسلہ شروع کرتے ہیں، مولانا منصف صاحب بدایونی جامع مسجد امروہہ، جہاں ہمارا پچھلا سمینار ہوا تھا اور امروہہ والوں نے واقعی ضیافت کا حق ادا کیا تھا، ان کا نام پیش کرتا ہوں۔

مولانا منصف صاحب بدایونی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، پہلے سوال سے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اس طرح کی وصیت کے وجوب کا جو قول ہے وہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے، اس لئے کہ ان کے جو دلائل ہیں ان میں اکثر دلائل اس بات پر مبنی ہیں کہ حق والوں کو ان کا حق دیا جانا چاہئے، ظاہر بات ہے کہ مرنے والا اس کے ذمہ میں یہ حق ہے ہی نہیں بلکہ مرنے کے بعد جو اولیاء باقی ہوتے ہیں،'' یوصیکم اللہ فی اولادکم'' (سورۂ نساء:۱۱) میں جو اولیاء ہیں جو مرنے کے بعد باقی رہ جاتے ہیں، اسی طرح یہاں ایک عبارت پیش کی گئی ہے:''واجبة بالوالدين والأقربين غير الوارثين''، جب وہ غیر وارث ہے تو اس کے حق میں وصیت کردینا یہ جائز ہے، ایک صریح عبارت ہے:''قال بعضهم: كان عليه حج أو زكاة أو كفارة أو غير ذلك من الواجبات، فالوصية بذلك واجبة، وإن لم يكن فهي غير واجبة وجائزة''، یہ ''بدائع الصنائع'' کی عبارت ہے جو بالکل صریح ہے اس میں، اور دوسری چیز اسی سے متعلق ہے کہ کوئی مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں، اس میں ایک نظیر پیش کی گئی تھی سود کی تو اس میں واضح ہونا چاہئے کہ سود بطور حق نہیں لیا جاتا ہے، اس کو لے کر غرباء میں بغیر نیت ثواب کے تقسیم کرنا ہوتا ہے تو یہاں پر جو مقیس ہے وہ یہ ہے کہ وہ بطور حق کے لینا چاہتا ہے یہ قیاس مع الفارق ہے، حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے جو مروی ہے اس کی بہترین تاویل ''اعلاء السنن'' میں موجود ہے کہ ان حضرات نے غیر مسلم کی وراثت مسلمان کو نہیں دی، بلکہ اصل حکم یہ ہے کہ وہ بیت المال میں جمع ہونا چاہئے، لیکن بیت المال میں جمع نہ کر کے ان کو دیا گیا ہے تالیف قلب کے طور پر، تالیف قلب کے طور پر دینا یہ امیر کا کام ہے نہ کہ خود اس کا، ایک تیسری بات جو مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے فرمائی اس سے میں اتفاق رکھتا ہوں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

حضرت امیر معاویہؓ کے عمل کو آپ نے تالیف قلب پر محمول کیا، ہم لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دور ہی میں تالیف قلب کا عمل منسوخ ہوگیا، تو اس کے بعد اس عمل کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے؟

مفتی ابصار احمد صاحب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ ابھی ہمارے سامنے عرض مسئلہ پیش کیا گیا اور عارض نے بہت ہی عدل سے کام لیتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئے، خاص طور پر میں کہوں کہ سوال نمبر ۵ جو بہت اہم ہے کہ "هل يرث المسلم كافراً أم لا"کیا کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث ہوگا تو سوالنامہ میں جو سوال اٹھایا گیا ہے خاص طور پر مسلم ممالک میں اس پر انہوں نے بہت ہی عدل سے کام لیتے ہوئے ترجیح دی ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا۔ ابھی یہاں پر ایک بات آئی کہ بہت سے مسائل معلول بالعلۃ ہیں، ظاہر ہے ہم غور کریں گے تو ارث کے مسئلہ میں تو ہمیں بہت سی علتیں سمجھ میں آئیں گی، پہلی بات یہ ہے کہ وراثت میں علت کیا ہے، کس بنا پر وراثت جاری ہوتی ہے، اس کی علت ولایت ہے، نصرت ومدد ہے یا تعاون ہے، ظاہر ہے اگر ہم آیت وراثت کو دیکھیں اور وراثت سے متعلق جو سورہ انفال کی آیت نمبر ۷۳ ہے: "والذين كفروا بعضهم أولياء بعض" اس میں غالباً حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت وراثت سے تعلق رکھتی ہے اور اس میں کافر ایک دوسرے کے وارث ہوں گے ولی ہوں گے نہ کہ مسلمان، دوسری بات نصرت ومدد ہمیں کافروں سے نہیں ملتی، ایک جو دلیل بنائی گئی ہے حضرت معاذ اور امیر معاویہ کے عمل کو، یا حدیث کو کہہ لیجئے "الإيمان يزيد ولاينقص"، الاسلام يمان يعلو ولا يعلى عليه"، اس پر غور کریں، میں اس پر غور کی دعوت دیتا ہوں کہ اس میں حضرت امیر معاویہؓ نے بحیثیت امیر المومنین کے یہ فیصلہ صادر کیا تھا، اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے بحیثیت قاضی کے یہ فیصلہ صادر کیا تھا، گویا کہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دونوں معاملے اسلامی اسٹیٹ میں پیش آئے تھے، ایک نے بحیثیت قاضی کے اور دوسرے نے بحیثیت امیر المومنین کے فیصلہ سنایا تھا معاملہ اسلامی اسٹیٹ کا تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ غیر اسلامی ممالک میں کیا مسلمان غیر مسلم کے وارث ہوں گے دعوتی پہلو کے پیش نظر خاص طور سے غور کی بات ہے، وہاں فیصلہ سنایا گیا تھا اسلامی مملکت میں اور یہاں بات غیر اسلامی ممالک کی ہے، ظاہر ہے اگر ہم فرض کر لیں کہ اگر اس زمانہ میں یہ مسئلہ بالکل اس کے برعکس آتا کہ کافر دعوی کرتا حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس یا امیر معاویہؓ کے پاس کہ ہم مسلمان کے وارث ہوں کیا یہ سوچا جاسکتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ یا امیر معاویہؓ کافر کو مسلم کا وارث قرار دیتے؟ ناممکن سی بات ہے، تصور سے بالاتر ہے، ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ کافر کو مسلمان کا وارث قرار دیتے، اچھا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا یہ بات اسلامی مملکت کی تھی، آج ہم سوچیں اسلامی ممالک میں اگر ہم کسی مسلمان کو غیر مسلم رشتہ دار کا وارث قرار دینے لگے تو اس کا مفسدہ، اس کا ضرر اور اس کا نقصان یہ ہے کہ ہم کافر کو بھی مسلمان کا وارث قرار دینے سے نہیں روک سکتے، کیونکہ یہ قانون ہے جب قانون اس کو دلواتا ہے تو گویا کہ ہم "تعاون علی الاثم والعدوان" کے شکار ہوں گے، "الكافر يرث المسلم"، یعنی کافر بھی مسلمان کا وارث ہوجائے یا وارث ہوگا اس کا یہ نقصان اور ضرر ہوگا، جہاں تک مصلحت کی بات ہے، حضور علیہ السلام نے ۲۳ سال کے عرصہ میں "لعلك باخع نفسك ألا يكونوا مومنين" (سورۂ شعراء:۳)، قرآن کی آیت ہے، ایک ڈیڑھ لاکھ لوگوں نے تقریباً اسلام قبول کیا، حجۃ الوداع میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوالا کھ کا مجمع تھا، حضور ﷺ سے زیادہ تڑپ کسی کے دل میں نہیں تھی، حالانکہ اس زمانہ میں موت زیادہ واقع ہوا کرتی تھی، فطری بھی اور جنگ میں بھی لیکن کوئی ایک ایسا واقعہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے مسلم کو کافر کا وارث قرار دیا ہو، چنانچہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ علت کی بنا پر یا حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے عمل سے یا جن لوگوں نے قیاس کیا ہے "ننکح نسائهم ولا ینکحون نسائنا" یہ بھی قیاس فاسد ہے، اور دیگر دلائل آچکے ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جزاکم اللہ، ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ ہمارے قابل احترام دوست مولانا نورالحق رحمانی صاحب نے عرض مسئلہ پہلے سے نہیں بھیجا تھا، اسی لئے اس کی کمپوز کاپی لوگوں کو فراہم نہیں کی جاسکی، اس کے کافی برکات ظاہر ہوئے ہیں، اسی لئے مناقشین کی بہت بڑی تعداد ہمارے پاس موجود ہے، درخواست ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنی بات کو چند جملوں میں مکمل فرمانے کی کوشش کریں اور جو باتیں پہلے آچکی ہوں لوگوں کے مقالات میں یا عرض مسئلہ میں ان کے اعادہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، ہمارے بزرگ اور صدر عالی قدر حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم نے یہ تحریر بھیجی ہے استفسار کے لئے کہ وصیت کرنے سے سرکاری قانون کی رو سے اس پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے، اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ ہندوستان میں چونکہ پرسنل لا نافذ ہے مسلم پرسنل لا اور ابھی تک قانون وصیت اور قانون میراث کو عدالت نے چھیڑا نہیں ہے، تو اگر وصیت وارث کے حق میں کی جائے یا ثلث سے زیادہ کی جائے تو وہ قانون کے اعتبار سے بھی اس وصیت کا اعتبار نہیں ہوگا، البتہ جو مغربی ممالک ہیں جہاں قانون میراث موجود نہیں ہے وہاں میرے علم کے مطابق وہاں وصیت کا اعتبار ہوتا ہے اگر وصیت کی جائے تو قانونی طور پر اس کو قبول کیا جاتا ہے، اور اسی پس منظر میں یہ سوالنامہ بھیجا گیا تھا، یعنی ورثہ کے لئے وصیت والا۔ مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی بڑودوی صاحب جو سمینار کے قدیم شرکاء میں ہیں اور ہمارے بزرگوں میں ہیں ان سے درخواست ہے۔

مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی بڑودوی:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میرا عرض یہ ہے کہ جو حضرات وجوب وصیت کے قائل ہیں تو اس پر اشکال یہ ہے کہ ترک واجب قابل مواخذہ ہے، ہندوستان بھی غیر اسلامی ملک ہے تو کیا ہندوستان کے جو باشندگان ہیں اور خصوصاً علماء کرام اور مفتیان عظام اس وصیت کے عمل پر عامل ہیں اور اگر وجوب وصیت کے قائل ہیں تو کیا وہ اس وصیت پر عمل کرتے ہیں اگر عمل نہیں کرتے تو وہ قابل مواخذہ ہیں، اس لئے یہ وجوب وصیت والا قول سمجھ سے بالاتر ہے، اور وصیت جو ہے مباح اور جائز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونی چاہئے، اس کو واجب قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

یہ جو سوال ہے وصیت کے وجوب وعدم وجوب کا یہ اصل میں ان ممالک کے پس منظر میں ہے جہاں وصیت کو قانوناً معتبر مانا جاتا ہے اور اسلام کا قانون میراث نافذ نہیں ہے، مگر تنفیذ قانون میراث شرعی کے لئے اگر وصیت کی جائے تو اس کا حکم کیا ہوگا یہ صورت زیر بحث ہے اور اگر آپ یہ فیصلہ سنادیں گے کہ وصیت کرنا واجب ہے تو انشاء اللہ لوگ وصیت کریں گے اور اس کے گناہ سے باہر آئیں گے انشاء اللہ۔

ایک آواز:

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا ملک اسلامی اس معنی میں نہیں ہے کہ پرسنل لا کے تمام قانون اسلامی طریقے پر نافذ ہیں یہاں، اس لئے یہ حکم اس پر نہیں آتا۔

مولانا محمد رمضان علی فرقانی:

جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے یا جہاں پر جاری ہے دونوں ممالک میں جو تجویز آنے والی ہے اس میں اس بات کا ذکر ہونا چاہئے کہ اولاً وہاں کے جو لوگ ہیں ان کو میراث سے متعلق جانکاری دی جائے کہ کس کا کتنا حق بنتا ہے اور پھر جس کا جتنا حق بنتا ہے اس کو اتنا ہی دیں کسی کی حق تلفی نہ کریں اور حق تلفی کرنے کی وجہ سے قرآن وحدیث میں جو وعید ہے جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے: "فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی أنفسھم حرجاً مما قضیت" (سورۂ نساء: ۶۵)، پھر ان کو یہ بتایا جائے کہ یہ جو حصص ہیں وہی شرعی قانون ہے، اسی کے مطابق آپ لوگوں کو بٹوارہ کرنا ہے، اگر آپ لوگ حق تلفی کریں گے تو اللہ تعالی کے یہاں پکڑے جائیں گے، اگر اس سے متعلق بتایا جائے تو ہوسکتا ہے کہ عدالت میں جانے کی ضرورت نہ پڑے، تو اپنے ہی درمیان اپنے حصص کو شرعی طور پر بٹوارہ کرلیں اور اگر کسی انسان کو یہ خطرہ ہو کہ میرے مرنے کے بعد یہ لوگ حصص کو شرعی طور پر تقسیم نہیں کریں گے تو پھر اس صورت میں اس کو چاہئے کہ وہ ہبہ کردے، اپنی زندگی میں اپنی مرضی کے مطابق، تاکہ کوئی نزاع ہی پیدا نہ ہو کوئی جھگڑا ہی پیدا نہ ہو۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

انشاء اللہ آپ کی تجویز پیش نظر رکھی جائے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مفتی سعید الرحمٰن فاروقی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، دراصل وصیت سے ہی متعلق دو تین باتیں اگر ہمارے رفقاء پیش نظر رکھیں تو شاید زیادہ مفید ہو، ایک بات تو مسٹر دھیان کا فیصلہ جو شاید مولانا خالد صاحب کے علم میں ہوگا کہ ایک مرنے والے نے ایک بیوی، ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی، اور دھیان میاں نے تینوں کو برابر حصہ دینے کے لئے پوری طاقت لگادی اور فیصلہ بھی کردیا، اس کے بعد بڑی کوششوں کے بعد چونکہ مرنے والے نے یہ وصیت کی تھی کہ میری میراث شریعت کے مطابق تقسیم ہو، اس لئے وہاں حقوق بڑی کوشش اور جدوجہد کے بعد دلائے جاسکے تھے، اس لئے اگر حق ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو یہ مسئلہ ہے، دو باتیں اور میں عرض کرتا ہوں ایک تو یہ کہ کچھ علاقے ہمارے پورے ملک میں ایسے ہیں جہاں لڑکیوں کے حقوق نہیں دیئے جاتے، آخر ان کو حق دینے کی کیا صورت ہوگی؟ دوسری ایک بات جو شاید آپ کے علم میں نہیں ہوگی کہ ممبئی میں میرے علم میں ایک کیس ہے جس میں پانچ بھائیوں کو بہنوں نے گھر سے باہر نکال دیا اور میراث پر بہنوں نے یعنی لڑکیوں نے قبضہ کرلیا اور لڑکے بے دخل ہیں وہاں خطرہ ہے کہ لڑکے میراث سے محروم ہوجائیں اور ان کی بہنیں شوہروں کے ساتھ میراث پر قابض ہوجائیں، اگر اس کا بندوبست اور تحفظ کرنے کی ضرورت والد محسوس کرے پہلے سے ہی یہ خوف ہو کہ مثلاً لڑکیوں کا حق ضائع ہوگا یا لڑکوں کا حق ضائع ہوگا تو اس کے تحفظ کی صورت کیا ہوسکتی ہے، جتنا بہتر سے بہتر اور جتنی موثر صورت ہو شرعی اعتبار سے اسے اختیار بھی کرنا چاہئے، اس لئے وصیت کے مسئلے کو بالکل مطلق جائز کہہ دینا اور ہر حال میں واجب کہہ دینا شاید ان دونوں سے بہتر یہ ہے کہ حالات کے اعتبار سے حکم ہوگا، جزاکم اللہ۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جزاکم اللہ، ممبئی میں بے چارے لڑکوں کو نکال دیا گیا اور آپ لوگ ماشاء اللہ وہاں موجود تھے آپ لوگوں نے وہاں اپنے ہم جنسوں کی مدد نہیں کی، اصل میں مسئلہ یہ جو سوال ہے ایسی جگہ سے متعلق ہے جہاں شریعت کا قانون میراث جاری نہ ہو کہ کیا وہاں وصیت کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے قانون میراث کے نفاذ کے لئے، ہندوستان جیسے ممالک کے لئے اس کے وجوب کا مسئلہ نہیں ہے، معتبر ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ ہے سوال میں، بہرحال آپ نے جو باتیں فرمائیں بڑی اہم ہیں دھیان صاحب کی ایک کوشش کی طرف بھی آپ نے دھیان دلایا ہم لوگ آپ کے شکرگزار ہیں۔

مولانا عبدالباسط قاسمی ممبئی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ایک سوال تو وصیت سے متعلق ہے کہ زندگی میں اگر وصیت ورثاء کے لئے واجب قرار دی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائے تو وصیت نامہ لکھنے کے بعد اور مورث کے انتقال سے پہلے کسی وارث کے حق میں مانع ارث پایا جائے تو اس صورت میں کیسے اس پر عمل کیا جائے گا اور تنفیذ شریعت جو قانون ارث کی تنفیذ شریعت کے لئے وصیت لکھی جارہی ہے، اگر کسی وارث کے حق میں مانع ارث پایا گیا، مثلاً کسی کا انتقال ہوگیا یا کافر ہوگیا تو کس طریقہ سے اس قانون ارث کو جاری کیا جائے گا؟، دوسرا سوال یہ ہے کہ ہبہ سے متعلق کہ زندگی میں حصص شرعی کے مطابق اگر ہبہ کیا جاتا ہے تو عدل بین الاولاد کا حکم جو واجب ہے اس پر کیسے عمل ہوگا؟، تیسری بات غیر مسلم کی میراث سے متعلق ہے، ہندوستان کی کسی اونچی ذات کا ہندو اگر مسلمان ہوجائے تو وہ وارث نہیں ہوگا اپنے مورث کا، نچلی ذات کا اگر ہے تو وہ وارث بن سکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی مسلمان کافر ہوگا تو وہ اپنے مسلم مورث کا وارث بنے گا، گویا کہ اسی طریقہ سے یہودیوں کے یہاں بھی یہی قانون ہے، اس لئے جو مصالح کے اعتبار سے استحسانا مسلمان کافر کا وارث قرار دیا جائے اس رائے کو دعوتی نقطہ نظر سے غیر مسلم ممالک کے لئے اور مخصوص حالات وواقعات مخصوص شرائط کے ساتھ نافذ ہونا چاہئے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جہاں تک پہلا سوال ہے آپ کا تو شرعاً بھی موصی اپنی وصیت کو منسوخ کرسکتا ہے اور قانوناً بھی وصیت واپس لی جاسکتی ہے، اور دوسرا سوال تو یہاں اس وقت زیر بحث ہی ہے، اور جو تیسرا سوال ہے آپ کا وہ بھی زیر بحث ہے اس کے بارے میں آپ حضرات کو فیصلہ کرنا ہے، انشاء اللہ جو آپ فیصلہ کریں گے اس کے مطابق تجویز مرتب ہوگی۔

مولانا عثمان گورینی:

مجھے عارض صاحب سے کچھ عرض کرنا تھا توریث مسلم عن الکافر والے مسئلے میں، انہوں نے عرض پیش کرنے میں ذرا اختصار سے کام لیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے مقالے میں تیسرا پہلو جو مولانا خالد صاحب رحمانی صاحب نے ذکر کیا ہے اس کے بارے میں میں نے وضاحت سے لکھا ہے اس کے بارے میں کہ غیر مسلم کے مال میں مسلم کی وراثت کا جو حکم ذکر کیا گیا جس میں بعض صحابہ وتابعین کا اختلاف مذکور ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں اصولی طور پر لکھی جاتی ہیں، اصول نمبر ایک غیر مسلم ممالک میں مسلم کے اموال حقیقتاً معصوم نہیں ہوتے ہیں، لہذا اخداع، غصب کے علاوہ دوسرے طریقہ سے ان کا مال حاصل کیا جائے تو جائز ہے، اور دوسرا اصول لکھا کہ غیر مسلم ممالک کے وہ قوانین جو اصول شرعیہ کے معارض نہ ہوں ان کی حیثیت معاہدہ عملیہ کی ہوتی ہے، معاہدہ عملیہ کا حکم معاہدہ قولیہ کے مانند ہے جس طرح سے قولی معاہدہ کی پابندی وایفاء لازم ہے، اسی طرح سے معاہدہ عملیہ کی پابندی لازم وواجب ہوتی ہے، پھر اس کے بعد میں نے خلاصہ کے طور پر لکھا کہ خلاصہ یہ ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیث میں مسلم کو غیر مسلم کا جو وارث نہیں مانا گیا ہے تو اس حدیث میں وراثتاً استحقاق کی نفی کی گئی ہے، لیکن دوسرے طرق سے ان کے مال لینے کے سلسلہ میں نص ساکت ہے، لہذا وراثت کے علاوہ کسی دوسرے اسباب، مثلاً بیع، ہبہ، مصالحت، معاہدہ کے ذریعہ اس کا مال لیا جائے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں، قانون کے ذریعہ اس کا مال لینا، مصالحۃً معاہدۃً مال لینا ہے، لہذا شرعاً جائز ہے نیز مشہور تابعی قاضی شریح خود اس کے قائل تھے کہ مسلم غیر مسلم کا وارث نہیں ہوگا، لیکن حضرت امیر معاویہؓ کے حکم کے بعد وہ مسلم کو غیر مسلم کے مال میں وراثت کا فیصلہ یہ کہہ کر کرتے تھے کہ "ہذا قضاء أمیر المؤمنین"۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اگر ملکی قانون مسلم کی وراثت کا بن جائے تو پھر اس مال کے لینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، اس کو میں نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

دوسری بات مجھے یہ عرض کرنی تھی کہ وصیت لدفع النزاع بین الورثہ، اس سلسلہ میں اصولی طور پر جو بات سامنے آتی ہے کہ اگر مورث نے وصیت کی ہے تو ظاہر ہے کہ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اس کی وصیت کا شرعاً اعتبار نہیں ہے، وصیت ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے، لیکن حضرت تھانویؒ نے علامہ شامی کی عبارت ذکر کی ہے اور اس میں حضرت نے فرمایا کہ عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر مورث اپنے ترکہ میں یہ وصیت کر جاوے کہ فلاں وارث کو فلاں چیز دی جاوے اور فلاں وارث کو فلاں چیز، بشرطیکہ اندازہ سے وہ حصہ شرعی سے کم نہ ہو تو جائز ہے اور کم ہو تو ناجائز ہے بطریق مذکور تعیین کر دینا یہ تقسیم ہے اس کی ولایت مورث کو دی گئی ہے۔ حضرت نے اپنے فتاوی میں صراحت کی ہے، لیکن اس پر ذرا اصولی اشکال ہوتا ہے کہ وہ میں نے عرض کر دیا کہ وارث کے حق میں وصیت نہ حقیقتاً صحیح ہے نہ ہی صورتاً صحیح ہے نہ ہی معناً صحیح ہے، اور ان کے حصے کی چیزوں کو متعین کرنے میں صورتاً وصیت بہر حال پائی جاتی ہے، پھر یہ کیسے صحیح ہوگی ذرا اس پر اشکال ہے کہ حضرت نے یہ کہا کہ مورث کو ولایت کی وجہ سے یہ اختیار دیا گیا ہے لیکن اصولاً یہ بات ذرا معارض معلوم ہوتی ہے، یہ اشتباہ میرا باقی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

انشاء اللہ جن نقاط کی طرف مولانا عثمان صاحب نے توجہ دلائی ہے تجویز مرتب کرنے والوں کے سامنے یہ بات رہے گی، حضرت تھانویؒ کی جو بات آپ نے نقل فرمائی ہے میرا خیال ہے کہ اس میں کوئی تعارض نہیں ہے، ایک ہے مورث کا اپنی زندگی میں ورثہ کے لئے مستقبل کے حساب سے حصہ متعین کر دینا، اس کے جواز پر حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے، اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، دوسرا مسئلہ اس کی تنفیذ کا ہے تو اگر مورث کی موت کے بعد تمام ورثاء اس پر راضی ہو گئے تو نافذ ہوگا اور اگر راضی نہیں ہوئے تو نافذ نہیں ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، مجھے وصیت کے وجوب اور عدم وجوب سے متعلق ایک بات کہنی ہے اور ایک مسلمان غیر مسلم کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں اس تعلق سے ہے، پہلی بات یہ ہے کہ نفس وصیت کے وجوب اور عدم وجوب کے سلسلہ میں تو علماء کا اختلاف ہے، اس اختلاف کے ساتھ ساتھ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام داؤد ظاہری، ابوبکر جصاص اور طاؤس کی رائے یہ ہے کہ غیر وارثین کے حق میں وصیت واجب ہے تو اس اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سوالنامہ میں جو پس منظر ذکر کیا گیا ہے، اس پس منظر میں وارثین کو میراث سے محروم کردیا جاسکتا ہو یا کردیئے جانے کا اندیشہ ہو تو اس وقت بدرجہ اولی وصیت کرنا واجب ہونا چاہئے، دوسری بات یہ ہے کہ آیت وصیت کی منسوخیت کے بارے میں صحابہ کرام کے درمیان بھی اختلاف ہے، اس اختلاف کے ساتھ یہ رائے ہے کہ آیت وصیت سے آیت میراث منسوخ ہے، تو کہنا یہ ہے کہ شاید کہ قرآن کا مقصد یہ ہو کہ وصیت کرنے کے اندر بعض دفعہ زیادتی ہوجاتی ہے اور بعض کے حق میں وصیت کرتے ہیں اور بعض کے حق میں نہیں کرتے، معمولی سی بات کی وجہ سے کسی کو کسی سے تکلیف ہوجاتی تو بعض ورثاء کو لوگ محروم کردیا کرتے تھے، تو قرآن نے چاہا کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے، لہذا آیت میراث تفصیل کے ساتھ نازل ہوئی ہے، تو معلوم یہ ہوا کہ وصیت میں جو زیادتیاں ہوتی تھیں اس کو روکنے کے لئے آیت میراث نازل ہوکر کے تمام ورثاء کے جو حقوق ہونے چاہئیں وہ ملنے چاہئیں، تو اس کی روشنی میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جب ایسی بات ہے تو سوالنامہ کے پس منظر کی طرف غور کیا جائے کہ جہاں جس ملک میں جس صورت حال کے اندر اگر زیادتی کا اندیشہ ہو رہا ہے اور بعض ورثاء دوسرے کے حقوق تلف کرنے کے درپے ہوں تو وہاں پر وصیت کے ذریعہ سے میراث کی تقسیم اور اس کو یقینی بنانے کے لئے واجب ہونا چاہئے۔

دوسری بات کہ مسلمان غیر مسلم کا وارث ہوسکتا ہے کہ نہیں ہوسکتا ہے، اس کے تعلق سے مجھے بات کہنی ہے اور جیسا کہ آپ حضرات کے علم میں ہے کہ اس سلسلہ میں اختلاف عہد صحابہ سے چلا آرہا ہے تو غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ احکام تو دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک عام حالات کے احکام کچھ اور ہوتے ہیں اور خاص حالات میں بعض احکام کچھ اور ہوتے ہیں تو ہمیں غور کرتے وقت گڈمڈ کا شکار نہیں ہونا چاہئے اور جو سوالنامہ ہمارے سامنے ہے وہ کسی خاص حالت کے پس منظر میں تیار کیا گیا ہے، اس پس منظر میں غور کیا جانا چاہئے اور غور کئے جانے کی صورت کے اندر دیکھا جائے تو باتیں بہت سی ہیں، لیکن ایک بات یہ ہے کہ اگر مسلمان کا حصہ کافر کے متروکہ مال میں ہے اور قانون کے اعتبار سے اس کو دلایا جاسکتا ہے اور دیا جاتا بھی ہے اور اگر نہ لیں تو ان کے حصے کو کافر ورثاء کے درمیان تقسیم کردیا جاتا ہے تو چھوڑ دینے کے اندر ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ ایک طرح گناہ وکفر وشرک پر تعاون کرنا لازم آئے گا، اس پہلو سے بھی اس پر غور کرنا چاہئے، دوسری بات یہ ہے کہ ٹھیک ہے اگر اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح سے عمل کیا جائے اوراس رو سے اگر دیکھا جائے جہاں یہ بات کہی گئی کہ پھر کافر بھی اپنے حصہ کا مطالبہ کریں گے اور پھر یہ مسئلہ آگے بڑھے گا، وہی بات ہے کہ عام حالات اور خاص حالات میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے یہ اشکال پیدا ہو رہا ہے، ورنہ اشکال پیدا نہیں ہوگا غور کریں گے تو انشاء اللہ اشکال پیدا نہیں ہوگا۔

مفتی جمیل احمد نذیری:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، میں یہاں پر سوالنامہ میں جو سوال نمبر ۸ اور ۵ ہے، اس کے تعلق سے کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، پہلے نمبر ۸ سے متعلق پھر ۵ سے متعلق، نمبر ۸ میں سوالنامہ میں لکھا ہوا ہے کہ جو لوگ لاولد ہوتے ہیں ان کو فطری طور پر اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی بیوہ کا حق محفوظ رہے اور وہ بے سہارا نہ ہو جائے، ایسی صورت میں کسی دوسرے وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں کیا وہ وصیت کر جائے تو وصیت کا اعتبار ہوگا؟، یہ جو سوال ہے اس میں دو صورتیں بنتی ہیں اور ان دونوں صورتوں کی سوال کے اندر تفصیل نہیں ہے، پہلی صورت یہ بنتی ہے کہ دوسرا وارث کوئی ہے ہی نہیں عصبہ بھی نہیں ایسی صورت میں یہ مسئلہ کوئی دشوار نہیں ہے، اس لئے دشوار نہیں ہے کہ تنہا بیوی وارث ہے تو ایک تو ترکہ جو اس کو ملنا ہے وہ ملے گا اور بچا ہوا بھی اسی کو ملے گا، موجودہ زمانہ میں ''من یرد علیہ'' میں زوجین داخل ہیں، سراجی کے حاشیہ پر یہ بات لکھی ہے، وہاں دیکھ لی جائے، اس لئے کوئی مسئلہ نہیں، اور اچھا اگر کوئی وارث ہے دور کا یا نزدیک کا عصبہ ہے کوئی اور یہ خطرہ ہے کہ وہ لوگ بیوی کو محروم کر دیں گے اور کچھ نہیں دیں گے تو ایسی صورت میں اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ کچھ تو ہبہ کر دے اپنی زندگی میں اور کچھ کو چھوڑ دے، چھوڑا اس لئے دے، تاکہ تمام ورثاء کو محروم کرنا لازم نہ آئے، کچھ تو بیوی کو دیدے تاکہ وہ خطرہ ٹل جائے اور اور کچھ چھوڑ دے، تاکہ بیوی کو اس طرح دونوں طرح سے مل جائے کچھ تو ہبہ سے مل جائے گا اور کچھ میراث سے بھی مل جائے گا۔

اور نمبر ۵ کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ اگر کسی غیر مسلم ملک میں یہ قانون ہے کہ مسلم وارث کو غیر مسلم مورث کا ترکہ دلایا جاتا ہے تو ہدایہ میں باب الربو میں ایک عبارت ہے کہ دارالحرب میں جو مسلمان اور کافر کے درمیان معاملہ ہے، اس سے متعلق ہے، اس میں جو عبارت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم لے سکتے ہیں اس کے لئے کوشش بھی کر سکتے ہیں، کیونکہ اس میں کوئی غرر نہیں جھوٹ نہیں بے ایمانی نہیں کوئی دھوکہ نہیں کر رہے ہیں وہ عبارت یہ ہے: **''لأنه مالهم مباح في دارهم فبأي طريق أخذه مسلم أخذ مالاً مباحاً إذا لم يكن فيه غصب''** (ہدایہ ۸۶/۳ باب الربوا) یہ بھی تو غیر مسلم ملک ہی کی بات ہو رہی ہے وہ بھی دارالحرب ہے یہ بھی غیر مسلم ملک ہے، معاملہ ایک ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

مولانا نے یہاں جن نکات کی وضاحت کی ہے میں سمجھتا ہوں کہ تجاویز جو حضرات مرتب کریں گے وہ اس کو پیش نظر رکھیں گے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا، مولانا نے ہبہ کا مسئلہ حل کرنے کی بڑی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے۔

مفتی جنید بن محمد پالنپوری:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ والصلاۃ لنبیہ، جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہوتا وہاں پر اکثر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شرعی حصص کے مطابق وصیت نامہ تحریر کر دیا جائے بالکل مناسب ہے، ذہن میں بات یہ آرہی تھی کہ اس وصیت نامہ میں تحریر حصص شرعیہ کی تعیین و تفصیل کسی موقر دار الافتاء سے کرانے کی شق ضرور ڈالی جائے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حصص کی تحریر میں کچھ چوک ہوگئی ہو یا یہ کہ مورث سے پہلے کسی وارث کا انتقال ہوگیا ہو یا وصیت کرنے کے بعد کسی وارث کے لئے مانع ارث پیدا ہوگیا ہو اور اس کے بعد مورث کو وصیت نامہ میں تبدیل کا یا تنسیخ کا موقع ہی نہ ملے، اس لئے یہ شق ضرور ڈالی جائے کہ شرعی حصص کی تائید کسی معتمد دار الافتاء سے کرائی جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جزاکم اللہ، انشاء اللہ تجویز میں یہ بات سامنے رہے گی، میں مولانا جمیل صاحب سے بھی عرض کرتا ہوں، آپ سے بھی اور بھی جو حضرات ہیں جنھوں نے اس طرح کی بات کہی ہے اگر آپ لوگ تحریری طور پر یہاں دیدیں تو اس کو جو تجویز کمیٹی ہوگی اس وقت اس کے حوالہ کر دیا جائے گا، تاکہ ان کے سامنے رہے۔

مفتی شاہد علی قاسمی (المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، میراث سے متعلق سوال نمبر ۵ سب سے زیادہ اہم ہے کہ دعوتی و دینی پہلو سے مسلمان کا اپنے غیر مسلم رشتہ داروں سے فائدہ اٹھانا، اس طرح سے فائدہ اٹھانے کی ممانعت کی دلیل بخاری و مسلم کی روایت ہے: "لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم"، اس حدیث کی یہ توجیہ کی جائے کہ جس طرح کافر مسلمان مورث کی جائیداد سے اسلامی قانون میں فائدہ اٹھانے کا جواز نہیں رکھتا ہے، اسی طرح مسلمان بھی کافر مورث سے فائدہ اٹھانے کا شرعی قانون میں حق نہیں رکھتا ہے، لیکن اگر ملکی قانون میں گنجائش فراہم کی گئی ہو تو وہ شرعاً تو مستحق نہیں ہے، لیکن ملکی قانون میں اس کو کچھ حق مل رہا ہو تو اس کو حرام بھی نہیں کہا جائے گا اور فائدہ اٹھانا جائز ہوگا، جیسا کہ حنفیہ کا اصول ہے کہ نصوص میں مفہوم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخالف کا اعتبار نہیں ہے، اگر فائدہ اٹھانا حرام ہوتا تو حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ اس کے خلاف فیصلہ نہ فرماتے، اس لئے جس ملک میں کافر کو مسلمان کا وارث بنایا جاتا ہے، وہاں مسلمان کے لئے بھی کافر کے مال سے فائدہ اٹھانا درست ہونا چاہئے۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، میں یہاں یہ محسوس کرتا ہوں کہ کئی چیزیں آپس میں خلط ملط ہورہی ہیں، قانون اسلام اپنی جگہ ہے، اور جو فقہی اصطلاحات ہیں وہ اپنی جگہ ہیں، مثال کے طور پر مال کافر میں کسی مسلمان کا وارث ہونا اس کا تعلق مسئلہ وراثت سے بالکل نہیں ہے مسئلہ قرابت سے ہے، اس لئے جس کسی صحابی نے کسی مسلمان کو غیر مسلم کے مال کا وارث قرار دیا ہے دراصل وہ شرعی قانون کی وراثت نہیں ہے، بلکہ وہ حق قرابت ہے، بلاشبہ حق قرابت کا اصول کسی غیر مسلم سے کسی بھی قانون شرعی کے مخالف نہیں ہے، یہ صرف حق قرابت کا مسئلہ ہے، نہ کہ حق میراث کا، اسی طرح زندگی میں مال کی تقسیم پر اتنی بحثیں ہوئی ہیں اور حضرت تھانویؒ کے بھی قول کا حوالہ دیا گیا ہے کہ اگر وراثت کے حصص کے مطابق کوئی وصیت کرتا ہے تو واجب ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور سب اس پر راضی ہوں بالکل صحیح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس شخص نے وصیت کی ہے حصص شرعیہ کے مطابق تو دراصل اس کے مرجانے کے بعد اس کا حق سوخت ہو چکا ہے اب وہ خود مالک نہیں ہے، بلکہ قانون وراثت جو خدا کا بیان کردہ ہے اب صرف وہ نافذ ہورہا ہے چونکہ اس میں حصص میراث قانون شریعت کے مطابق جاری ہوئے ہیں، اس لئے وارث کو اس کے مطابق راضی ہونا واجب ہے، جب قانون میراث کا مسئلہ پیدا ہوگیا اور اس نے جو وصیت کی تھی اس کے مرنے کے بعد اب وہ کچھ نہیں رہا، رہی بات دوسری کہ وصیت کرنا یا وصیت کے مطابق تقسیم کرنا دونوں چیزیں اس کے اپنے حق سے باہر ہیں مرنے والے کو نہ ہی اپنی زندگی میں وراثت کے حصص تقسیم کرنے کا حق ہے اور نہ ہی وراثت کے قانون کو نافذ کرنے کا حق ہے، یہ صرف مسئلہ ہبہ کا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہاں وصیت سے یا قانون میراث سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، ہبہ سے تعلق ہے اور ہبہ کے بارے میں یہ غلط فہمی دور ہوجانی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے بخاری شریف میں ہے: "أكل ولدك نحلت مثل هذا"، یہ بالکل واجب نہیں ہے کہ اولاد کے درمیان حقوق کو بالکل برابر تقسیم کیا جائے بالکل نہیں ہے، علامہ عینی نے "عمدۃ القاری" میں کئی حدیث کی کتابوں سے مستقل طور پر روایتیں نقل کی ہیں اور اس میں بتایا ہے کہ ترجیحی بنیاد پر اولاد کے لئے کوئی باپ یا کوئی مورث کسی کو مال کا جتنا حصہ ادا کرنا چاہے وہ ادا کرسکتا ہے۔ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت موجود ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کو خصوصی طور پر کچھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حصے عطا کئے تھے، اس لئے یہ غلط فہمی بالکل نہیں ہونی چاہئے کہ باپ کو یا کسی مورث کو اپنی اولاد کے درمیان مساوات پر قائم کرنا واجب ہے یہ بالکل نہیں ہے، یہ اس وقت ہے جب ترجیحی وجہ موجود نہ ہو، لیکن اگر ترجیح کی وجہ موجود ہے تو کم وبیش سب کچھ دے سکتا ہے۔

بہرحال میں یہ سمجھتا ہوں کہ زندگی میں مال کی تقسیم کا مسئلہ اس کا تعلق نہ وصیت سے ہے اور نہ میراث سے ہے اس کا تعلق صرف ہبہ سے ہے اور ہبہ کے مسئلہ کے ذیل میں یہ سوال خود آ بھی چکا ہے اور ان کی تفصیلات پھر آئیں گی انشاء اللہ۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

مولانا نے بعض اہم نکات کی طرف توجہ دلائی ہے اور قرابت و وراثت میں فرق کیا ہے، لیکن اصل میں سمجھتا ہوں کہ شریعت نے خود وراثت کی بنیاد قرابت پر ہی رکھی ہے اور اسی لئے قریب ترین رشتہ دار کی موجودگی میں جو دور کا رشتہ دار ہوتا ہے وہ محروم ہوجاتا ہے، بہرحال انشاء اللہ مولانا کی وضاحتوں کو پیش نظر رکھا جائے گا، گزارش یہ ہے کہ اب مزید پرچیاں آپ حضرات اس سیشن کے لئے مت بھیجئے، کیونکہ بہت زیادہ نام آچکے ہیں۔

مولانا عبدالرزاق صاحب امروہہ:

ایک بات تو مجھے وہی عرض کرنی تھی جو مولانا عثمان صاحب کہہ چکے ہیں، اس لئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، البتہ مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے میراث کے تعلق سے جو رائے دی کہ اگر کسی کافر کا مال ہو تو اس کو مال فیئ پر محمول کرلیا جائے تو گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں جو حدیث ہے: "**لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم**" تو اس کے تحت علامہ کاسانی نے "بدائع الصنائع" کے اندر ایک استثناء کیا ہے اور اس نص میں تخصیص کی ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی شخص مرتد ہوجائے تو مرتد کے مال کو اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا، اب یہاں اس نظیر پر قیاس کیا جاسکتا ہے میرے خیال میں اور اس رائے کی تائید ہوتی ہے، لیکن اس پر ملکی سطح پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے ہندوستان جیسی جگہ میں اگر مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا جائے گا اور اس کا مال دیا جائے گا تو ملکی قانون یہ ہے کہ اگر مسلمان کا مال ہو اور اس کا وارث کافر ہوتا ہو تو پھر وہ بھی دینا پڑے گا، اس صورت پر اشکال ہوتا ہے غور کرلیا جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

مجھے قانونی حیثیت کا اندازہ نہیں ہے کہ خدانخواستہ کسی کا بیٹا مرتد ہوگیا تو قانون اس کو میراث دلاتا ہے یا مسلم پرسنل لا کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے تو انشاء اللہ کچھ قانون داں حضرات سے اس سلسلہ میں مشورہ کرنا چاہئے ہم لوگوں کو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک آواز:

ایک بات بار بار سامنے آ رہی ہے کہ اگر کسی مسلم کو اس کے کافر مورث کا وارث بنایا جائے تو یہ ہو سکتا ہے کہ کافر کو بھی مسلمان کا وارث بنایا جانے لگے قانون کی رو سے، یہ جو سوال قائم کیا گیا ہے اس کا پس منظر کیا ہے، اس کا پس منظر حالات ہے، حالات یہ ہیں کہ جو غیر مسلم اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ بے یار و مددگار ہو کر داخل ہوتا ہے، عام طور پر حالات یہ ہیں اور انہیں حالات نے یہ سوال بنانے پر مجبور کیا ہے لیکن ایک الٹا پہلو سامنے آ رہا ہے کہ اس نو مسلم کا وارث کافر کو بنایا جائے گا یا تو نو مسلم اسلام لاتے وقت دولت اپنے ساتھ میں لا رہا ہے، اگر دولت ساتھ میں لا رہا ہے تو بحث ہی نہیں ہے، تو یہ سوال بار بار اٹھ رہا ہے کہ کیا غیر مسلم کو بھی مسلمان کا وارث بنایا جائے گا اس پر غور کیا جائے۔

مفتی نذیر احمد کشمیری:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، مسلمان غیر مسلم کا وارث بن سکے گا یا نہیں یہ حسن اتفاق ہے کہ میرے سامنے اسی طرح کے دو مسئلے آئے، اور میں نے ان سے عرض کیا کہ فقہ اکیڈمی میں اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ ہوگا تب میں جواب عرض کروں گا، شاید اگر وہ دونوں واقعے سامنے رہیں تو معاملہ کو سمجھنے میں اور آسانی ہو سکے ایک صاحب جو ہمارے جاننے والوں میں ہیں وہ کسی انگریز ملک میں اس وقت بھی ہیں انہوں نے فون پر بتایا کہ نکاح ایک عیسائی لڑکی کے ساتھ ہوا اور وہ مسلمان ہو گئی اور مجھ سے زیادہ دیندار ہو گئی وہ اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی ہے اور اس کا باپ کروڑ پتی ہے اس کا باپ جب وفات پائے گا تو یہاں کے قانون کے مطابق باپ کی ساری وراثت میری بیوی کو ملے گی، لیکن بیوی کا یہ کہنا ہے کہ اگر اسلام مجھے نہیں دیگا تو میں وراثت لینے کے لئے تیار نہیں ہوں، اس کا باپ کاغذ لکھ کر دینے کو تیار ہے، لیکن بیٹی یہ کہتی ہے کہ اسلام نے اگر اس کو ناجائز قرار دیا ہوگا تو میں لینے کے لئے تیار نہیں ہوں، شوہر نے بیوی سے کہا کہ فی الحال ہم وراثت لے لیں گے اور بعد میں اگر اسلام نے ناجائز قرار دیا تو دیکھا جائے گا، بیوی یہ کہتی ہے کہ ہم وراثت نہیں لیں گے اگر اسلام نے اس کو ناجائز قرار دیا ہوگا، تو میں نے جواب میں ان سے کہا کہ فقہ اکیڈمی میں فیصلہ ہوگا، تو جو فیصلہ ہوگا وہ آپ تک پہنچایا جائے گا، شوہر ہمارے جاننے والوں میں ہیں ہمارے ہی علاقے کے ہیں، ابھی پرتگال میں ہیں۔

دوسرا مسئلہ بھی اسی نوعیت کا ہے وہ بھی انگریز ملک کا ہی ہے، ایک مسلمان ملک کی مسلمان لڑکی ایک یورپین ملک میں تعلیم حاصل کرنے گئی وہاں تعلیم کے درمیان کسی غیر مسلم نوجوان سے اس کے تعلقات قائم ہو گئے بعد میں اس نوجوان نے اسلام قبول کر لیا نکاح ہو گیا لڑکی کے والدین رضامند نہیں تھے، لیکن نکاح ہو گیا اولادیں بھی ہو گئیں، اب یہ نو مسلم شخص جو شوہر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اس کے والد والدہ کا انتقال ہونے والا ہے اس کے بقول اس کی والدہ ایک ڈانسر تھی بہت دولت کمائی ہے، اس کی والدہ کی وفات ہوجائے گی تو اس کی دولت اس کے لڑکے کو ملے گی، اس بیٹے کو کسی نے کہا کہ اسلام تم کو یہ وراثت نہیں دے گا تو لڑکا اب اس پر تیار ہوگیا ہے کہ اگر اسلام مجھے وراثت نہیں دے گا تو میں اسلام چھوڑ دوں گا، بیوی یہ پوچھتی ہے کہ اگر شوہر نے اسلام چھوڑ دیا تو میں کہاں جاؤں گی، کیونکہ میرے والدین نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور میرے بچے ہیں میں کہاں جاؤں گی، تو شوہر نے کہا کہ مجھ سے کسی نے کہا ہے کہ جب تمہاری ماں مرجائے گی تو کافر بن جانا اور وراثت لے لینا پھر اسلام قبول کرلینا، بہر حال ان کو بھی میں نے یہ کہا کہ فقہ اکیڈمی میں فیصلہ ہونے والا ہے جو فیصلہ ہوگا وہ سامنے آئے گا۔

دوسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ جن نصوص میں مسلمان غیر مسلم کا وارث نہیں ہوگا ان نصوص میں وارد دو مفاہیم میں سے کوئی ایک مفہوم طے ہوجانا چاہئے، یعنی مسلمان غیر مسلم کا وارث نہیں ہوگا، یعنی کہ غیر مسلم کا مال کسی مسلمان کو بطور وراثت کے ملے تو کیا یہ حرام ہوگا؟ کیا مسلمان کو غیر مسلم کے مال سے وراثت لینے کا حق نہیں ہوگا؟ میرا خیال ہے کہ حرام نہیں ہوگا، دو میں سے جو مفہوم طے ہوجائے گا اس سے مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ جزاکم اللہ۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

یہ دوسرا جو سوال آپ نے اٹھایا ہے وہ لکھ کر یہاں دیدیجئے تاکہ تجویز کمیٹی کے سامنے رہے، بہت ہی اہم بات ہے، اور آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ آپ کے اس سیمینار کے فیصلوں کی کتنی اہمیت ہوگی، یعنی یہ فقہ تقدیری نہیں ہے، بلکہ پہلے سے نوازل موجود ہیں، اور انشاء اللہ آپ لوگ جو فیصلہ فرمائیں گے اس سے لوگوں کو روشنی حاصل ہوگی۔

مولانا محمد حسن ندوی (استاذ دار العلوم ماٹلی والا بھروچ):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، مجھے سوال نمبر ۲ وصیت نامہ کے متعلق کچھ کہنا ہے مفتی راشد صاحب نے مقالہ نگاروں کی رائے لکھنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ ان آراء میں سے وجوب کی رائے واضح معلوم ہوتی ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے دو دلائل پیش کئے ایک یہ کہ وصیت، حدیث: " لا وصية لوارث " کے خلاف نہیں ہے، دوسری دلیل انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ وصیت ورثاء کے حق کی حفاظت ہے اور ورثاء کے لئے ضرر نہیں ہے، لیکن ایک پہلو کے اعتبار سے غور کیا جائے تو اس صورت میں ورثاء کے لئے ضرر ہی ضرر ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی والد وصیت نامہ لکھیں گے یا لکھائیں گے تو اس وصیت نامہ میں موجودہ اولاد کے نام لکھیں گے اور وہ اولاد اپنے والد کے مرنے کے بعد وصیت نامہ کے مطابق مستحق ہوگی، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وصیت نامہ لکھنے کے بعد جو اولاد پیدا ہوگی ان کا نام وصیت نامہ میں نہیں آیا تو ان کا کیا حال ہوگا، وہ ترکہ سے محروم ہوجائیں گے، اس لئے اس پہلو پر غور کیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

اس بات کو بھی پیش نظر رکھئے کہ کیا موصی اپنی وصیت میں قبل الموت تبدیلی لاسکتا ہے، یا نہیں لاسکتا ہے؟ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے یہ تحریر آئی ہے کہ مسائل کے حل کرنے کے لئے وراثت کے لفظ کو استعمال کرنا صحیح ہے یا نہیں اس پر وضاحت مطلوب ہے، شاید حضرت والا کا تاثر یہ ہے کہ میراث شریعت کی ایک خاص اصطلاح ہے اور مقادیر شرعیہ میں سے ہے کہ شریعت نے اس کو پوری طرح متعین کر دیا ہے اور وہ ناقابل تبدیل ہے تو جو متبادل صورتیں پیش کی جارہی ہیں کیا ان کو میراث کے لفظ سے تعبیر کرنا مناسب ہے یا اس کے لئے کوئی اور تعبیر اختیار کرنی چاہئے، شاید حضرت کا یہی مقصد ہو۔

مولانا ریاست علی صاحب (جامع مسجد امروہہ):

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے فرمایا کہ یہ میری رائے نہیں ہے، بلکہ ایک بات الگ سے ہے اس پر غور کرلیا جائے کہ یہ مسئلہ مال فیئ کا ہوسکتا ہے، میری جو رائے ہے وہ یہ ہے کہ مال فی کی جو تعریف ہے وہ اس پر صادق نہیں آرہی ہے اس لئے کہ مال فیئ میں مجاہدین اسلام دوسرے ملک کو جاتے ہیں وہاں مخالفین ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور صلح ہوجاتی ہے اور اس سے جو مال حاصل ہوتا ہے اس کو مال فیئ کہا جاتا ہے، یہاں پر صورت حال بالکل برعکس ہے، یہاں پر حکومت نے ایک غیر شرعی قانون جو ہمارے اوپر مسلط کیا ہے کہ غیر مسلم کے مال میں مسلمان وارث ہوسکتا ہے اس غیر شرعی قانون سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ہے جو مال فیئ کے زمرہ میں نہیں آتی ہے، اس کا نقصان یہ ہوگا کہ ایک تو نومسلم ہوتا ہے ایک نسلی مسلمان ہے اس کی کوئی اولاد ہے یا رشتہ دار ہے جو مرتد ہوگئی اور مرتد کے احکامات ہمارے ملک ہندوستان میں یہ ہے کہ وہ غیر مسلم ہوکر رہے گا عدالت میں اپنا بیان درج کرادے گا کہ میں فلاں مذہب میں رہتا ہوں، جب وہ یہاں رہے گا تو کل کو اس کے مسلمان مورث کا انتقال ہوگا دس بیس سال کے بعد تو وہ اپنے مال کو لینے کی کوشش کرے گا، نومسلم کے پاس مال نہیں ہوتا ہے یہ بات تو صحیح ہے، لیکن جو مسلمان نسلی ہے وہ تو اپنی جائیداد کا مالک ہوتا ہے، تو جب ہم اس کے مال کو لینا چاہیں گے کسی طرح تو وہ بھی ہمارے مال کے اندر بھی وہ وارث ہوگا، جہاں تک مرتد کے مال کی بات ہے کہ مرتد کے مال کے اندر مسلمان اولاد کا بھی حصہ رکھا گیا ہے تو اس سلسلہ میں سراجی کے اندر باب المرتد مستقل باب ہے اس کے اندر مرتد کے مال کی تین شکلیں لکھی ہیں: ایک تو مال وہ ہے جو اس نے حالت اسلام میں کمایا، اور ایک مال وہ ہے جو اس نے حالت ارتداد میں دارالحرب میں لاحق ہونے سے پہلے کمایا، اور ایک مال وہ ہے جو دارالحرب میں لاحق ہونے کے بعد کمایا، ان تینوں شکلوں کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکم الگ الگ ہے کہ جو حالت اسلام میں مال کمایا ہے وہ مسلمان کا ہے، اور جو حالت ارتداد میں دارالحرب میں لحوق سے پہلے کمایا وہ مال فيئ ہے، اور جو مال اس نے دارالحرب میں لاحق ہونے کے بعد کمایا ہے اس کے وارث مسلمان نہیں ہوں گے، اس کے مستحق غیر مسلم ورثاء ہیں ان کو ملے گا یا ان کا جو قانون ہے ان کو ملے گا، یہ بات ذہن میں آرہی تھی۔

دوسری بات عرض مسئلہ میں غالباً تصحیح میں رہ گئی ہے اس کی طرف توجہ دلانی تھی الخیر الکثیر جس کو مولانا مفتی سعید صاحب کی تصنیف کہا گیا ہے، وہ مفتی سعید صاحب کی تصنیف نہیں ہے بلکہ مولانا مفتی امین صاحب پالنپوری کی تصنیف ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

بہر حال مولانا تو مسلمانوں کو کچھ دلانے کے لئے تیار نہیں ہیں، جہاں تک مسلمانوں کے مال میں سے غیر مسلم کو دلائے جانے کی بات ہے وہ تو ہمارے اور آپ کے اختیار میں نہیں ہے، اگر اس ملک کے قانون میں اس کی گنجائش ہے تو آپ چاہیں یا نہ چاہیں وہ ان کو دلایا جائے گا۔ مسئلہ یہ ہے جیسا کہ قرآن نے کہا: "الحرمات قصاص" (سورۂ بقرہ: ۱۹۴)، کہ اس میں برابری کا معاملہ ہوتا ہے تو جہاں مسلمان کے مال سے قانون ملکی کے تحت غیر مسلم کو مال دلایا جائے گا اس کے ترکہ میں سے میراث کا لفظ میں استعمال نہیں کرتا، تو کیا وہاں مسلمان کو بھی اس کے ترکہ میں سے استعمال کرنے کی گنجائش ہوگی؟ اور فيئ کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالکل فيئ ہے، بلکہ بحیثیت مجموعی غیر مسلموں سے یا تو جنگ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے یا صلح کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے تو جب ہم کسی ملک کے شہری بنتے ہیں تو ایک وسیع تر صلح نامہ ہے جس کا ہم ایک حصہ بنتے ہیں تو اس کے لئے ہم کو حکومت اگر گنجائش فراہم کرتی ہے تو کیا نو مسلم اس کو استعمال کر سکتا ہے؟ یہ بات میرے پیش نظر تھی، آپ نے اس کی تصحیح فرمائی، اللہ تعالی آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے۔

مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ مسئلہ جو زیر بحث ہے وراثت کا مسئلہ، یہ سب جانتے ہیں کہ قرآن حکیم کی جو آیت کریمہ ہے: "لا تدرون أيهم أقرب لكم نفعاً" (سورۂ نساء: ۱۱)، اس کے حوالے سے علماء اور فقہاء یہی فرماتے ہیں کہ یہ وراثت کی بناء اور بنیاد اور قرار ہے، دوسری طرف جو حدیث ہے: " لا يرث المسلم الكافر " اس کے معنی یہ ہوگئے کہ جو اصل اصول تھا اس مسئلہ میں قرابت اس میں استثنا کیا گیا ہے کہ دین کا لحاظ کیا جائے گا دیانت کا اگر اس میں تعارض ہے تو پھر جو بنیاد قرابت کی ہے یہ ختم ہوجائے گی اور تعلق جو 'دیانت' کا ہے وہ قرابت کی جگہ لے لیگا، مسئلہ اس میں یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے جو فیصلہ فرمایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے جو آپ نے سنا اور ذکر کیا، یہ دونوں حضرات فقیہ ہیں اور حضرات صحابہ کرام میں جن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کوفقہاء کہا گیا ہے وہ محض عام فقہاء کی طرح نہیں، بلکہ ان کا مقام مجتہد ہونا ہے وہ مجتہدانہ شان رکھتے ہیں، اس طرح ان کا فیصلہ بھی ایک درجہ میں نص بن جائے گا وہ الگ بات ہے کہ مرفوع ہے یا موقوف ہے، تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت جو صورتحال ہمارے سامنے ہے اور جس کی بنیاد پر یہ ساری بحثیں چل رہی ہیں وہ واقعات ہیں جو ہمارے سامنے آرہے ہیں ان واقعات کی وجہ سے چاہے وہ ہندوستان میں ہوں کہ انگلینڈ میں ہوں کہ یورپ میں ہوں کہ امریکہ میں ہوں، واقعات نے سوالات پیدا کئے اور ان سوالات کا حل تلاش کرنے کی ہم کوشش کررہے ہیں، اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی سبھی کے پیش نظر ہے کہ وصیت کا مسئلہ بھی اسی کے ساتھ لگا ہوا ہے اور وصیت جو ہے اس میں شریعت نے اس کی اجازت دی ہے کہ کچھ مال میں وصیت نافذ ہوسکتی ہے، ثلث مال میں وصیت کی جاسکتی ہے، ثلث سے زائد میں نہیں، ہاں اگر ورثاء راضی ہوجائیں، یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ ورثاء کی یہ رضامندی جو ہے اس کی حیثیت کیا ہے، کیا ہم اس کو ہبہ مانیں گے ان کی طرف سے یا کیا ہے؟ تو ہبہ کا مسئلہ آپ کے سامنے دوسری نشست میں آنے والا ہے وہ مسئلہ ہبہ مشاع کا بھی ہے اور مسئلہ ہبہ غیر مقبوض، قبضہ سے پہلے کسی کو ہبہ کرنے کا مسئلہ بھی ہے، اس کو بھی دیکھنا ہوگا کہ فقہاء نے جس کی اجازت دی ہے اس کی بنیاد کیا ہے اگر ہبہ ہے تو اس پر ہبہ کے احکام کا نفاذ کس طرح ہوگا؟۔

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اور ملکوں میں بھی اور یورپ میں بھی یہی ہے کہ اور شاید ہمارے امریکہ میں جو صورت ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت نہیں کرتا ہے اور انتقال ہوگیا تو بیوی تو وارث ہوگی اس کی وراثت کو تو تسلیم کیا گیا ہے، بیوی کے علاوہ کسی کو بھی وہاں کا قانون وارث تسلیم نہیں کرتا، ہاں اگر وصیت کردی ہو تو بے شک وصیت کا نفاذ ہوگا، یہ وہاں کا قانون ہے، لہذا ان ملکوں میں تو بیوی کے حق کے ضائع ہونے کا مسئلہ نہیں رہا، البتہ اولاد ہے تو ان کو وراثت میں ملے گا یا نہیں ملے گا، اگر وصیت نہیں کی تو بالکل نہیں ملے گا، بلکہ بیوی کو نصف مال دلانے کے بعد، اگر مال تھوڑا ہے تب تو مسئلہ نہیں ہے، مثلاً ایک گھر ہے تو یہ گھر بیوی کا ہوگیا، کیونکہ نصف تو پہلے بھی تھا اور شوہر کے انتقال کے بعد بقیہ نصف بھی بیوی کا ہوگیا، لیکن اگر مال کثیر ہے ملین ڈالر یا بزنس وغیرہ ہے تو پھر نصف بیوی کو مل جائے گا اور باقی گورنمنٹ لے جائے گی اگر وصیت نہیں ہے، وصیت ہے تو پھر گورنمنٹ کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں، اس لئے ہم جو وہاں مشورہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو وہ وصیت کرنے کا ہی دیتے ہیں، البتہ اس میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اور وصیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے جو چاہے وہ لکھ دے، بلکہ شریعت نے جو تجویز کیا ہے کہ فلاں کو اتنا ملے گا موت کے بعد مورث کے انتقال کے بعد جو ورثاء ہیں ان کے جو حصص تجویز کردیئے ہیں وہی حصص وہ وصیت میں لکھ دے گا، البتہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس نے پہلے وصیت کی اور چار سال، دس سال پندرہ سال تک وہ زندہ رہا، اس کے بعد انتقال جب ہوا تو ورثاء جو ہیں ان کی فہرست بدل گئی، کسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا اضافہ ہوگیا، کسی کا افاقہ ہوگیا کچھ بھی ہوسکتا ہے، اس مسئلہ کے اندر تب کیا ہوگا؟، اس لئے اس سلسلہ میں ہم لوگوں نے سوچا اور یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وصیت نامہ لکھنے میں کسی کو اس میں وکیل بنا دیا جائے مثال کے طور پر یہ لکھ دیا جائے کہ عبد اللہ سلیم وہ اس بات کا ذمہ دار ہوگا کہ اس وقت میری موت کے وقت جو صورتحال ہوگی اس کو پورا اختیار ہے کہ وہ اپنے صوابدید کے مطابق متروکہ مال کی تقسیم کردے تو یہ تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن کوئی ادارہ مثلاً ہمارا ادارہ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اگر وہ وصیت کرنے والا یہ لکھے کہ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کو میں اپنا وکیل بناتا ہوں، اس کو نہیں تسلیم کیا جاتا، فرد ہونا چاہئے ،تو اس لئے وصیت کا جہاں تک تعلق ہے اس کو ذرا دھیان میں رکھا جائے، جہاں تک غیر مسلم، یعنی مسلمان اگر ہے اس کا انتقال ہوتا ہے اس کے وارثین غیر مسلم ہیں تو جہاں تک ملنے کا تعلق ہے وراثۃً اگر نہ ملے اور یہ چاہتا ہے کہ اس کو کچھ ملے، جیسا کہ یہاں بات ہورہی ہے کہ اس سے اسلام کی طرف رغبت ہوگی یہ ہوگا وہ ہوگا تو پھر اس میں بھی یہی ہے کہ اس کو ایک طرح کا وصیت وہ کردے، وصیت کرنے میں تو کوئی حرج تو ہے نہیں، کیونکہ ثلث مال میں وصیت مسلمان کے لئے بھی ہوسکتی ہے اور غیر مسلم کے لئے بھی ہوسکتی ہے، تو اس زمرہ میں اس کو لاکر کے اس پر عمل ہوسکتا ہے، مجھے یہی عرض کرنا تھا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

حضرات! مولانا نے جو مناقشہ فرمایا اس سے مغربی ممالک کی صحیح صورتحال اور اس کے حل کا راستہ سامنے آتا ہے کہ بجائے اس کے کہ متعین افراد کے لئے وصیت ہو وکالت کے لئے وصیت ہو اور وصیت کے ذریعہ وکیل بنا دیا جائے کسی کو، تو میں سمجھتا ہوں کہ جن کسی کو بھی تجویز کا کام دیا جائے وہ اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھیں، کیونکہ اس کا تعلق وہاں کے قانون سے ہے، ہم لوگوں کے لئے بڑی سعادت اور خوش بختی کی بات ہے کہ اکیڈمی کے سرپرست، ہم سب کے مخدوم و بزرگ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اس وقت یہاں تشریف فرما ہیں اور حضرت باوجود پیرانہ سالی کے اور علالت وضعف کے تشریف لائے، یہ مولانا کی عنایت ہے کرم ہے کہ ہم چھوٹوں کی دعوت کو قبول فرماتے ہیں اور اکیڈمی کے سمینار میں اور خاص کر اس سالانہ سمینار میں حتی المقدور شرکت کی سعی کرتے ہیں، ہم سب بارگاہ الٰہی میں دعاگو ہیں کہ اللہ تعالی ملت اسلامیہ ہند پر تادیر آپ کا سایہ قائم رکھے اور عافیت کے ساتھ دیر تک ہم کو استفادہ کرنے کی توفیق بخشے۔

کچھ اور نام ہمارے سامنے ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جتنے ضروری پہلو تھے وہ سب آگئے ہیں اور جن حضرات نے پرچی بھیجی ہے اگر ان کے ذہن میں کوئی ایسی بات ہو جو ابھی تک نہیں آپائی ہو تو میری درخواست ہے کہ وہ تحریری شکل میں دیدیں، کیونکہ آپ ہی کہتے ہیں کہ تحریر زیادہ اوقع فی النفس ہوتی ہے وہ تجویز کمیٹی کے سامنے رہے گی تو وہ انشاء اللہ اچھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح سے پڑھ سکیں گے اور الفاظ تو فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں، آپ کی رائے کو کم اہمیت نہیں دی گئی ہے، درخواست ہے کہ اس کو تحریری شکل میں دیں، اس نشست کے اختتام پر ہم مولانا عتیق احمد صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اظہار خیال فرمائیں، اس سے پہلے ہمارے دوست مولانا شبیر صاحب جو مراد آباد سے تشریف لائے ہیں ان کی مراد کا برآنا ضروری ہے، اس لئے ان سے درخواست کرتا ہوں۔

مولانا شبیر احمد مراد آباد:

ایک شبہ کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں ہمارے محترم مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب نے ایک شبہ اٹھایا تھا کہ وارثین کی جو اجازت ہے اگر ہبہ ہے تو اس پر ہبہ کے احکام جاری ہوں گے، یہ ہبہ نہیں ہے، صاحب ہدایہ نے اس شبہ کو زائل کر دیا ہے یہ حق سے دستبرداری ہے جب حق سے دستبرداری ہے تو اس پر ہبہ کے احکام نافذ نہیں ہوں گے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کا فضل ہے کہ موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ مناقشہ میں ہوا، مجھے ایک دو باتیں عرض کرنی ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ جو سوالات یہاں قائم کئے جاتے ہیں اکیڈمی کی طرف سے ان میں ہندوستان کے حالات اور جزئیات کا بھی لحاظ ہوتا ہے اور عالمی حالات کا بھی لحاظ ہوتا ہے، اس لئے یہ سمجھنا کہ صرف ہندوستان کے ہی حالات ہمارے پیش نظر ہیں ایسی بات نہیں ہے، جو سوالات اٹھائے گئے ہیں اس میں امریکہ کی جو صورتحال ہے، برطانیہ کی جو صورتحال ہے ان ملکوں کے حالات بھی ہمارے سامنے ہیں، ظاہر ہے کہ جن ملکوں میں اسلام کا قانون میراث سرے سے جاری نہیں ہے اگر آپ کو وہاں اسلام کے قانون کو عملاً جاری کرنا ہے تو اس کا تنہا راستہ یہی ہوتا ہے کہ وصیت کے قانون کا سہارا لیا جائے اور مرنے والا مرنے سے پہلے وصیت نامہ لکھ جائے، ابھی امریکہ کی صورتحال آپ کے سامنے آئی اور شاید ساؤتھ افریقہ کے اندر بھی یہی صورتحال ہے، وہاں مسلم پرسنل لا کو مرتب کرنے کی کوششیں چل رہی ہیں، اللہ کرے کامیاب ہو جائیں، ابھی تک تو وہاں جو صورتحال ہے وصیت کا قانون وہاں موجود ہے، قانون وصیت کا سہارا لئے بغیر اسلام کے قانون میراث کو جاری کرنا مشکل ہے، ان ملکوں کے حالات بھی ہم لوگوں کے پیش نظر ہیں، جہاں تک ہندوستان کی بات ہے جو آپ لوگوں کے علم میں ہے کہ ۱۹۳۷ء میں جو شریعہ ایکٹ یہاں منظور ہوا تھا ہمارے بزرگوں کی کوششوں سے محنتوں سے، اور اس ملک میں گویا اسلام کے عائلی قوانین اور پرسنل لا کے تحفظ کا ذریعہ ہے اس میں کچھ چیزوں کے بارے میں یہ طے ہوا کہ اگر دونوں فریق مسلمان ہیں کسی معاملہ کے اور وہ معاملہ فلاں فلاں امور سے متعلق ہے تو جج پابند ہوگا کہ اس کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرے، اس میں وصیت کا میٹر بھی ہے، وصیت بھی اس میں شامل ہے، میراث بھی شامل ہے، لیکن میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ یہ مسئلہ کب ہے جب عدالت میں کوئی چیز پہنچے گی نزاع ہوگا، اس وقت عدالت دیکھے گی کہ دونوں مسلمان ہیں تو ان دونوں کے اوپر اسلامی قانون نافذ ہونا چاہئے، نافذ کرے گی، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ گویا کہ دو فیصد بھی واقعات ایسے نہیں ہوتے کہ کیس وہاں تک پہنچے۔

لیکن عملی صورت ہمارے معاشرے کی یہ ہے کہ اسلام کا قانون میراث ہمارے یہاں بہت کم نافذ ہے، ہم مسلمان جو خود اس کو لاگو کر سکتے ہیں نافذ کر سکتے ہیں اس میں جو زیادتیاں ہو رہی ہیں عورتوں اور لڑکیوں کو خاص طور سے محروم کیا جا رہا ہے، اس صورتحال کی طرف متوجہ کرنا اور اس جانب توجہ دلانا مسلمانوں کو بہت بڑی چیز ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اس اجلاس کے اندر بھی اور تجویز کے اندر بھی اس طرف توجہ کیا جائے کہ یہ اسلام کا بہت ہی اہم اور لازمی حکم ہے کہ مسلمان عمل کرے، پرسنل لا کے تعلق سے آپ سمجھتے ہیں کہ یہاں سب محفوظ ہے، نکاح، طلاق، میراث، ہبہ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ذرا سی ہماری خوش فہمی بھی ہے، اب جو صورتحال چل رہی ہے جو رخ ہے ہماری عدالتوں کا، ہماری عدالتوں کا رخ مسلم پرسنل لا کو سمیٹنے اور ختم کرنے کی طرف ہے، ابھی کچھ دنوں پہلے متبنی کے مسئلہ میں جو فیصلہ کیا ہے سپریم کورٹ نے گویا مسلمان بھی قانونی طور پر گود لے سکتا ہے کسی بچہ کو، اور گود لینے کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ اس کی کفالت کرے گا اس کی پرورش کرے گا، بلکہ وہ اس کا قانونی وارث ہوگا، اس کا بیٹا مانا جائے گا اس کی بیٹی مانی جائے گی تو اس سلسلہ میں سپریم کورٹ نے جو فیصلہ دیا ہے ہمارے بزرگ حضرت مولانا رابع صاحب تشریف فرما ہیں، ان کو فکر ہے ابھی صبح فرما رہے تھے کہ اس فیصلہ کا جائزہ لے کر طے کرنا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے، میٹنگ بلا کر قانون داں حضرات کی اور علماء کی کہ ہمیں کیا قدم اٹھانا ہے، صورتحال کیا ہے کہ ایک قانون یہاں اس ملک میں موجود ہے قانون بہبود اطفال، بچوں کی خیر خواہی کے نام پر ایک قانون ہے اسی میں گود لینے والا شق بھی شامل ہے، اب سوال یہ تھا کہ ایک مسلمان مرد ہے یا عورت ہے گود لینا چاہتا ہے تو کیا اس قانون کے تحت وہ گود لے سکتا ہے؟ تو جس طرح غیر مسلم کسی بچے کو گود لیتا ہے تو اس کو سارے حقوق اور ساری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں باپ کی ماں کی، تو کیا مسلمان کو بھی حق ہے؟ ایک مسلم خاتون یہ کیس لے گئیں کورٹ میں بہت ہی سماجی کارکن ہیں ان کا نام بھی بار بار آ رہا ہے اخبارات میں وہی کیس لے کر گئی تھیں، اور کورٹ نے فیصلہ کیا کہ یہ تو کامن لا ہے سب کے لئے ہے بہبود اطفال سب کے لئے ہے چاہے کوئی مسلمان ہو یا غیر مسلم اگر اس قانون کے تحت گود لیتا ہے تو اس پر پورا قانون نافذ ہوگا اور اس کو میراث وغیرہ سب کچھ حاصل ہوں گے، اب جیسے یہ بات اصولی طور پر عدلیہ طے کر دے رہی ہے کہ اگر کہیں ہمارے پرسنل لا میں اور ملکی قانون جو الگ بنایا گیا ہے چاہے بچوں کے مفاد کے لئے چاہے خواتین کے مفاد کے لئے ہو اس میں اگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو جو ملکی قانون ہے جو سب کے لئے بنا ہے وہ لاگو ہوگا اس کا اجراء ہوگا عدالتوں کا رخ یہ ہے، اس لئے ہم یہ سوچ کر نہ بیٹھیں کہ ہم بہت محفوظ ہیں اور ہمارے یہاں پرسنل لا ہے، صورتحال یہی ہے کہ اس ملک کے اندر بھی ہمیں حالات کا سامنا ہے اور ہوگا مزید، اگر ہم اپنے پرسنل لا کو شریعت کو خود سے نافذ کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں تو عدالتوں کے سہارے یہ مسئلہ حل ہونے والا نہیں ہے۔

بہرحال علماء کا مجمع ہے باخبر حضرات ہیں اس قانونی صورتحال سے آپ کو واقف ہونا چاہئے اور میں عرض کروں کہ یہ ۱۹۳۷ء کا جو قانون ہے وہ بوجھ ہے عدالتوں کے سر پر، ان کو بوجھ لگتا ہے، اس لئے جہاں بھی موقع ملتا ہے وہ ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ہم جس مسئلہ پر غور کررہے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ قانون وصیت جاری ہے قانون وراثت جاری ہے، جگہ جگہ قانون وراثت ٹوٹ رہا ہے، قانون وصیت جو آپ کا ہے وہ ٹوٹ رہا ہے، اس میں مداخلت ہورہی ہے، مسلم پرسنل لا بورڈ اس میں جو کچھ کررہا ہے انشاء اللہ اور کرے گا مزید، اس کی لڑائی ہے جدوجہد ہے، لیکن اپنے طور پر ہمیں جو تحفظات کرنے چاہئیں وہ بھی ہمیں جاننا ضروری ہے۔

دوسری بات ہمیں یہ عرض کرنی تھی کہ مسلم اور غیر مسلم کی میراث کے تعلق سے، یہ مسئلہ بہت اہم اور حساس ہے، اور سوچنے کے مختلف پہلو ہمارے سامنے آئے، مسئلہ کی اہمیت بھی ہمارے سامنے ہے، مگر یہ بات اس مسئلہ میں گویا جمہور امت اور سواد امت ان حضرات کی رائے ایک طرف ہے اور دور صحابہ سے اور ان کے بعد بھی کچھ حضرات ہیں جن کی رائے ان سے مختلف ہے جو میراث لینے کے قائل ہیں تو کوئی فیصلہ اگر ہم اس سلسلہ میں کرتے ہیں تو ہمیں اس مسئلہ کو محسوس کرنا ہوگا کہ ہمیں کرنا کیا ہے اور کس حد تک دوسرا قول جس کو شاذ قرار دیا گیا ہے کیا اس کی گنجائش ہے کہ ہم اس کو اختیار کریں؟ اور جہاں تک غیر مسلموں کے مسائل کی بات ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ آپ کا عالمی اسلام قبول کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو آزمائشوں میں ڈالتا ہے وہ ان کی آزمائشیں کم کرنے کے لئے جو ہم کرسکتے ہیں وہ کرنی چاہئے ہمیں، لیکن جہاں مسئلہ کا آتا ہے حلت وحرمت کا، جیسے مفتی نذیر صاحب نے بیان کیا کہ واقعی یہ ایک عجیب وغریب بات ہے کہ نومسلم خاتون یا نومسلم مرد کہتا ہے کہ اگر اسلام کے حوالہ سے یہ چیز ہمارے لئے جائز نہیں ہے تو ہمیں نہیں چاہئے، لاکھوں پروپرٹی ہوگی، کروڑوں ہوگی ملینس ہوگی، لیکن اگر اسلام منع کرتا ہے تو ہمارے لئے جائز نہیں ہے، اور یہ پوائنٹ بہت اہم ہے جس کو مولانا نذیر صاحب نے اٹھایا ہے، کہ بھئی کیا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ حلال نہیں ہے سرے سے وہ مال، یا یہ مطلب ہے کہ یہ حق نہیں ہے اس کا، اگر وہ اس کو مل رہا ہے قانون کی راہ سے، اس نے اس کے لئے کوئی بڑی کوشش نہیں کی تو اس کے لئے اس کا استعمال جائز ہو یا یہ کہ سرے سے حرام ہے یہ پوائنٹ بہت بنیادی ہے ہماری جو کمیٹی بنے گی وہ اس پوائنٹ کو خاص طور پر دھیان میں رکھے اور اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعلق سے تجاویز مرتب کرے، میں بہت ہی شکر گزار ہوں آپ سب حضرات کا اور ہماری خوش نصیبی ہے کہ حضرت مولانا محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے ہیں اور ہم سب کی خواہش ہے کہ حضرت کے افادات سے استفادہ کریں گے انشاء اللہ۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

حضرات! اب انشاء اللہ اس سلسلہ میں جو دوسرا موضوع ہے اس پر گفتگو ہوگی، اس میں جو سوالات آئے تھے ان میں ایک سوال یہ ہے کہ کھیت کھلیان میں لڑکیوں کو ترکہ سے متعلق کیا ہندوستانی قانون مسلم پرسنل لا کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا؟ وضاحت فرمائیں، یہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں جس میں یوپی بھی شامل ہے زرعی اراضی میں خواتین کو حصہ نہیں دیا جاتا قانون کی رو سے، لیکن قانون آپ کو مجبور نہیں کرتا ہے اگر بھائی اس بات پر آمادہ ہوں کہ شریعت کے اصول کے مطابق ہم اپنی بہن کو حصہ دیں گے تو کوئی آپ کو روک نہیں سکتا، اس میں دو جہتوں سے کوشش کرنے کی ضرورت ہے، ایک تو واقعی ہندوستان میں شریعت کے جن شعبوں سے بہت زیادہ غفلت برتی جاتی ہے اس میں ایک احکام میراث بھی ہے، اچھے خاصے دیندار لوگ بھی اس مسئلہ میں شریعت کے احکام کی رعایت نہیں کرتے تو ہم عوام میں بیداری پیدا کریں، اور دوسرا پہلو قانونی لڑائی کا ہے تو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس کے لئے کوشاں ہے اور اتر پردیش کی موجودہ حکومت نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ایسی تبدیلی لائے گی جس سے مسلمان عورتوں کو خواہ منکوحہ ہوں یا غیر منکوحہ ہوں دونوں کو زرعی اراضی سے میراث حاصل ہوگی، دعا فرمایئے کہ بورڈ کی یہ کوشش نتیجہ خیز اور ثمرآور ہو اور شریعت کا یہ قانون انشاء اللہ پوری طرح ہم پر نافذ ہو سکے۔

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

IFA PUBLICATIONS
161-F, Basement, Jogabai, Post Box No-9708
Jamia Nagar New Delhi-110025
Phone: 26981327, Email: ifapublication@gmail.com